

# حجاج بن یوسف

اسم راہی ایم اے

www.urdunovelspdf.com

www.facebook.com/urdunovel



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دریائے فرات کے متوازی ایک کاروانی شاہراہ پر دو سوار درمیانہ روی سے اپنے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک چوراہے کے قریب آ کر دونوں سوار رک گئے کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ایک ساتھ دونوں کی نگاہیں دریائے فرات پر جم گئی تھیں۔

دریائے فرات جو کوہ ارارات سے نکل کر شام سے گزرتا ہوا شمال اور مشرق کی سمت سے عراق میں داخل ہونے کے بعد سترہ سو اسی میل کا طویل سفر طے کرنے کے بعد خلیج فارس میں گرتا ہے خاموش تھا۔ دونوں کچھ دیر عجیب سے انداز میں دریا کی لہروں کی طرف دیکھتے رہے۔ دریائے فرات جو اپنے سینے میں سمیروں اور عسکریوں کے شرف، ہمدانیوں کی عظمت، آشوریوں کے جلال، اسرائیلیوں کی توقیر، جتیوں کے وقار، عیلامیوں کی برتری، ماریوں کی بڑائی، مصریوں کی بزرگی، یونانیوں کے وقار، رومنوں کی بڑائی، بابلیوں کی شان و شوکت اور عربوں کی سطوت اور جلال کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا چپ چاپ خلیج فارس کی طرف بھاگ رہا تھا۔ دریا کی موجیں دریا کے ساحل اور اس کے کنارے جو بڑے بڑے جاہلوں کے ظلم و ستم کو دیکھ چکی تھی بالکل سکوت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ دور مغرب میں سنسان اندھیروں کی زنجیریں کاٹنا زمین کی عربیائی کو جھانکتا سورج سرخ الاؤ کی صورت میں دشت عراق کی وادیوں میں غروب ہو رہا تھا دریا کے دونوں طرف پھیلے دشت کے اندر ریت کے گولے آندھیوں کے طوفانوں کا پیش خیمہ بن رہے تھے۔ مسافر ابا بلیس جو دن بھر دریائے فرات کے اوپر پرواز کرتی رہی تھیں اپنے مسکنوں کو لوٹنے لگیں تھیں۔ رزق کے تلاش میں نکلے ہوئے طیور دن بھر کی جمد و جمد کے بعد واپسی کے سفر پر رواں دواں تھے۔

دونوں سوار کچھ دیر تک اس چوراہے پر کھڑے رہے پھر ایک نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

”میرے عزیز بھائی یہ جو بائیں جانب بستی دکھائی دے رہی ہے میرا خیال ہے اس بستی کا نام کرخ ہے اور یہی ہماری منزل ہے۔ دیکھ عزیز بھائی سورج غروب ہو رہا ہے تھوڑی دیر تک مغرب کی اذانیں گونج انھیں گی۔ آؤ اس بستی کا رخ کریں بستی کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے کام کی ابتدا کریں۔“

دوسرے ساتھی نے اپنے رفیق کی اس گفتگو سے اتفاق کیا تھا۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کا رخ موڑا پھر وہ دائیں طرف جو نزدیک ہی بستی دکھائی دے رہی تھی اس کا رخ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ بستی میں داخل ہوئے تو وہاں مغرب کی اذانیں سنائی دیں اس پر ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آؤ مسجد کا رخ کریں پہلے نماز ادا کریں پھر جو کام کرنا ہے اسے کر گزریں گے۔“ دوسرے نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا پھر وہ اس سمت ہو لئے جس سمت سے مغرب کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

مسجد کے سامنے آکر دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے۔ گھوڑوں کو انہوں نے مسجد سے باہر باندھ دیا پھر مغرب کی نماز ادا کرنے کے لئے وہ مسجد میں داخل ہو گئے تھے۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد جب نمازی اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تب وہ دونوں بھی اٹھے پھر ایک شخص کے قریب آئے اور ان دو میں سے ایک نے اسے مخاطب کیا۔

”میرے عزیز اس بستی میں ہم دونوں اجنبی ہیں۔ ہمارے گھوڑے باہر بندھے ہوئے ہیں پہلے ہم اس بستی میں کبھی نہیں آئے ہم دور کی سرزمینوں کے رہنے والے نہیں ہیں نزدیک ہی سے آئے ہیں پر یہ بستی ضرور ہمارے لئے اجنبی ہے۔ ہم اس بستی کے سردار محمد بن ہارون نمری اور اس بستی کے نامور کھوجی خرم بن عمر سے ملنا چاہتے ہیں۔“

وہ شخص تیزی کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا اور باہر نکلتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”تم دونوں یہاں رکو خرم بن عمر ابھی ابھی باہر نکلا ہے۔ میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔ جہاں تک ہماری بستی کے سردار کا تعلق ہے تو وہ ابھی مسجد کے اندر ہی ہے میں واپس آ کر تم دونوں سے اس کی ملاقات کروانا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ شخص جوتے پن کر مسجد سے باہر بھاگ گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ شخص ایک نو عمر نوجوان کو اپنے ساتھ لایا دونوں جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوئے پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے وہی شخص کہنے لگا۔ ”یہ خرم بن عمر ہے جس سے تم ملنا چاہتے ہو۔ تم یہیں رکو میں بستی کے سردار کو بھی بلا لاتا ہوں۔“

وہ شخص اندر گیا تھوڑی دیر بعد درمیانی عمر کے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لایا پھر ان دونوں کے پاس آ کر کہنے لگا۔ ”یہ ہماری بستی کے سردار محمد بن ہارون نمری ہیں۔“

اس پر آنے والے ان دو میں سے ایک بول پڑا۔

”سردار ابن ہارون! میرا نام زیاد بن ایوب اور میرے ساتھی کا نام بلال بن بشر ہے۔ ہم دونوں آپ سے اور اس نو عمر کھوجی خرم بن عمر سے کچھ کنا چاہتے ہیں آپ دونوں ہمیں کچھ وقت دیں۔“

جواب میں بستی کے سردار محمد بن ہارون نے اس جوان کا شانہ تھپتھپایا پھر کہنے لگا ”تم دونوں میرے ساتھ آؤ خرم بن عمر میرے لئے میرے بیٹوں جیسا ہے۔ میرے دیوان خانے میں چلو جو کچھ کنا ہے وہیں بیٹھ کر کہو۔“

آنے والے سردار محمد بن ہارون کی اس گفتگو سے خوش ہو گئے تھے مسجد سے وہ نکلے دونوں نے اپنے گھوڑوں کی بائیں تھامیں۔ پھر وہ محمد بن ہارون اور خرم بن عمر کے ساتھ ہو لئے تھے۔

راتے میں ایک شخص نے اچانک خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ابن عمر تھوڑی دیر کے لئے میری بات سنو۔“

اس پر خرم بن عمر علیحدگی میں اس شخص کے پاس کھڑا ہوا تھوڑی دیر بعد وہ

لوٹا اور سردار محمد بن ہارون نمری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سردار! آپ دونوں مہمانوں کو لے کر دیوان خانے میں چلیں میں ایک چھوٹا سا کام نبٹا کر آتا ہوں۔“ جواب میں سردار ابن ہارون نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی اور آنے والے دونوں کو لے کر وہ چلا گیا تھا جبکہ خرم بن عمر راستے میں ملنے والے شخص کے ساتھ ہو لیا تھا۔

بستی کا سردار محمد بن ہارون اپنی حویلی میں داخل ہوا اور ان دونوں کو لے کر دیوان خانے میں آیا دونوں کو نشستوں پر بٹھایا پھر ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”قبل اس کے کہ میں تم دونوں کے کھانے کا اہتمام کروں بتاؤ تم کس غرض سے میری اور خرم بن عمر کی طرف آئے ہو“ اس پر ان دونوں میں سے ایک بول پڑا۔

اے ابن ہارون ہمیں بتایا گیا ہے کہ خرم بن عمر ایک بہترین کھوجی ہے جس کام کے لئے ہم دونوں آئے ہیں اس کا انکشاف کرنے سے پہلے آپ یہ بتائیے کہ یہ اپنے فن میں کیسا ہے۔“

اس سوال پر عمر بن ہارون کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر دیوان خانے میں اس کی آواز گونج گئی تھی۔

”آنے والو! جہاں تک کھوجی کی حیثیت سے خرم بن عمر کا تعلق ہے تو یوں جانو اس کے عقل و شعور کا اتنی بڑا وسیع ہے صحراؤں، پہاڑوں اور گھاس کے جنگل میں چلتے بگولوں کے شور سے اندازہ لگا کر وہ بتا سکتا ہے کہ طوفان کب اٹھیں گے، ندیوں کی روانی کو دیکھتے ہوئے وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آندھیوں کے جھکڑ کس سمت سے اٹھنے والے ہیں اگر کوئی اس کے تعاقب میں ہو تو زمین کے ساتھ کان لگا کر بتا سکتا ہے کہ غضب ناک اور وحشت ناک فضاؤں کے اندر تعاقب کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔ خونناک سیاہ رات میں اس پار گاتے چاند ہنستے ستاروں کی طرف دیکھ کر وہ بتا سکتا ہے کہ منزل کا اصل رخ کس طرف ہے۔ جس کی صدائیں سن کر بتا سکتا ہے کہ کارواں کا اندر کتنے نفوس ہیں۔ جہاں تک اس کی شجاعت اور اس کی تیغ زنی کا تعلق ہے تو اپنی جرات مندی کا وہ ایسا شاہکار کہ جب کسی پر حملہ آور ہوتا ہے

تو طوفانوں کی طرح گذرتا چلا جاتا ہے۔“

”اپنے گھر کا واحد فرد ہے اس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ بہن بھائی اس کا کوئی ہے ہی نہیں غریب ہے چھوٹا سا ایک ریوڑ ہے جسے دریائے فرات کے آس پاس اونچے نیچے ٹیلوں پر چرا کر اپنی گزر بسر کرتا ہے۔ میں اسے اپنا بیٹا خیال کرتا ہوں، اسے اپنے بیٹوں ہی کی طرح چاہتا ہوں، اب تم بتاؤ تمہیں اس کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔“ اس پر آنے والوں میں سے ایک بول پڑا۔

”سردار ابن ہارون ہم دونوں کوفہ کے نواح میں قبیلہ نام کی بستی کے رہنے والے ہیں۔ وہ بستی آپ نے دیکھ رکھی ہوگی اس لئے کہ وہ بستی یہاں سے قریب ہی ہے۔ ہماری بستی کا ایک شخص ہے، گذشتہ دن اس کے پانچ اونٹ اور کچھ گھوڑے چوری ہو گئے ہیں ان کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ ہم نے اونٹوں اور گھوڑوں کا کھرا محفوظ کر دیا ہے اگر آپ اس خرم بن عمر کو ہمارے ساتھ بھیجیں تو پتا چلے کہ چوری کس نے کی ہے۔ اس طرح ہم اس شخص کے اونٹ اور گھوڑے اسے واپس دلا سکتے ہیں۔“

”اس چوری کی اطلاع دینے کے لئے پہلے ہم کوفہ جا کر حجاج بن یوسف سے شکایت کرنے والے تھے لیکن کسی نے ہمیں بتایا کہ وہ بڑا سخت گیر ہے اگر ہم ثابت نہ کر سکے کہ اونٹ اور گھوڑے چوری ہوئے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ ہمارے ہی خلاف کاروائی کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ لہذا حجاج بن یوسف کی طرف جانے کے بجائے ہم آپ کی بستی کی طرف آئے ہیں تاکہ اس سلسلے میں کھوجی خرم بن عمر سے مدد حاصل کریں۔“

اس نوجوان کی اس گفتگو پر ابن ہارون نے ایک قہقہہ لگایا پھر بول اٹھا۔

”حجاج بن یوسف اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا تم خیال کر رہے ہو اگر تم دونوں اس کے پاس جاتے تو وہ یقیناً تمہارے ساتھ انصاف کرتا وہ میرے مصاحبوں میں سے ہے۔“

ابن ہارون کے خاموش ہونے پر آنے والوں میں سے ایک پھر بول پڑا۔

”ہم حجاج بن یوسف کی اصلیت نہیں جانتے جب تک آپ کی بستی کا کھوجی خرم بن عمر نہیں لوٹا کیا آپ ہمیں حجاج بن یوسف کے اب تک کے حالات نہ بتائیں



گے اس طرح وقت بھی گزر جائے گا اور ہم حجاج بن یوسف کے متعلق معلومات بھی حاصل کر لیں گے۔“

سرور محمد بن ہارون اس پر تیار ہو گیا اس نے اپنا گلا صاف کیا پھر وہ کہہ رہا تھا۔

”صاحبو حجاج بن یوسف کا تعلق قبیلہ بنو ثقیف کی شاخ احلاف سے ہے۔ یہ شخص طائف کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا جس کا ذریعہ معاش سنگ برداری اور معماری تھا اور اس کی والدہ قبیلہ بنو ثقیف سے تھیں اور صغیر بن شعبہ کی مطلقہ بیوی تھیں جسے حضرت امیر معاویہ نے کوفے کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے ابتدائی حالات مجھے اتنے معلوم نہیں تاہم جوانی کے زمانے میں وہ طائف کے ایک مدرسے میں مدرس تھا۔“

خلیفہ عبد الملک بن مروان کے ابتدائی عہد میں حجاج بن یوسف طائف سے دمشق آیا۔ اس نے خلیفہ کی نگاہوں میں کیسے عزت حاصل کی، بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ واقعہ میں تمہیں سناتا ہوں۔

”حجاج بن یوسف کے حالات بتانے سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا چلوں کہ میرے بہترین مریدوں اور بہترین چاہنے والوں میں سے ہے میری بڑی عزت کرتا ہے ملاقات پر بڑے احترام سے پیش آتا ہے۔ جن دنوں حجاج بن یوسف دمشق میں وارد ہوا ان دنوں عبد الملک کو اپنے لشکر کے نظم و ضبط کو درست کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو بہترین منظم ہو۔“

ایک دن اس نے اپنے وزیر میرروح بن زنباع سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ کوئی ایسا آدمی نہیں جو لشکر کی بد نظمی کو درست کر سکے اس پر میرروح نے کہا حال میں میرے لشکر میں عملے میں ایک سپاہی بھرتی ہوا ہے اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر بیچ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر لشکر کا نظم ضبط اس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ لشکر کے نظم ضبط کو یقیناً درست کر دے گا عبد الملک سے میرروح بن زنباع نے جس سپاہی طرف اشارہ کیا تھا وہ حجاج بن یوسف تھا۔“

”جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حجاج بن یوسف پہلے طائف میں لڑکوں

پڑھایا کرتا تھا پھر یہ پیشہ ترک کر کے سپاہی بھرتی ہو گیا اور کسی طرح وزیر کے عملے کے سپاہیوں میں پہنچ گیا۔ اپنے وزیر کی یہ بات سن کر عبد الملک نے حجاج کو بلایا اور فوج کا انتظام اس کے سپرد کیا۔“

”عبد الملک نے حجاج کو حکم دیا کہ جیسے ہی ہماری سواری روانہ ہوا کرے ہمارے ساتھ فوراً ہی تمام فوج کو کوچ کرنا چاہئے۔ حجاج نے کہا امیر المومنین حکم کی تعمیل کی جائے گی۔“

”اتفاق سے اسی دن عبد الملک کی سواری روانہ ہوئی حجاج تمام لشکر میں کتا پھرتا تھا کہ امیر المومنین کی سواری کے ساتھ ہر لشکر کی کو سوار ہونا چاہئے وہ اسی طرح گھومتے ہوئے خود وزیر کے عملے میں پہنچا تو دیکھا کہ عملے کے کچھ لشکر سوئے ہوئے ہیں کچھ کھانا پکانے میں مصروف ہیں۔“

”انہیں مخاطب کرتے ہوئے حجاج بن یوسف نے گرج دار آواز میں کہا کہ تم ابھی تک سوار نہیں ہوئے حالانکہ امیر المومنین کی سواری روانہ ہونے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ حجاج بن یوسف ان میں رہا تھا اس لئے ان لوگوں نے مذاق میں کہا کہ کیا تم نے ٹرٹلگا رکھی ہے آؤ بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔“

”ابھی یہ لوگ پوری بات کہہ بھی نہ پائے تھے کہ حجاج نے آؤ دیکھنا نہ تاؤ ہر ایک کی پیٹھ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے لوگوں میں جھگڑا مچ گئی حجاج نے اس پر بس نہیں کی بلکہ وزیر اور اس کے رفیقوں کے خیموں کو آگ لگا دی جب وزیر اپنے عملے میں واپس آیا تو رونے لگا اور عبد الملک سے جا کر حجاج کی شکایت کی عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔“

”حجاج نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا“ عبد الملک نے کہا ”تو نے لوگوں کو کوڑے نہیں مارے، کیا تو نے خیموں کو آگ نہیں لگائی۔ عبد الملک نے پوچھا کہ پھر وزیر کے آدمیوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا۔“

”حجاج بن یوسف نے برجستہ کہا امیر المومنین نے۔“

”عبد الملک نے تعجب سے کہا میں نے۔“

”حجاج کہنے لگا جی ہاں آپ“ پھر اس نے کہا اے امیر المومنین میری کیا مجال

اپنے ایک جرنیل مہلب کو ان کے خلاف لشکر کشی کا حکم دے رکھا تھا۔ لیکن خارجی مہلب کے قابو میں نہ آ رہے تھے اس لئے کہ خارجیوں کے خلاف اہل کوفہ اور اہل بصرہ ساتھ نہ دے رہے تھے۔ ان حالات پر قابو پانے کے لئے خلیفہ عبد الملک کی نگاہ ایک بار پھر حجاج بن یوسف پر پڑی اس نے اسے مکہ سے واپس بلایا عراق کا گورنر مقرر کیا اور خارجیوں کی سازشوں سے نبٹنے کا حکم دیا۔

خارجی دراصل اسلام کے قدیم ترین فرقے کے پیرو ہیں اسلام کی سیاسی تاریخ میں ان کا کردار یہ تھا کہ انہوں نے متواتر بغاوتیں کیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر پورے کے پورے صوبے عارضی طور پر ان کے قبضے میں آ گئے۔ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متعلق تجویز جنگ صغین میں پیش کی تھی اس سے خارجیوں کا ایک علیحدہ فرقہ پیدا ہوا۔

خارج نے جلد ہی تعصب اور تنگ نظری کا اظہار اپنے انتہا پسند اعلانات اور دہشت ناک افعال کی صورت میں کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت علیؑ کا دعویٰ خلافت باطل ہے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مسلک کی بھی مذمت کی اور ان کی شہادت کے انتقام سے بریت کا اظہار کیا۔ جو شخص ان کے نظریے کو تسلیم نہ کرتا اسے کافر اور دین سے خارج قرار دے کر قتل کر دیتے۔

رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی گئی بہت سے غیر عرب بھی ان میں شامل ہو گئے جب خوارج سے حضرت علیؑ کی ابتدائی گفت و شنید ناکام رہی تو مجبوراً اس بڑھتے ہوئے خطرے کو دور کرنے کے لئے کارروائی کرنی پڑی جس کے نتیجے میں جنگ نہوان لڑی گئی اور خارجیوں کو اس جنگ میں بری طرح شکست ہوئی آئندہ دو برسوں میں بھی مقامی بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت علیؑ ایک خارجی عبدالرحمان بن ملجم المرادی کے خنجر سے شہید ہوئے ابن ملجم کی سرال میں سے چونکہ بہت سے لوگ جنگ نہوان میں قتل ہو چکے تھے لہذا اس نے حضرت علیؑ سے یہ انتقام لیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خارجیوں کی سازش کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ اور مصر کے گورنر حضرت عمر بن العاص کو بیک وقت قتل کر دیا جائے حملے کے لئے ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت مقرر ہوا امیر معاویہؓ پر

تھی کہ میں ایسا کرتا لیکن یہ جو کچھ ہوا آپ کے حکم سے ہوا میرا کوڑا اب میرا کوڑا نہیں بلکہ آپ کا کوڑا ہے اس طرح میرا ہاتھ نہیں بلکہ امیر المومنین کا ہے۔“

کہتے ہیں عبد الملک بن مروان یہ باتیں سن کر فرط مسرت سے اچھل پڑا اور کہنے لگا بخدا مجھے اس قسم کے آدمی کی ضرورت تھی اس کے بعد حجاج بڑی تیزی سے ترقی کرتا چلا گیا۔

آخر کار عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو اپنے لشکروں کا سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا حجاج کی قیادت میں سب سے پہلے لشکر کشی عبد اللہ بن زبیر کے خلاف ہوئی جو خلافت کے دعویٰ دار تھے۔ حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے عبد اللہ بن زبیر کے بھائی مصعب کے خلاف فتح حاصل کی اس کے بعد وہ دو ہزار سپاہیوں کو لے کر عبد اللہ بن زبیر کے مقابلے کے لئے کوفہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

اس نے طائف پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا اور بعد میں اسے اپنے مسکن کے طور پر استعمال کیا۔ کوفہ سے روانگی کے وقت عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو حکم دیا تھا کہ سب سے پہلے وہ عبد اللہ بن زبیر سے گفت و شنید کرے لیکن اگر مخالفت جاری رہے تو محاصرہ کر کے اس کی رسد بند کر دیں لیکن مکہ جیسے مقدس شہر میں کسی بھی صورت خونریزی نہ کی جائے۔

جب گفت و شنید ناکام ہو گئی تو حجاج نے خلیفہ سے مکہ مکرمہ کو بزور شمشیر فتح کرنے کی اجازت مانگی اور کمک طلب کی۔ جب اسے ان دونوں باتوں کی اجازت مل گئی تو اس نے جبل ابو قیس پر پتھر برسائے چونکہ عبد اللہ بن زبیر نے اسے طواف اور سعی کی اجازت نہ دی اس لئے اس نے ناراض ہو کر خانہ کعبہ اور حاجیوں پر بھی پتھر برسائے سے دریغ نہ کیا چنانچہ محاصرے کے سات مہینے گزر جانے کے بعد جب ابن زبیر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب شہید ہو گئے اور مکہ پر بھی حجاج کا قبضہ ہو گیا تو عبد الملک نے اس کو حجاز یمن اور یماحہ کی گورنری عطا کر دی تھی۔

حجاج یوسف کی مزید خوش قسمتی کہ ان ہی دنوں خارجیوں نے خلیفہ عبد الملک کے خلاف بغاوت کر رکھی تھی اور اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے عبد الملک نے

تھا جب تقریر کرنے کے لئے وہ مسجد میں آیا تو اسے پتھر مارنے کے لئے لوگوں نے ہاتھوں میں کنکر پکڑ رکھے تھے۔ ان کا سر کردہ محمد بن عمیر جو پتھر مارنے میں پیش پیش ہوا کرتا تھا وہ حجاج بن یوسف پر پتھر برسانا ہی چاہتا تھا کہ حجاج بن یوسف نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور عربی کا اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

”میں وہ آفتاب ہوں جو پردہ ظلمت کو چاک کر دیتا ہے اور گھائیوں پر چڑھنے والا ہے جب میں اپنا عمامہ اتاروں گا تب تم مجھے پہچان لو گے۔“

لوگوں کو جب پتہ چلا کہ آنے والا حجاج بن یوسف ہے تو ان پر ایسی دہشت اور خوف طاری ہوا کہ ہاتھوں سے پتھر گر گئے۔ محمد بن عمیر جو پتھر برسانے والا تھا اس کے ہاتھوں سے بھی پتھر گر گئے اس کے بعد حجاج بن یوسف نے کوفہ والوں کو مخاطب کیا۔

”اہل کوفہ بخدا میں شر کو اس کے کجاوہ میں لا دیتا ہوں اور جو جیسا کرتا ہے ویسے ہی اس کا بدلا دیتا ہوں۔ میں بہت سے سروں کو دیکھ رہا ہوں جن کو توڑ دینے کا وقت آگیا ہے۔“

”اے اہل عراق جان لو کہ میں انجیر کی طرح دبایا نہیں جا سکتا۔ میرا تقرر نہایت دانائی سے کیا گیا ہے اور مجھے بڑے اہم فرائض انجام دینا ہیں امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش سے تیر نکالے اور ان سب کی لکڑیوں کو دانتوں سے کاٹا اور مجھے سب سے زیادہ مضبوط اور سخت پایا۔“

”اس لئے اس نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے کیونکہ عرصہ دراز سے دنیا فساد تمہارا شیعہ ہو گیا ہے اور بغاوت تمہارا دستور اور عمل ہے۔ میں اس طرح تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا جس طرح لکڑی سے چھال اتار دی جاتی ہے اور اس طرح تمہیں قطع کر ڈالوں گا جس طرح خشک خاردار درخت کاٹا جاتا ہے اور اس طرح تمہیں ماروں گا جس طرح اجنبی اونٹ کو پیٹا جاتا ہے۔“

”بخدا میں جو وعدہ کرتا ہوں تو اسے وفا کرتا ہوں جب میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے پورا کرتا ہوں مجھ سے ڈرو اور قتل و قتال سے بچو جس حالت

حملہ ہوا تو وہ زخمی ہو گئے۔ عمر بن العاص اس رات بیمار تھے ان کی جگہ ایک اور شخص نے امامت کروائی جبکہ حضرت علیؑ کو ان خالموں نے شہید کر ڈالا۔

امیر معاویہؓ کے بیس سالہ دور میں کوفے اور بصرے میں خارجیوں نے کئی بغاوتیں کیں لیکن امیر معاویہؓ کے حسن تدبیر اور سیاسی بصیرت کے باعث سازشیوں کو پھیلنے کا موقع نہ مل سکا لیکن وہ بھی خوارج کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خارجیوں کی ہلاکت میں اضافہ ہوتا گیا تو خوارج کے حملے اب گوریلا طرز جنگ اختیار کر گئے تھے۔

یزید اول کے مرنے کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی۔ اس کے خلفشار میں خارجی تحریک نے زور پکڑا اور ملک کی صورت حال نازک ہو گئی۔ خارجیوں کی سب سے بڑی تحریکوں میں اسلامی سلطنت کے استحکام کے لئے جو تحریک سب سے زیادہ خطرناک اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ شدید اور غیر مصالمانہ تھی وہ قاتع بن ازرق کی سرکردگی میں ابھری جس کی وجہ سے خوارج کا کچھ عرصہ کے لئے کرمان فارس اور دوسرے مشرقی صوبوں پر تسلط ہو گیا۔

اسی بغاوت کو کچلنے کے لئے عبدالملک نے اپنے جرنیل مہلب بن صفرا کو مقرر کیا لیکن جب خوارج مہلب بن ابی صفرا کے قابو میں نہ آئے تو عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو مکہ سے کوفہ طلب کر لیا تاکہ خارجیوں سے نبٹ سکے اس طرح مکہ کے بجائے حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر ہوا۔

خليفة عبدالملک بن مروان کا حکم ملتے ہی حجاج بن یوسف آتا "فانا" مکہ سے کوفہ پہنچا جس وقت وہ کوفہ میں داخل ہوا اس وقت دن اچھی طرح چڑھ آیا تھا کوفہ کے کسی شخص کو حجاج بن یوسف کے آنے کی اطلاع نہ تھی کوفہ کے لوگ اس بات کے عادی تھے کہ جب بھی کوئی نیا حکمران مقرر ہوتا اور وہ تقریر کرنے آتا تو اس پر پتھر برسائے جاتے پتھر برسانے میں ایک شخص پیش ہوتا اور اس شخص کا نام محمد بن عمیر تھا۔

کوفہ میں داخل ہوتے ہی حجاج بن یوسف نے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اس وقت حجاج بن یوسف نے اپنا چہرہ سرخ رنگ کے نقاب سے ڈھانپ رکھا

میں تم اب ہو اس سے اپنے آپ کو نکالو۔“

”یا تو تم راہ راست پر آ جاؤ ورنہ یاد رکھو کہ مہلب کی فوج سے جو لوگ بھاگ کر آئے ہیں وہ اگر آج سے تین دن کے اندر خارجوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے مہلب کے لشکر میں جا کر شامل نہ ہوئے تو میں انہیں قتل کر ڈالوں گا اور ان کی جائیداد کو ضبط کر لوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد حجاج بن یوسف ذرا کا پھر کتا چلا گیا۔

”اے اہل کوفہ اللہ تعالیٰ نے تم جیسے لوگوں کی مثال قرآن مقدس میں اس قریہ سے دی ہے جو نہایت امن و سکون میں تھا اور ہر جگہ سے نہایت اطمینان اور صبر کے ساتھ ماکولات اسے پہنچا کرتی تھی لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی پس اللہ تعالیٰ نے اس قریہ اور بستی کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ ایسا ان کے اعمال کی وجہ سے تھا۔“

”اہل کوفہ تم لوگ بھی اس بستی کے باشندوں کی طرح ہو بہتر ہے کہ تم لوگ اپنی حالت درست کر لو اور راہ راست پر آ جاؤ ورنہ یاد رکھو میں تمہیں ایسی اذیت کا مزہ چکھاؤں گا کہ تم باز آ جاؤ گے اور تمہیں خشک خاردار بول کے درخت کی طرح قطع کروں گا پھر تم مطیع اور منقاد ہو جاؤ گے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں یا تو تم میرے ہاتھوں انصاف قبول کرو فتنہ فساد اور جھوٹی افواہوں سے باز آ جاؤ ورنہ معمولی قطع و برید کیا شے ہے میں تلوار سے تمہاری ایسی قطع و برید کروں گا کہ تمہاری عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے۔ اور جب تک تم ان غیر آئینی باتوں کو ترک نہ کرو گے اور ان باتوں سے باز نہ رہو گے تمہاری بیخ کنی کرتا رہوں گا۔ تم میں سے کوئی شخص سوار نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو اگر باغیوں کو ان کی بغاوت اور سرکشی اس آگہنی اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو نہ خراج وصول ہو گا اور نہ دشمنوں سے کوئی لڑنے والا رہے گا۔“

”مجھے اس بات کی خبر پہنچی ہے کہ تم لوگ ہمارے جرنیل مہلب کے لشکر سے بھاگ کر واپس کوفہ اور بصرہ آ گئے ہو حکم عدولی کر کے اپنے شہروں میں آرام کر رہے ہو میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے تین دن بعد جس شخص کو میں یہاں

دیکھوں گا اس کی گردن کاٹ دوں گا۔“

اس تقریر کے بعد ایک شخص کو جس کا نام ابن سعید تھا حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا گیا اور حجاج سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں حجاج نے جب انکار کیا تو ہٹانے والے نے بتایا کہ یہ شخص حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے ہے۔ یہ خبر سن کر حجاج بن یوسف کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا آنکھیں آگ برسائے لگیں۔ اس نے ابن سعید کو مخاطب کیا اے دشمن کیا تو امیر المومنین کے قاتلوں میں شامل تھا جب اس شخص نے حامی بھری تب غصے میں حجاج بن یوسف نے اپنی تلوار کھینچی اور اس شخص کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

جس وقت حجاج بن یوسف اہل کوفہ سے مخاطب ہو رہا تھا تب اس کو ایک خط پیش کیا گیا جو امیر المومنین عبد الملک کی طرف سے تھا خط میں دراصل اہل کوفہ کو مخاطب کیا گیا تھا حجاج بن یوسف نے خط پڑھنے کے لئے کہا۔

پڑھنے والا پڑھنے لگا اور بول اٹھا۔

”ما بعد اسلام علیکم میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔“

پڑھنے والا یہیں تک کہہ پایا تھا کہ حجاج بن یوسف نے اسے وہیں روک دیا اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے انتہائی غصے اور غضب میں کہنا شروع کیا۔

”اے نافرمانو تم اتنے باغی اور سرکش ہو چکے ہو کہ امیر المومنین نے تمہیں سلام بھیجا ہے اور تم میں سے کسی کو یہ توفیق تک نہیں کہ تم امیر المومنین کے سلام کا جواب دو۔ یہ اخلاق اموی عورت کے لونڈوں کا ہے ٹھہرو بخدا اب میں تمہیں کچھ اور اخلاق سکھاؤں گا اور جو شخص یہ خط پڑھ رہا تھا اسے حکم دیا کہ پھر ابتداء سے پڑھے چنانچہ جب خط شروع سے پڑھا جانے لگا اور اسلام علیکم پڑھا گیا تو سارے لوگوں نے بلند آواز میں سلام کا جواب دیا۔“

حجاج بن یوسف کی تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ لوگ جو جنگ کرنے کے قابل تھے دھڑا دھڑا اپنے گھروں سے نکل کر دریائے فرات کو عبور کر کے مہلب کے لشکر میں شامل ہونے لگے لوگوں کا اس قدر جھوم تھا کہ دریا کو عبور کرنے کے لئے حجاج بن



یوسف کو ایک پل تعمیر کرانا پڑا۔

کوفہ کے بعد حجاج بن یوسف نے بصرہ میں بھی ایسی تقریر کی اور وہاں سے بھی لوگ دھڑا دھڑا درگروہ درگروہ خوارج سے جنگ کرنے کے لئے سہل کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح حجاج بن یوسف کی دلیری اور دانشمندی اور جرات مندی کی وجہ سے سہل کے لشکر میں اضافہ ہوا اور وہ خوارج کو قابو کرنے میں کامیاب ہوا۔

خلیفہ عبدالملک حجاج بن یوسف کی اس کارروائی اور کارگزاری سے ایسا خوش ہوا کہ اس نے عراق کے علاوہ خراسان اور سندھ اور ایران کا جس قدر علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اس کا اسے والی اور گورنر مقرر کر دیا۔ حجاج بن یوسف چونکہ خارجیوں کے خلاف کی کارگزاری سے بڑا خوش تھا لہذا اپنی طرف سے اس نے سہل کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ یہاں تک کہنے کے بعد سردار محمد بن ہلدون تھوڑی دیر کے لئے رکا کچھ سوچا اور پھر اس نے کتنا شروع کیا۔

”آنے والے مہینوں“ کوفہ کے لوگ چونکہ بنیادی طور پر شریک ہیں لہذا ان کے شر سے بچنے کے لئے کوفہ اور بصرہ کے درمیان حجاج بن یوسف نے ایک نیا شہر آباد کیا ہے اس شہر کا نام اس نے واسط رکھا ہے یہ شہر تعمیر ہو چکا ہے بس اس کی مسجد کی تعمیر زور شور سے جاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ چند یوم تک حجاج بن یوسف کوفہ سے نکل کر واسط میں چلا جائے گا اور اس کو اپنا صدر مقام بنائے گا۔ واسط کے اندر اس نے ایک بہترین شامی لشکر مقیم کیا ہے اس لئے کہ وہ کوفہ اور بصرہ کے لوگوں پر یقین نہیں رکھتا لہذا وہ سپاہیوں کو اپنے ساتھ رکھ رہا ہے تاکہ کہیں بغاوت اٹھ کھڑی ہو تو اسے ان کی مدد سے پکلا جاسکے۔

شروع شروع میں کوفہ روئے زمین کی ایک عجیب اور محیر العقول بہتی نظر آتی تھی۔ عبد اللہ بن صباح اور ہر ایک سازشی گروہ کو کوفہ ہی میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اہل کوفہ ہی حضرت عثمان غنیؓ کے قتل میں پیش پیش تھے۔ اہل کوفہ حضرت علیؓ کے سب سے زیادہ شیدائی اور فدائی نظر آتے تھے۔ اہل کوفہ ہی نے سب سے زیادہ حضرت علیؓ کو پریشان کیا اور وہی ان کی بہت سی ناکامیوں کا باعث بنے۔ اہل کوفہ ہی نے حضرت امام حسینؑ کو آزار پہنچایا پھر اہل کوفہ ہی خون علیؓ کا

مخالیہ اور خلافت حسینؑ کے لئے آلودہ ہوئے۔ اہل کوفہ ہی حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا باعث بنے اور انہوں نے ہی بڑی بے دردی سے کربلا کے میدان میں ان کو شہید کرایا۔

اس کے بعد اہل کوفہ ہی نے خون حسینؑ کا معاوضہ لینے پر سب سے بڑھ کر آملگی اور استواگی اختیار کی اور بھرحیت انگیز طور پر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔ اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے اہل بیت کے سب سے بڑے حامی مختار بن عبیدہ کے خلاف کوشش کی اور صعوبت بن زبیر کو کوفہ پر حملہ آور کروا کر مختار کو قتل کروا دیا۔

اس کے بعد اہل کوفہ ہی تھے جو صعوبت بن زبیر کے قتل کا باعث بنے۔ اہل کوفہ ہی نے اپنی شجاعت اور جرات کے نمونے بھی دکھائے لیکن ساتھ ہی ان کی بزدلی کے واقعات بھی ملتے ہیں کبھی انہوں نے اپنے آپ کو نہایت بے جگری کے ساتھ قتل کروایا اور کوفہ کے حاکموں کی علی الاعلان مخالفت کی۔ لیکن کبھی اس طرح مرعوب اور خوف زدہ ہوئے کہ عبید اللہ بن زیاد وغیرہ امراء کوفہ کے ہر ایک جاہلانہ حکم کی تعمیل کرتے رہے۔

اس قسم کی متضاد کیفیت کا سبب دریافت کرنے کے لئے ہم کوفہ کے باشندوں کی حالت اور حقیقت سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کوفہ ان لوگوں کی چھاؤنی بنائی گئی تھی جو ایرانی سلطنت کے مقابلے میں برسر پیکار تھے اس لشکر میں ایک حصہ ان لوگوں کا تھا جو حجاز، یمن اور حضرت وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ یہ لوگ فاروق اعظم کے اعلان عالم پر مدینہ منورہ میں آکر جمع ہوئے اور پھر ان کے حکم کے مطابق عراق کی طرف بھیج دیئے گئے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو عرب کے ان صوبوں کے باشندے تھے جو عراق کی سرحد پر واقع تھے اور مدینہ کی نسبت کوفہ یا بصرہ سے قریب تر تھے یہ لوگ صحابہ کرام کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے تھے۔

مدینہ منورہ سے کوئی خصوصی تعلق ان کو حاصل نہ ہو سکا تھا نہ انہوں نے کبھی مدینہ دیکھا تھا کچھ لوگ ایسے تھے جن کی زبان تو عربی تھی لیکن وہ محضی سلطنت کی رعایا تھے اور اب مسلمان ہو کر اور مسلمانوں کے طرز حکومت کو بہتر یا کر دل سے

میں آئیں جب چند نسلیں گزر گئیں اور زمانے کے خوارج نے اس مختلف اجزائے مجموعے کو کیمیائی امتزاج سے ایک خاص مزاج دے دیا تو پھر کوفہ کی یہ تملون مزاجی بھی آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی تھی۔“



سردار محمد بن ہارون نمری زیاد بن ایوب اور بلال بن بشر شاید گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھاتے کہ عین اسی لمحہ خیمے میں خرم بن عمر داخل ہوا ہاتھ کے اشارے سے ہارون نمری نے اسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا خرم جب وہاں بیٹھ گیا تب آنے والوں نے جو حالات کہے تھے وہ تفصیل کے ساتھ اس نے خرم بن عمر سے کہہ دیئے تھے سارے حالات سننے کے بعد خرم بن عمر کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی اس کے بعد اس نے ہارون نمری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”میرا اندازہ ہے کہ میرے آنے تک آپ نے ان دونوں کے ساتھ گفتگو تفصیل کے ساتھ گفتگو کر لی ہوگی اب آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”میرے بیٹے“ میں نے ابھی تک ان کے ساتھ کوئی فیصلہ کن گفتگو نہیں کی مجھے تمہارا انتظار تھا جو کچھ میں نے کہا ہے بس اتنی ہی ان کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے خالی وقت میں انہیں حجاج بن یوسف کے ماضی کے حالات سناتا رہا ہوں اب بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔“

خرم بن عمر نے پھر کچھ سوچا اس کے بعد اپنے سامنے بیٹھے آنے والے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

”پہلے یہ بتاؤ تمہاری بستی کے کس شخص کے جانور چوری ہوئے ہیں“ ان دونوں میں سے ایک جھٹ سے بول پڑا۔

”ہماری بستی کا ایک شخص ہے جو بڑا شریف انسان ہے نام اس کا ابو فضہ ہے۔ اس کے جانور چوری ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے جانور اسے واپس ملیں کیونکہ ان ہی سے اس کی گزر بسر ہوتی ہے ورنہ بیچارہ فاقوں مرجائے گا بکریوں کا دودھ بچ کر گزر بسر کرنے والا انسان ہے۔“

مسلمانوں کے حامی ہو گئے تھے اور مسلمانوں سے مل کر ایرانیوں سے لڑتے تھے۔ کچھ سردار تھے جو مدینہ میں رہنے والے مہاجرین اور انصار میں سے تھے جب اس لشکر کی چھاؤنی کوفہ قرار پائی اور خلیفہ وقت کا نائب اور عراق لشکر کا سپہ سالار کوفہ میں رہنے لگا تو ایرانی شہروں کے بہت سے شہریوں کو ان کی ضرورت نے کوفہ سے تعلقات قائم کرنے پر مجبور کیا اور ایرانیوں کی بھی ایک جماعت کوفہ میں رہنے لگی۔

عرب کے ریگستانوں کی زاہدانہ زندگی کے مقابلے میں نو شیروان کی کاؤس کے خسرو کے ملکوں کو فتح کرنے والے لشکروں کی فاتحانہ اور حاکنانہ زندگی جو کوفہ میں بسر ہوئی تھی یقیناً بہت خوشگوار ہوگی۔ ماں نعیمت کی فراوانی بھی ضرور محرک ہوگی لہذا اس مجموعہ تضاد لشکر کا اکثر و بیشتر حصہ کوفہ ہی میں زمین گیر ہو کر رہ گیا اور کوفہ نہ صرف ایک فوجی چھاؤنی اور عارضی قرار گاہ رہا بلکہ بہت جلد ایک عظیم الشان شہر بن گیا۔

بالآخر اس نے دارالسلطنت اور دارالخلافہ کی صورت اختیار کر لی شہر کی آبادی میں چونکہ لشکریوں کا بڑا عنصر شامل تھا اور علم و تعلیم، درس و تدریس اور تہذیب و اخلاق کے سامان بہت ہی کم تھے لہذا مجموعی طور پر شہر کا مزاج تملون اور اخلاقی حالت متغیر رہی۔ ظاہر ہے ایسی بستی میں علوم اور معقولات اور فہم و تدبیر کو تلاش نہیں کیا جاسکتا لیکن جذبات سے خوب کام لیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اہل کوہ ہمیشہ جذبات کے محکوم اور مغلوب رہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا جذبات سے مغلوب اور متاثر ہو کر ہی کیا، یہی وجہ تھی کہ جس شخص نے ان کو مشتعل کرنا چاہا مشتعل کر دیا جس شخص نے ان کو رضامند کرنا چاہا وہ رضامند ہو گئے جب ان کو ڈرایا گیا تو وہ ڈر گئے جب ان کو کسی کا مخالف بنایا گیا تو وہ فوراً مخالفت پر آمادہ ہو گئے جب ان کو بہادر بنایا گیا وہ بہادر ہو گئے جب ان کو بے وفائی پر آمادہ کیا گیا وہ بے وفا بن گئے اور جب وفاداری یا وفاداری گئی تو وہ وفاداری کی شرائط پوری کرنے لگے۔

اس دور میں کوفہ میں جذبات تھے دماغ نہ تھا۔ جوش تھا مگر عقل نہ تھی خروش تھا مگر غور و فکر نہ تھا ایسی حالت میں کوفہ سے انہی باتوں کی توقع ہو سکتی تھی جو ظہور

”مگر ایسا ہے تو میں یہ کام کروں گا پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے جانوروں کا کھرا محفوظ کیا ہوا ہے“ بڑے غور سے انہیں دیکھتے ہوئے خرم بن عمر نے ان سے پوچھا تھا تو  
 ”بالکل کھرا ہم نے ابو فضہ کے گھر کے اندر اور اس کے گھر کے باہر گلی کے  
 اندر بھی محفوظ کیا ہوا ہے اس کے علاوہ اس گھرے کو ہماری بستی کا ایک کھوٹی جو اس  
 کام میں اتنا ماہر نہیں ہے وہ دریا تک لے گیا تھا دریا کے پاس بھی ہم نے کھرا محفوظ  
 کیا ہوا ہے وہاں ہم نے کچھ حفاظت بٹھائے ہوئے ہیں اب بولیں کیا کہتے ہیں۔“

یہ ساری گفتگو سنے کے بعد خرم بن عمر اور محمد بن ہارون نمری تھوڑی دیر تک  
 آپس میں بڑی راز دارانہ گفتگو کرتے رہے اس کے بعد سردار ہارون نمری نے ان  
 دونوں کو مخاطب کیا۔

”تم آج کی رات میرے مہمان خانے میں بسر کرو کل صبح خرم بن عمر تمہارے  
 ساتھ جائے گا میری بستی کے کچھ مسلح جوان بھی ہوں گے تاکہ جانور چرانے والوں کو  
 اگر خبر ہو تو وہ خرم بن عمر پر حملہ آور نہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ خرم بن عمر تمہارا یہ  
 کام بڑی آسانی سے کر دے گا ہارون نمری کا یہ جواب سن کر آنے والے دونوں  
 نوجوان مطمئن ہو گئے تھے اس پر خرم بن عمر اٹھ کھڑا ہوا۔

”سردار اب میں جاتا ہوں کل صبح ہی صبح میں آپ کی حویلی میں پہنچ جاؤں گا  
 اور ان دونوں کے ساتھ ہو آؤں گا“ ہارون نمری نے خرم بن عمر کا ہاتھ پکڑ کر پھر  
 نشست پر بٹھا دیا اور کہنے لگا۔

”نہیں بیٹے شام کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ اس کے بعد اپنے گھر چلے جانا“ خرم  
 بن عمر مان گیا تھا ہارون نمری دیوان خانے سے نکل گیا تھا تاکہ اپنے اہل خانہ کو کھانا  
 تیار کرنے کے لئے کہے۔



اگلے روز فجر کی نماز کے فوراً بعد خرم بن عمر اپنی بستی کے کچھ مسلح جوانوں کو  
 لیکر آنے والوں کے ساتھ ہو لیا تھا سورج جب چڑھ کر تھوڑا سا اوپر آیا وہ ان دونوں  
 جوانوں کی بستی میں داخل ہوئے ابو فضہ نام کے جس شخص کے جانور چوری ہوئے  
 تھے خرم بن عمر نے جانوروں کا کھرا اس کے گھر میں دیکھا پھر گلی میں آکر اس کا جائزہ  
 لیا۔ اس کے بعد اس بستی کے کچھ لوگوں کے ساتھ وہ دریا کی طرف ہو لیا۔ گھرے کو  
 وہ بڑے غور سے دیکھتا جا رہا تھا جس جگہ دریا کے کنارے گھرے کو محفوظ کیا گیا تھا  
 وہاں بھی اس نے گھرے کا جائزہ لیا۔ پھر اس جگہ کے چاروں طرف گھومتا رہا کچھ دیر  
 تک وہ چوری ہونے والے جانوروں کے پاؤں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس  
 نے کھرا بھونڈ لیا اور دریا کے کنارے کنارے ہو لیا۔ باقی سب لوگ بھی اس کے  
 ساتھ چلنے لگے تھے یہاں تک کہ وہ چلتے چلتے وادی تیل میں داخل ہوئے اب خرم بن  
 عمر نے آگے بڑھنے کی رفتار تیز ہو گئی تھی اس لئے کہ اس نے جانوروں کے گھروں کو  
 خوب پہچان لیا تھا یہاں تک کہ وہ وادی تیل کے ایک ایسے مکان کے سامنے آئے جو  
 بستی سے باہر الگ تھلگ تھا اس مکان کے قریب خرم بن عمر رک گیا پھر جس قدر  
 لوگ اس کے ساتھ تھے ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خدا جھوٹ نہ بلوائے چوری ہونے والے جانور اس مکان کے اندر نہیں آتے  
 مکان کے دروازے پر دستک دیں چوری ہونے والے جانوروں کا مالک ابو فضہ ساتھ  
 ہے یہ اپنے جانوروں کو پہچان لے گا۔“

کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی جب دروازہ کھلا تو لوگ بڑی  
 بیباکی سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی ابو فضہ چلا پڑا اس لئے کہ اس

باندھی گئی تھیں انہیں اونٹوں پر سوار کیا گیا اور چوری کے جانوروں کو لے کر وہ واپس چلے گئے تھے۔

جب وہ لوگ ابو فضہ کی بستی کے قریب آئے تو خرم بن عمر رک گیا اور ابو فضہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابو فضہ تم اپنے جانوروں کے علاوہ بستی کے لوگوں کو لے کر اپنے گھر چلے جاؤ۔ جانور اب تمہارے ہیں جن لوگوں کو وہاں سے گرفتار کیا گیا ہے انہیں اپنے اونٹوں سے اتار دو۔ میری بستی کے جو مسلح جوان میرے ساتھ ہیں یہ ان لوگوں کو اپنے آگے اپنے گھوڑوں پر بیٹھا لیتے ہیں ان سے ہم بعد میں خود ہی نمٹیں گے۔“

ابو فضہ اور اس کے ساتھ جو لوگ تھے وہ فوراً حرکت میں آئے ابو فضہ کے اونٹوں سے ان کو اتار کر خرم بن عمر کے لوگوں نے اپنے سامنے گھوڑوں پر بٹھالیا پھر ابو فضہ خرم بن عمر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے لوگوں کے ساتھ اپنی بستی کی طرف چلا گیا تھا۔ خرم بن عمر اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اپنی بستی کا رخ کر رہا تھا۔

جن لوگوں کو خرم بن عمر کے کہنے پر وادی تیل کے اس مکان سے گرفتار کیا گیا تھا انہیں کرخ نام کی بستی میں سردار ہارون نمری کی نگرانی میں قیدی بنا کر رکھا گیا۔ دو روز بعد جس وقت ہارون نمری اپنے دیوان خانے میں اپنی بستی کے کچھ لوگوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا بستی کا ایک چرواہا بھاگا بھاگا دیوان خانے میں داخل ہوا اور ہارون نمری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سردار ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہو گیا ہے کوفہ سے کچھ مسلح جوان آئے تھے وہ حجاج بن یوسف کے سپاہی تھے وہ خرم بن عمر کو گرفتار کر کے کوفہ لے گئے ہیں۔“

ہارون نمری کا یہ سنا تھا کہ وہ زخمی سانپ کی طرح اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نشست اس نے برخاست کر دی اور اپنے قریب بیٹھے ایک جوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا میں اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے پر زین کتا ہوں تم کچھ مسلح جوانوں کو تیار کرو۔ جن لوگوں کو ہم نے اپنی بستی میں امیر بنا کر رکھا ہوا ہے انہیں بھی اپنے ساتھ لے کر ہم کوفہ کی طرف جائیں گے اس کے ساتھ ہی ہارون نمری دیوان خانے سے تقریباً بھاگتا ہوا نکلا اور اصطبل کی طرف چلا گیا تھوڑی ہی دیر بعد وہ کوفہ کا رخ کر رہا

کے جانور اس کے دائیں جانب بندھے ہوئے تھے زور زور سے وہ پکارنے لگا ”یہی میرے جانور ہیں۔“

اتنے میں کچھ مسلح جوان اندر سے نکل آئے اور ان سب کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”تم سب اپنی موت کو آواز مت دو یہ جانور کس کے ہیں ہم نہیں جانتے یہ مکان یہ حویلی بنو علف کے سردار سلیمان کی ہے جانور بھی اسی کے ہیں۔ اگر تم میں سے کسی نے جانوروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا سردار سلیمان کے آدمی تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ شاید تمہارے لئے یہ انکشاف مزید حیرت و پریشانی کا باعث ہو کہ بنو علف کے سردار سلیمان کے تعلقات حجاج بن یوسف کے ساتھ بردارانہ ہیں اس لئے میں تم لوگوں کو مشورہ دوں گا کہ جس طرف سے آئے ہو اسی طرف چلے جاؤ یہ جانور اب سردار سلیمان کے ہیں چوری کے ہیں یا اس کی ذاتی ملکیت ہیں یہ ہم نہیں جانتے ہم ان جانوروں کے محافظ ہیں۔“

یہ گفتگو سن کر خرم بن عمر کا چہرہ غصے سے غضبناک ہو گیا تھا اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار بے نیام کی اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر یہ جانور چوری کے ہیں جیسا کہ جانور کا مالک پہچان چکا ہے تو تم میں سے کسی کی جرات ہو تو روک کر دکھائے یہ جانور ہم اپنے ساتھ لے کر جائیں گے“ پھر اپنے قریب کھڑے مسلح جوانوں کو خرم بن عمر نے حکم دیا ”کہ جس قدر مسلح جوان وہاں ہیں انہیں پکڑ کر ان کی مشقیں باندھ دی جائیں“ اس پر سارے مسلح جوان آگے بڑھے اور آن کی آن میں مسلح جوانوں کی مشقیں باندھ دی گئیں جب ایسا ہو چکا تو خرم بن عمر گویا ہوا۔

”یہ جانور کھول لو جس قدر محافظ ہیں انہیں اونٹوں پر بٹھاؤ انہیں اپنے ساتھ لے چلو پھر دیکھتے ہیں کہ بنو علف کا سردار سلیمان کیسے ہمارے خلاف حرکت میں آتا ہے۔“

لوگ بڑی تیزی سے حرکت میں آئے جس قدر مسلح جوان تھے جن کی مشقیں



اس کمرے میں باہر کھڑے تھے انہوں نے میرے ساتھ دھمکی آمیز گفتگو کی تھی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی تشبیہ کی کہ اگر میں نے اس کمرے میں تمہارے خلاف آواز اٹھائی تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ سلیمان ایک بات یاد رکھنا تمہارے ضمیر کی خون اتری، تمہاری چمکتی خونئی آنکھیں، تمہارا خوفزدہ چہرہ، تمہاری خشنک فطرت مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتی۔ سلیمان میں جانتا ہوں کہ تو زہر میں بچھے ہوئے خنجر کی سی خراشوں اور وحشی جذبوں جیسی سازشیں کرنے میں بڑا ماہر ہے لیکن تیرے اندر نہ زندگی کی تڑپ ہے نہ قوم و ملت کے لئے سرفروشی اور مصنف شکنی کے جذبے۔ یاد رکھنا قوم و ملت کی خدمت تیرے جیسے سازشیں نہیں کر سکتے۔ ملت کی خدمت وہی لوگ کرتے ہیں جو قلع بدرو حسن کی طرح، کوندتی شمشیروں کے سایوں میں بھی ملت کی تقدیر سنوارنے اور قوم کی توقیر بڑھانے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ قسم خدا واحدہ لاشریک کی اگر امیر حجاج بن یوسف کا ادب و لحاظ میرے سامنے نہ ہوتا تو جو گفتگو تو نے میرے ساتھ کی ہے اور کمرے سے باہر کھڑے تمہارے دو محافظوں نے جو مجھے دھمکی دی ہے تو میں ایک جھٹکے سے اپنی تلوار بے نیام کرتا اور ان محافظوں سے صاف کتا کہ تم دونوں بھی آؤ اور اپنے سردار سلیمان کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ تینوں مل کر میرے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کرو پھر دیکھو کہ قوم کی خدمت کرنے کا جذبہ تم میں زیادہ ہے یا مجھ میں سلیمان ایک بات یاد رکھنا میرے خلاف زیادہ دیر تک تیری سازشیں کام نہ دیں گی۔ اگر میرے ساتھ داد رسی کی گئی انصاف کیا گیا تو میں تیرے فخر و تکبر کے الاؤ لو بجا دوں گا اگر تو واقعی جواں مرد ہے تو سازشی طور طریقوں کو چھوڑ میرے سامنے آ پھر وقت بتائے گا کہ کیسے میں تیرے ذہن کے سیاہ تخیل کے نقش و نگار کو مٹاتا ہوں۔ اگر تجھے کوئی شک و شبہ ہے تو اپنے دونوں محافظوں کو بلا کر خود بھی اٹھ کھڑا ہوتیوں اپنی تلواروں کو بے نیام کرو میرے ساتھ مقابلہ کرو میں ان مقابلے کے لئے اپنے امیر حجاج بن یوسف کو مصنف مقرر کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تو نے امیر سے میرے خلاف کیا سازش کی ہے لیکن اگر امیر مجھے اجازت دیں تو میں ان کے سامنے تمہارے سیاہ کارناموں سے پردہ اٹھاؤں۔ سلیمان تو نے ایک سازش کے تحت امیر سے میری شکایت کی ہو گی جبکہ شکایت تو مجھے تمہارے خلاف کرنی چاہئے تھی بلکہ میرے علاوہ

تھا۔

کوفہ شہر میں ایک بڑے کمرے کے اندر حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا تھا اور کے ایک طرف بنو علف کا سردار سلیمان تھا جبکہ دوسری جانب عالم اسلام کا بہتر جرنیل قتیبہ بن مسلم تاج بن یوسف کا بیٹا عبد اللہ اور بنو تمیم کا ایک سردار مجاہد بن مسر بیٹھے ہوئے تھے ایسے میں ایک مسلح جوان خرم بن عمر کو اندر لایا اور حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا۔ خرم بن عمر کو دیکھتے ہی بنو علف کا سردار سلیمان کرخند سی آواز میں بول اٹھا اس کا اشارہ خرم بن عمر کی طرف تھا لیکن مخاطب وہ حجاج بن یوسف سے ہوا تھا۔

”امیر محترم یہی وہ نوجوان ہے جس کے خلاف میں نے آپ سے نالش کی۔ اس کا نام خرم بن عمر ہے، کھوجی ہے، جس بستی میں رہتا ہے اس بستی میں اس خاص اہمیت نہیں اس لئے کہ یہ ایک معمولی سا چرواہا اور گڈریا ہے۔“

بنو علف کا سردار سلیمان یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کی اس گفتگو کا جواب دیتے ہوئے خرم بن عمر بول پڑا۔

”بنو علف کے سردار سلیمان میں تمہاری فطرت سے واقف ہوں یاد رکھنا چرانا بری بات نہیں ہے نہ ہی یہ توہین آمیز کام ہے اس لئے کہ خداوند کے بڑے برگزیدہ پیغمبر پہلے گلہ بانی ہی کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد خداوند قدوس انہیں جہاں بانی کے کام پر مقرر کیا اگر اللہ کے برگزیدہ پیغمبر یہ کام کرتے رہے ہوتے تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں اگر چرواہا اور گڈریا ہوں تو یہ ذلت اور توہین کی بات نہیں ہے۔“

خرم بن عمر کی اس گفتگو سے حجاج بن یوسف کی آنکھوں میں عجیب و غریب چمک پیدا ہوئی وہ بولنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی خرم بن عمر پھر بول پڑا۔ بنو علف کے سردار سلیمان کو پھر مخاطب کیا تھا۔

”سن سلیمان جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو تمہارے دو مسلح جوا

بت سے لوگوں کو جن میں ابو فضہ سرفروست ہے جس کے تم گناہ گار اور مجرم ہو اسے امیر کے پاس آکر شکایت کرنی چاہئے تھی۔“

خریم بن عمر میں تک کہنے پایا تھا کہ ہاتھ کے اشارے سے حجاج بن یوسف نے اسے چپ رہنے کو کہا اس موقع پر غصے میں حجاج بن یوسف کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں اشارہ پا کر خرم بن عمر خاموش ہو گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم اور اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنے قریب بلایا پھر بڑی رازداری سے انہیں مخاطب کیا۔

”میرے عزیزو یہ نوجوان مجھے کوئی جوان مراد لگتا ہے میں اس کے متعلق کوئی بہت بڑا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں پر اس فیصلے سے قبل میں اسے جانچنا چاہتا ہوں۔ میں سلیمان کے خلاف اس کی سازش بھی سنوں گا سلیمان کے جو دو محافظ اس کمرے سے باہر کھڑے ہیں انہیں اندر لے کر آؤ میں ان دونوں سے اس کا تیغ زنی کا مقابلہ کرواؤں گا اسے جانچوں گا پھر اپنا فیصلہ دوں گا۔“

قتیبہ بن مسلم اور حجاج کا بیٹا عبد اللہ دونوں پیچھے بٹے پھر عبد اللہ باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سردار سلیمان کے دونوں مسلح محافظوں کو اندر لے کر آیا دونوں کو خرم بن عمر کے قریب ہی حجاج بن یوسف کے سامنے لاکھڑا کیا گیا حجاج بن یوسف نے ان دونوں کو کڑکتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔

”یہ نوجوان جو تمہارے پہلو میں کھڑا ہے تھوڑی دیر پہلے میرے کمرے میں داخل ہوا تھا میرے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے کیا تم لوگوں نے اسے کوئی دھمکی دی تھی۔“

ان دونوں جوانوں نے اس موقع پر سردار سلیمان کی طرف دیکھا۔ ان کا ایسا کرنا تھا کہ حجاج بن یوسف غصے میں دھاڑ اٹھا۔

”سلیمان کی طرف مت دیکھو میری بات کا صحیح جواب دو اگر تم نے جھوٹا بیانیہ کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس کمرے میں تم دونوں کی گردن کٹوا دوں گا۔“

حجاج بن یوسف کے ان الفاظ سے وہ دونوں سر سے پاؤں تک کانپ گئے تھے پسند آ گیا تھا۔ وہ دونوں نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ حجاج بن یوسف نے چہرے

پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر کمرے میں اس کی آواز گونج گئی۔

”دونوں اپنی تلواریں بے نیام کرو تمہارا اس شخص سے مقابلہ ہو گا جسے تم نے کمرے سے باہر دھمکی دی تھی۔ اس کا نام مجھے خرم بن عمر بتایا گیا ہے۔ اس مقابلے کے بعد میں اس جھگڑے کا فیصلہ کروں گا“ پھر حجاج بن یوسف نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”کیا تم بیک وقت سلیمان کے ان دونوں محافظوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو۔“

اس پر خرم بن عمر اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر لے گیا اور اپنی چھاتی تلختے ہوئے کہنے لگا۔

”یا امیر یہ تو صرف دو ہیں ان جیسے اگر دو محافظ اور یہ سلیمان آئے تو میں بیک وقت چاروں سے بھی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔“

اس بار حجاج بن یوسف نے فیصلہ کن انداز میں سلیمان کے محافظوں کو مخاطب کیا ”تم دونوں اس جوان کے ساتھ مقابلہ کرو“ مقابلے کا میں خود منصف ہوں گا“ فیصلہ بھی خود ہی کروں گا“ اس پر ان دونوں محافظوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں تھیں ایک جھٹکے کے ساتھ خرم بن عمر نے بھی اپنی تلوار بے نیام کی پھر جو نئی حجاج بن یوسف نے اشارہ دیا تینوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

سلیمان کے دونوں محافظ بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تھے جبکہ خرم بن عمر شروع میں اپنے دفاع تک محدود رہا لیکن ساتھ ساتھ جارحیت بھی اختیار کر رہا تھا اور وہ حق حق بھی پکارنے لگا تھا۔

خرم بن عمر کی اس تیغ زنی اور اس کے ان جذبوں کو دیکھتے ہوئے حجاج بن یوسف کی آنکھوں میں ایک تلویذنی شفقت کی چمک نمودار ہوئی پھر وہ پٹکے سے لہجے میں اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہ رہا تھا۔

”اے اجنبی نوجوان تیرے حملوں میں یقیناً“ ولولہ انگیزی اور آندھی کی شدت ہے تو اپنے دشمن کی طرف ایسے بڑھتا ہے جیسے سمندری طوفان۔ تو پتھروں میں پڑا ہوا ایک موتی ہے میں تیری قدر کروں گا۔“

دوسرے ساتھی کے پاس جا کھڑا ہوا تھا جس کے منہ سے ابھی تک خون بہ رہا تھا اور وہ دیوار سے ٹیک لگائے بڑی بے بسی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔ خرم بن عمران دونوں کے پاس آیا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم دونوں میں ابھی میرے ساتھ مقابلہ کرنے کی سکت ہے تو اٹھو میں ایک بار پھر تم دونوں کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں اگر نہیں تو اپنی شکست تسلیم کرو۔“

ان دونوں میں سے کوئی نہیں بولا اور ندامت اور شرمندگی سے دونوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں تھیں۔ اس موقع پر دھیسے سے لہجے میں ایک بار پھر حجاج بن یوسف نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

اے مرہان فرزند تو نکشاذوں کی پرچھائیوں جیسا سر بلند ہے تیری شجاعت اور جرات مندی زینت سے عزیز تر ہے۔ لاریب تو ایک ایسا بے مثال نوجوان ہے جو ڈھونڈے سے نہیں ملتا میں تجھے مکران کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔

ان دونوں جوانوں کو شکست خوردہ کرنے کے بعد خرم بن عمران بنو علف کے سردار سلیمان کی طرف مڑا جس کی آنکھوں میں عناد کی آگ چہرے پر ایک نفرت کا طوفان تھا۔ اس نے سلیمان کو مخاطب کیا۔

”من بنو علف کے سردار تیرے دونوں محافظوں کو میں نے اپنے سامنے زیر کر دیا ہے میں کامیاب رہا ہوں یا ناکام اس کا فیصلہ امیر حجاج بن یوسف کریں گے۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں اب بھی کوئی شک ہو تو آؤ میرے ساتھ تیغ زنی کا مقابلہ کرو۔ کیا تم اس کیلئے تیار ہو؟“

اس موقع پر سردار سلیمان کے چہرے پر عجب سے جذبے تھے وہ نجل اور شرمندہ تھا مدد طلب انداز میں حجاج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حجاج کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ آنکھوں میں خوبصورت شرارت تھی پھر حجاج بن یوسف نے خرم بن عمران کو مخاطب کیا۔

”من میری ملت کے درویش صفت مجاہد پہلے تو اپنے حالات کہہ پھر سردار سلیمان نے جو تیرے خلاف شکایت کی ہے اس کی وضاحت کر۔ اس کے بعد میں اپنا فیصلہ دوں گا۔ تیرے کچھ حالات تو سلیمان مجھے بتا چکا ہے کہ تو محمد بن ہارون نمری کی

سلیمان کے دونوں محافظ پہلے کی نسبت کچھ ماند پڑ رہے تھے پھر اچانک ان دونوں نے اپنی تلواریں ایک ساتھ خرم بن عمران پر برسائیں تھیں۔ دونوں کی تلواروں کو خرم نے اپنی تلوار پر روکا پھر اپنا بائیں ہاتھ وہ ایک کی چھاتی پر لے گیا اور اس تیزی سے اسے پیچھے دھکیلا کہ وہ زمین پر گر گیا تھا دوسرے کو تلوار کا ایک جھٹکا دیا اور وہ ایک دیوار سے جا لگا تھا، طوفانی انداز میں خرم بن عمران آگے بڑھا جو دیوار سے ٹکرایا تھا، اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا ساتھ ہی تلوار کا دست اس کے چہرے پر مارا، اس کے منہ سے خون بہ نکلا تھا اور وہ بے بس سا ہو کر دیوار کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ اس موقع پر پھر عجب سے انداز میں حجاج بن یوسف نے اس کی طرف دیکھا اور اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

نوجوان تو یقیناً ”اندھے ستم کے سامنے موت کے رقص جیسا ہے تیرے حملوں میں طوفانوں کی سی شدت ہے۔ تو شمشیر زنی کا ماہر ہے۔ میں تجھے دشمنوں کے سامنے ضائع نہ ہونے دوں گا تیری حفاظت کروں گا۔“

ایک کے منہ سے جب خون بہ نکلا تو اس وقت تک دوسرا اٹھ کھڑا ہوا تھا خرم بن عمران کی طرح لپکا اور اس پر حملہ آور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ہر بار تلوار برساتے ہوئے حق حق پکار رہا تھا اور حجاج بن یوسف کو اس کی یہ ادا بہت پسند آ رہی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر عجب سی مسکراہٹ تھی دو چار وار کرنے کے بعد خرم بن عمران اسے الٹے پاؤں بھگانے لگا تھا اب وہ تیزی کے ساتھ حق حق پکارنے لگا تھا کبھی کبھی وہ بیچ میں اللہ اکبر کی صدا بھی بلند کرتا تھا۔ پھر اچانک وہ پینٹرا بدل کر دائیں جانب ہوا اور اس زور سے اس نے وار کیا کہ مد مقابل کی تلوار کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا تھا اس موقع پر حجاج بن یوسف نے ایک بار پھر اپنے آپ کو مخاطب کیا۔

نوجوان تو یقیناً ”دلیر جنگجو ہے۔ تو ان نوجوانوں میں سے ہے جو دشمن کے لئے عتابوں کا سمندر بن جاتے ہیں جن سے دریدہ دہن وحشی امان طلب کریں تو نے یقیناً اپنی کارگزاری سے مہرے جذبات کو پھلکا دیا ہے میری روح کو جگمگا دیا ہے اے نیک خواجی میں تجھے اپنا بیٹا اور فرزند مانتا ہوں۔“

تلوار کٹ جانے کے بعد وہ جوان خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا تھا اور اپنے

”سلیمان تمہیں چور اور قزاق ثابت کرنے کے لئے ہی ہمارے پاس گواہ موجود ہیں۔“

حجاج بن یوسف کیونکہ بنو نمری کے سردار ابن ہارون کا خوب جاننے والا تھا لہذا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اس سے پر جوش مصافحہ کیا اور ایک نشست پر بیٹھنے کے لئے کہا اس پر ابن ہارون بول پڑا۔

”امیر میں پہلے گواہ پیش کر لوں اس کے بعد میں نشست پر بیٹھوں گا۔ ایک بار پھر ابن ہارون باہر نکلا سردار سلیمان کے جس آدمیوں کو گرفتار کیا گیا تھا انہیں وہ اندر لے کر آیا پھر حجاج بن یوسف کو مخاطب کیا۔

”امیر محترم یہ جو لوگ ہیں ان ہی سے جانور برآمد کئے گئے ہیں اور انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے سلیمان کے کہنے پر جانور چرائے تھے اور اپنی حفاظت میں رکھے تھے۔“

اس موقع پر کھا جانے والے انداز میں حجاج بن یوسف نے سلیمان کی طرف دیکھا اس کے بعد آنے والوں سے پوچھا ”کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ تم نے یہ جانور سلیمان کے کہنے پر چرائے تھے“ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حجاج بن یوسف ایک بار غصے اور غضبناکی میں اپنی جگہ پر اچھل پڑا تھا پھر اس نے بنو علاف کے سردار سلیمان کو مخاطب کیا۔

”سلیمان جس وقت یہ خرم بن عمر مجھے تمہاری سیاہ کاروائیاں بتا رہا تھا اس وقت تم صرف ایک ملزم تھے اور میں نے تمہیں برداشت کیا تھا۔ اب جبکہ خود تمہارے آدمیوں نے تمہارے خلاف گواہی دے دی ہے کہ یہ کالا دھندا تم کرتے ہو۔ لہذا اب تم مجرم ثابت ہو چکے ہو۔ اب ایک مجرم کی حیثیت سے میرے سامنے کھڑے ہو تاکہ میں تمہارے لئے سزا تجویز کروں۔“

حجاج بن یوسف کے ان الفاظ پر سلیمان مزید کانپ گیا تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور خرم بن عمر کے ہلو میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر چونکہ کمرے کی فضا خوفناک حد تک پریشان کن ہو گئی تھی لہذا خرم بن عمر کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی کہ دیکھیں حجاج بن یوسف کیا فیصلہ دیتا ہے حجاج بن یوسف نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

بستی کا رہنے والا ہے اور انتہائی عمدہ قسم کا کھوجی ہے ریوڑ چرا کر اپنی گزر بسر کرتا ہے۔“

خرم بن عمر اس موقع پر چند قدم آگے بڑھا اور حجاج بن یوسف کو اس نے مخاطب کیا۔

”یا امیر میری روداد کوئی لمبی اور طویل نہیں ہے۔ میں یہ بات کہتے ہوئے شرمندگی محسوس نہیں کرتا کہ میرا تعلق ایک انتہائی غریب اور پے ہوئے خاندان سے ہے۔ میرے پاس ایک چھوٹا سا ریوڑ ہے اسی سے گزر بسر کرتا ہوں میرا باپ اس پاس کی بستیوں کا عمدہ کھوجی تھا اسی سے میں نے یہ فن سیکھا۔ ضرورت مندوں سے میں اس فن کی قیمت وصول نہیں کرتا۔ ہاں کوئی صاحب ثروت اپنی مرضی سے دے دے تو اس کی رضا مندی پر منحصر ہے ورنہ میرا گزر اپنے ریوڑ سے ہی ہوتا ہے جہاں تک میری تیغ زنی اور شمشیر زنی کا تعلق ہے تو میرے باپ نے مجھے بچپن میں بصرہ کے ایک سکول میں داخل کروایا تھا جہاں میں نے دوسری تعلیمات کے علاوہ حربی تعلیم میں بھی مہارت حاصل کی۔“

”امیر محترم جہاں تک اس سردار سلیمان کا تعلق ہے تو اس پر چوری کا الزام ہے۔“ اس کے بعد خرم بن عمر نے ابو فضہ کے جانور چوری ہونے اور دو آدمیوں کے اس کے پاس آنے اور پھر جانوروں کو تلاش کرنے کے سارے واقعات تفصیل کے ساتھ کہہ ڈالے تھے۔

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو انتہائی غصے اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے سلیمان نے اسے مخاطب کیا۔

”تو نے مجھ پر الزام لگایا ہے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں نے جانور چرائے ہیں۔ کیا تیرے پاس مجھ پر چوری کا الزام لگانے کے لئے کوئی گواہ ہے۔“

”اس موقع پر حجاج بن یوسف نے جواب طلب نگاہوں سے پہلے سلیمان پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھا تھا عین اسی موقع پر اس کمرے میں محمد بن ہارون نمری داخل ہوا اس نے شاید سلیمان کی باتیں سن لیں تھیں اندر داخل ہوتے ہی وہ بول پڑا۔“



مکران کے مسلمان لشکروں کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔“

لگتا ہے قدرت اس سلسلے میں مکمل طور پر میری راہنمائی کر رہی ہے تمہاری آمد سے پہلے میرے پاس بنو علفاف کے سردار سلیمان کے علاوہ بن مسلم میرا بیٹا عبد اللہ اور بنو تمیم کے سردار مجاہد بن معو تمیمی بیٹھے تھے اور میں نے ان سب کو ایک خاص مقصد کے لئے بلایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں شاید خداوند قدوس نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تمہیں میری طرف روانہ کر دیا ہے۔ سن میں مجاہد بن معو تمیمی کو مکران کی طرف روانہ کرنے والا تھا تاکہ وہاں یہ سعید بن اسلم کلابی کا نائب بن کر رہے۔ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو مجاہد بن معو کے ساتھ جائے اور وہاں لشکریوں کی نمائندگی کے فرائض انجام دے خداوند قدوس کا شکر ہے کہ تمہاری صورت میں میری یہ مشکل بھی حل ہو گئی اب چونکہ میں تمہیں مکران میں اپنے لشکریوں کا سالار مقرر کر چکا ہوں تو کیا تم اس عہدہ کو قبول کرتے ہو۔“

خرم بن عمر نے جب اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تب تھوڑی دیر کے لئے حجاج بن یوسف مسکراتا رہا پھر دوبارہ بول پڑا۔

”میں تمہیں کرمان اور مکران کے تھوڑے سے حالات بتاتا ہوں تاکہ یہ حالات وہاں جا کر تمہارے لئے راہنما ثابت ہوں۔“

میں تم پر واضح کر دوں کہ مکران بلوچستان سندھ اور کرمان کے ممالک نسبتاً عراق سے نزدیک ہیں اور ایران سرحد سندھ سے بھی ملتی ہے۔ اس لئے اس زمانے میں جب ایرانیوں اور مسلمانوں کی جنگیں ہو رہی تھیں اسلامی فتوحات ایران میں بڑھ رہیں تھیں اس وقت کے فتنہ پرور ایرانی سندھ میں جا کر پناہ لیتے تھے اور سندھ ان فتنہ پردازوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔“

”پھر جب وقت مزید آگے بڑھتا خود سندھ کا راجہ داہر بھی اس کوشش میں تھا کہ ایرانی سلطنت کسی طرح قائم رہے۔ وہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے مختلف معرکوں میں ایرانیوں کو فوجی مدد بھی دیتا رہا، لیکن جب ایران کی سلطنت پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو راجہ نے سرحدی ایرانی صوبوں کو اپنی حکومت میں داخل کر لیا اور ایرانیوں نے بھی کرمان اور بلوچستان کے صوبوں کو سندھ کے راجہ کے سپرد کر دیا تاکہ

”سن ابن عمر اپنی جھلی ہوئی گردن سیدھی نہ اپنی چھائی مان، جس وقت تو نے سلیمان کے دو جوانوں کے ساتھ مقابلہ کیا تھا تو مقابلے کے دوران تیرے تیور دیکھ کر میں نے تجھے اپنا فرزند بنانے کا فیصلہ کیا تھا بلکہ تیرے لئے ایک عمدے کا بھی انتخاب کیا تھا میں نے اپنے دل میں یہ بھی ٹھانی تھی کہ تیری قدر دانی کروں گا۔ جس نشست سے سلیمان اٹھا ہے اس نشست پر بیٹھ، میری نگاہ میں تو اب ایک سردار سے اور سلیمان ایک گندے چور اور اجڈ گڈریے سے بھی بدتر ہے۔“

خرم بن عمر آگے بڑھا جس نشست سے سلیمان اٹھا تھا اسی پر وہ بٹھکتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اگلی نشست پر بنو نمری کا سردار محمد بن ہارون بیٹھ گیا تھا۔ اس کے بعد اس کمرے میں حجاج بن یوسف کی بلند آواز گونجی تھی۔ اس نے سلیمان کو مخاطب کیا تھا۔

سلیمان یہ تیری دوسری غلطی ہے جس وقت میں نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران کا حاکم مقرر کیا تھا اس وقت بھی تو نے اس کے خلاف ایک سازش کی تھی لیکن میں نے تجھے معاف کر دیا تھا وہ تیری پہلی غلطی تھی اب یہ دوسری غلطی ہے کہ تو نے ایک غریب انسان کے جانور چوری کروائے اور اپنی چوری کو تسلیم نہیں کیا سلیمان قسم مجھے اپنے اسے رب کی جس کی ساری صفات ہی لاریب ہیں آئندہ تجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا تو وہ تیری تیسری غلطی ہوگی۔ جو نہی تو نے تیسری غلطی کی میں تیری گردن کاٹ دوں گا۔ اب تجھے جانے کی اجازت ہے۔ سلیمان نے اسے غنیمت جانا فی الفور پلٹا اور اس کمرے سے نکل گیا تھا اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حجاج بن یوسف نے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”سن عمر کے بیٹے جس وقت تم سلیمان کے دونوں محافظوں کا مقابلہ کر رہے تھے تو تمہاری کارگزاری سے خوش اور مطمئن ہوتے ہوئے میں نے تمہارے متعلق آپ ہی آپ بہت سے فیصلے کیے کبھی میں نے تمہیں پتھروں میں پڑا ایک موتی جانا تمہاری قدر کرنے کا ارادہ کیا پھر میں نے تمہیں ایک نایاب مجاہد سمجھا اس کے بعد جب تمہاری کارگزاری مزید بڑھی تو میں نے تمہیں اپنا فرزند بھی کہہ کر پکارا اور آخر میں جب تم نے دونوں محافظوں کو مکمل طور پر اپنے سامنے زیر کر لیا تو میں نے تمہیں

مسلمان ان پر قبضہ نہ کر سکیں۔“

”اب ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلم ایرانی جو مسلمانوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ کی ابتداء کر چکے ہیں انہوں نے کرمان کو اپنا مرکز بنا رکھا ہے نرمیش نام کا ایک شخص ان کا سرکردہ ہے۔“

اس وقت مکران اور کرمان میں تین قوتیں مسلمانوں کے خلاف برسریکار ہیں ایک باغی ایرانی جن کا سربراہ نرمیش ہے جس کا مرکز کرمان ہے دوسرے بحری قزاق ہیں یہ مکران سے لے کر کاشیادار کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے ہیں اور مید کھلاتے ہیں یہ ساحل سمندر کی قدیم قوم ہیں ان کی ایک شاخ کا نام نکامرہ ہے اور یہ لوگ خصوصیت کے ساتھ مکران کے ساحل پر مسلمانوں کو اکثر و بیشتر حملہ آور ہو کر نقصان پہنچاتے ہیں یہ مید کون ہیں اور ان کی شاخ نکامرہ کیا ہے اس کی تفصیل تمہیں مکران پہنچ کر مل جائے گی۔

تیسری بڑی قوت جو مکران اور کرمان میں مسلمانوں کے خلاف برسریکار ہے وہ سندھ کا راجہ داہر ہے۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رکھا ہے۔ مسلمان اس کے ساتھ کیوں ملے اس کی ایک وجہ ہے اس کی تفصیل میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔

میں نے جب سعید بن اسلم کلابی کو مکران کا حاکم بنا کر بھیجا تو وہاں ایک مسلمان شخص البامی نامی نے خوب قوت اور طاقت پکڑی ہوئی تھی سعید بن اسلم کو میں نے اس کے نام ایک خط دیا جس میں میں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ غیر مسلم قوتوں کے خلاف سعید کی مدد کرے۔

سعید بن اسلم کلابی نے مکران پہنچ کر البامی نام کے اس شخص سے رابطہ قائم کیا اور میرا خط جو ایک طرح سے خلیفہ ہی کی طرف سے حکم نامہ تھا پیش کیا لیکن وہ ایسا سرکش اور ایسا باغی تھا کہ اس نے سعید بن اسلم سے کسی بھی طور تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔

سعید نے اسے سمجھایا کہ تمہارے نام یہ خط امیر المومنین کی طرف سے ہے اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم دشمن قوتوں کو زیر کرنے میں میری مدد کرو، لیکن وہ ایسا

باغی تھا کہ سعید بن اسلم سے کہنے لگا خدا کی قسم میں تمہارا حکم نہیں مانوں گا کیونکہ میں تمہارا حکم ماننا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔

سعید نے جب دیکھا کہ وہ اس کی بات نہیں مانتا امیر المومنین کے حکم کو بھی اہمیت نہیں دیتا تب سعید نے پہلے اس شخص کو قید کیا اور سمجھانے کی کوشش کی۔ جب وہ باز نہ آیا تو اس نے اسے قتل کر دیا اور سرکٹ کر میری طرف روانہ کر دیا۔

مرنے والا یہ شخص سلیمان کے قبیلہ علاف کا رشتہ دار یا جاننے والا تھا۔ مکران میں ان دنوں قبیلہ علاف کے ہزاروں افراد آباد تھے جب انہیں خبر ہوئی کہ ان کے آدمی کو سعید بن اسلم کلابی نے قتل کر دیا ہے تب علافیوں کا جو وہاں سردار تھا وہ بغاوت پر آمادہ ہوا اس کا نام حارث علانی ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں معاویہ اور محمد یہ بیٹوں اب زندہ ہیں انہوں نے سعید بن اسلم کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنے ہزاروں ساتھیوں کو لے کر راجہ داہر کی طرف چلے گئے تاکہ راجہ داہر سے مدد حاصل کر کے سعید بن اسلم کلابی کے خلاف حرکت میں آئیں اور مکران اور کرمان کی حاکمیت اپنے قبضے میں کر لیں۔

راجہ داہر نے ان باغی علافیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا انہیں اپنی اور مسلمانوں کی سرحد پر آباد کیا اور ان کی مالی اور انفرادی طور پر مدد کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کے خلاف وہ چھاپہ مار جنگ کو جاری رکھیں اور مسلمان اپنی سرحدوں کو آگے نہ بڑھانے پائیں۔ ان دنوں حارث علانی اپنے دونوں بیٹوں معاویہ اور محمد کے ساتھ مکران کے گورنر سعید بن اسلم کلابی کے خلاف حرکت میں آیا ہوا ہے اور میں ان سب کی سرکوبی کا ارادہ کر چکا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد حجاج بن یوسف تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اپنے بائیں جانب ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”ن ابن عمر یہ جو شخص بیضا ہے اس کا نام مجاہد بن معو تہمی ہے اس کا تعلق بنو تہیم سے ہے میں اسے مکران کا نائب گورنر مقرر کر چکا ہوں تم دونوں یہاں سے مکران کا رخ کرو گے وہاں سعید بن اسلم کلابی سے ملو گے اور اس کے ساتھ ساتھ دشمن قوتوں کے خلاف برسریکار رہو گے۔ میں نے مجاہد بن معو تہمی کو یہ بھی سمجھا

ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہوتا رہا ہے بدخشاں، کافرستان، افغانستان اور تبت کے علاوہ وسیع علاقوں پر اس کا قبضہ تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے میں نے عبداللہ بن ابی بکر کو مقرر کیا لیکن عبداللہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے لشکر کو ایک درے تک لے گیا جہاں مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ وتبیل کی سرکوبی کے لئے میں نے ابن اشعث کو نہ صرف بختستان کا گورنر مقرر کیا بلکہ اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ہر صورت میں وتبیل پر حملہ آور ہو، مسلمانوں کے جن علاقوں کو اس نے برباد کیا ہے ان کی بحال کا کام کرے اور وتبیل پر حملہ آور ہو کر اسے قرار واقعی سزا دے۔

اس مقصد کے لئے میں نے ابن اشعث کو ایک خاصا بڑا لشکر بھی مہیا کیا تھا۔ وتبیل کو معلوم ہوا کہ اب میرے ملک پر حملہ ہونے والا ہے تو وہ بہت گھبرایا مگر وہ کچھ کرنے سکا ابن اشعث نے اس کے علاقوں پر حملہ آور ہونا شروع کیا اور اس بات کا بھی لحاظ رکھا کہ جوں جوں وہ آگے بڑھے پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں پر چوکی پرے قائم کرتا جائے۔

غرض ابن اشعث جلد ہی وتبیل کے کافی علاقوں کو فتح کر کے ان پر قبضہ کرتا چلا گیا پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ رک گیا اور اپنی پیش قدمی کو روک دیا۔ مجھے جب اس بات کی خبر ہوئی تو میں نے اسے پے در پے خط لکھے کہ وہ اپنی پیش قدمی کو جاری رکھے۔ اس وقت وتبیل ہمارے سامنے بے بس ہو رہا تھا۔ پے در پے نکلستا کی وجہ سے اس کے لشکری بدظن ہو گئے تھے اگر ابن اشعث اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو مکمل طور پر وتبیل کا خاتمہ کر سکتا تھا لیکن ابن اشعث نے ایسا نہیں کیا۔

پے در پے خط لکھ کر جب میں نے اپنی ناراضگی اور خفگی کا اظہار کیا تب ابن اشعث میرے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اب اس نے میرے خلاف اعلان بغاوت کر دیا ہے۔ اس بغاوت کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اس نے ایک انتہائی قدم یہ اٹھایا ہے کہ شعبانی قبیلے کے سردار بسطام کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ بسطام کے ساتھ اس وقت کافی بڑی جمعیت ہے اگر بسطام ابن اشعث کے ساتھ جا ملا تو ہمارے لئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

میرے بیٹے تم ایک دو دن تک یہاں سے کوچ کر جاؤ شعبانی قبیلے کے سردار

دیا ہے کہ اگر ان جنگوں میں سعید بن اسلم کلابی مارا جائے تو اس کے بعد یہی مکران کا دالی ہو گا اور وہاں جس ندر اسلامی لشکر ہے اس کے سالار اعلیٰ خرم بن عمر تم ہو گے اب تم بتاؤ کہ تم کب تک اپنی اس مہم پر جانے کے لئے تیار ہو سکتے ہو۔“

خرم بن عمر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی بستی کا سردار محمد بن ہارون نمری بول پڑا۔

”ابن عمر تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں ملت کی خدمت کے فرائض سونپے جا رہے ہیں دیر مت کرنا امیر کی خواہش کے مطابق مکران کی طرف کوچ کر جانا۔ جہاں تک تمہارے چھوٹے سے ریوڑ کا تعلق اس کے متعلق فکر مند مت ہونا اس کی دیکھ بھال میں اپنی بستی کے لوگوں کے ذمے کروں گا اور جب تم وہاں سے لوٹو گے تو دیکھو گے کہ تمہارے ریوڑ کے جانوروں کی تعداد کئی گنا بڑھ چکی ہو گی۔ جہاں تک تمہارے مکان کا تعلق ہے اس کی بھی میں خوب دیکھ بھال کروں گا اب بولو تم کب تک یہاں سے کوچ کر سکتے ہو۔“

محمد بن ہارون نمری کی اس گفتگو سے خرم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر وہ حجاج بن یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

”امیر محترم میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کرنے کے لئے تیار ہوں آپ جب بھی حکم دیں گے میں اپنے محترم مجاہد بن سعور تمہیں کے ساتھ مکران کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“

خرم بن عمر کا جواب سن کر حجاج بن یوسف مطمئن اور خوش ہو گیا تھا اس کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

”تم مجاہد کے ساتھ دو دن یہاں قیام کرو تمہاری روانگی کی تیاریاں مکمل کر دی جائیں گی اس کے بعد تم یہاں سے کوچ کر جانا اب میں دوسرے موضوع کی طرف آتا ہوں۔“

میرے عزیزو تم جانتے ہو کہ ماضی میں ترکستان کا غیر مسلمان حکمران وتبیل

بسطلم سے ملو وہ ان دنوں رے شہر کا رخ کیے ہوئے ہے اسے سمجھاؤ کہ وہ ابن اشعث کی بغاوت میں شامل نہ ہو ابھی میں تمہارے ذمہ داری کا کام لگانا چاہتا ہوں۔

حجاج بن یوسف یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایک مسلح جوان اندر آیا اور ایک قاصد کے آنے کی خبر دی۔ حجاج بن یوسف نے مسلح جوان سے قاصد کو اندر لانے کے لئے کہا جب وہ اندر آیا تو حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر محترم میں ایک انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں خراسان کا والی مہلب انتقال کر گیا ہے۔ یہ خبر سن کر حجاج بن یوسف کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھک گئی تھی۔ اس لئے کہ خراسان کا والی مہلب ایک انتہائی بہادر نیک اور وفاداری میں خاص طور پر مشہور تھا۔ مہلب کبھی بد عمدی، بے وفائی، نافرمانی یا بغاوت میں ملوث نہیں ہوا اس نے ہمیشہ خلیفہ وقت کی اطاعت کی اس کے ہر حکم کی تعمیل کو ضروری سمجھا تھوڑی دیر تک حجاج بن یوسف کی گردن جھکی رہی پھر آنے والے اس قاصد کو اس نے مخاطب کیا۔

”اس کی موت کے حالات تفصیل کے ساتھ مجھے بتاؤ اور کیا مرنے سے پہلے اس نے کوئی وصیت بھی کی تھی اگر کی تھی تو اس کی وصیت پر میں عمل کرنا پسند کروں گا۔“

قاصد نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”امیر محترم آپ جانتے ہیں کہ اس کا بیٹا مغیری مرو کی ایک مہم میں مارا گیا تھا وہ اپنے بیٹے مغیری سے بڑا پیار اور بڑی محبت کرتا تھا بس اس کی موت ہی مہلب کی موت کا سبب بنی وہ اس غم کو برداشت نہ کر سکا۔ اپنی موت سے پہلے اس نے اپنے بیٹے یزید بن مہلب حبیب بن مہلب دونوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں ایک بہترین نصیحت کی انہیں مخاطب کرتے ہوئے مہلب نے کہا تھا۔

”میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور صلہ رحم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اس سے عمر کی درازی مال کی زیادتی اور نفوس کی کثرت ہوتی ہے خوف خدا اور صلہ رحم کے ترک کرنے سے میں تم کو منع کرتا ہوں کیونکہ ان کے ترک کرنے سے دوزخ میں جانے کا سامان ہوتا ہے ذلت حاصل ہوتی ہے اور نفوس کی کمی ہو جاتی ہے۔

تم پر امیر کی اطاعت اور جماعت المسلمین سے اتفاق کرنا فرض ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تمہارے افعال تمہارے اقوال سے بہتر ہوں جلد جواب دینے سے پرہیز کرو زبان کو فحاشی سے بچاؤ کیونکہ آدمی پاؤں کی لغزش سے سنبھل جاتا ہے پر زبان کی لغزش سے مارا جاتا ہے۔

جن لوگوں کے حقوق تم پر ہوں ان کو ادا کرو لوگوں کے حقوق ادا کرنا صبح و شام بیٹھ کر باتیں بنانا اور فضول لکھنے سے بہتر ہے خوشامدیوں کی خوشامدی میں نہ آنا سخاوت کو سنجوسی پر ترجیح دینا نیکی کو زندہ رکھنا ہمیشہ نیک کام کرنے کی کوشش کرنا۔

لڑائی میں چوکس اور ہوشیار رہنے کا زیادہ خیال رکھنا کیونکہ یہ شجاعت میں زیادہ مفید ہے جس وقت مقابلہ ہوتا ہے اس وقت آسمان سے قضا نازل ہوتی ہے اگر آدمی نے ہمت باندھ کر ہوشیاری سے کام لیا تو کامیاب ہو گیا اور اگر بدحواسی چھا گئی تو ناکام رہا لیکن سب پر حکم الہی غالب ہے قرأت قرآن تعلیم سنا اور آداب صالحین اپنے اوپر فرض کر لو اپنی مجلسوں میں زیادہ گفتگو کرنے سے پرہیز کرو مزید تمہیں خراسان کا امیر اور حبیب کو نمازوں کا امام مقرر کرتا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد تھوڑی دیر خاموش رہا پھر حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر محترم یہی وہ الفاظ ہیں جو مرنے سے پہلے مہلب نے اپنے بیٹوں کی وصیت کے طور پر کہے تھے۔“

جواب میں حجاج بن یوسف نے کچھ سوچا پھر قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم چند دن یہاں آرام کرو پھر واپس جاؤ یزید بن مہلب کو جا کر کہو کہ خراسان کا والی اسے مقرر کرتا ہوں وہ مہلب کے بیٹوں میں ایک قابل اور سمجھ دار انسان ہے۔ مہلب کی موت کی خبر سن کر حجاج بن یوسف کیونکہ پریشان ہو گیا تھا لہذا اس نے اس نشست کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنی آرام گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد دوسرے لوگ بھی اٹھ گئے تھے۔ خرمیم بن عمر کو حجاج بن یوسف کا بیٹا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔



کر رکھی ہیں چوتھی بڑی قوت نیرون کا حاکم سندر داس ہے۔“  
 سعید بن اسلم کلابی بیس تک کہنے پایا تھا کہ خرم بن عمرو بول پڑا۔  
 ”محترم سعید راستے میں کچھ لوگوں نے ہمارے ساتھ سفر کیا تھا وہ ان علاقوں  
 کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ نیرون کا حاکم راجہ داہر کا ماتحت  
 ہے اور اسے راجہ داہر ہی نے نیرون کا والی مقرر کر رکھا ہے اور نیرون شہر راجہ داہر  
 کی عملداری میں شامل ہے پھر یہ ایک علیحدہ قوت کیسے ہو سکتی ہے۔“  
 خرم بن عمر کے اس استفسار پر سعید بن اسلم کلابی تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا  
 پھر بول اٹھا۔

”میرے عزیز تیرا کتنا درست ہے میں جب ان چاروں قوتوں کی تمہیں تفصیل  
 بتاؤں گا تو تم مان جاؤ گے کہ نیرون کا حاکم سندر داس واقعی ایک علیحدہ قوت ہے اور یہ  
 قوت ہمارے ساتھ ہے ہمارے مخالف نہیں۔ یوں سندر داس ہمارے دوستوں میں  
 سے ایک ہے میں تمہیں ان چاروں قوتوں کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بتاتا ہوں تاکہ  
 یہاں رہتے ہوئے ان سب سے متعلق تم کو آگاہی ہو اور جب تم ان کے خلاف  
 کاروائی کرو تو تمہیں کسی دوسرے کی راہنمائی کی ضرورت نہ رہے۔

جہاں تک راجہ داہر کا تعلق ہے تو یہ اپنے باپ چندر کی وفات کے بعد تخت  
 نشین ہوا چندر اپنے باپ چچ کے بعد حکمران بنا تھا چندر کے مرنے کے بعد سندھ کی  
 سلطنت حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک حصے کا حکمران داہر بنا جس کا مرکزی شہر اروڑھ  
 ہے دوسرے حصے کا حاکم چندر کا دوسرا بیٹا راج حکمران بنا تھا۔

اتفاق سے ایک سال بعد یہ راج مر گیا اس کی جگہ داہر کے چھوٹے بھائی جے  
 سینہ کو دوسرے علاقے کا حکمران مقرر کیا گیا اور اس علاقے کا مرکزی شہر برہمن آباد  
 ہے۔

کہتے ہیں داہر نے تخت نشین ہوتے ہی بظاہر اپنی رعایا کے ساتھ عدل و  
 انصاف سے کام لیا اور فوج کو مالامال کیا تاکہ وہ اس کے احسان مند رہیں جس کی وجہ  
 سے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے لئے غیر معمولی جذبہ اطاعت اور فرابرداری رکھتے  
 ہیں۔ تخت نشین ہونے کے ایک سال بعد تک وہ اپنے مرکزی شہر اروڑھ میں مقیم رہا

خریم بن عمر اور جماعہ بن معر تمہی ایک روز اپنے چند محافظوں کے ساتھ  
 مکران میں داخل ہوئے تھے مکران کے والی سعید بن اسلم کلابی کو جب ان کے آنے  
 کی خبر ہوئی تو اپنی حویلی سے باہر نکل کر اس نے اپنے سرکردہ لوگوں کے ساتھ بڑی  
 گرجوشی سے استقبال کیا اور ان دونوں کو اپنے ساتھ اس حویلی میں لے گیا تھا۔  
 ایک خاصے بڑے کمرے میں نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں سعید بن اسلم  
 کے علاوہ مقامی زعماء خرم بن عمر جماعہ بن معر تمہی اور ان کے ساتھ آنے والے  
 محافظ بھی اس کمرے میں بیٹھ گئے تھے پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے سعید بن  
 اسلم نے کہنا شروع کیا۔

”میرے عزیز تمہارے اور جماعہ بن معر کے آنے کی اطلاع مجھے حجاج بن  
 یوسف نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے پہنچا دی تھی حجاج بن یوسف نے مکران اور  
 کوفہ کے درمیان ڈاک کا ایسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ اگر یہاں سے کوئی مکتوب  
 روانہ کیا جائے تو چھ دن میں کوفہ پہنچ جاتا ہے کوفہ سے جو خط چلتا ہے وہ بھی چھ دن  
 میں مکران پہنچ جاتا ہے۔ حجاج بن یوسف نے تمہاری شجاعت تمہاری دلیری تمہاری  
 سرفروشی کی بے حد تعریف کی تھی لہذا میں تم سے ملنے کے لئے بہت زیادہ بے چین  
 تھا جہاں تک میرے بھائی جماعہ بن معر تمہی کا تعلق ہے تو میں اسے پہلے ہی جانتا  
 ہوں اس کی وفاداری اور جان نثاری شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

خریم بن عمر کیونکہ حجاج بن یوسف نے تمہیں یہاں کے لشکریوں کا سالار اور  
 جماعہ بن معر کو میرا نائب مقرر کیا ہے لہذا یہاں کے پورے حالات سے تمہیں آگاہ  
 کرنا میرا فرض بنتا ہے اس لئے کہ یہاں کے نظم و نسق میں اب تم دونوں پوری طرح  
 میرے شریک کار ہو گے۔

یہاں لمبے وقت چار بڑی قوتیں کارفرما ہیں پہلی تو قوت خود راجہ داہر ہے  
 دوسری قوت ایران کے باغی غیر مسلم اور مجوسی ہیں جنہوں نے کمان کے ایک شہر کو  
 اپنا مرکز بنا رکھا ہے وسیع علاقہ ان کے زیر تسلط ہے اور وہاں سے نکل کر وہ ہمارے  
 علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں تیسری بڑی قوت بحری قزاق ہیں جو نہ صرف سمندر میں  
 اپنی من مانی کرتے ہیں بلکہ ساحل کے ساتھ ساتھ بھی انہوں نے اپنی کاروائیاں شروع

سے جدا ہو کر بری لگتی ہیں اول بادشاہ اپنے تخت سے دوئم وزیر اپنی وزارت سے سوئم  
پہر اپنے مرید سے چہارم دانت اور بال اپنی جگہ سے پنجم نوجوان عورت کے پستان  
اپنی جگہ سے۔

یہ وہ پانچ چیزیں ہیں جو اپنی جگہ سے ہٹ کر بری معلوم ہوتی ہیں اس لئے  
آپ کو مملکت سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی بہن  
سے شادی کر کے اس کو اپنے ساتھ تخت نشین کر لیں لیکن ازواجی تعلقات سے کنارہ  
کش رہیں اس طرح وہ آپ کی بیوی بھی رہے گی اور سندھ کا تاج و تخت بھی آپ  
کے پاس رہے گا۔“

بدہمن وزیر سے رائے لینے کے بعد داہر نے اپنے امراء اور سرداروں سے  
جس کی تعداد لگ بھگ پانچ سو کے قریب تھی مشورہ کیا اور کہا ”مگر مجھے تمہاری  
بہادری شجاعت اور دلیری پر پورا اعتماد ہے میں کوئی کام تمہارے مشورے کے بغیر  
نہیں کرنا چاہتا لہذا اس نے نجومیوں کی پیش گوئی کو بیان کر کے بدہمن کی رائے کو ان  
کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ بدہمن نے جو رائے دی ہے اس میں بدنامی کا بڑا اندیشہ  
ہے اور ہمارے مذہب میں بھی اس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے“ سب نے کہا  
”کہ ہمارا جہ یہ پاپ ہے اس سے سارے ملک میں بڑی بدنامی ہوگی۔“

سرداروں کی اس گفتگو سے راجہ داہر پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا پھر وزیر  
بدہمن بھی اپنی جگہ پر اڑ گیا تھا بدہمن نے اب راجہ کو ایک اور طرح سے سمجھانے  
کی کوشش کی وہ دربار سے اٹھ کر اپنے گھر گیا اور اس نے ایک بھیڑ منگا کر اس کے  
بالوں میں مٹی ڈال کر رائی ڈالی اور اس پر دو تین روز تک پانی چھڑکتا رہا یہاں تک کہ  
اس رائی کی کونپلیں پھوٹ آئیں۔

پھر اس نے اس بھیڑ کو شہر کے بازار میں چھوڑ دیا جدھر سے وہ بھیڑ گزرتی تھی  
لوگوں کے ٹھٹھے کے ٹھٹھے اس کو دیکھنے کے لئے جمع ہوتے تھے تین روز تک وہ بھیڑ  
بازاروں میں ماری ماری پھرتی رہی پھر کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہ تھا  
سب لوگ اس واقعہ کو غیر معمولی سمجھ کر بھول چکے تھے۔

اس کے بعد بدہمن نے داہر سے کہا۔

اور ملک کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے تدبیریں سوچتا رہا اس کے بعد اس نے  
اپنی سلطنت کا دورہ کیا۔

اپنی ساری سلطنت کا دورہ کرنے کے بعد جب وہ اپنے مرکزی شہر اروڑ پہنچا تو  
برہمنوں اور نجومیوں کا ایک وفد اس سے ملنے کے لئے حاضر ہوا اور نجومیوں نے اس  
سے کہا کہ مہاراج کو بھگوان سلامت رکھے ہم نے آپ کا اور آپ کے بھائی بہن کا  
زانچہ بنایا ہے۔ آپ دونوں بھائیوں کے زانچے میں کسی قسم کی خرابی نظر نہیں آتی  
لیکن آپ کی بہن مائین رانی کے زانچے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی اس سے شادی  
کرے گا وہ سندھ کے تاج و تخت کا مالک ہو گا اور ہمیں اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ  
مائین رانی سندھ سے باہر نہیں جائے گی۔

مائین رانی داہر کی بہن تھی جو اپنے بھائی بے سینہ کے پاس برہمن آباد میں  
رہتی تھی جب وہ جوان ہوئی تو بے سینہ کو اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی تھی  
جس زمانے میں وہ اس فکر میں تھا اسی زمانے میں بھائی کے راجہ سوہن رائے نے  
مائین کو اپنا پیغام بھجوایا بے سینہ نے یہ پیغام منظور کر لیا اور سامان جہیز تیار کیا اور  
اپنے بھائی راجہ داہر کے پاس مائین کو سات سو گھوڑوں اور پانچ سو ٹھاکروں کے ساتھ  
بھجوایا ساتھ ہی داہر کو لکھا کہ مائین کو بھائی کے راجہ کی طرف روانہ کرے اور ایک  
قلعہ بھی اس کے حوالے کرے جس کا دینا شادی کے موقع پر طے پایا گیا ہے۔

نجومیوں کی پیش گوئی کے وقت مائین رانی اروڑ میں موجود تھی داہر نجومیوں کی  
پیش گوئی سے پریشان ہو گیا۔ اس نے ایک روز اپنے وزیر بدہمن کو بلا کر مشورہ کیا کہ  
نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی سلطنت کا مالک وہ شخص  
ہو گا جو میری بہن مائین سے شادی کرے گا۔ تم مجھے بتاؤ کہ اتنی بڑی سلطنت کیسے  
چھوڑی جاسکتی ہے اور میں کسی دوسرے کو اس ملک کا راجہ بننے ہوئے کیسے دیکھ سکتا  
ہوں اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔

داہر کے مشورہ طلب کرنے پر اس کے وزیر بدہمن نے کہا کہ ”مہاراج انتظام  
مملکت بھگوان کی ایک عظیم و الشان نعمت ہے کسی بادشاہ کا اپنی مملکت رعایا اور فوج  
سے جدا ہونا اس بادشاہ کے لئے بہت برا ہے چنانچہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو اپنے مقام

اس کے مقابلے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور بھائی کا انتظار کرنے لگا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد دونوں بھائیوں میں چپقلش رہی لیکن جلد ہی دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں نے آپس میں صلح کر لی پر اس واقعہ کے بعد جلد ہی راجہ داہر کا بھائی بے سینہ فوت ہو گیا اور اب ساری سلطنت کا حاکم یہ راجہ داہر ہے جو مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ ایرانیوں کا ساتھ دیتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ مغرب کی طرف سے کسی بھی صورت مسلمان آگے بڑھنے نہ پائیں یہ تو ایک طاقت ہے۔“



”دوسری بڑی قوت ان علاقوں میں بحری قزاق ہیں جو سمندر کے علاوہ خشکی میں بھی کاروائیاں کرتے ہیں۔ یہ لوگ ساحل مکران کے علاوہ سندھ اور کانٹھیا وار جیسے ساحلوں تک پھیلے ہوئے ہیں ان کا کام ہی لوٹ مار کرنا ہے اور قزاقی ان کا پسندیدہ پیشہ ہے ان کا ایک قبیلہ ہے اس کا نام نکامرہ ہے۔ یہ سب سے طاقتور قبیلہ ہے ہمارے مکران کے ساحل پر مید قوم کی شاخ نکامرہ حملہ آور ہوتی ہے ہم نے جو اس کے متعلق تحقیق کی ہے تو نکامرہ قبیلے کے دو حصے ہیں ایک ہندو ہیں دوسرے بدھ مت۔ اب ہم نے یہ کوشش کرنی ہے کہ نیروں کے حاکم سندر داس کے حوالے سے ان نکامرہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں جو بدھ مت کے پیرو کار ہیں اور یہ کام ہم بڑی خوبی اور آسانی سے سرانجام دے سکتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ عنقریب ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“



تیسری بڑی قوت وہ غیر مسلم اور مجوسی ایرانی ہیں جو مسلمانوں کے خلاف نفرت رکھتے ہیں اور گاہے گاہے ان علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ کرمان کے شہر کی کو انہوں نے اپنا مرکز بنا رکھا ہے اور زمیش نام کا ایک شخص ان کا سرکردہ ہے۔ اس کے پاس ایک بہت بڑا تربیت یافتہ لشکر ہے جسے لے کر وہ کبھی کبھی نکلتا ہے اور مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ہمیں اس

”ہمارا آپ نے دیکھا تین روز تک اس بھیڑ کے متعلق شہر میں کس قدر چرچے رہے لیکن اب اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ بس یہی حال ہر واقعہ کا ہے خواہ وہ واقعہ کتنا ہی اچھا یا برا ہو دو تین روز تک لوگوں میں اس کے متعلق چرچے رہتے ہیں پھر لوگ اسے بھول جاتے ہیں انہیں یاد نہیں رہتا کہ کوئی ایسی بات ہوئی تھی یا نہیں۔ بہر حال سلطنت کو کسی بھی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا آپ انہی پانچ سو سرداروں کو بلائیے اور اس رسم کو خاموشی سے ادا کیجئے۔ داہر نے پھر ان پانچ سو سرداروں کو بلایا اور انہیں سمجھا بجا کر کہا کہ میرے اور مائین کے درمیان بندھن کی رسم ادا کر دی جائے۔ یعنی میری دھوتی کے کونے سے اس کی اوڑھنی کا پلو باندھ دیا جائے اس طرح وہ میری رانی اور میں اس کا راجہ ہوں گا لیکن ہم میں میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ ہوں گے اس طرح نجومیوں کی بات بھی پوری ہو جائے گی اور میں بھی پاپ سے بچ جاؤں گا۔ سب نے راجہ کی اس بات کو پسند کیا شادی کی رسم باقاعدہ برہمنوں نے ادا کی اور دونوں کی شادی ہو گئی۔“

شادی کی رسم اگرچہ خاموشی سے ادا کی گئی اس کے باوجود کہ دونوں میں ازواجی تعلقات قائم نہ ہوئے لیکن پھر بھی اس شادی کا سارے ملک میں چرچا ہوا۔ بھائی بہن کی اس شادی پر ہر ایک کو حیرت ہوئی۔ جب یہ خبر برہمن آباد پہنچی تو اس خبر کو سن کر راجہ داہر کے بھائی بے سینہ کو بہت افسوس ہوا اس نے فوراً ہی داہر کو ایک خط میں لکھا کہ تم نے یہ کام اتنا برا کیا ہے کہ ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل گئی ہے یہ تمہارے لئے ہرگز مناسب نہ تھا۔“

داہر نے بھائی کو جواب میں اظہارِ ندامت کرتے ہوئے لکھا کہ میں خود بھی اس کام کو برا سمجھتا ہوں یہ شادی میں نے رسمی طور پر نجومیوں کے کہنے پر کر لی ہے میں اور مائین آج بھی بہن بھائی ہیں۔ بے سینہ نے جواب میں لکھا کہ شاید تم اس تدبیر سے تقدیر کو بدلنا چاہتے ہو لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا اب بھی وقت ہے تم اس کام سے توبہ کر کے اس بدنامی کو دور کرو جو سارے ملک میں ہو رہی ہے لیکن داہر کا اس خط پر کوئی اثر نہ ہوا بے سینہ کو اور بھی غصہ آیا اور وہ فوج لے کر داہر کے مقابلے کے لئے اروڑ روانہ ہوا راجہ داہر نے بھی

کے حملوں کا سدباب بھی کرنا ہو گا۔

چوتھی بڑی قوت نیرون کا حاکم سندر داس ہے ہندومت کے بجائے بدھ مت کا پیروکار ہے یوں جانو یہ ہمارا دوست ہمارا رفیق ہے اندر ہی اندر یہ میرے ساتھ خط و کتابت کر چکا ہے۔ ہمارا ہمدرد ہے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک قاصد میری طرف روانہ کیا تھا اور اپنی بیٹی کے حوالے سے مجھ سے مدد طلب کی تھی۔

یہاں تک کہتے کہتے سعید بن اسلم کلابی تھوڑی دیر کے لئے رکام لیا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

”دراصل نیرون کے حاکم سندر داس کی ایک بیٹی ہے نام اس کا ساگرہ ہے۔ کہتے ہیں ان علاقوں میں اسی جیسی کوئی خوبصورت حسین اور سندر لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ چونکہ اس لڑکی کی خوبصورتی اس کے حسن کے چرچے ہر شہر پر قبضے پر بستی میں ہیں لہذا بڑے بڑے حکمران اور راجہ اسے دیکھنے کے لئے آئے۔ دو اشخاص اس لڑکی کو جنون کی حد تک پیار کرتے ہیں ایک راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ دوسرا نکامرہ قزاقوں کا وہ سردار جو ہندومت کا پیروکار ہے اور جس کا نام مول ہے۔ کہتے ہیں مول اس ساگرہ نام کی دوشیزہ کو جنون کی حد تک پیار کرتا ہے اور ہر صورت میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

نیرون (موجودہ حیدر آباد) کے حاکم سندر داس نے جو قاصد میری طرف بھجوا یا تھا اس کے ذریعے اس نے مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی نہ راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ سے بیاہنا چاہتا ہے نہ اس کا بیاہ نکامرہ قبیلے کے سردار مول سے کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ ساگرہ اپنے ایک عزیز اور رشتہ دار کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ پھیرے کرانا چاہتی ہے۔ سندر داس نے مجھے لکھا تھا کہ وہ عنقریب اپنی بیٹی کے پھیرے اسی نوجوان سے کرا دے گا پھر دونوں میاں بیوی کو میری طرف بھجوا دے گا اس کا کہنا تھا کہ اس کی بیٹی ساگرہ اپنے شوہر کے ساتھ بحفاظت میرے ساتھ رہے تاکہ جے سینہ اور مول اسے اغوا کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

سعید بن اسلم کلابی کہتے کہتے رکام لیا کچھ سوچا پھر دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ”میرے عزیز گفتگو کے شروع میں ایک موضوع کو میں بھول گیا تھا یہاں ایک

پانچویں قوت بھی ہے جو ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہے اور یہ حارث علانی ہے جو اپنے بیٹوں معاویہ اور محمد کے ساتھ لگ بھگ پانچ سو علانی سرداروں کے ساتھ راجہ داہر سے مل چکا ہے اور مسلمانوں کے خلاف اس نے بغاوت کھڑی کر رکھی ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی قوت ہے جو ہمارے لئے خطرے کا باعث ہے۔“

سعید بن اسلم جب خاموش ہوا تب خرم بن عمر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”یہ جو پانچویں قوت حارث علانی اور اس کے بیٹوں معاویہ اور محمد کی صورت میں ہے اس کے متعلق امیر حجاج بن یوسف بھی تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں۔ خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ان سب سے ہم خوب نمیشیں گے ان پانچ قوتوں میں سے ایک نیرون کا راجہ سندر داس تو ہمارے حق میں ہے باقی چار قوتیں ہیں۔ آنے والا وقت انشاء اللہ ثابت کرے گا کہ ان چاروں قوتوں سے ہم خوب نمیشیں گے۔“

خرم بن عمر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عین اس موقع پر ایک مسلح جوان اندر آیا اور سعید بن اسلم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یا امیر نیرون کے حاکم سندر داس کا وہی قاصد آیا ہے جو ایک بار پہلے بھی یہاں آیا تھا وہ پریشان ہے آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔“

یہ خبر سن کر سعید بن اسلم کلابی چونکا تھا فوراً اس مسلح نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا قاصد کو فوراً اندر لاؤ تاکہ میں جانوں وہ کیا کہنا چاہتا ہے“ وہ مسلح جوان باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد نیرون کے حاکم سندر داس کے قاصد کو اندر لے کر آیا قاصد نے اندر آ کر سعید بن اسلم کو تعظیم دی پھر بدحواسی اور پریشانی میں وہ سعید بن اسلم کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”اے مسلمانوں کے امیر میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں اور مجھے میرے آقا سندر داس نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ دراصل ہم لوگ سندر داس کی بیٹی ساگرہ کی وجہ سے اذیت اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں ساگرہ جیسی خوبصورت اور حسین لڑکی نہیں ہے۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ اور نکامرہ قبیلے کا ایک سردار مول دونوں ہی بیک وقت اسے پسند کرتے تھے۔



بھاگ کر آپ کی طرف آیا۔ میری آپ سے التماس ہے کہ سانکرہ کی مدد کی جائے اگر سانکرہ ایک بار نکامہ قبیلے کے سردار منزل کے پاس پہنچ گئی تو یاد رکھئے گا دنیا کی کوئی طاقت اس سمندری قزاق سے سانکرہ کو چھڑانا نہ پائے گی۔“

یہ خبر سن کر سعید بن اسلم کلابی تقریباً چوتھے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بول پڑا۔

”اے ابن عمر جو یہ بری خبر سنائی گئی ہے اسے تم نے بھی سنا ہے میں نے بھی سنا یہاں بیٹھے سب لوگوں کے کانوں تک یہ خبر پہنچی۔ نیون کا حاکم سندر داس ہمارا حلیف ہے اس کی اور اس کی بیٹی کی ہر طرح سے مدد کرنا ہمارا فرض عین ہے۔ خرم بن عمر میرے بیٹے ان علاقوں میں جس قدر لشکر ہے اس کے سالار اعلیٰ اب تم ہو لہذا میں تم سے کہوں گا کہ سندر داس کی بیٹی سانکرہ کی مدد کی جائے اور اسے نکامہ قبائل کے باغیوں کی اسیری سے نجات دلائی جائے“ خرم بن عمر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا سندر داس کے قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم نے اپنی باتوں میں مول کے مسلح جوان کا ذکر تو کیا ہے ایک بار پھر کہو وہ تعداد میں کتنے ہیں“ اس پر قاصد بول پڑا۔

”میں بتا چکا ہوں کہ وہ پچیس کے لگ بھگ ہوں گے سب پوری طرح مسلح ہیں“ قبل اس کے خرم بن عمر اس قاصد کی بات کا جواب دیتا سعید بن اسلم کلابی بول پڑا اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”بیٹے میں اتنے میں مسلح جوانوں کا انتظام کرتا ہوں تم تیار ہو اور انہیں لے کر فوراً سانکرہ کی مدد کو پہنچو“ اس پر خرم بن عمر فوراً بول پڑا۔

”اے ابن اسلم ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو دس مسلح جوان ہمارے ساتھ آئے ہیں خداوند قدوس کو منظور ہوا تو نکامہ قبائل کے ان باغیوں سے نبٹنے کے لئے میرے یہ دس ساتھی ہی کافی ہیں میں ان کے ساتھ گیا رہوں ہوں مجھے امید ہے ان پچیس پر ہم غالب رہیں گے جب تک آپ مزید مسلح جوانوں کا بندوبست کرتے ہیں اس وقت تک میں اس قاصد کے ساتھ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوں گا“ اپنے ساتھ آنے والے مسلح جوانوں کو اس نے کھڑا ہونے کے لئے کہا اور وہ فوراً اٹھ کھڑے

لیکن سانکرہ کے علاوہ سندر داس بھی دونوں کو ناپسند کرتا تھا دونوں میں سے کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کے پھیرے نہیں کروانا چاہتا تھا مزید یہ کہ سانکرہ اپنے ایک عزیز جوان کو پسند کرتی تھی جس کا نام دھرم داس ہے۔ چند روز پہلے سندر داس نے اپنی بیٹی سانکرہ کے پھیرے دھرم داس سے طے کر دیئے تھے جس روز دھرم داس کے ساتھ سانکرہ کے پھیرے ہوئے تھے اس سے ایک رات پہلے کسی نے سانکرہ کو گھر سے اٹھالیا۔

سندر داس کو جب خبر ہوئی تو اس نے اپنے مخبر چاروں طرف پھیلا دیئے۔ میں مکران کی طرف آیا میرے ساتھ دو مزید ساتھی بھی تھے ہم نے بھی بدل ہوا تھا اور نکامہ جوانوں کی صورت میں ہم نے مکران کے دریائے دشت کا رخ کیا۔ یہاں ہمیں مول کے مسلح جوان ملے وہ تعداد میں بیس پچیس کے لگ بھگ ہیں ان کے ساتھ ایک دو گھوڑوں کی بگھی بھی ہے۔ ہمیں شک ہوا کہ ضرور انہیں لوگوں نے مول کے لئے سانکرہ کو اغوا کیا ہے لہذا ہم ان کے تعاقب میں لگ گئے۔

دریائے دشت کے کنارے ایک جگہ انہوں نے پڑاؤ کیا ہم نے اپنے گھوڑوں کو تو دور کھڑا کر دیا جھاڑیوں کے اندر بیٹھ کر ان کی کارگزاری کا جائزہ لینے لگے انہوں نے کافی دیر وہاں پڑاؤ کیے رکھا بگھی کے اندر کچھ لڑکیاں ہیں ان لڑکیوں میں سے کوئی بھی سانکرہ نہیں ہے۔ جب بگھی میں بیٹھی لڑکیاں باہر نکلیں تو پہلے ہمیں شک ہوا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی سانکرہ ہوگی لیکن وہ اور ہی لڑکیاں تھیں۔ پھر بگھی کے نچلے حصے میں ایک تہہ خانہ بنا ہوا تھا اس کو کھولا گیا اور اس میں سے ایک لڑکی کو نکالا گیا جس کے پاؤں اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے ہم نے پہچان لیا وہ نیون کے حاکم سندر داس کی بیٹی سانکرہ تھی۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سانکرہ کے ہاتھ پاؤں کھولے، اسے کھانے کو کچھ دیا کچھ دیر وہ وہاں سستائے پھر پہلے کی طرح سانکرہ کے ہاتھ پاؤں کو باندھا اور بگھی کے نیچے جو تہہ خانہ بنا ہوا تھا اس میں اسے لٹا دیا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

میرے جو دو ساتھی تھے میں نے تو انہیں ان کے تعاقب میں لگا دیا خود میں

ہوئے پھر خرم بن عمر نے آنے والے قاصد کو مخاطب کیا۔

”تم فوراً میری رہنمائی کرو تاکہ نکامہ قبائل کے وہ باغی دور نہ بھاگنے پائیں“  
قاصد فوراً باہر نکلا اور اس کے پیچھے پیچھے خرم بن عمر اور اس کے مسلح جوان بھی نکلے سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر وہ سعید بن اسلم کلابی کی حویلی سے نکل گئے تھے۔

حویلی کے باہر خرم بن عمر رک گیا اپنے مسلح جوانوں کو بھی اس نے رکنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ آنے والے قاصد کے ساتھ گفتگو کرتا رہا پھر اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اس نے کچھ دیر تک راز دارانہ گفتگو کی۔ پھر اپنے گھوڑے کو ایزد لگائی اور سرپٹ دوڑا دیا تھا قاصد کے علاوہ دس مسلح جوان بھی پیچھے پیچھے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

آنے والا قاصد اپنے گھوڑے کو خرم بن عمر کے پہلو بہ پہلو دوڑا رہا تھا اور ہاتھ کے اشارے سے راستوں کی رہنمائی بھی کرتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے صحرائے مکران کے دریائے دشت کے کنارے آن پہنچے۔ اب وہ دریائے دشت کے دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کی سمت اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑا سا آگے جا کر انہیں دریا کے بائیں کنارے اپنے سامنے دھندلے دھندلے ہولے دکھائی دیئے ان ہولوں کو دیکھتے ہی قاصد بول پڑا۔

”اے ابن عمر دریائے دشت کے بائیں کنارے پر جو وہ سامنے ہولے نظر آ رہے ہیں وہ نکامہ قبیلے کے لوگ ہیں جو سندرداس کی بیٹی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔“  
قاصد کے اس انکشاف پر خرم بن عمر کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی گھوڑے دکھلائے ہی بھاگتے اس نے کوئی فیصلہ کیا پھر ہاتھ کے اشارے سے ان مسلح جوانوں کو دریا کے مزید دائیں جانب ہٹ جانے کے لئے اشارہ کیا خود بھی اپنے گھوڑے کو دائیں جانب لے گیا تھا اس طرح وہ دریا کا ساحل چھوڑ کر ذرا دائیں طرف ہٹ کر آگے بڑھنے لگے تھے۔  
دریا کے کنارے سے دور رہتے ہوئے وہ بڑی تیزی کے ساتھ فاصلوں کو سمیٹتے

رہے یہاں تک کہ وہ دریا کے بائیں کنارے جو نکامہ قبیلے کے لوگ سندرداس کی بیٹی ساکمرہ کو اٹھالے جا رہے تھے ان سے بھی آگے نکل گئے۔ آگے جانے کے بعد جب نکامہ قبیلے کے لوگ درمیان میں جھاڑ ہونے کے باعث ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بار پھر خرم بن عمر دریائے دشت کے کنارے آیا۔

”موریا اس وقت خشک پڑا ہوا تھا پانی کی ایک پتلی سی لکیر بیچ میں تھی جو دشت کی معمولی سی پیاس بجھاتی ہوئی دور جنوب کی طرف چلی گئی تھی۔“

اس جگہ سے خرم بن عمر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کو عبور کیا پھر وہ دائیں کنارے سے بائیں کنارے کی طرف چلا گیا۔ اب وہ بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ واپس شمال کی طرف سفر کر رہا تھا یہاں تک کہ انہیں اپنے سامنے نکامہ قبیلے کے مسلح جوان دکھائی دیئے جن کے پیچھے پیچھے دو گھوڑوں کی ایک بگھی بھی تھی۔

نکامہ قبیلے کے لوگوں نے بھی خرم بن عمر اور اس کے مسلح جوانوں کو دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ دریا کے کنارے رک گئے یہاں تک کہ خرم بن عمر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے قریب پہنچ گیا اور ان کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ نکامہ قبیلے کے لوگ تھوڑی دیر تک انہیں بڑے غور سے دیکھتے رہے پھر ان کا جو سرخیل تھا وہ اپنے گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے خرم بن عمر کے قریب ہوا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آنے والے سوار تم ہمارے لئے اجنبی ہو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم لوگوں نے ہماری راہ روکی ہے اگر ایسا ہے تو کیا تم لوگ اس کی وجہ بتانا پسند کرو گے۔“

نکامہ قبیلے کے اس سرخیل کی گفتگو کے جواب میں خرم بن عمر نے اپنی تلوار بے نیام کر لی تھی ڈھال سنبھال لی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ان دس مسلح جوانوں کے علاوہ قاصد نے بھی اپنی تلوار اور ڈھال پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اسی موقع پر دائیں جانب سے دو اور سوار نمودار ہوئے وہ بھی اس قاصد کے قریب آن کھڑے ہوئے جس نے خرم بن عمر کی رہنمائی کی تھی۔ شاید وہ قاصد کے دوسرے دو ساتھی تھے جن کا ذکر اس نے سعید بن اسلم کلابی سے کیا تھا دونوں قاصدوں نے بھی

آتے ہی اپنی تلواروں اور ڈھالوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔

خریم بن عمر تھوڑی دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا پھر انہیں مخاطب کر کے بول پڑا۔

”کاروان والو! ہمارا تم سے تصادم کرنے کا ارادہ نہیں نہ ہم تم سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں نیون کے حاکم سندر داس کی بیٹی ساگرہ کو ہمارے حوالے کر دو جسے تم اٹھا کر لا رہے ہو یاد رکھنا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔“

نکامہ قبیلے کا اس سرخیل نے کھا جانے والے انداز میں خرم بن عمر کو دیکھا پھر بول اٹھا۔

”اجنبی تم ہم پر الزام تراشی کر رہے ہو نہ ہم نیون کے حاکم سندر داس کو جانتے ہیں نہ اس کی بیٹی سے واقف ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی نیون کے حاکم سندر داس کی بیٹی ساگرہ کو شکل سے جانتا ہے تو وہ بگھی کا پردہ اٹھا کر اندر دیکھ لے اندر ہماری دو بیٹیاں سوار ہیں انہیں ہم لے کر اپنے قبیلے کی طرف جا رہے ہیں اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔“

اس سرخیل کی اس گفتگو سے خرم بن عمر کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اس کے بعد وہ بول پڑا۔

”ہمیں دھوکہ یا فریب دینے کی کوشش مت کرو اس میں کوئی شک نہیں کہ بگھی میں اس وقت جو دو لڑکیاں ہیں وہ تمہاری ہی ہیں لیکن بگھی کے نیچے جو تمہ خانہ ہے اس کے اندر یقیناً سندر داس کی بیٹی ساگرہ ہے۔ جس کے ہاتھ اور پاؤں تم لوگوں نے باندھ رکھے ہیں اور جسے تم اپنے سردار مول کے لئے لے جا رہے ہو۔ اس لئے کہ مول ساگرہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے بیاہ رچانا چاہتا ہے کہو میں نے جھوٹ کہا ہے؟“

غصے اور غضبناکی میں اس سرخیل کا چہرہ تانبا آنکھیں انگارہ ہو گئی تھیں اپنی تلوار اس نے بھی بے نیام کر لی تھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے سارے ساتھی بھی تلواریں بے نیام کرنے کے علاوہ اپنی ڈھالوں پر اپنی گرفت مضبوط کر گئے تھے پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”اجنبی کسی غلط فہمی میں نہ رہنا ہم لوگوں کا تعلق ایک وحشی قبیلے سے ہے ہم لوگ جذبات سے عاری کڑے اصول پرست لوگ ہیں بدترین ناانصافیوں میں بھی نلوں کے امین بن کر اپنے دشمنوں کے سامنے آتے ہیں۔ یاد رکھنا انسان کے اندر جو حیوانی جبلتوں کا تقاضا ہے وہ تم جیسے شخصوں کے خلاف ہمیں اصولی کارروائی کرنے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔“

خرم بن عمر نے بھی اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھا پھر اپنے سامنے اپنی تلوار لہراتے ہوئے وہ بھی بول اٹھا۔

”تم بھی کسی دھوکے کسی غلط فہمی میں مت رہنا اس پیا سے صحرا میں ہمارے ساتھ آگ و خون کا وحشت بدوش کھیل کھیلنے کی کوشش مت کرنا۔ یاد رکھنا جو کچھ میں نے تم سے طلب کیا ہے اگر تم نے دینے سے انکار کر دیا تو اس دشت کے اندر میں تم سب کے لئے ظلم و جور کی سیاہی کے وہ باب کھولوں گا جو اس سے پہلے تم نے دیکھے نہ ہوں گے، سمجھے! اور میرے ساتھیوں کو صبر و تحمل کی ردا اتارنے پر مجبور مت کرو اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا دشت کمران کی اس تپش اور لو میں ہم تم لوگوں پر خون کی گھاٹا بن کر برسیں گے اور تمہیں تمہاری زندگی کے سارے شمارے محروم کرتے چلے جائیں گے۔“

نکامہ قبیلے کے اس سرخیل نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اس کے بعد اس نے بھی اپنی تلوار لہرائی پھر دھمکی آمیز لہجے میں اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تم ہمیں کس محتسب کے سے انداز میں دھمکی دیتے ہو۔ کیا تم آکاش کے ان بگڑتے تپور تلے دشت اخوت میں اپنی زیست کے نعموں کو زمنوں کے پیوند میں تبدیل کرنا چاہتے ہو۔ کیوں تم اپنی آنکھوں میں منزلوں کے غبار اپنے پاؤں میں نا امیدوں کے سراب باندھنا چاہتے ہو۔“ خرم بن عمر تھوڑی دیر تک اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتا رہا پھر پہلے سے بھی زیادہ زور دار آواز میں اسے مخاطب کیا۔

”تم بھول رہے ہو ہم انوکھا و مستحکم یقین اور عظیم اعتماد رکھنے والے لوگ ہیں۔ دقت آنے پر آئینوں پر عکس ڈالتے پانی میں چراغ جلانے اور موت کے

اندھیرے میں روشنی کا پیغام پہنچانے کا فن بھی جانتے ہیں۔ یاد رکھنا تاریخ کے آئینے میں کبھی بھی پتھروں کی طویل دیواریں اور آہنی بیڑیوں کی جھنکار ہماری رکاوٹ نہیں بنی۔ میں اور میرے ساتھی جب خوفزدہ آوازوں، زہریلی سزاؤ اور لہراتی تاریکیوں کی طرح تم پر وارد ہوں گے یاد رکھنا تم لوگوں کے لمو کی گردش اور زبان کی حرکت بند ہو جائے گی۔“

نکامہ قبیلے کے اس سرخیل نے اس بار خرم بن عمر کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنا کوئی مخصوص اشارہ کیا یہ اشارہ ملنا تھا کہ وہ خود اور اس کے ساتھی قریبے خاموش صحرائے کرمان میں خرم بن عمر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہو گئے تھے جو اب میں خرم بن عمر بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہولناک اور طاقتور امواج کی طرح آگے بڑھا پھر وہ بھی اپنے درویش صفت ساتھیوں کے ساتھ فطرت کے جلال کی طرح ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ ان کے حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ فضاؤں کو تپٹ کر دینے والی آندھیوں اور ہر شے کو سانسوں سے عاری کر دینے والی انسانی مہارت کے جوہر کی طرح اپنے سامنے آنے والوں کا خاتمہ کر دینے کے درپے ہوں دونوں گروہوں کے ٹکرانے سے دشت کرمان کے ذرے ذرے سے ایک طرح سے شعلے لپک اٹھے تھے۔

نکامہ قبیلے کے وہ مسلح جوان پچیس کے لگ بھگ تھے جبکہ خرم بن عمر کے ساتھ دس مسلح جوان۔ گیارہواں وہ خود اور تین قاصد سب ملا کر وہ چودہ بنتے تھے لیکن نکامہ قبیلے کے وہ پچیس جوان زیادہ دیر تک خرم بن عمر کے سامنے ٹھہرنہ سکے کبھی سے اندر چور لڑکیاں بیٹھیں ہوئی تھیں وہ بھی پھلانگ کر باہر آگئیں وہ بھی پوری طرح مسلح تھیں۔ وہ بھی جنگ میں حصہ لینے لگیں۔ خرم بن عمر کا حملہ آور ہونے اور چھا جانے کا انداز ایسا تھا کہ نکامہ قبیلے کے وہ پچیس جوان زیادہ دیر تک اس کے سامنے ٹھہرنہ سکے۔ آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہونے لگی پھر صحرائے کرمان میں دریائے دشت کے کنارے خرم بن عمر نے ان سب کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔

دشمن کا خاتمہ کرنے کے بعد جس قاصد نے سندرداس کی بیٹی سانکرہ کے اغوا ہونے کی خبر دی تھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”سندرداس کی بیٹی سانکرہ کو تمہ خانے سے نکالواتی دیر تک میں مرنے والوں کی لاشیں ٹھکانے لگاتا ہوں اس لئے کہ یہاں مرنے والوں کا کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہئے تاکہ نکامہ والوں کو ہمارے متعلق کوئی شک و شبہ ہی نہ ہو اور وہ ادھر ادھر اپنے ساتھیوں کی تلاش میں سرگرداں رہیں۔“

وہ قاصد آگے بڑھ کر بجھی کا تمہ خانہ کھولنے لگا تھا اتنی دیر تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ خرم بن عمر حرکت میں آیا جس قدر لاشیں تھیں وہ اٹھا کر انہوں نے دریائے دشت کی ایک گہری کھڈ میں ڈال دیں اور پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس پر مٹی اور ریت ڈالنے لگے تھے۔

سندرداس کے قاصد نے بجھی کا تمہ خانہ کھولا اور اس میں سے سندرداس کی بیٹی سانکرہ کو نکالا اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ وہ قاصد نے کھول دیئے توڑی دیر تک سانکرہ کے ساتھ وہ قاصد راز دارانہ سی گفتگو کرتا رہا۔ اتنی دیر تک خرم بن عمر مرنے والوں کو گڑھے میں دبا چکا تھا پھر وہ دریا سے نکل کر کنارے پر آیا۔ سانکرہ اور قاصد نے بھی اپنی گفتگو ختم کر دی سانکرہ اب آہستہ آہستہ خرم بن عمر کی طرف بڑھی تھی تو اس نے دیکھا کہ سانکرہ کے بچپن کی جگہ جوانی لے رہی تھی۔ خرم بن عمر نے یہ بھی دیکھا کہ سانکرہ کی زرگسی آنکھوں میں شراب کی مستی اور شمار تھا۔ اس کا سراپا اس کا جسم اس کا شباب نئی رتوں کے گلابوں کی مانند تھا۔ خرم بن عمر نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ شباب اور حسن میں ایک بے مثال اور لاجواب لڑکی تھی قریب آکر اس نے عجیب سے انداز میں خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری جان اور عصمت دونوں کی حفاظت کی۔“

اس موقع پر خرم بن عمر نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا اور دنگ رہ گیا بولتے وقت اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش اور چہرے پر بخیم کی سی آسودگی تھی بس اس کی یہ جھلک دیکھنے کے بعد خرم بن عمر کی نگاہیں جھک گئی تھیں اس کی طرف دیکھنے کے بجائے وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ سانکرہ کو اس کی یہ ادا بڑی جھلی لگی تھی۔ توڑی دیر تک وہ مسکراتی رہی پھر دوبارہ اس نے خرم بن عمر کو



وہ یہ صحرائی ہوائیں پوری کر دیں گی۔ اس طرح اگر کوئی سانکرہ کو تلاش کرنے کے لئے نکلے گا تو انہیں بگھی کے علاوہ ہمارے گھوڑوں کا کھوج نہیں ملے گا۔“

بگھی کے اندر سانکرہ بھی یہ ساری گفتگو سن رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ رام رتن نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”آپ یقیناً ایک عظیم جوان ہیں۔ آپ نے نہ صرف ہمارے لئے ایک بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے بلکہ یہ جو آپ نے بگھی کے پیچھے جھاڑیاں باندھی ہیں یہ کام تو میرے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا“ خرم بن عمر نے اس کی گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھا گیا تھا پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیا کے کنارے کنارے واپس جا رہا تھا۔ بگھی کو ہانکتے ہوئے رام رتن بھی ان کے پیچھے ہو لیا تھا۔

دیا کے کنارے کی رست میں کیونکہ بگھی کے پئے دھسنے جاتے تھے لہذا سفر کرنے کی رفتار بہت ست تھی۔ اس طرح رات بھر سفر جاری رہا یہاں تک اگلے روز صبح ہی صبح وہ مکران میں داخل ہوئے۔ جب وہ مکران کے والی سعید بن اسلم کلابی کی حویلی کے سامنے آکر رکے تب سعید بن اسلم کلابی کے علاوہ مجاہد بن سعد اور دیگر لوگوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ان میں ایک ایسا نوجوان بھی تھا جو بہترین جنگی لباس پہنے ہوئے تھا اور اپنے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔

سعید بن اسلم کلابی کی حویلی کے سامنے خرم بن عمر جب اپنے گھوڑے سے اترتا تو باری باری سعید بن اسلم کلابی اور مجاہد بن سعد آگے بڑھے اسے گلے لگا کر ملے اور اس کی شاندار کامیابی پر اسے مبارک باد دی۔

خرم بن عمر سے بنگلیہ ہونے کے بعد سعید بن اسلم کلابی تھوڑی دیر تک اسے عجیب سے انداز میں دیکھتا رہا پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”اے ابن عمر کیا تو بصرہ کے حربا کتب میں زیر تعلیم رہا ہے“ سعید بن اسلم کلابی کے اس اچانک سوال پر خرم بن عمر چونکا تھا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اس پر سعید بن اسلم دوبارہ بول پڑا۔

”ابن عمر میرے ہاں ایک ایسا جوان ہے جو تمہارا جاننے والا ہے اور اس کا

مخاطب کیا۔

”یہ جو قاصد میرے باپ کی طرف سے آیا ہے اس کا نام رام رتن ہے اس نے تفصیل کے ساتھ مجھے آپ کے حالات بتائے ہیں وہ کہہ رہا تھا کہ وہ خود بھی آپ کے متعلق نہیں جانتا لیکن ادھر آتے ہوئے راستے میں آپ نے اپنے حالات اسے بتائے اور یہ کہ آپ بھی ان سرزمینوں میں اجنبی ہیں۔ یہ جو کارنامہ آپ نے میرے لئے سر انجام دیا ہے اسے میں زندگی بھر بھول نہ سکوں گی ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میری عزت میری عصمت اور میری جان کی حفاظت کی۔“

سانکرہ جب خاموش ہوئی تو خرم بن عمر تھوڑا سا پیچھے ہٹا اور سندر داس کے قاصد رام رتن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”رام رتن تم اپنی مالک کو بگھی میں سوار کرواؤ بگھی کا رخ موڑو اتنی دیر تک میں ایک کلام کرتا ہوں اس کے بعد یہاں سے کوچ کرتے ہیں“ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

رام رتن کے کہنے پر سانکرہ بگھی میں سوار ہو گئی تھی۔ رام رتن نے اپنے گھوڑے کو بگھی کے ساتھ باندھ دیا پھر اس نے بگھی کے گھوڑوں کو ہانکا اور بگھی کا رخ تبدیل کیا۔ اتنی دیر تک خرم بن عمر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں جو خوں کے دھبے تھے مٹا دیئے تھے۔ دریائے دشت کے کنارے جو بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں انہوں کاٹ کر بگھی کے پچھلے حصے میں باندھ دیا تھا۔

یہ ساری کارروائی رام رتن اور سانکرہ بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے خرم بن عمر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے بگھی کے قریب آیا اور رام رتن کو اس نے مخاطب کیا۔

”رام رتن میں اور میرے ساتھ اپنے گھوڑوں پر سوار بگھی سے آگے آئے رہیں گے تم بگھی کو ہانک کر ہمارے پیچھے لاؤ بگھی کے پیچھے میں نے بڑے جھاڑ جھکا باندھ دیئے ہیں۔ تاکہ صرف بگھی ہی نہیں ہمارے گھوڑوں کے نشانات بھی مٹنے نہ جائیں۔ اس وقت صحرا کے اندر تیز ہوائیں چل رہی ہیں تھوڑی بہت کسر رہ جائے

حویلی میں یا کسی اور جگہ منتقل کرنا چاہئے۔“

سعید بن اسلم کلابی کو شاید اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ ابن عمر کے یاد دلانے پر وہ چونکا آگے بڑھا بگھی کا پردہ ہٹایا۔ اندر حسین و خوبصورت ساکمرہ سہمی بیٹھی تھی سعید بن اسلم نے اس مخاطب کیا۔

”ساکمرہ میری بیٹی میں مکران کا والی سعید بن اسلم ہوں شاید تمہارے باپ سندر داس نے میرے متعلق بتایا ہو گا“ بیٹی نیچے آؤ، تمہاری حیثیت ہمارے ہاں ایک بیٹی کی سی ہے تم یہاں محفوظ رہو گی کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے“ ساکمرہ آہستہ آہستہ نیچے اتری۔

اس موقع پر سعید بن اسلم کلابی کے اہل خانہ جن میں اس کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں وہ بھی حویلی کے صدر دروازے کے پیچھے آن کھڑی ہوئیں تھیں۔ سعید بن اسلم اندر گیا اور اپنی بیوی اور بیٹیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”ساکمرہ پہنچ گئی ہے میں اسے اندر لاتا ہوں تم تینوں اس کا بہترین استقبال کرو اور اسے حویلی کے سکونتی حصے کی طرف لے جاؤ اب وہ یہیں قیام کرے گی۔“

پھر سعید بن اسلم باہر آیا ساکمرہ کو لے کر وہ اندر گیا جونہی ساکمرہ اندر داخل ہوئی سعید بن اسلم کی بیوی اور دونوں بیٹیاں باری باری اس سے لپٹ گئیں تھیں۔ اس سے اپنا تعارف کروایا پھر وہ تینوں ساکمرہ کو حویلی کے اندرونی حصے کی طرف لے گئیں تھیں۔

سعید بن اسلم کلابی ایک بار پھر خرم بن عمر کے پاس آیا اور اسے مخاطب کیا۔ ”ابن عمر تمہاری غیر موجودگی میں مجامعہ بن معو اور بنانہ بن حنظلہ کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے تمہاری اور مجامعہ بن معو کی بہترین رہائش کا انتظام کیا ہے۔ میری حویلی کے ساتھ ہی جو حویلی ہے یہ تقریباً چار حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک حصے میں پہلے سے ابن حنظلہ رہائش رکھتا ہے تین حصے خالی پڑے ہیں۔ ان تین حصوں میں سے ایک حصہ مجامعہ بن معو کے لئے ہے دوسرے حصے میں تمہاری رہائش ہو گی اور تیسرے حصے میں سندر داس کے یہ قاصد رہیں گے۔ تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے ایک مشورہ کیا ہے یہ قاصد یہاں قیام کریں گے اور ان سے ہم بہترین کام لیں گے۔“

تعلق میرے ہی قبیلے سے ہے۔ وہ تمہاری بڑی تعریف کر رہا تھا وہ تمہارا ہم کتب رہا ہے اس کا یہ بھی کہتا ہے کہ کتب میں تم جیسا کوئی تیغ زن اور حربی فنون میں ماہر نہ تھا۔ کیا تم کسی ایسے جوان کو جانتے ہو جس کا نام بنانہ بن حنظلہ کلابی ہو جس وقت تم آئے وہ مستقر میں تھا۔ تمہارے جانے کے بعد میرے پاس آیا۔“

سعید بن اسلم کی اس گفتگو پر خرم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ بول پڑا۔

”میں بنانہ بن حنظلہ کلابی کو خوب جانتا ہوں وہ میرا ہم کتب تھا بہت اچھا نوجوان تھا کیا آپ اسے جانتے ہیں وہ میرا ہم عمر ہی ہے۔ یوں کہہ لیں کہ وہ مجھ سے ایک دو سال بڑا ہو گا کیا وہ آپ کا عزیز ہے یا قریبی رشتہ دار ہے“ اس پر والہاں مڑتے ہوئے سعید بن اسلم کلابی نے اس جوان کی طرف دیکھا جس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ سعید بن اسلم کلابی کا دیکھنا تھا کہ اس نوجوان نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ پھر اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے خرم بن عمر پہچان گیا اس کی طرف بھاگا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”اے ابن حنظلہ تم یہاں کیسے“ دونوں بھاگ کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے تھے۔

خرم بن عمر کے اس سوال کا بنانہ بن حنظلہ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سعید بن اسلم بول پڑا۔

ابن عمر۔۔۔ یہ ابن حنظلہ پہلے سے میرے پاس ہے اس کا تعلق بھی میرے قبیلے سے ہے حجاج بن یوسف نے اسے یہاں کے لشکروں کا نائب سالار مقرر کیا تھا۔ تمہاری یہاں آمد سے پہلے یہاں لشکروں کا سالار بھی یہی تھا اب چونکہ حجاج بن یوسف نے یہاں کے لشکروں کا سالار اعلیٰ تمہیں مقرر کیا ہے تو بنانہ کی حیثیت اب تمہارا نائب کی سی ہو گی۔ مجھے امید ہے تم دونوں یہاں رہتے ہوئے یہاں کے حالات بڑی تیزی سے درست کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔“

سعید بن اسلم کلابی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خرم بن عمر بول پڑا۔

”ابن اسلم میرے خیال میں ہمیں اب اپنی گفتگو ختم کرنی چاہئے۔ سندر داس کی بیٹی ساکمرہ اس وقت بگھی کے اندر موجود ہے میرے خیال میں ہمیں اسے آپ...

حجاج بن یوسف جو قتیبہ بن مسلم کو اپنا سفیر بنا کر شیعہ قبیلے کے سردار بسطلم کی طرف روانہ کیا تھا کہ اسے اپنے لشکریوں کے ساتھ ابن اشعث کے ساتھ ملنے سے روکے تو قتیبہ بن مسلم بڑی تیزی سے منزل مارتا ہوا بسطلم کی طرف بڑھا اور رے کے مقام پر جا کر اس سے ملاقات کی۔

دوران ملاقات قتیبہ بن مسلم نے بسطلم کو سمجھایا کہ وہ ابن اشعث کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف کے ساتھ مل جائے اس میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے۔ جواب میں بسطلم نے الٹا قتیبہ بن مسلم کو دعوت دی کہ وہ حجاج بن یوسف کا ساتھ چھوڑ کر ابن اشعث سے مل جائے اسی میں اس کی بھلائی ہے یوں کچھ دیر تک دونوں میں بحث مباحث ہوتا رہا جو ناکامی پر ختم ہوا۔ قتیبہ سمجھ گیا کہ بسطلم کسی بھی صورت ابن اشعث کو چھوڑ کر حجاج کا ساتھ نہ دے گا لہذا وہ واپس عراق کی طرف روانہ ہوا جبکہ شیعہ قبیلے کا سردار بسطلم ابن اشعث کی طرف کوچ کر گیا تھا جہاں ابن اشعث نے بڑے شور و زور کے ساتھ حجاج بن یوسف کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں تھیں۔ بغاوت تو وہ پہلے ہی کر چکا تھا اب وہ اپنی اس بغاوت کو اس کے حتمی انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

دوران سفر قتیبہ بن مسلم کو معلوم ہوا کہ حجاج بن یوسف کوفہ سے مستقل رہائش کے طور پر اپنے نئے بسائے شہر واسط کی طرف چلا گیا ہے لہذا اب اس نے بھی کوفہ کی بجائے واسط کا رخ کیا تھا۔

واسط شہر کی آبادی کے متعلق ایک عجیب و غریب روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ واسط شہر آباد کیا گیا ہے وہاں لوگوں نے ایک راہب کو دیکھا کہ وہ ایک

یہ بھی فیصلہ کیا ہے ان تین میں سے دو کا قیام یہاں ہو گا ایک کو ہم واپس نیروں بھجوا دیں گے تاکہ سندر داس کو اطلاع کر دی جائے کہ اس کی بیٹی ساگرہ .خریت یہاں پہنچ گئی ہے۔ جو دو یہاں رہیں گے ان کی مدد سے ہم نکامرہ قبیلے کے بحری قزاقوں کے اس گروہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے جو بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اس سلسلے میں سندر داس نے بھی مجھے تجویز پیش کی تھی کہ نکامرہ قبائل کے بدھ مت کے پیروکاروں کے سردار سے رابطہ قائم کیا جائے اور ان کے ساتھ مل کر ان بحری قزاقوں کا خاتمہ کر دیا جائے جو ہندو مت کے پیروکار ہیں اور اکثر و بیشتر مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار مچاتے ہیں اور قتل و غارت گری کا کام کرتے ہیں۔ سندر داس نے اس سلسلے میں میرے خیال میں نکامرہ قبیلے کے بدھ مت کے سردار کو بھی پیغام بھجوا دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کرنے کی کوشش کرے گا۔ سندر داس کے جو دو قاصد یہاں رہیں گے ان کے ذریعے نکامرہ قبیلے کے اس گروہ سے رابطہ قائم کیا جائے گا اس سلسلے میں تمہیں کوئی اعتراض ہو تو بولو۔“

خریم بن عمر نے جب سعید بن اسلم کلابی کی اس تجویز سے اتفاق کیا تو سندر داس کے ایک قاصد کو تو ساگرہ کی خیریت سے آگاہ کرنے کے لئے واپس نیروں کی طرف بھیجا دیا گیا جبکہ باقی دو قاصد جن کے نام ہرچند رائے اور بیرومل ہیں انہیں وہاں روک لیا گیا۔

سعید بن اسلم کلابی نے ان دس جوانوں کو جو خرم بن عمر کے ساتھ آئے تھے لشکر گاہ کی طرف روانہ کر دیا ان کی رہائش کا عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ سعید بن اسلم کی حویلی کے ساتھ جو دوسری حویلی تھی اس کے ایک حصے میں پہلے سے بنانہ بن حنظلہ قیام پذیر تھا دوسرے حصے میں خرم بن عمر ٹھہر گیا تیسرے اور چوتھے حصے میں مجاہد بن سحر اور سندر داس کے دونوں قاصد ہرچند رائے اور رام رتن نے رہائش کر لی تھی۔

مقام کو گندگی اور نجاست سے پاک صاف کر رہا تھا۔ دیکھنے والے لوگوں نے راہب سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا ”کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اس مقام پر عبادت کے لئے ایک مسجد بنائی جائے گی جہاں خداوند قدوس کی عبادت کی جائے گی لہذا میں اس جگہ کو پاک صاف کر رہا ہوں۔“

جن لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا اس کی اطلاع انہوں نے حجاج بن یوسف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی۔ حجاج بن یوسف یہ خبر سن کر بے حد خوش ہوا۔ جس جگہ کہ راہب نے پاک صاف کیا تھا وہاں اس نے ایک بہترین اور عمدہ قسم کی مسجد بنانے کا حکم دیا، ساتھ ہی بڑی تیزی کے ساتھ اس نے مسجد کے اطراف میں شہر اور فونی چھاؤنی کا کام شروع کر دیا اس طرح یہ واسطہ شہر آباد ہوا اور اسی شہر میں ایک کافی بڑے شامی لشکر کے ساتھ حجاج بن یوسف آکر قیام کر گیا تھا۔



شیبانی قبیلے کا سردار بسطام جب اپنے لشکر کے ساتھ ابن اشعث کے ساتھ جا ملا تو ابن اشعث کی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ ہوا اور اس نے اپنے عزائم میں مزید تیزی پیدا کر دی جوئی بسطام اس سے آگاہی کرنے کا فیصلہ کیا اور اس نے عراق کا رخ کیا اور چاہتا تھا کہ حجاج پر حملہ آور ہو اور جس علاقے پر حجاج گورنر مقرر ہے اس پر قبضہ کرے۔

حجاج بن یوسف کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ابن اشعث اس پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ کوچ کر چکا ہے۔ لہذا اس نے امیر المومنین عبدالملک سے استدعا کی کہ ابن اشعث کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے لشکر مہیا کیا جائے عبدالملک اس التجار پر فوراً ”حرکت میں آیا اور ایک کافی بڑا لشکر اس نے حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کر دیا تھا اس طرح حجاج بن یوسف ابن اشعث کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔



مسلمانوں کے باغی سردار حارث علانی نے اپنے بیٹے معاویہ اور محمد کے علاوہ

اپنے سینکڑوں جانثاروں اور ساتھیوں کے ساتھ ہنجکوو میں قیام کر رکھا تھا اچانک ہنجکوو میں یہ خبر پھیل گئی کہ شہر میں سندھ کا راجہ داہر داخل ہو رہا ہے۔ جب اس خبر کی تصدیق ہوئی تو حارث علانی اپنے دونوں بیٹوں معاویہ اور محمد کے علاوہ اپنے سینکڑوں جانثاروں کے ساتھ باہر نکلا شاندار طریقے سے اس نے راجہ داہر کا استقبال کیا۔ راجہ کو وہ اپنی رہائش گاہ لے گئے راجہ کے ساتھ جو محافظ دستے تھے ان کا شہر کے کھلے میدان میں پڑاؤ کر دیا گیا تھا۔ حارث علانی حویلی میں داخل ہونے کے بعد راجہ داہر اس حویلی کے دیوان خانے میں بیٹھا۔ حارث علانی معاویہ اور محمد کے علاوہ راجہ داہر کے کچھ سرکردہ سردار بھی وہاں موجود تھے پھر راجہ داہر نے حارث معاویہ اور محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”میرے جانثاروں مجھے افسوس ہے کہ ہنجکوو کی طرف آنے سے پہلے میں نے تم تینوں کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی۔ دراصل میں خود تمہارے ساتھ ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے تمہارے ساتھ ایک لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا پر یہاں آکر مجھے میرے مخبروں نے ایک ایسی خبر سنائی ہے جس نے میری ساری مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ میں نے جو پہلے لائحہ عمل تیار کیا تھا اس کو میں ترک کرتا ہوں اور ایک نیا منصوبہ تمہارے ساتھ طے کرتا ہوں۔

میرے مخبروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ چند روز تک کمران میں مسلمانوں کا حاکم سعید بن اسلم کلابی خراج کی وصولی کے لئے نکلے گا۔ سعید بن اسلم کلابی نہ صرف یہ کہ تمہارے ایک سردار کا قاتل بھی ہے بلکہ وہ تم لوگوں کو کمران کی حکمرانی سے محروم کرنے والا بھی ہے۔ تمہارے لئے یہ بہترین موقع ہے اگر تم چاہو تو کمران کی حکمرانی تمہیں مل سکتی ہے میں اس سلسلے میں پوری طرح تمہاری مدد کروں گا۔ میرے ساتھ جو چھوٹا سا لشکر ہے یہ بھی تمہارے لئے وقف ہو گا۔

میں نے تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوئی سعید بن اسلم کلابی خراج کی وصولی کے لئے نکلتا ہے اس کے ساتھ چند محافظ دستے ہوں گے تم اس پر حملہ آور ہونا اور اس کا کام تمام کر دینا۔ میرے خیال میں جب کمران کے اندر کوئی مسلمان حاکم یا والی نہ رہے گا تو کمران کے اندر جو مسلمان کی عسکری طاقت ہے وہ درہم برہم ہو کر رہ



جائے گی اور تمہارے لیے مکران پر قبضہ کر کے حکومت کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ داہر تھوڑی دیر کے لئے رکا کچھ سوچا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”حارث میرے عزیز میں سمجھتا ہوں مکران کی حکومت حاصل کرنے کے لئے تمہارے لئے یہ ایک سنہری موقع ہے۔ میرے ساتھ جو لشکر یہاں آیا ہے اسے تم دیکھ ہی چکے ہو تمہارے ساتھ تمہارے سینکڑوں جانثار ہیں اس طرح تمہارے ساتھ ہزاروں پر مشتمل ایک لشکر ہو سکتا ہے اسے لے کر تم حملہ آور ہونا۔ سعید اسلم کلابی کا خاتمہ کرنے کے لئے تمہیں صرف چند جانثاروں کی ضرورت ہے لیکن سعید بن اسلم کلابی کو ختم کرنے کے لئے تمہیں مزید آگے بڑھنا ہے اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہو گا اسے لے کر مکران کے اندرونی حصے کی طرف پیش قدمی کرنا اور سارے علاقے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لینا۔ میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر تم سعید بن اسلم کلابی کا خاتمہ کر لیتے ہو تو میں مکران پر تمہاری مستقل حکومت کو تسلیم کر لوں گا۔“

جب تک تم اس کام سے فارغ نہیں ہوتے میں یہیں ہنجموڈ ہی میں قیام کروں گا میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ جو لشکر میرے ساتھ آیا ہے اس میں سے چند دستے میری حفاظت کے لئے یہاں رہیں گے باقی سارے لشکر کو تم ساتھ لے جا سکتے ہو۔ اس طرح اس لشکر کی مدد سے مکران پر قبضہ کر لو اگر تم اس سنہری موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تو یاد رکھنا آنے والے دنوں میں کبھی بھی تم مکران کی حکومت حاصل نہ کر سکو گے، بولو کیا کہتے ہو۔“

راجہ داہر کی اس پیش کش پر حارث علانی خوش ہو گیا تھا اس کے بیٹے معاویہ اور محمد بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے تینوں نے آپس میں کچھ دیر تک کھسر پھسر کی پھر راجہ داہر کو مخاطب کرتے ہوئے حارث بول پڑا۔

”راجہ جو پیشکش آپ نے کی ہے اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار اور ممنون ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جو نئی مکران کا مسلمان حکمران سعید بن اسلم

کلابی خراج کی وصولی کے لئے نکلتا ہے میں اس پر حملہ کروں گا اور اس کا خاتمہ کر دوں گا۔ پھر جو میرے اپنے جانثار ہیں ان کے علاوہ جو لشکر آپ مجھے مہیا کریں گے ان کے ساتھ میں مکران پر حملہ آور ہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ دنوں کے اندر پورے مکران پر چھا کر وہاں اپنی حکومت مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو جہاں آپ مجھے یہ ضمانت دیتے ہیں کہ آپ مستقل طور پر مجھے مکران کا حاکم تسلیم کریں گے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں اور میری نسل مکران کی حکمران رہے گی آپ کی مطیع اور فرمانبردار بن کر رہے گی اور مغرب کی طرف سے ہماری موجودگی میں آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں اٹھے گا۔ میں آپ کی حیرت کے لئے آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ کوفہ میں جو اس وقت ہمارے قبیلے کا سردار ہے جس کا نام سلیمان ہے اس نے بھی ایک تیز رفتار قاصد ہماری طرف بھجوا کر ہمیں تلقین کی ہے کہ ہم مکران کے موجودہ حکمران سعید بن اسلم کلابی کو قتل کر کے وہاں اپنی حکومت بنانے اور اس کو مستحکم کرنے میں لگ جائیں۔ سو راجہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سعید بن اسلم کلابی کو قتل کرنے اور مکران میں اپنی حکومت قائم کرنے کا فریضہ ہم بہت جلد ادا کریں گے۔“

حارث علانی کی اس گفتگو سے راجہ داہر بے حد خوش اور مطمئن ہوا اس نے وہیں قیام کر لیا تھا جبکہ حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹوں نے سعید بن اسلم کلابی کے قتل اور مکران میں اپنی حکومت بنانے کے کام کے لئے بڑی تیزی اور زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔



ایک روز خرم بن عمر مکران کے والی سعید بن اسلم کلابی کی حویلی میں داخل ہوا اسے دیکھتے ہیں سعید بن اسلم نے اس کا بہترین استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن عمر میرے بیٹے مجھے تمہارا ہی انتظار تھا میں نے تمہیں بلایا ہے اور ایک انتہائی اہم موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں آؤ میرے ساتھ دیوان خانے میں

خریم بن عمر چپ چاپ سعید بن اسلم کلابی کے ساتھ ہو لیا تھا دونوں دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے پھر سعید بن اسلم کلابی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”ابن عمر میرے بیٹے میں تم سے دو موضوعات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس روز تم یہاں وارد ہوئے تھے اس سے اگلے روز میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میری صرف دو بیٹیاں ہیں جنہی کی میں نے شادیاں کر رکھی ہیں ان کے شوہر بھی یہیں رہتے تھے پچھلے کئی روز سے میری بیوی اور میری بیٹیاں واپس اپنے قبیلے کی طرف جانے کے لئے زور دے رہی تھیں۔ آج میں نے اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو ان کے شوہروں کے ساتھ واپس اپنے قبیلے کی طرف روانہ کر دیا ہے یہ تو پہلی خبر ہے بیٹے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ میں خراج وصول کرنے کے لئے نکل رہا ہوں اور اس کے لئے مجھے کچھ دن لگ سکتے ہیں۔ اب جبکہ میری بیوی بیٹیاں جا چکی ہیں تو اس حویلی میں ساکنہ اہلی ہے۔ گو حویلی کی حفاظت کے بہتر انتظامات ہیں اور حویلی کے اندر ساکنہ کی خدمت کے لئے ایک ملازمہ بھی ہے اس ملازمہ کا نام ساؤل ہے یہ اس حویلی میں کام کرنے والی پرانی عورت ہے بیوہ اور بانجھ ہے انتہائی مخلص اور نیک دل عورت ہے میری غیر موجودگی میں یہ ساؤل ہی ساکنہ کے ساتھ رہے گی اور اس کی خدمت کرے گی۔“

یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ حویلی کے گرد حفاظت کے بہترین انتظامات ہیں پھر بھی میں تمہیں تاکید کر کے روانہ ہونا چاہتا ہوں کہ میرے بعد ساکنہ کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بیٹے تم اس کا خیال رکھنا“ پھر خریم بن عمر کے جواب کا انتظار کئے بغیر سعید بن اسلم کلابی دیوان خانے کے دروازے پر آیا اور زور زور سے پکارنے لگا۔

”ساکنہ میری بیٹی ذرا بھاگ کر ادھر آؤ“ آواز دینے کے بعد سعید بن اسلم کلابی دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حسین و پر جمال ساکنہ دیوان خانے کے دروازے پر نمودار ہوئی ایک اچھتی ہوئی نگاہ اس نے خریم بن عمر پر ڈالی پھر سعید بن اسلم کلابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اے عم کیا آپ نے مجھے آواز دی کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے“ ساکنہ

کے طرز تخاطب اور اس کی شیریں گفتگو سے سعید بن اسلم کلابی مسکرا دیا تھا بڑے پیار اور بڑی پدرانہ شفقت میں اس نے اپنے پہلو میں ہاتھ مارا۔

”بیٹی یہاں آکر بیٹھو پھر میں تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔“

آہستہ آہستہ شرماتے اور لجاتے ہوئے ساکنہ آگے بڑھی اور سعید بن اسلم کلابی کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی تب سعید بن اسلم کلابی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”میری بیٹی جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں خراج کی وصولی کے لئے نکل رہا ہوں خراج کی وصولی کے لئے مجھے کچھ دن لگ سکتے ہیں اس طرح حویلی میں تمہیں اکیلا رہنا ہو گا۔ حویلی کے حفاظتی انتظامات سے بھی میں تمہیں آگاہ کر چکا ہوں اور ساؤل کو بھی سمجھا چکا ہوں کہ وہ ہمہ وقت تمہارے ساتھ رہے گی اور تمہاری خدمت کے فرائض انجام دیتی رہے گی۔“

”میری بیٹی اسی غرض سے میں نے خریم بن عمر کو بلایا ہے ساری صورت حال سے اسے میں نے آگاہ کر دیا ہے۔ میری غیر موجودگی میں یہ خود بھی تمہاری حفاظت کا اہتمام کرے گا تم پر نگاہ رکھے گا تمہارا خیال رکھے گا میری بیٹی میری غیر موجودگی میں تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تم بلا جھجک خریم بن عمر سے رابطہ قائم کرنا یہ تمہیں ہر چیز مہیا کرے گا۔“

سعید بن اسلم کلابی کہتے کہتے رکا کچھ سوچا پھر وہ خریم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ کہہ رہا تھا۔

”سن بیٹے اس سے پہلے اسی موضوع پر میں اپنے بھائی مجاہد بن سعید تمہی سے بھی گفتگو کر چکا ہوں ساکنہ کا بھی اس سے سامنا کروا چکا ہوں اور اسے بھی تاکید کی ہے کہ میری غیر موجودگی میں وہ بھی ساکنہ کا خیال رکھے اور وہ ایک عمدہ انسان اور نیک خواستہی ہے میں سمجھتا ہوں ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔“

خریم میرے بیٹے تم ناکامہ قبیلے اور کلی کو اپنا مسکن بنانے والے مسلمانوں کے دشمن مجوسیوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ مجھے واپس آنے دو پھر اس موضوع پر گفتگو کریں گے اور پھر ان دو مہموں کو آخری شکل دیں گے۔ کلی کو اپنا مرکز بنا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے مجوسی یقیناً ہمارے لئے ایک بہت

بڑا خطرہ ہیں اور ان کا سردار زمیش مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا۔

جہاں تک ساحلی قبائل نکامرو کا تعلق ہے تو ان کی صورت حال مختلف ہے وہ دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک ہندو ہیں دوسرے بدھ مت۔ بدھ مت والوں کو پہلے ہم اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد دوسرے قبائل پر حملہ آور ہو کر ان کی طاقت اور قوت کو توڑنے کی کوشش کریں گے پر یہ سارے معاملات واپس آ کر تمہارے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد میں طے کروں گا اس کے بعد ہم اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔“

سعید بن اسلم کلابی جب خاموش ہوا تو سانکرہ کے بجائے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر نے سانکرہ کو مخاطب کیا۔

”سندر داس کی بیٹی کل سعید بن اسلم کلابی خراج کی وصولی کے لئے کوچ کر جائیں گے ان کی غیر موجودگی میں اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اپنی ملازمہ ساؤل کو بھیج دیا کرنا۔ جس چیز کی تمہیں ضرورت ہوگی اس کے ہاتھ میں روانہ کر دیا کروں گا۔ جہاں تک اس جوہلی میں تمہاری حفاظت کا تعلق ہے تو جوہلی کی حفاظت کے لئے انتظامات پہلے ہی سعید بن اسلم کلابی نے کیے ہیں، میں انہیں مزید سخت بنا دوں گا۔ یہاں اکیلے رہتے ہوئے تمہیں کسی خوف یا خدشے کا شکار نہیں ہونا چاہئے جب تک میں یہاں ہوں دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“

جب تک خرم بن عمر بولتا رہا سانکرہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی وہ گفتگو کر رہا تھا پر سانکرہ کی طرف دیکھنے کے بجائے وہ زمین کی طرف دیکھ رہا تھا اور سانکرہ کو اس کی یہ ادا ایسی بھلی لگی کہ وہ اس کی طرف دیکھے بھی جا رہی تھی اور اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی پھر اس خاموشی کو سعید بن اسلم کلابی نے توڑا۔

”سانکرہ میری بیٹی بیس دیوان خانے میں کھانے کے برتن لگاؤ خرم بن عمر آج میرے ساتھ ہی کھانا کھائے گا“ اس پر تقریباً اچھلتے ہوئے سانکرہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی، کھانے کے برتن اس نے وہیں لگا دیئے سعید بن اسلم کلابی اور خرم بن

عمر دونوں نے مل کر کھانا کھایا پھر خرم وہاں سے چلا گیا تھا۔ اگلے روز سعید بن اسلم کلابی خراج کی وصولی کے لئے کران سے کوچ کر گیا تھا۔

PDF

www.urdubooks.org

www.facebook.com/urdubooks.org

کلابی پر حارث علانی کے بیٹوں معاویہ اور محمد نے حملہ کیا سعید بن اسلم کلابی کو انہوں نے قتل کر دیا اور جو ان کے ساتھ دستے تھے ان کا بھی صفایا کر دیا گیا ہے ہم بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر یہاں پہنچے ہیں۔

”مزید یہ کہ راجہ داہرنے بھی انہیں ایک لشکر مہیا کیا ہے اس لشکر کے ساتھ وہ بڑی تیزی سے مکران کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جس سمت کا بھی وہ رخ کر رہے ہیں حسرت کدوں کا سالرزہ عام طاری کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جس طرح وقت کی گردش میں سرگرداں سیارے اور راتوں کے سسے لمحات میں پتے اڑتے ہیں اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھاگتے پھر رہے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح ہر ذی نفس کے سانہوں کو شعلوں میں تبدیل کرتے رہے اور ہر سوزنہ کی بے صورت حکایات پھیلاتے رہے تو یاد رکھئے گا بہت جلد وہ مکران میں آن وارد ہوں گے پھر ان کی راہ روکنا مشکل ہو جائے گا۔“

یہ خبر سن کر خرم بن عمر کا چہرہ شعلوں کی بے تابی جیسا ہو کر رہ گیا تھا وہ آنکھیں یوں تہر بھری آگ برسانے لگی تھی جیسے گہری رات کی تاریکی میں میب عذاب چاروں طرف رقصاں ہو گئے ہوں۔ بنانہ بن حنظلہ کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی مجامع بن معو تمہی بھی غصے میں ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ تھوری دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد خرم بن عمر نے مجامع بن معو تمہی کو مخاطب کیا۔

”اے ابن معو آپ عمر میں میرے باپ کی طرح ہیں میرے لئے بزرگ اور قابل احترام ہیں اب جبکہ سعید بن اسلم کلابی کو حارث علانی کے دونوں بیٹوں نے قتل کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اگر آپ مجھے اجازت دیں تو ان سے متعلق لائحہ عمل طے کرنے کے لئے میں ایک تجویز پیش کروں اس لئے کہ سعید بن اسلم کلابی کی موت کے بعد اب آپ ہی ان علاقوں کے والی اور حکمران ہیں آپ ہی کا فیصلہ ہمارے لئے آخری ہو گا۔“

خرم بن عمر شاید کچھ اور کہتا کہ ہاتھ کے اشارے سے مجامع بن معو نے اسے روک دیا خرم بن عمر جب چپ ہوا تو مجامع بن معو تمہی نے کنا شروع کیا۔

”ابن عمر میرے بیٹے جس وقت میں کوفہ سے تمہارے ساتھ ان سرزمینوں کی

سعید بن اسلم کلابی کی بد قسمتی کہ جس وقت وہ مکران کے نواحی علاقوں سے خراج وصول کر رہا تھا دریائے دشت کے اس پار حارث علانی کے بیٹے معاویہ اور محمد ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوئے۔ سعید بن اسلم کے ساتھ چند دستے تھے جن پر معاویہ اور محمد فطرت سے بغاوت کرنے والے شیاطین کی طرح نازل ہوئے عذاب کی طرح چھانے لگے تھے۔ ان کے پاس کیونکہ ایسا لشکر تھا جو تعداد میں کافی زیادہ تھا لہذا وہ تیزی سے سعید بن اسلم کے محافظ دستوں پر غالب آنے لگے تھے سعید بن اسلم کلابی اور اس کے جان نثار زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہوں نے سعید بن اسلم کلابی کے علاوہ اس کے محافظ دستوں کا بھی کام تمام کر کے رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد حارث علانی اور اس کے بیٹوں نے اس لشکر کو بھی اپنے ساتھ لیا جو راجہ داہرنے انہیں مہیا کیا تھا پھر انہوں نے مکران کے اندرونی علاقوں کا رخ کیا اور اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو تباہی اور بربادی کے خون میں ڈبوئے لگے تھے۔ مکران میں مسلمانوں کی خوش قسمتی کہ سعید بن اسلم کلابی کے محافظ دستوں میں سے کچھ اپنی جان بچا کر مکران کی طرف بھاگے اور سیدھے اسی حویلی میں داخل ہوئے جس میں خرم بن عمر، مجامع بن معو تمہی اور بنانہ بن حنظلہ کلابی نے رہائش رکھی ہوئی تھی تینوں اس وقت ایک کمرے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے تب سعید بن اسلم کلابی کے محافظ دستوں سے بھاگنے والے اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہ تینوں چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر آنے والوں میں سے ایک بول پڑا۔

”ہم آپ لوگوں کے لئے ایک انتہائی بری خبر لے کر آئے ہیں سعید بن اسلم



ہے۔“

بنانہ بن حنظلہ فوراً حرکت میں آیا لشکر کو اس نے کوچ کا حکم دیا چند دستے کران کی حفاظت کے لئے مقرر کئے باقی لشکر کو لے کر خرم بن عمر اور بنانہ دونوں اس طرف کوچ کر گئے تھے جہاں انہیں دشمن کا سامنا کرنا تھا۔

○

راجہ داہر کے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرنے والے محمد اور معاویہ کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ان کی راہ روکنے کے لئے مسلمانوں کا ایک لشکر بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے لہذا اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے صحرائے کران میں دریائے دشت کے بائیں کنارے پر پڑاؤ کر لیا تھا۔ شاید وہ وہیں خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ سے ٹکرانا چاہتے تھے۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ بھی بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے دشت کے کنارے آئے اور انہوں نے دیکھا کہ دریا کے دوسرے کنارے پر دشمن خیمہ زن تھا خرم بن عمر نے اپنے لشکر کو وہاں روک دیا۔ اور قبلہ رو ہو کر دعا کے انداز میں اس نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور اپنے خداوند قدس کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

اے میرے اللہ اس میں شک نہیں کہ میں اب تک ایک معمولی گڈریا اور ریوڑ چرانے والا ہوں میرے اللہ تو ہی اپنے رسولوں اپنے پیغمبروں کو گلہ بانی سے جان بانی کے مرتبے تک لے جاتا رہا ہے میرے اللہ! میں سارے پیغمبروں اور رسولوں کی تقدیر کے صدقے میں تجھ سے اپنی مدد اور نصرت کی التجا کرتا ہوں۔“

دعا مانگنے کے بعد ایک بار مڑ کر خرم بن عمر نے دشمن کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر دور دور تک سکون اور آنکھوں میں آسودگی تھی لگتا تھا جیسے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے اس نے اپنے رب کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر لیا ہو۔ اس کے بعد اس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اب وہ اپنے لشکر کے ساتھ دوسرے کنارے کی طرف جانے کے لئے دریائے دشت کو عبور کر رہا تھا۔

دریائے دشت کو عبور کرتے ہوئے خرم بن عمر نے اپنے لشکر کی ترتیب کو

طرف روانہ ہوا تو کوفہ کے راستے میں بھی میں نے تم پر واضح کیا تھا کہ تمہاری حیثیت کران میں نہ صرف میرے بیٹے اور ایک عمدہ صلاح کار سی ہوگی بلکہ لشکریوں کی حرکت کے معاملے میں تمہارا فیصلہ میرے لئے آخری ہوا کرے گا۔ یہ درست ہے کہ سعید بن مسلم کلابی کے بعد میں ہی ان علاقوں کا والی ہوں لیکن کیونکہ تم لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہو لہذا اس صورت حال میں تمہارا فیصلہ میرے اور بنانہ بن حنظلہ کے لئے آخری ہوا کرے گا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی عاجزی اور انکساری کا اظہار نہ کرنا کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

ابن معر جب خاموش ہوا تو خرم بن عمر نے کہنا شروع کیا۔  
”یہ ہواناک خبر سن کر میں نے جو ارادہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں چند دستے شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑے جائیں گے لشکر کے باقی حصے کو لے کر میں اور بنانہ یہاں سے کوچ کریں گے اور حادثہ علانی کے دونوں بیٹوں معاویہ اور محمد کی راہ روکنے کی کوشش کریں گے۔ اگر بہت جلد ان کا سامنا نہ کیا گیا تو یاد رکھنا وہ کران کے اندر وسیع علاقوں پر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلیں گا اور یہ کھیل ایسا خونخوار ہو گا کہ ہمارے لئے اسے سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔“

ابن معر نے خرم بن عمر کو زیادہ بولنے کی مہلت نہ دی لہذا وہ بیچ میں ہی بول پڑا۔

”میرے بیٹے جو کچھ تم نے کرنا ہے وہ کہو تمہاری ہر تجویز آخری ہے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔“

ابن معر کی اس گفتگو سے خرم بن عمر مطمئن ہو گیا تھا پھر اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

”بنانہ میرے بھائی لشکر کو فوراً کوچ کا حکم دو چند دستوں کو کران میں حفاظت کے لئے مقرر کرو آؤ باقی لشکر کو لے کر یہاں سے کوچ کریں جو جوان سعید بن مسلم کلابی کے حفاظتی دستوں سے بھاگ کر آئے ہیں وہ اس سلسلے میں ہماری راہنمائی کریں گے۔ میرے خیال میں ہمیں بہت جلد معاویہ اور محمد کا سامنا کرنا چاہئے ورنہ راجہ داہر کے مہیا کردہ لشکر کے ساتھ وہ اپنی بربادی اور تباہی کی داستان کو طول دیتے چلے جائیں

انوسھی اور پراسرار قوتوں کی طرح ان کی سانسوں کی ڈوریوں کو کاٹنے چلے جاؤ اور لمحہ بہ لمحہ ان کی تعداد کو کم کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر نے زور دار انداز میں تکبیریں بلند کیں پھر وہ انوکھے انداز میں دشمن پر حملہ آور ہوا تھا۔

اپنے سپہ سالار کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے مسلمان لشکر آتش اور انگاروں کی طرح بھڑک اٹھے تھے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ انہوں نے راجہ داہر اور معاویہ اور محمد کے لشکر پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔ ان تیز اور جان لیوا حملوں کو وہ زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے اپنے آدھے لشکر کو کٹانے کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور ان کے پیچھے کچھ ہوئے لشکر کا بھی کافی بڑا حصہ تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ معاویہ اور محمد بڑی مشکل سے چند دستوں کے ساتھ اپنی جائیں بچا کر ہنجگوو کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔



راجہ داہر اور حارث علانی دونوں ہنجگوو میں قیام کیے ہوئے بڑی بے چینی سے معاویہ اور محمد کی کارگزاری کا نتیجہ سننے کے منتظر تھے۔ انہیں یقین تھا کہ سعید بن اسلم کلابی اور اس کے محافظ دستوں کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ کرمان کے اندر دور تک گھٹے چلے جائیں گے اور کرمان میں مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کچھ مخبر اور قاصد مقرر کر رکھے تھے جنہیں راجہ داہر اور حارث علانی نے احکامات جاری کر رکھے تھے کہ وہ معاویہ اور محمد کی نقل و حرکت سے انہیں پوری طرح آگاہ رکھیں۔

ایک روز راجہ داہر اور حارث علانی دونوں ہنجگوو میں حارث علانی کی حویلی میں کسی موضوع پر باہم گفتگو کر رہے تھے کہ راجہ داہر کا محافظ اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک ایک مخبر آیا ہے وہ حارث علانی کے بیٹوں معاویہ اور محمد سے متعلق کچھ کہتا چاہتا ہے۔“ ان الفاظ پر حارث علانی ہی نہیں راجہ داہر بھی چونکا تھا جو گفتگو وہ کر

درست رکھا، اس نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک حصہ اس کے پاس تھا دوسرا بنانہ بن حنظلہ کی سرکردگی میں تھا۔ اسے یقین تھا کہ جوئی دریائے دشت کے دوسرے کنارے پر وہ جائے گا دشمن اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا لہذا دریا کے اندر ہی اس نے اپنی جنگی ترتیب کو درست کر لیا تھا۔

جوئی خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے معاویہ اور محمد اپنے اور راجہ داہر کے لشکر کے ساتھ تاریک راہوں کو اپنی ٹھوک پر رکھنے والی جنم کی آتش ناک اور خوف ناک سیاہ راتوں میں ہولناک اور طاقتور موت کی طرح خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

جواب میں خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے بھی عجیب کھیل کی ابتداء کی وہ بھی مرگ کا کھیل کھیلنے والے اور فضاؤں کو ہلا کر رکھ دینے والی آندھیوں کے عذاب ناک جھکڑوں اور چڑھی تیوریوں اور ایشی ہوئی گردنوں کو جھکا دینے والے پر سطون اور پر جروت عناصر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔

صحرائے کرمان میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے موت گرم بیابانوں کی ریگ کی طرح ہر ذی حیات کی سانسوں میں تحلیل کرنے لگی تھی اس موقع پر جبکہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرا رہے تھے اچانک اپنے گھوڑے پر سوار خرم بن عمر بلند آواز میں بول پڑا اس نے پہلے دشمن کو مخاطب کیا تھا۔

”سنو بد بختیوں کے پیچھے بھاگنے والو موت کے سایوں کے متمنیو یاد رکھا تمہارے سامنے ہم کوئی سبزہ زار نہیں جسے تم کاٹ پھینکو گے ہم تو زمین کے بطن سے نکلنے والے پر عذاب لمحوں کی طرح تمہارا سامنا کریں گے۔ سنو خدائی قانون کو سنا کر کرنے والو میرے خداوند نے چاہا تو دریائے دشت کے کنارے تمہاری قسمت تمہارے مقدر میں بد بختی نامرادی اور شکست کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔“

دشمن کو مخاطب کرنے کے بعد خرم بن عمر نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کیا۔

”سنو اسلام کے فرزندو! میرے صاحبو! میرے مہربانو! دشمن تمہارے سامنے اب یہ چند لمحوں کے سمان ہیں کمر کے غلاف میں شورش اور اضطراب کے بد بختی عذابوں کی طرح ان پر وارد ہو جاؤ۔ فنا کے آنچل اور شکست درینخت آہار پھیلاؤ۔“

ہنجموہ میں داخل ہوں گے۔“

اس خبر سے لگتا تھا کہ راجہ داہر کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے ہیں۔ حارث علانی حیرت و استعجاب اور فکر مندی سے کبھی راجہ داہر کبھی آنے والے اس مخبر کی طرف دیکھتا تھا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ راجہ داہر اس سے پہلے ہی بول پڑا۔  
”کیا تم بتا سکتے ہو کہ معاویہ اور محمد پر حملہ آور ہونے والی وہ قوت کون سی تھی“ اس پر مخبر نے کہنا شروع کیا۔

”میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس کے متعلق تحقیق کی ہے، دراصل ہم نے مکران پر حملہ آور ہونے میں جلد بازی کی ہے پہلے ہمیں مکران کے حالات کا جائزہ لینا چاہئے تھا جو خبریں میں نے حاصل کیں ہیں ان کے مطابق چند روز پہلے دو اشخاص مکران میں وارد ہوئے۔ ایک کا نام مجاہد بن معمر تھی ہے اسے سعید بن اسلم کلابی کا نائب بنا کر بھیجا گیا تھا دوسرے کا نام خرمیم بن عمر ہے اور اسے مکران کے اندر مسلمانوں کا جس قدر لشکر ہے اس کا سپہ سالار اعلیٰ بنایا گیا تھا۔

اس سے پہلے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ خود سعید بن اسلم کلابی تھا اور ایک شخص جس کا نام بنانہ بن حنظلہ ہے وہ اس کا نائب تھا۔ اب خرمیم بن عمر لشکریوں کا سالار ہے اور بنانہ بن حنظلہ اس کا نائب ہے مسلمانوں کا جو لشکر ہمارے لشکر پر حملہ آور ہوا اس کی کمانداری خود خرمیم بن عمر کر رہا تھا جبکہ بنانہ بن حنظلہ اس کا نائب تھا۔ ان دونوں نے حملہ آور ہو کر ہمارے لشکر کو تیس تیس نہس کر کے رکھ دیا۔“

تھوڑی دیر کے لئے راجہ داہر کی گردن جھکی رہی اس نے انتہائی دکھ اور افسوس میں حارث علانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا ”میں تو سمجھتا تھا کہ سعید بن اسلم کلابی کے بعد مسلمانوں کی کوئی قوت نہ رہے گی جو معاویہ اور محمد کا راستہ روکتیں۔ لیکن لگتا ہے مسلمانوں نے پہلے ہی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے احتیاطی تدابیر کر رکھی ہیں۔“

راجہ داہر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ حارث علانی بول پڑا ”میں جانتا ہوں کہ یہ ساری کاروائی حجاج بن یوسف کی ہے وہ بڑا مکار شخص ہے بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے دشمن کو نچا دکھانے کے لئے پہلے بڑی سوچ سمجھ سے قدم اٹھاتا ہے۔ جب قدم

رہے تھے انہوں نے موقوف کر دی اور اپنے اس مسلح جوان کو مخاطب کرتے ہوئے راجہ داہر بول پڑا۔

”جو مخبر آیا ہے اسے روکنے کی ضرورت نہیں تھی اسے فی الفور بھیجو تاکہ میں جانوں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔“

وہ محافظ باہر نکل گیا تھوڑی دیر تک ایک مخبر اندر آیا اس نے راجہ داہر کو تعظیم دی پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مالک میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں، جو لشکر آپ نے مہیا کیا تھا اسے اور اپنے لشکر کو لے کر معاویہ اور محمد صحرائے مکران کے دریائے وشت کی طرف گئے وہاں ان کا ٹکراؤ مسلمانوں کے والی سعید بن اسلم کلابی اور ان کے دستوں سے ہوا معاویہ اور محمد کی خوش قسمتی کہ سارے دستوں کا صفایا کر دیا گیا اور سعید بن اسلم کلابی کا خاتمہ کر دیا گیا۔“

قاصد یہیں تک کہہ پایا تھا کہ راجہ داہر مسکرا کر بول پڑا۔  
”اس میں بری خبر کون سی ہے یہ تو ایک بہت اچھی خبر ہے کہ طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق معاویہ اور محمد نے سعید بن اسلم کلابی کا خاتمہ کر دیا اور اس کے سارے محافظ دستوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ دونوں بھائی مسلمانوں کی حدود میں کہاں تک آگے بڑھے ہیں۔“

جواب میں مخبر کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی پھر غمگین سی آواز میں وہ بول پڑا۔

”آگے نہیں بڑھے دشت کے کنارے رک گئے، دریائے وشت کے کنارے ان دونوں بھائیوں نے پڑاؤ کر رکھا تھا کہ سامنے کی طرف سے ایک قوت آئی مسلمانوں کا وہ ایک ایسا لشکر تھا جس کی تعداد معاویہ اور محمد کے لشکر سے یقیناً ”پانچ چھ گناہ کم تھی۔ لیکن وہ ایک لشکر نہیں تھا آگ کا ایک گولہ اور بربادی کا برستا ہوا ایک بادل تھا۔ دریائے وشت کو عبور کرتے ہی وہ حملہ آور ہوا اور ان کی آن میں اس نے معاویہ اور محمد کے لشکر کو شکست دی لشکر کی اکثریت کو انہوں نے تہ تیغ کر دیا۔ بچے کھچے دستوں کے ساتھ معاویہ اور محمد ہنجموہ کا رخ کر رہے ہیں تھوڑی دیر تک“

پوریا بستر سمیٹ دیا جائے گا اور اس طرح سے مغرب کی طرف سے آئندہ کسی قسم کا خطرہ نہ رہے گا۔“

حارث علانی تھوڑی دیر تک تو مصیبتی انداز میں راجہ داہر کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

”راجہ یہ ایک عمدہ ترکیب ہے اس پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا جائے تو میرے خیال میں مکران میں مسلمانوں کے قدم کبھی بھی نہ پائیں گے“ راجہ داہر جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ حارث علانی کے بیٹے معاویہ اور محمد داخل ہوئے۔ راجہ داہر اور حارث علانی دونوں اس کمرے سے باہر آئے بڑے پر جوش انداز میں دونوں سے مصافحہ کیا پھر راجہ داہر نے دونوں کو مخاطب کیا۔

”مجھے خبر مل گئی ہے کہ تم دونوں کو شکست ہوئی ہے پر جس قوت نے تمہیں شکست دی ہے وہ قوت کوئی معمولی قوت نہیں اور جو لشکر تمہیں مہیا کیا گیا تھا اس لشکر کو شکست دینا کسی عام قوت کے بس کا روگ نہ تھا۔“

راجہ داہر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ حارث کے بیٹے معاویہ نے اس کی بات کانٹے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”راجہ ہمیں امید تک نہ تھی کہ مسلمانوں کی کوئی ایسی قوت بھی ہمارا راستہ روکے گی۔ لیکن یہاں مسلمانوں کا ایک نیا سالار آیا ہے اس کے حملہ آور ہونے کا انداز نیا تھا لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے اور ان میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کا طریقہ کار بھی اس کا نزالا تھا۔ اس کی تقریر کے بعد اس کے لشکری آگ کے گولے اور شعلوں کا طوفان بن کر ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارا کوئی لشکری ان کے سامنے جم نہ سکا حالانکہ ان کے لشکر کی تعداد ہم سے کافی کم تھی۔ ہماری بد قسمتی کہ ہم دونوں بھائیوں کو پھر بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا اس کے لئے ہم دونوں بھائی شرمندہ ہیں۔“

راجہ داہر کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی معاویہ اور محمد کا شانہ باری باری تھپتھپایا پھر کہنے لگا۔

”فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے باپ کے ساتھ میں نے آئندہ کا ایک لائحہ عمل طے کیا ہے۔ میں تھوڑی دیر تک یہاں سے واپسی کے لئے کوچ کروں

اٹھالیتا ہے تو پھر روندے بغیر نہیں رہتا یقیناً“ اس نے یہاں کے حالات کو دیکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ مجاہد بن معمر اور خرم بن عمر کو ان سرزمینوں کی طرف بھیجا تھا۔ اب ہمیں حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مکران پر حملہ آور ہونا چاہئے اس لئے کہ سعید بن اسلم کلابی کے بعد اب یہ مجاہد بن معمر تھیں مکران کا والی ہو گا جبکہ اس کے ساتھ خرم بن عمر جو سالار بنا کر بھیجا گیا ہے وہ یقیناً بے پناہ قوت اور صلاحیتوں کا مالک ہو گا۔ میں ایک بات آپ پر واضح کر دوں مجاہد بن یوسف بڑا تیز بڑا فہم و فراست کا شخص ہے اس نے یونہی نہیں خرم بن عمر کو یہاں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا ہو گا۔ اس میں یقیناً ایسی صلاحیتیں ہوں گی کہ اس نے اسے اس منصب کے لئے چنا لہذا آئندہ ہمیں اس کا مقابلہ سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا“ جب تک حارث علانی بولتا رہا راجہ داہر گردن جھکائے خاموشی سے سنتا رہا حارث کے خاموش ہونے پر راجہ داہر بول پڑا۔

”حارث میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے آئندہ ساری صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے حملہ آور ہوا جائے گا، میں مزید ایک لشکر بھجواؤں گا جو یہاں پنجگود میں تمہارے پاس قیام کرے گا تم اپنی ساری قوت کو پنجگود میں جمع کر لو۔ اس کے علاوہ اب میں تیز رفتار قاصد نکامہ قبائل کے سردار مول کی طرف بھجواتا ہوں اور اس سے لائحہ عمل طے کرتا ہوں کہ وہ بھی ایک لشکر مہیا کرے جو ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ ساتھ ہی میں ایک تیز رفتار قاصد کمان کی طرف روانہ کروں گا وہاں وہ مجوسیوں کے سالار اعلیٰ زمیش سے ملے گا اس سے بھی اس سلسلے میں معاملہ طے کرے گا۔ یہ سارے معاملات طے کرنے کے بعد جو صورت حال سامنے آئے گی وہ کچھ اس طرح ہوگی۔

مغرب کی طرف سے زمیش کمان کے شہر کی سے اٹھے گا اپنی پوری طاقت کو مشرق کی طرف لائے گا۔ ساحل سمندر کی طرف سے مول اپنے خونخوار بحری قزاقوں کے ساتھ شمال کا رخ کرے گا جبکہ مشرق کی طرف سے تمہارے دونوں بیٹے ایک باہر ایک لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے کوچ کریں گے۔ اس طرح تین اطراف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا تو میرے خیال میں مکران سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا



گا جانے سے پہلے ہمیں سے میں نکامرہ قبائل کے سردار مول اور کمان میں زمیش کی طرف تیز رفتار قاصد بھجواؤں گا اور ان کے نام میں تمہارے باپ کے ساتھ ملے شدہ لائحہ عمل کے مطابق پیغامات روانہ کروں گا۔ میرا پیغام ملنے کے بعد وہ میرے ساتھ رابطہ کریں گے پھر ایک مقررہ دن تین اطراف سے کمان کے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ جب اس تین طرفہ حملے سے مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑے گا تو ان کے قدم ہمارے سامنے کہیں بھی جمنے نہ پائیں گے۔ میرے خیال میں انہیں اپنی پشت پر کوئی جائے پناہ نہ ملے گی صرف موت ہی ان کا آخری مسکن ہو گا۔“

راجہ داہر کی ایسی پذیرائی کو دیکھتے ہوئے معاویہ اور اس کے بھائی دونوں مطمئن ہو گئے تھے پھر راجہ داہر نے وہیں سے نکامرہ قبائل کے سردار مول اور کمان میں مجوسیوں کے سالار اعلیٰ زمیش کی طرف تیز رفتار قاصد بھجوائے جبکہ خود وہ اپنے مرکزی شہر اروڑ یعنی الور کی طرف چلا گیا تھا۔



ایک دن خوبصورت ساگرہ حویلی کے مدد ستونوں کی راہداری میں بیٹھی تھی اس کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس ڈھیر میں سے موٹی کھجوریں چن چن کر ایک طرف رکھتی جا رہی تھی چھوٹی اور باریک کھجوریں علیحدہ کرتی جا رہی تھی ایسے میں حویلی کی خادمہ ساول تقریباً ”بھاگتی ہوئی اندر آئی اور چپ چاپ ساگرہ کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ ساگرہ نے اس کی طرف دیکھا پھر استغمامیہ سے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

”تم خالی ہاتھ آگئی ہو، جو چیزیں میں نے لانے کے لئے بھیجا تھا وہیں رکتی اور لے کر آتی۔ کیا میری چیزیں لانے کے لئے خرم بن عمر بازار کی طرف گئے ہیں یا ابھی اپنی حویلی ہی میں ہیں۔“

ساول بیچاری منہ سے کچھ نہ بولی اس کی گردن جھکی ہوئی تھی فکر مند تھی پریشان اور ملول سی تھی اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے ساگرہ کے چہرے کی حالت بھی بدل گئی پھر بڑے غور سے اس نے ساول کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگی۔

”کیا بات ہے تم بولتی کیوں نہیں تمہاری گردن کیوں جھکی ہوئی ہے کیا کوئی افسوس ناک حادثہ پیش آ گیا ہے“ اس پر ساول کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے تھے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ اس کی حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے دل کے تہ خانوں سے اٹھتی ہوئی ہچکچکیوں کو اپنے حلقوم میں بڑی مشکل سے روک رہی ہو۔

صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے ساگرہ فوراً ”اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی پہلے وہ طہارت خانے میں گئی ہاتھ دھوئے پھر اس نے ساول کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اسے دیوان خانے کی طرف لے گئی دونوں نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر ساول کے کندھے پر

ہاتھ رکھتے ہوئے ساگرہ پھر بول پڑی ”اب بتاؤ کیا معاملہ ہے تم کیوں روٹی ہو، کیا کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے کیا خرم بن عمر نے تمہارے ساتھ تکلیف وہ سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔“ ساول جواب میں گردن نفی میں ہلائے جا رہی تھی ساگرہ پھر بولی ”کیا کسی اور نے تمہاری دل شکنی کی ہے۔“ ساول نے پھر نفی میں گردن ہلا دی تب ساگرہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بول پڑی۔

”اگر کسی نے بھی تمہیں کچھ نہیں کہا تو پھر کیا بات ہے تم کیوں غمگین پریشان ہو کیوں روٹی ہو کیوں تمہاری ہچکیاں بندھی ہیں“ اس پر ساول نے اپنے آپ کو سنبھالا اپنے سر پر بندھے ہوئے رومال سے اس نے اپنی آنکھیں خشک کر لیں ایک دکھیا سی نگاہ اس نے ساگرہ پر ڈالی پھر اس کی نحیف سی آواز سنائی دی۔

”مالک جو نقدی آپ نے دی تھی وہ لے کر میں خرم بن عمر کی طرف گئی تھی۔ وہ گزشتہ کئی دن سے یہاں نہیں ہے۔ میں جب وہاں پہنچی تو مجھے بن معمر تیبی کے علاوہ بھیرو مل اور ہر چند رائے سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے جس حادثے کے حالات مجھے سنائے ہیں اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔“

سن ماکن سعید بن اسلم کلابی کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ قتل کئی دن پہلے ہوا۔ ہمیں کسی نے نہیں بتایا تم جانتی ہو کہ سعید بن اسلم کلابی خراج کی وصولی کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ راجہ داہر اور مسلمانوں کے باغی سالار حارث علانی کو اس کی خبر ہو گئی لہذا راجہ داہر نے ایک کافی بڑا لشکر حارث علانی کے دونوں بیٹوں معاویہ اور محمد کو مہیا کیا۔ اپنے لشکر کو بھی انہوں نے ساتھ لیا سعید بن اسلم کلابی پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ جو دستے اس کے ساتھ محافظ کے طور پر تھے اسے بھی تہ تیغ کر دیا میرے وہاں ہوتے ہوئے ایک قاصد مجاہد بن معمر تیبی کے پاس آیا اور اس نے ایک اور خبر سنائی ہے۔“

خادمہ بیس تک کہہ پائی تھی کہ اس کی بات کانتے ہوئے ساگرہ بول پڑی ”سعید بن اسلم کو تو میں اپنا باپ سمجھنے لگی تھی میرے لئے وہ باپ سے بھی بڑھ کر شفیق اور مہربان تھے۔ ان کا قتل کب ہو گیا ہمیں کسی نے کیوں نہیں اطلاع دی“ ساگرہ کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے ساول پھر بول پڑی ”یہ حادثہ کئی روز پہلے پیش

آیا تھا اسی روز ہی خرم بن عمر اس کا نائب بنانہ بن حنظلہ اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہو گئے تھے۔ آج میری موجودگی میں جو قاصد آیا ہے اس نے یہ اطلاع دی ہے کہ خرم بن عمر اور بنانہ دونوں نے مل کر راجہ داہر کے لشکر کو بدترین شکست دی ہے اور حارث علانی کے دونوں بیٹے محمد اور معاویہ شکست اٹھا کر بھاگ گئے ہیں۔“

ساگرہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ”اؤ میرے ساتھ میں اس سلسلے میں مجاہد بن معمر تیبی سے ملنا پسند کروں گی۔“ ساول چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی دونوں حویلی سے نکلیں اور ساتھ والی حویلی میں داخل ہوئیں۔

اس وقت مجاہد بن معمر تیبی ہر چند رائے اور رام رتن حویلی کے اس حصے میں تھے جو مجاہد بن معمر تیبی کے لئے مخصوص تھا۔ ساگرہ ساول کو لے کر حویلی کے اسی حصے کی طرف گئی تھی جس کمرے میں وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کمرے کے دروازے پر ساگرہ رک گئی پھر مجاہد بن معمر تیبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔“

ساگرہ کو دیکھتے ہی مجاہد بن معمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہر چند رائے اور رام رتن بھی کھڑے ہوئے گئے تھے پھر ابن معمر نے ساگرہ کو مخاطب کیا۔

”ساگرہ تیری حیثیت میرے ہاں اور میری نگاہوں میں ایک بیٹی کی سی ہے میری بیٹی تھے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے تو جب چاہے اس حویلی میں آ جا سکتی ہے آمیری بیٹی میرے سامنے بیٹھ۔“

ساگرہ ساول کے ساتھ آگے بڑھی ابن معمر کے سامنے جو نشست خالی تھی اس پر بیٹھ گئی پھر ابن معمر کو اس نے مخاطب کیا ”تھوڑی دیر پہلے ساول یہاں سے گئی ہے اس نے مجھے ایک بری خبر سنائی ہے کیا یہ سارے واقعات سچ ہیں یا یہ کوئی اڑائی ہوئی خبر ہے“ جواب میں ابن معمر نے سارے حالات ساگرہ کو تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔

سعید بن اسلم کے قتل کے حالات سننے کے بعد ساگرہ بیچاری کی پلکیں بھیگ گئی تھیں وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی، تھوڑی دیر تک اس کی گردن جھکی رہی یہاں تک کہ

اس کی سماعت سے ابن مسعود کی آواز پھر نکرائی۔

”جس وقت سائل یہاں موجود تھی اس وقت ایک قاصد آیا تھا میری بیٹی خیر بن عمر نے سعید بن اسلم کلابی کے قتل کا بدلہ خوب لیا ہے۔ دشمن کو اس نے بدرتہا شکست دی ہے اور اب وہ لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری کے ساتھ مکران کا رخ کر رہا ہے۔ میرے خیال میں جس طرح قاصد نے کہا ہے اس کے مطابق آج کسی دن بھی وہ مکران میں داخل ہو گا۔“

ساکرہ کچھ دیر تک گہری خاموشی میں ڈوبی رہی اس کی گردن جھکی ہوئی تھی آنکھوں سے قطرے اس کے دامن میں گر رہے تھے تھوڑی دیر تک ایسی ہی کیفیت رہی اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ابن مسعود کو مخاطب کیا۔

”کیا آپ نے سعید بن اسلم کلابی کے اہل خانہ کو ان کی ہلاکت کی اطلاع دیا ہے۔“

”ابن مسعود کے لبوں پر اس موقع پر بڑی تلخ اور بڑی غمگین سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”نہیں میری بیٹی ابھی اس کے اہل خانہ اپنے قبیلے میں پہنچے ہی نہ ہوں گے تاہم خرم بن عمر کی واپسی پر اس سے مشورہ کرنے کے بعد میں ایک قاصد حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کروں گا اور اسے ان سارے حالات سے آگاہ کروں گا جو قاصد ہوساؤل کی موجودگی میں آیا تھا۔ اس نے ہم پر یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ علانی قبیلے کا سردار ان دنوں کوفہ میں مقیم ہے جس کا نام سلیمان ہے وہ بھی سعید بن اسلم کلابی کے قتل میں برابر کا شامل ہے۔ اس لئے اس نے وہاں سے حارث علانی کو احکامات بھیجے تھے کہ سعید بن اسلم کلابی کا خاتمہ کر دیا جائے اور وہ مکران پر اپنی حکومت قائم کرے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹوں کو ناکامی کا

دیکھنا پڑا۔“

تھوڑی دیر تک کمرے میں گہری خاموشی اور اندھا سا سکوت طاری رہا اس کے بعد ساکرہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ابن مسعود کو اس نے مخاطب کیا۔

”میرے محترم اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک اجازت لینا چاہتا ہوں۔“

ہوں۔“

ابن مسعود نے فوراً ”ساکرہ کی بات کاٹ دی اور کہنے لگا۔

”میری بیٹی میں پہلے بھی تجھے بتا چکا ہوں کہ کچھ کہنے کے لئے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے تیری حیثیت میری نگاہوں میں ایک ہر دلعزیز بیٹی کی سی ہے تو جو کچھ کہنا چاہتی ہے بلا جھجک مجھ سے کہ۔“

ابن مسعود کے ان الفاظ سے ساکرہ کو کچھ حوصلہ ہوا کچھ دیر تک بڑے غور سے اس نے ابن مسعود کی طرف دیکھا پھر کمرے میں اس کی آواز گونج گئی۔

”میں اگر خرم بن عمر کی اس فتح کے سلسلے میں اپنے ہاتھوں سے ان کی دعوت کا اہتمام کروں تو کیا وہ میری دعوت کو قبول کر لیں گے۔“

جواب میں ابن مسعود نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ساتھ ہی اس کی آواز بھی سنائی دی۔

”میری بیٹی تو کس قسم کی گفتگو کرتی ہے وہ تو بڑا سادہ بڑا عاجز اور بڑا انکسار پسند انسان ہے وہ دل شکنی کرنے والا انسان نہیں ہے جب بھی تم اس کی دعوت کرو گی میرے خیال میں وہ بخوشی قبول کرے گا۔“

ابن مسعود کی اس گفتگو سے ساکرہ کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی تھی لہذا اس نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

”خرم بن عمر میرے محسن ہیں میری عزت میری جان کی انہوں نے حفاظت کی تھی، لہذا ان کی خاطر مدارت کرنا یوں جائیں میرے فرائض میں شامل ہے مجھے یہاں آئے ہوئے کئی ہفتے ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک مجھے کسی نے ان کے حالات سے باخبر نہیں کیا، اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ خرم بن عمر کب سے یہاں ہیں، کہاں سے آئے اور یہاں لشکریوں کا سپہ سالار بننے سے پہلے وہ کیا کام کرتے تھے۔“

ساکرہ کے اس سوال پر ابن مسعود تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں مسکرایا پھر اس نے مزے لے لے کر ریوڑ چرانے سے لے کر مکران پہنچنے تک خرم بن عمر کی ساری زندگی کے حالات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔

ابن مسعود جب خاموش ہوا تب ایک بار پھر ساکرہ بول پڑی۔

مقرر ہیں وہ ویسے کے ویسے ہی رہیں گے۔ تمہاری آمد سے پہلے ہر چند رائے مجھے بتا رہا تھا کہ ان کا تیسرا ساتھی جس کا نام بیرویل ہے جو تمہارے باپ کی طرف گیا ہے اسے ہر چند رائے نے سمجھایا تھا کہ وہ جب تمہارے باپ سمندر داس سے یہ جا کر کے کہ ساکرہ اب مکران میں محفوظ ہے اور اسے مول کے مسلح جوانوں سے چھڑا لیا گیا ہے اور وہ سمندر داس سے یہ بھی کہے کہ ساکرہ تمہاری ماں اور منگیترا کو بھی مکران کی طرف روانہ کر دے۔

بیٹی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ماں اور تمہارا منگیترا بھی یہاں آجائے اور پھر مناسب موقع جان کر چند سرکردہ لوگوں کی موجودگی میں تمہاری اور تمہارے منگیترا کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ اس طرح یہاں اس حویلی میں تم اپنے شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرو۔

اب دیکھیں کہ ان کا تیسرا ساتھی بیرویل کیا جواب لے کر آتا ہے ویسے بیٹی ابھی تک نہ ہر چند رائے نے، نہ ہی رام رتن نے مجھے بتایا ہے جس جوان سے تمہارے پھیرے ہونے والے تھے اس کا نام کیا ہے۔“

ابن سعور کے اس سوال پر ساکرہ توڑی دیر تک شرمائی لجائی پھر گردن جھکاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

”اس کا نام دھرم داس ہے اور وہ میرے قریبی عزیزوں میں سے ہے۔ جس روز میرے اور اس کے پھیرے ہونے سے بد قسمتی سے اس سے ایک روز پہلے ہی مجھے مول کے مسلح جوانوں نے اغوا کر لیا اور بھلا ہو اس خرم بن عمر کا جس نے نہ صرف میری عزت بلکہ میری جان کی خوب حفاظت کی۔

جس وقت مجھے مول کے آدمیوں سے چھڑا کر مکران کی طرف لایا جا رہا تھا اس وقت میں بڑی فکر مند تھی کہ اجنبی جگہ پر نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ مول کے آدمی جس وقت مجھے دریائے دشت کے کنارے کنارے سمندر کی طرف لے جا رہے تھے تو ادھ موٹی تو میں پہلے ہی ہو چکی تھی، میں یہ بھی جان چکی تھی کہ مول کے ہاں مجھے ضرور بے آبرو کیا جائے گا۔ پر میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ مول کے ہاتھوں بے آبرو نہیں ہوں گی۔ بگھی کے اندر جس وقت مجھے سمندر کی طرف لے جا

”ساول مجھے بتا رہی تھی کہ جس وقت وہ پہلے یہاں آئی تو ایک قاصد یہاں آیا تھا جس نے آپ کو خرم بن عمر کی کارکردگی کی اطلاع دی تھی کیا اس قاصد نے یہ نہیں بتایا کہ خرم بن عمر کب مکران میں داخل ہوں گے۔“

”میری بیٹی آنے والے اس منجبر نے پورے حالات سے آگاہ کیا ہے اس منجبر کا کہنا ہے کہ جس رفتار سے خرم بن عمر اور اس کا نائب بنانہ حنظلہ سفر کر رہے ہیں اگر وہی رفتار انہوں نے جاری رکھی تو آج شام تک وہ مکران میں داخل ہو جائیں گے۔

ابن سعور کے اس انکشاف پر ساکرہ کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی اس کے بعد ایک بار پھر اس کمرے میں اس کی آواز گونج گئی تھی۔

”اگر میں آج ہی خرم بن عمر کی دعوت کا اہتمام کروں تو آپ کو اس سلسلے میں کوئی شکایت کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔“

ابن سعور منہ سے تو کچھ نہ بولا مسکراتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا اور اس کا یہ جواب پا کر ساکرہ بھی خوش ہو گئی تھی۔ ساکرہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ابن سعور نے اپنے پہلو میں بیٹھے بیرویل اور ہر چند رائے کو مخاطب کیا۔

”ہر چند رائے اور بیرویل، ساکرہ کی آمد سے پہلے میں ایک موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن وہ موضوع ادھورا رہ گیا اب اس موضوع پر ساکرہ کی موجودگی ہی میں تم سے گفتگو کرتا ہوں۔“

”دیکھیو راجہ داہرنے حادثہ علانی کے دونوں بیٹوں محمد اور معاویہ کو ایک لشکر دے کر سعید بن اسلم کلابی کو قتل کرانے اور مکران پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی ہے تو یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ آنے والے دنوں میں وہ ہمارے خلاف اس سے بھی بڑا منصوبہ بنا سکتا ہے۔ عزیزو جس وقت قاصد سعید بن اسلم کلابی کی موت کی خبر لے کر آیا تھا تو میری خرم بن عمر کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی خرم بن عمر پہلے ہی یہاں کے لشکروں کا سالار اعلیٰ ہے۔ اب سعید بن اسلم کی مرگ کے بعد میں مکران کا والی ہوں میں چاہتا ہوں کہ کسی کو بھی مجھ سے شکایت نہ ہو۔ ساکرہ میری بیٹی جس حویلی میں تم نے ساول کے ساتھ قیام کر رکھا ہے تمہارا قیام وہیں ہو گا جو محافظ اس حویلی



سانکرہ جب خاموش ہوئی تو مجاہد بن معمر نے اس کی تسلی و تفسی کے لئے کہنا شروع کیا۔

”میری بیٹی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اگر راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ کے آدمی یا مول کے بحری قزاق ان علاقوں کا رخ کرتے ہیں تو یاد رکھنا ان میں سے کوئی بھی بیچ کر واپس نہ جائے گا۔ میں تیری حفاظت کا ایسے ہی اہتمام کروں گا جیسے باپ اپنی بیٹی کا کرتا ہے۔ اگر بیرویل کے کہنے پر تمہارا منگیترا دھرم داس اور تمہاری ماں مکران کا رخ کرتے ہیں تو ان کی حفاظت بھی تمہاری طرح کی جائے گی، اگر ان کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو تعاقب کرنے والے کسی بھی صورت واپس نہ جائیں گے۔ میں آج ہی کچھ مسلح جوان مقرر کرتا ہوں جو اردگرد نگاہ رکھیں گے اور بیرویل کی واپسی کا انتظار کریں گے، اگر بیرویل کے تعاقب میں کوئی ہوا تو اس کا خاتمہ کرتے چلے جائیں گے۔“

ابن معمر کی اس گفتگو سے سانکرہ کافی حد تک مطمئن اور پرسکون ہو گئی تھی اتنے میں ابن معمر نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”میری بیٹی میں نے تیرے حصے کی کھجوریں بھجوائی تھیں۔ ساؤل کے ہاتھ میں نے یہ بھی پیغام پہنچوایا تھا کہ وہ دو قسم کی کھجوریں ہیں چھوٹی اور بڑی دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر لیتا“ اس پر سانکرہ بول پڑی۔

”میں کھجوریں ہی علیحدہ علیحدہ کر رہی تھی کہ یہ خبر ساؤل نے مجھے سنائی لہذا میں ہاتھ دھو کر ادھر آگئی“ کچھ دیر وہ رکی پھر وہ ہرچند رائے اور رم رتن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”تم دونوں کب تک اپنی مہم کو روانہ ہو گے“ اس پر ہرچند رائے فوراً بول پڑا۔

”مالکن میں اور رام رتن آج ہی اپنی مہم کو روانہ ہو جائیں گے، ہم راجہ داہر کے علاوہ مکران کے بھوسیوں پر بھی نگاہ رکھیں گے کہ ان کے مسلمانوں کے خلاف کیا ارادے ہیں جو کچھ بھی ہم دیکھیں گے۔ اس کی اطلاع محترم مجاہد بن معمر کو کرتے رہیں گے۔“

پھر ہرچند رائے اور رام رتن دہاں سے اٹھے اور چلے گئے تھے تھوڑی دیر بعد

رہے تھے تو میں نے اپنے لباس کے اندر ایک خنجر چھپا رکھا تھا اور تہیہ کر لیا تھا کہ جب میری عزت میری آبرو کا مسئلہ اٹھے گا تو اپنا خاتمہ کروں گی۔

جس وقت اس خرم بن عمر نے مجھے مول کے آدمی سے چھڑایا اس وقت میری پریشانیوں کچھ کم ہوئیں تھیں لیکن میرے لئے یہ فکرات اٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ مکران میں نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ پر اپنے ساتھ ہرچند رائے اور رام رتن کو دیکھتے ہوئے مجھے کسی قدر حوصلہ تھا کہ ان کی موجودگی میں کم از کم میرے ساتھ بدسلوکی نہ ہوگی۔

پر یہاں مکران میں آکر میرے ساتھ جو سلوک ہوا جو رویہ میرے ساتھ روا رکھا گیا قسم بھگوان کی ایسا اچھا رویہ تو میرے گھر میں بھی نہ ہوا تھا۔ اب مکران میں آپ لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے میں یہی محسوس کرتی ہوں کہ میں پردیس میں نہیں دیں میں ہوں، میں اجنبیوں میں نہیں بلکہ اپنوں میں ہوں اور میں اپنے ہی گھر میں زندگی کے دن کاٹ رہی ہوں، اگر آپ میرے منگیترا اور میری ماں کو بھی یہاں بلانے ہیں تو یہ میرے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہو گا لیکن اس وقت ان کا یہاں آنا کسی بھی صورت خطرے سے خالی نہیں ہے۔

شاید آپ جانتے ہوں گے کہ نکامرہ قبیلے کے سردار مول کے علاوہ راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ بھی مجھے پسند کرتا تھا اور مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا اب جبکہ یہ خبر پھیلے گی کہ مجھے نیرون سے کسی نے اٹھا لیا ہے اور میں کھو گئی ہوں تب بے سینہ کے حکم پر اس کے آدمی مجھے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ادھر جب میں مول کے پاس نہ پہنچوں گی اور مول کو خبر ہوگی کہ راستے میں حملہ آور ہو کر کسی نے ان کے آدمیوں کو موتیوں کے گھاٹ اتار دیا ہے اور مجھے کوئی اٹھا کر لے گیا ہے تو یاد رکھنے گا اس کے آدمی بھی بھوکے اور سونگنے والے کتوں کی طرح میری تلاش میں لگ جائیں گے۔ ان دنوں اگر میرا منگیترا اور میری ماں نیرون سے اس سمت آتے ہیں تو یاد رکھنے گا بے سینہ یا مول کے مخبران کا تعاقب کریں گے اور اگر وہ یہاں آتے ہیں انہیں خبر ہو جائے گی کہ میں نے یہاں قیام کیا ہوا ہے لہذا وہ ہر صورت میں مجھ سے اٹھانے کی کوشش کریں گے۔“

باندھنے کے بعد لشکر گاہ کی طرف جاتا ہوں۔ ہمارے کچھ لوگ زخمی ہیں ان کی دیکھ  
بھال کے بعد میں لوٹوں گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے خرم بن عمر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ عین اسی لمحہ اس  
نے دیکھا کہ حسین و پر جمال سانکرہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی طرف ایسے آ رہی تھی  
جیسے ندی کنارے اترتی ہوئی کوئٹہ کی کھجور کی کوئی قطار پرواز کرتی ہوئی آتی ہے۔ اس وقت  
وہ بے حد پرسکون دکھائی دے رہی تھی اور خوشی کے باعث اس کا حسن نکھر رہا تھا اور  
فضائل میں خوشبو بکھر رہی تھی۔

خرم بن عمر نے اسے اپنی طرف بھاگتے ہوئے آتے دیکھا پھر اس نے نگاہ  
دوسری طرف کر لی تھی سانکرہ ساؤل کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی ایک  
بلوری صراحی سانکرہ کے ہاتھ میں تھی دوسری ساؤل پکڑے ہوئے تھی دونوں کے پاس  
گلاس بھی تھے۔ پھر سانکرہ نے اپنے شباب اپنے جسم کے سارے حسن کو اپنے چہرے  
پر منعکس کرتے ہوئے شہد اور شیرینی برساتی ہوئی آواز میں خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”اے مسلمانوں کے سالار میں آپ کو آپ کی فتح مندی پر مبارک باد دیتی  
ہوں۔ میرے اور میری خادمہ ساؤل کے پاس دو صراحیاں ہیں ایک میں شکر میں  
رگڑے ستو ہیں دوسری میں شہد اور سرکہ ملا شربت ہے آپ بتائیے کیا شے پیئیں  
گے۔“

خرم بن عمر نے سانکرہ کی طرف نہیں دیکھا وہ نیچے دیکھ رہا تھا اسی حالت میں  
وہ سانکرہ کو ایسے لگا جیسے کوئی پت جھڑکی ہواؤں میں قسمت کے پیالوں کا زہر پی کر  
اشکوں کے جزیروں میں خوابوں کے ساحل پر کھڑا یادوں کے بادبانوں میں کھو گیا ہو۔  
اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سانکرہ نے اسے پھر مخاطب کیا۔

”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا آپ جیسے جوان آپ جیسے سالار جو  
بارش کی بوندوں کو آگ بنا دینے کا ہنر جانتے ہیں ان کی خدمت کرنا میرے جیسی  
لڑکیوں کے فرائض میں شامل ہے“ خرم بن عمر نے پھر بھی سانکرہ کی طرف نہیں دیکھا  
وہ اسی طرح نیچے دیکھتا رہا جس طرح سورج اپنی کرنیں زمین کی کوکھ میں ڈال دیتا ہے  
نیچے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سانکرہ کو مخاطب کیا۔

وہ اپنی مہم کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سانکرہ نے دوبارہ مجاہد  
بن معر کو مخاطب کیا۔

”میرے محترم اگر آپ اجازت دیں تو میں اور ساؤل دونوں مل کر خرم بن عمر  
کی ضیافت کا انتظام شروع کریں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ میری ضیافت کو قبول کر  
لے گا“ جواب میں ابن معر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بڑی شفقت میں اس نے سانکرہ  
کو مخاطب کیا۔

”سانکرہ میری بیٹی تو بے فکر رہ اگر تو اس کی ضیافت کا اہتمام کرنا ہی چاہتی ہے  
تو جا اپنی تیاریاں کر میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ خرم بن عمر تیری ضیافت میں ضرور  
آئے گا۔“ ابن معر کا جواب سن کر سانکرہ خوش ہو گئی تھی پھر وہ ساؤل کے ساتھ  
وہاں سے اپنی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔



سورج غروب ہو گیا تھا سانکرہ اور ساؤل دونوں ضیافت کا سامان تیار کرنے میں  
پوری طرح مصروف تھیں کہ خرم بن عمر کے آنے کا شور مچ گیا۔ یہ شور سنتے ہی  
سانکرہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی مطبخ سے نکل کر وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ساتھ والے  
کمرے میں چلی گئی تھی خادمہ ساؤل اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

ادھر خرم بن عمر اپنے گھوڑے کو درمیانہ روی سے ہانکتا ہوا جب اپنی حویلی  
کے قریب گیا تو حویلی سے باہر نکل کر مجاہد بن معر تمیمی نے اس کا شاندار استقبال  
کیا۔ خرم بن عمر اس وقت اکیلا تھا اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے ابن معر  
نے پوچھا۔

”ابن عمر میرے بیٹے یہ بنانہ بن حنظلہ اس وقت کہاں ہے“ جواب میں اپنے  
گھوڑے سے اترنے کے بعد خرم بن عمر پہلے ابن معر سے بغلیگر ہوا پھر علیحدہ ہونے  
ہوئے کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ لشکر لو لے کر لشکر گاہ کی طرف گیا ہے میں بھی گھوڑے کو بھال

لوٹوں گا، میرے جانے تک بنانہ بن حنظلہ لشکریوں کی دیکھ بھال کر چکا ہو گا میں اسے یہاں آپ کے پاس بھیج دوں گا تھوڑی دیر تک میں بھی لشکریوں کی خبر گیری کروں گا۔ اس کے بعد میں لوٹ آؤں گا آپ میرے خیال میں کل لشکر گاہ کی طرف چلے گا اور زخموں سے ملاقات کیجئے گا، اس طرح ان کے حوصلے بلند رہیں گے۔ ابن مسعود نے خرم بن عمر کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر خرم بن عمر منہ ہاتھ دھونے کے بعد لشکر گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔



سورج غروب ہونے کے بعد جب اندھرا کافی گہرا ہو گیا تو سانکرہ ساؤل کے ساتھ ضیافت کا سامان تیار کر چکی تھی۔ کچھ دیر وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر ساؤل کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ ابن مسعود خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کی آمد کا انتظار کرتی رہی۔ جب وہ دونوں نہ آئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ساؤل کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔

”ساؤل تم یہاں بیٹھو میں خرم بن عمر کا پتا کر کے آتی ہوں کہ وہ یہاں کیوں نہیں پہنچے“ پھر ساؤل کے جواب کا انتظار کئے بغیر سانکرہ باہر نکل گئی تھی۔ سانکرہ ساتھ والی حویلی میں داخل ہوئی اور ابن مسعود کے دروازے پر دستک دی اندر سے ابن مسعود کی آواز آئی، کون ہے۔

سانکرہ نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا میں ”آپ کی بیٹی سانکرہ ہوں۔“ ”میری بیٹی کیا بات ہے تو نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی اگر تجھے کوئی کام تھا یا کسی شے کی ضرورت تھی تو ساؤل کو بھیج دیا ہوتا۔“

سانکرہ دروازے پر ہی کھڑی رہی اور کہنے لگی ”میں نے ضیافت کا سارا سامان تیار کر دیا ہے۔ میں آپ، خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کا انتظار کر رہی ہوں“ اس پر بنانہ بن حنظلہ بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا سانکرہ کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سانکرہ میری بہن یہاں آ کر مجھے پتا چلا کہ آپ نے ہماری ضیافت کا اہتمام کیا

”سندر داس کی بیٹی جو تیرے جی میں آئے پلا دے۔“

خرم بن عمر کے بولنے پر سانکرہ خوش ہو گئی تھی پہلے اس نے ایک صراحی سے شہد اور سر کے کا شربت نکالا گلاس بھرا اور اپنے ہاتھوں سے خرم بن عمر کو پیش کیا۔ خرم بن عمر اسے تین سانوں میں پی گیا تھا اس کے ساتھ ہی سانکرہ نے ستو کا ایک گلاس بھرا نیچے دیکھتے ہوئے خرم بن عمر نے پھر ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ گلاس بھی پی گیا۔ پھر اپنے سر سے بندھے رومال سے اس نے منہ پونچھا اور کہنے لگا ”سندر داس کی بیٹی اس تو واضح پر میں تمہارا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔“

خرم بن عمر ابن مسعود کے ساتھ حویلی کی طرف جانا چاہتا تھا کہ سانکرہ پھر بول پڑی۔

”آپ کی آمد سے پہلے میں نے محترم ابن مسعود سے بات کی تھی آج آپ اور آپ کے ساتھی بنانہ بن حنظلہ کی ضیافت میرے ہاں ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس ضیافت کو ٹھکرائیں گے نہیں آپ کا ساتھی کہاں ہے۔“

”وہ لشکر کو لے کر لشکر گاہ کی طرف گیا ہے میں بھی اپنے گھوڑے کو حویلی میں باندھ کر اس کی طرف جا رہا ہوں اور تھوڑی دیر بعد لوٹوں گا“ خرم بن عمر نے دپے ہی دیکھتے ہوئے کہا تھا پھر وہ ابن مسعود کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کے جواب سے مطمئن ہو کر سانکرہ ساؤل کے ساتھ حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔

ابن مسعود کے ساتھ خرم بن عمر حویلی میں داخل ہوا گھوڑے کو اس نے اصطبل میں باندھا اس کے منہ سے دھانہ نکال کر ایک طرف رکھا زین بھی اتار دی۔ گھوڑے کی پیٹھ پر تھوڑی دیر تک وہ ہاتھ پھیرتا رہا۔ اس کی گردن تھپتھپائی پہلے اسے پانی پلایا پھر اس کے سامنے چارہ ڈالنے کے بعد ابن مسعود کے ساتھ وہ پیچھے ہٹا اس موقع پر ابن مسعود نے اسے مخاطب کیا۔

”ابن عمر میرے بیٹے کیا تم اس وقت لشکر گاہ کی طرف جاؤ گے“ اس پر خرم بن عمر نے جب اثبات میں گردن ہلائی تو ابن مسعود پھر بول پڑا۔

”پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اس پر خرم پھر بول پڑا۔“

”آپ حویلی میں رہیں میں تھوڑی دیر تک لشکریوں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد

کرنے والے کی آواز دوبارہ کچھ اس طرح چاندنی رات میں کھجوروں کے جھنڈ کے اندر ابھری جیسے مشیت الہی کا کوئی پابند درویش صفت انسان زندگی کی عظمت و رفعت کا اظہار کر رہا ہو۔ جس کا ترجمہ کچھ یوں تھا۔

”اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند بالا کھجور کے درخت پیدا کئے جن پر پھلوں سے ہلکے ہوئے خوشے تھے کہ تمہ گتے ہیں یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا اس پانی سے ہم مردہ زمین کو ایک زندگی بخش دیتے ہیں، مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے نکلنا بھی اسی طرح ہو گا اس سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور ایکہ والے اور تیج کی قوم کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا اور آخر کار میری وعید ان پر چسپاں ہو گئی۔“

یہاں تک پڑھنے کے بعد قاری پھر رک گیا تھا شاید تھوڑی دیر اس نے دم لیا تھا پھر دوبارہ ساکرہ کے کانوں میں اس کی آواز کچھ اس طرح پڑی جیسے کوئی صاحب صیف و قلم نسلی اور گروہی عصیت، نفرت کے طوفانوں، عناد کی آگ اور مہیب طاغوتی قوتوں کے افسوس ناک باب کے اندر کھڑا ہو کر نمود انقلاب صداقت کے احترام اور انسانی عظمتوں کی خوشخبری دینے لگا ہو وہ کہہ رہا تھا۔

”کیا پہلی بار کی تخلیق سے ہم عاجز تھے مگر ایک نئی تخلیق کی طرف یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں، ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں ابھرنے والے دوسوں تک کو ہم جانتے ہیں، ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ دو کاتب اس کے دائیں بائیں ہر چیز ثبت کر رہے ہیں، کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش مگران موجود نہ ہو پھر دیکھو وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور پھر صور پھونکا جائے گا یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔“

یہاں تک پڑھنے کے بعد تلاوت کرنے والا پھر رک گیا تھا اب وہ ساکرہ کے

ہے اس کے لئے میں پہلے سے آپ کا شکر گزار ہوں، میری بہن تم ایسا کرو جاؤ اپنے کمرے میں جا کر بیٹھو ابھی تک خرم بن عمر نہیں آیا جو نبی وہ آتا ہے میں اور خرم بن عمر اور ابن مسعود تینوں آپ کی طرف آتے ہیں۔ اب آپ کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں میں آپ کا بھائی خود ابن مسعود اور خرم بن عمر کو لے کر آؤں گا۔“

بنانہ بن حنظلہ کی گفتگو سے ساکرہ خوش ہو گئی تھی پھر وہ پلٹی اور حویلی سے باہر نکلی۔

اپنی حویلی کی طرف جانے کے لئے اس نے چند ہی قدم بڑھائے تھے کہ دونوں حویلیوں کی پشت میں جو دور تک کھجوروں کا باغ پھیلا ہوا تھا اس کے اندر سے دھیمی دھیمی کچھ ایسی آواز سنائی دی جو اس کا دل موہ رہی تھی۔ کوئی انتہائی پر لطف آواز میں قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا تھا ساکرہ اپنی حویلی کی طرف جانے کے بجائے عجیب سے جذبے میں کھجوروں کے اس باغ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

کھجوروں کے باغ میں تھوڑا سا آگے جانے کے بعد ساکرہ ایک کھجور کے موٹے تنے کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ اس دن آواز اس کی سماعت سے اس طرح ٹکرائی تھی جیسے تخریب کی قوتوں کے اندر زبرد تعمیر کھڑا ہوا ہو۔ تلاوت کرنے کا لہجہ خالص عربی تھا اور وہ دور تک پھیلی کھجوروں کے اندر بکھری چاندنی میں دھمکوں کو کھینچ لینے والے انداز میں تلاوت کر رہا تھا جس کا ترجمہ کچھ یوں تھا۔

”تو کیا انہوں نے کبھی اپنے گاوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ کس طرح ہ نے اسے بنایا اور آراستہ کیا اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کو جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔“

یہاں تک تلاوت کرنے کے بعد تلاوت کرنے والا رکا تھا، ساکرہ ابھی تک اس کھجور کے تنے کے پیچھے کھڑی تھی وہ مطمئن تھی اس لئے کہ آواز بتاتی تھی کہ تلاوت کرنے والا آہستہ آہستہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد تلاوت



ایک بار پھر تینوں نے ساکنہ اور سادل کا شکریہ ادا کیا پھر وہاں سے وہ اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

بالکل قریب آگیا تھا، چاندنی رات میں کھجوروں کے جھنڈ کے اندر چلتا ہوا اب ساکنہ کو صاف دکھائی دے رہا تھا، اس نے تلاوت بند کر دی تھی جب وہ ساکنہ کے پاس سے گزرنے لگا تو ساکنہ اسے دیکھتے ہوئے دنگ رہ گئی، وہ خرم بن عمر تھا اس نے سفید عبا فضاؤں میں چلنے والی تیز ہواؤں کے باعث لہرا رہی تھی سر پر اس نے سفید رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ اپنی حویلی کی طرف جا رہا تھا اس نے ساکنہ کو نہیں دیکھا تھا اس لئے کہ ساکنہ کھجور کے تنے کی اوٹ میں کھڑی تھی پھر ساکنہ کے دیکھتے ہی دیکھتے خرم بن عمر اپنی حویلی کی طرف چلا گیا اس کے جانے کے بعد ساکنہ بھی وہاں سے ہی وہ بھی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد ساکنہ سادل کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر بائٹھ کرنے پائی تھی کہ مجاہد بن معمر حمیمی خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ تینوں حویلی پر داخل ہوئے، دونوں کمرے سے نکلیں تینوں کا استقبال کیا پھر اس کمرے میں لے گئے جہاں ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا تینوں کو بٹھانے کے بعد ان کے سامنے انہوں نے کھانے کی اشیاء چینی شروع کر دیں تھیں۔

پھر وہ دونوں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں وہ تینوں کھانا کھانے لگے تھے کھانے کے دوران اچانک مجاہد بن معمر حمیمی کو کچھ یاد آیا اور وہ ساکنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ساکنہ میری بیٹی خرم بن عمر کہہ رہا تھا کہ تم نے خواہ مخواہ یہ ضیافت کرنا کی زحمت اٹھائی، اس کا کہنا تھا کہ اگر تمہارے ماں باپ یہاں ہوتے اور تمہارا مستقل رہائش بھی یہاں ہوتی تو تم ضیافت کا اہتمام کرتیں تو انہیں اس سے بے خوشی ہوتی لیکن اب جبکہ تم خود یہاں مسمان ہو تو تمہاری طرف سے یہ ضیافت عجیب سی لگتی ہے۔“

ابن معمر کے ان الفاظ پر ساکنہ تھوڑی دیر تک مسکراتی رہی پھر اس نے ایک گہری نگاہ خرم بن عمر پر ڈالی وہ نگاہیں جھکائے خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے ابن معمر کے ان الفاظ کا کوئی اثر لیا نہ ہی اس نے ساکنہ کے رد عمل کو دیکھا۔

کھانا کھانے کے بعد تینوں کچھ دیر تک ساکنہ اور سادل کے پاس بیٹھے رہے

”میں نے تمہیں پہلے تنبیہ کی تھی کہ تم دو جرم کر چکے ہو تیسرا جرم اگر تم نے کیا تو میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔ تمہارے تیسرے جرم کی مجھے اطلاع دے دی گئی ہے۔ تم نے اپنے قبیلے کے ایک شخص حارث اور اس کے بیٹوں کو ترغیب دی کہ وہ مکران کے حاکم سعید بن اسلم کو قتل کر دیں، تمہاری ترغیب پر وہ تینوں باپ بیٹے حرکت میں آئے۔ اس وقت وہ سعید بن اسلم کلابی پر حملہ آور ہوئے جب وہ خراج وصول کرنے کے لئے مکران سے باہر تھا۔ حارث علانی کے بیٹوں معاویہ اور محمد نے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور جس قدر مسلمان لشکری اس کے ساتھ تھے ان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ لیکن وہ مکران پر قابض نہ ہو سکے اس لئے کہ خرم بن عمر جسے میں نے مکران میں لشکروں کا سپہ سالار بنایا ہے وہ ان کے آڑے آیا۔ ان کے اور راجہ داہر کے مشترکہ لشکر کو اس نے بدترین شکست دی اور اپنی سرحدوں سے بھگایا۔ اب مکران کا والی مجاہد بن سعور تیسری ہے حارث محمد اور معاویہ کے علاوہ تم بھی سعید بن اسلم کلابی کے قتل میں ملوث ہو، لہذا قاتل کی حیثیت سے میں تمہارے قتل کا حکم دیتا ہوں کیا تم نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے یا رکھنا اگر جھوٹ بولو گے تو یہیں کھڑے کھڑے میں خود گردن کاٹ کر رکھ دوں گا۔“

حجاج بن یوسف کے ان الفاظ پر سلیمان لرز کر رہ گیا تھا وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا اس طرح خاموش رہتے ہوئے اس نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا تھا۔ تالی بجاتے ہوئے حجاج بن یوسف نے اپنے محافظ دستوں کے سالار کو اندر بلایا جب وہ حجاج بن یوسف کے سامنے آیا تو کڑکتی ہوئی آواز میں حجاج بن یوسف نے اسے کہا۔

”اس سلیمان کو باہر لے جاؤ یہ اپنے گناہ کو تسلیم کر چکا ہے اس کی گردن کاٹ دو۔“

حجاج بن یوسف کے کہنے پر علانی قبیلے کے سردار کو وہ چلا کر باہر لے گیا اور ایک طرف جاتے ہوئے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سالار لوٹا اور حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”میرا اگر آپ اجازت ہیں تو میں اس قاصد کو آپ کے سامنے پیش کروں جو خراسان سے آیا ہے اور باہر آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔“

حجاج بن یوسف ایک روز اپنے نئے آباد کردہ شہر واسط کے دارالحدل میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے محافظ دستوں کا سالار اس کے قریب آیا اور حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یا امیر آپ نے علانی قبیلے کے سردار کو طلب کیا تھا اسے میں نے بلوا بھیجا تھا اور اس وقت وہ باہر کھڑا ہے اور آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔ ساتھ ہی ایک قاصد خراسان سے بھی آیا ہے وہ بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے اب آپ بتائیے کہ میں کسے پہلے آپ کے سامنے پیش کروں۔“

حجاج بن یوسف خاموش رہا اور کچھ سوچتا رہا اس کے بعد شاید اس نے کوئی فیصلہ کیا اور پہلے محافظ دستے کے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”پہلے علانی قبیلے کے سردار سلیمان علانی کو اندر بھیجو۔“

محافظ دستوں کا سالار باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد علانی قبیلے کا سردار اس کمرے میں داخل ہوا آگے بڑھتے ہوئے جب اس نے ایک نشست پر بیٹھنا چاہا تو حجاج بن یوسف نے ڈانٹنے کے انداز میں اسے مخاطب کیا ”تم ایک مجرم ہو میں نے تمہیں ایک مجرم کی حیثیت سے طلب کیا ہے، مجرم ہو کر تم نشست پر نہیں بیٹھ سکتے میرے سامنے کھڑے رہو، میں تم پر کچھ الزام لگاتا ہوں ان کی نفی ان کی وضاحت کے لئے تمہارے پاس کچھ ہو تو کہنا ورنہ یاد رکھنا میرا انتقام بڑا سخت ہو گا۔“

حجاج بن یوسف کے ان الفاظ پر علانی قبیلے کا سردار سلیمان کانپ گیا تھا نشست کی طرف جانے کے بجائے وہ مڑا اور عین حجاج بن یوسف کے سامنے آن کھڑا ہوا حجاج بن یوسف نے اسے مخاطب کیا۔

لشکر ابن اشعث کی راہ روکنے کے لئے روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔

تستو کے مقام پر ابن اشعث نے حجاج بن یوسف کے ہراول کو شکست دی اور اس لشکر کے ایک بڑے حصے کو تہ تیغ کر دیا جس وقت حجاج بن یوسف اپنے لشکر کو لے کر تستو کے مقام پر پہنچا تو اس وقت تک ابن اشعث نے اس کے ہراول لشکر کا خاتمہ کر دیا تھا اور ابن اشعث اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

بڑی برق رفتاری سے حجاج بن یوسف تستو سے مڑا اور اس نے بھی بصرہ کا رخ کیا لیکن اس کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی پہلے ابن اشعث بصرہ شہر کو فتح کر کے شہر میں داخل ہو گیا اور خلیفہ عبد الملک بن مروان کی خلافت کو ختم کرتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت لینی شروع کر دی تھی۔

حجاج بن یوسف بھی بڑی تیزی سے بصرہ کے قریب آیا ابن اشعث شہر سے باہر نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور دونوں لشکریوں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان لڑائیوں میں کبھی حجاج بن یوسف غالب آتا اور کبھی ابن اشعث کو فتح نصیب ہوتی۔

آخر انتیس محرم کو ابن اشعث اور حجاج بن یوسف کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی، اس جنگ میں حجاج بن یوسف نے ابن اشعث کو بدترین شکست دی اور ابن اشعث اپنے ہمراہوں کو لے کر کوفہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور حجاج بن یوسف کی غیر موجودگی میں جس طرح اس نے بصرہ پر قبضہ کیا اسی طرح وہ کوفہ میں داخل ہوا اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔

حجاج بن یوسف نے بصرہ میں اپنا والی مقرر کیا، بصرہ سے نکل کر اس نے بھی کوفہ کا رخ کیا اس کی آمد سے پہلے پہلے کوفہ سے باہر ابن اشعث نے دیر جم کے مقام پر مورچے مدے اور خندقیں کھود لیں تھیں تاکہ جب حجاج بن یوسف آئے تو اس کے ساتھ ایسی طویل جنگوں کا سلسلہ شروع کرے کہ کسی بھی جنگ میں حجاج بن یوسف کو کامیابی نصیب نہ ہو۔

حجاج بن یوسف بھی آتے ہی ابن اشعث کے لشکریوں پر حملہ آور ہوا لیکن

حجاج بن یوسف نے جب اثبات میں گردن ہلائی تو وہ سالار باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد قاصد اندر آیا اور حجاج بن یوسف کے سامنے آن کھڑا ہوا پھر حجاج بن یوسف کو اس نے مخاطب کیا۔

”میں خراسان سے آپ کے لئے یہ خبر لے کر آیا ہوں کہ ابن اشعث نے باقاعدہ طور پر آپ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی ہے اور وہ خراسان سے ان سرزمینوں کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ خراسان سے روانگی سے پہلے ابن اشعث نے اپنے حامیوں کے سامنے آپ کے خلاف ایک زبردست تقریر کی، اس تقریر کو سن کر تمام کوئی اور بصری باغی ہو گئے اور یک زبان ہو کر انہوں نے عہد کیا کہ وہ ہرگز آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کا کھتا مانیں گے، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بلند بانگ دعوئے کئے کہ حجاج خدا کا دشمن ہے اور اس کو اس کی امارت سے معزول کر کے دم لیں گے۔“

”ابن اشعث نے اس سے بھی مزید کیا۔ اس نے غیر مسلم ترکوں کے حکمران و قبیل کو پیغام بھیجا اور اس شرط پر فوراً صلح کر لی کہ اگر ہم حجاج کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو قبیل کے ملک کا تمام خراج معاف کر دیا جائے گا، اور اگر حجاج غالب آئے تو قبیل اس کو یا اس کی فوج کو اپنے علاقے میں داخل ہونے سے نہ روکے گا اور حجاج کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔ و قبیل نے ابن اشعث کی ان شرائط کو قبول کر لیا ہے اور اب مطمئن ہو کر ابن اشعث آپ کا رخ کیے ہوئے ہے بس یہی خبر ہے جو میں پہنچانے آیا ہوں۔“

قاصد کے الفاظ سن کر حجاج بن یوسف تھوڑی دیر تک انتہائی سنجیدگی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے قاصد کو مخاطب کیا۔

”تمہاری ہمرانی تم جا کر آرام کرو“ اس کے ساتھ ہی قاصد مڑا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

اب حجاج بن یوسف بھی عملی طور پر ابن اشعث کے خلاف حرکت میں آئے، عہد کر چکا تھا اسے اس کے مخبر مزید اطلاع دے رہے تھے کہ ابن اشعث بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ کا رخ کر رہا ہے۔ جلدی جلدی حجاج بن یوسف نے ایک ایک ہراول

خندقوں مورچوں اور ددموں کی وجہ سے وہ فی الفور ابن اشعث کے خلاف کامیاب حاصل نہ کر سکا جنگ طویل پکڑتی چلی گئی۔

ادھر خلیفہ عبدالملک کو ابن اشعث اور حجاج بن یوسف کے اس طرح نکرانے کا علم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے عبداللہ اور اپنے بھائی محمد بن مروان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ کیا اور اہل عراق کی طرف ان دونوں کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا۔

ہم حجاج کو معزول کیے دیتے ہیں اہل عراق کے وظائف مثل اہل شام کے مقرر کر دیں گے ابن اشعث جس صوبے کی حکومت پسند کرے گا اس کو دے دی جائے گی۔

حجاج بن یوسف کو اس پیغام کا حال معلوم ہوا تو اسے سخت صدمہ ہوا اس نے عبدالملک کے بیٹے عبد اللہ اور محمد کو اس پیغام کے پہنچانے سے روک کر عبدالملک کو خط لکھا کہ اس طرز عمل سے اہل عراق کبھی آپ کے مغلوب اور محکوم نہ ہوں گے اور ان کی سرکشی ترقی کرے گی۔ لیکن عبدالملک نے حجاج کی بات کو ناپسند کیا اور عبد اللہ اور محمد نے عبدالملک کا پیغام اہل عراق کو پہنچا دیا۔

اس موقع پر اہل عراق اگر دانشمندی اور سوچ سمجھ سے کام لیتے تو خلیفہ عبدالملک کی اس پیشکش کو قبول کر لیتے اور مزید دنگا فساد نہ ہوتا بلکہ ظلم و جور سے ان کی جان بھی چھوٹ جاتی۔ خود ابن اشعث عبدالملک کی اس شرط کو قبول کرنے پر تیار ہو گیا لیکن لشکریوں نے اس بات کو نہیں مانا اور سب نے مخالفت میں بلند آواز کر کے عبدالملک کی خلافت کو ختم کرنے کی آوازیں اٹھائیں۔

عبدالملک کا بیٹا عبد اللہ اور بھائی محمد یہ صورت حال دیکھ کر واپس لوٹ گئے اور جس لشکر کو وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اس لشکر کو انہوں نے حجاج بن یوسف کے پاس ہی چھوڑ دیا خود عبدالملک کے پاس چلے گئے۔

اب طرفین میں تازہ جوش اور تازہ تیاریوں کے ساتھ پھر بڑے زور کی لڑائی شروع ہوئی، ہر روز وہ اپنے اپنے مورچوں سے نکل کر نبرد آزما ہوتے اور شام کو اپنے مورچوں میں واپس چلے جاتے۔ ان لڑائیوں میں کبھی ابن اشعث کا پلڑا بھاری ہوتا اور

حجاج بن یوسف کا زیادہ نقصان ہوتا اور کبھی حجاج فاتح رہتا اور ابن اشعث کا نقصان ہوتا۔

اس دوران کچھ مزید باغی ابن اشعث کے ساتھ مل گئے اور اس کے لشکر میں فاطمہ خواہ اضافہ ہو گیا۔ اب ابن اشعث نے ارادہ کیا کہ کوفہ کے ساتھ ساتھ وہ بصرہ پر بھی قابض ہو جائے۔ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جونہی اس کے لشکر کے ایک حصے نے بصرہ کا رخ کرنا چاہا حجاج بن یوسف اس پر حملہ آور ہوا اور اسے تھس تھس کر دیا۔ اس کے بعد ابن اشعث اور حجاج بن یوسف کے درمیان ایک مزید فیصلہ کن جنگ ہوئی اس جنگ میں حجاج بن یوسف فتح مند رہا ابن اشعث کو شکست ہوئی ابن اشعث پہلے کرمان کی طرف بھاگا پھر کرمان سے نکل کر ترکستان کی غیر مسلم حکمران و قبیل کی طرف چلا گیا تھا۔

حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا ساتھ ہی اس نے ابن اشعث کو گرفتار کرنے کے ذریعے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

ابن اشعث جب ترکستان کے حکمران و قبیل کے پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا تو خراسان میں اس کے جو دامی تھے انہوں نے ابن اشعث کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور سے ترغیب دی کہ ایک بار پھر وہ خراسان کی طرف آئے اور دوبارہ قسمت آزمائی کی جائے، ہو سکتا ہے اس بار ہم حجاج بن یوسف کے خلاف کامیاب رہیں۔

لیکن ابن اشعث کہنے لگا کہ خراسان میں اس وقت یزید بن مہلب جیسا بہادر و دلیر والی ہے، لہذا اس کے ہوتے ہوئے ہماری کامیابی دور دور تک کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی لیکن اپنے حامیوں کے مجبور کرنے پر اس نے اپنے اردگرد بیس ہزار کا اچھا خاصہ تربیت یافتہ لشکر جمع کیا و قبیل کے علاقوں سے نکل کر اس نے ہرات کا رخ کیا اور ہرات شہر پر قبضہ کر لیا۔

یزید بن مہلب کو جب اس کاروائی کی خبر ہوئی تو ایک لشکر لے کر وہ ابن اشعث کی سرکوبی کے لئے نکلا، ابن اشعث نے ہرات سے نکل کر یزید بن مہلب کا مقابلہ کیا لیکن یزید بن مہلب نے اسے بدترین شکست دی، ابن اشعث پھر شکست کھا کر بھاگا پہلے سندھ کا رخ کیا پھر وہ و قبیل کی طرف چلا گیا وہاں جا کر وہ سل کے



عارضہ میں بیمار ہو گیا۔

حجاج بن یوسف کو ان حالات کا علم ہوا تو ابن اشعث کی ہلکت پر خوشی کا اظہار کیا، ساتھ ہی اس نے ترکستان کے حکمران و قبیل کو لکھا کہ وہ باغی ابن اشعث کا سر کاٹ کر بھیج دے اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کی مملکت کے خلاف حملوں کی ابتداء کر دی جائے گی اور اگر وہ حکم مانے گا تو اس کا دس برس کا خراج معاف کر دیا جائے گا۔ و قبیل نے حجاج بن یوسف کے خوف سے اس کا کہا ماننے پر حامی بھری اور اس نے ابن اشعث کا سر کاٹ کر حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کر دیا یوں ابن اشعث کا خاتمہ ہوا۔

ایک روز سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے حسین و خوبصورت ساگرہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس حویلی میں داخل ہوئی جس میں خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ اور جماعہ بن سعور کا قیام تھا اس وقت وہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھے اپنے آئندہ کے لالچہ عمل کو ترتیب دے رہے تھے کہ دروازے میں سے ابن سعور نے ساگرہ کو آتے ہوئے دیکھا اس پر جماعہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”ابن عمر میرے بیٹے ساگرہ آ رہی ہے جس موضوع پر ہم گفتگو کر رہے ہیں اسے بعد میں نہائیں گے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ساگرہ کیا چاہتی ہے“ اتنی دیر تک ساگرہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے پر نمودار ہوئی۔ ابن سعور نے بڑی خوش طبعی سے اسے مخاطب کیا ”آؤ بیٹی۔“ ساگرہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک نشست پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہی اس کے بعد اس نے جماعہ بن سعور اور بنانہ بن حنظلہ کے بجائے براہ راست خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”مجھے گھریلو استعمال کے لئے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے اگر لا دیں تو آپ کی مہمانی ہوگی“ اس کے ساتھ ہی مٹھی میں بند ایک کانڈ ساگرہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر خرم بن عمر کو تھا دیا تھا ساری گھریلو استعمال کی چیزیں لکھیں ہوئیں تھیں خرم بن عمر اس موقع پر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ چونکہ کراٹھ کھڑا اس لئے کہ حویلی کے صدر دروازے پر عین اس وقت ہر چند رائے اور رام رتن داخل ہوئے تھے، ان کے ساتھ گھوڑے پر سوار ایک انتہائی خوبصورت اور پر جمال لڑکی بھی تھی جو ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

”ہم دونوں یہاں سے نکل کر پہلے ساحل سمندر کی طرف گئے وہاں ہم نے گودیری کے باپ اور نکامرو قبیلے کے بدھ مت سردار وانگہ سے ملاقات کی، وانگہ کو ہم نے آپ کے سارے حالات سمجھائے اسے پیشکش کی کہ وہ نکامرو قبائل کے بدھ مت کے سردار مول کے خلاف اٹھ کھڑا ہو اس لئے کہ مول نے نیون کے بدھ مت حاکم سندر داس کی بیٹی پر غلط نگاہ ڈالی ہے اور سندر داس تمہارا بہترین دوست اور مہلی ہے۔“

وانگہ کچھ خوف زدہ تھا اس لئے کہ اس کے مقابلے میں نکامرو قبیلے کے دوسرے سردار مول کی قوت اور طاقت زیادہ ہے۔ اس کے پاس انفرادی قوت بھی وانگہ کی نسبت بہت زیادہ ہے لہذا وہ خوف زدہ ہے کہ اس نے مول کے خلاف سرکشی یا بغاوت کی تو مول اس کے پورے قبیلے کو کچل کر رکھ دے گا وانگہ ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے لیکن وہ کچھ تحفظات چاہتا ہے۔“

رام رتن جب رکا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے ابن معو نے اس سے پوچھا۔  
”کیسے تحفظات؟“

رام رتن نے دوبارہ بولتے ہوئے کہنا شروع کیا ”دراصل وہ چاہتا ہے کہ جب وہ مول سے ٹکرائے تو نہ صرف یہ کہ مسلمان مول کے مقابلے میں اس کی پوری مدد کریں بلکہ اس کے قبیلے کی عورتوں کی حفاظت کا انتظام بھی کیا جائے، اس لئے کہ اگر وانگہ مول سے ٹکراتا ہے تو مول کے قبیلے والے وانگہ کے قبیلے کی لڑکیوں کو اٹھا کر لے جانے کی کوشش کریں گے ایسا بہت سال پہلے بھی وہ کر چکے ہیں اور وانگہ ایسا نہیں ہونے دینا چاہتا، میں نے وانگہ کو یقین دلایا ہے کہ اگر مول کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے تو مسلمان تمہاری پوری مدد کریں گے اور مسلمانوں کا والی مجھے یہ قول دے چکا ہے کہ وانگہ کی پوری مدد کی جائے گی۔ میں نے اسے یہ بھی یقین دلا دیا ہے کہ جہاں تک ان کی عورتوں کا تعلق ہے ان کی بھی حفاظت کا پورا انتظام کیا جائے گا اس پر وانگہ نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر یہ دونوں تحفظات دیئے جائیں تو جہاں اور جس جگہ لاکھوں کے مول کے ساتھ ٹکرانے کے لئے تیار ہے۔“

یہ جو گودیری ہے یہ وانگہ کی اکلوتی بیٹی ہے وانگہ کا کوئی بیٹا نہیں بس یہ واحد

خریم بن عمر نے جب دروازے کی طرف دیکھا تو اس کے تعاقب میں سب کی نگاہیں صدر دروازے کی طرف جم گئیں تمہیں جو نبی ساگرہ نے صدر دروازے کی طرف دیکھا اس کا چہرہ خوشیوں سے پھول کی طرح کھل اٹھا۔ بھاگتی ہوئی وہ کمرے سے نکلی اور حویلی کے صحن کی طرف بڑھ گئی اتنی دیر تک ہر چند رائے رام رتن اور آنے والی لڑکی تینوں اپنے گھوڑے سے اتر چکے تھے۔ ساگرہ بھاگتی ہوئی اس لڑکی کی طرف گئی اور پھر بڑے جوش اور جذبے میں اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگی تھی۔

اتنی دیر تک مجاہد بن معو تمیمی اور بنانہ بن حنظلہ بھی کمرے سے باہر نکل آئے تھے ساگرہ اس لڑکی سے علیحدہ ہو چکی تھی بڑے پیار بڑی محبت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی ”گودیری تو کیسی ہے میں تو امید اور توقع نہ کر سکتی تھی کہ تو بھی یہاں مجھ سے مل سکتی ہے۔“

ساگرہ کی گفتگو سے خریم بن عمر ابن معو اور ابن حنظلہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آنے والی لڑکی جس کا نام گودیری پکارا گیا تھا پہلے سے ساگرہ کی جاننے والی ہے؛ مجاہد بن معو کے کہنے پر ہر چند رائے اور رام رتن نے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ دیا سب اسی کمرے میں بیٹھ گئے جہاں سے وہ اٹھے تھے پھر ابن معو نے رام رتن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”رام رتن پہلے تم اس لڑکی کا تعارف کراؤ جس سے ساگرہ بنگلیہ ہوئی ہے اور جس کا نام گودیری کہا گیا ہے“ رام رتن سے پہلے ہی ساگرہ بول پڑی ”میں خود آپ سے اس کا تعارف کرواتی ہوں اس کا نام گودیری ہے یہ اکثر و بیشتر نیون میں ہمارے ہاں آتی رہی ہے اور نکامرو قبیلے کا سردار جس کا تعلق بدھ مت سے ہے اور جس کا نام وانگہ ہے یہ اس کی اکلوتی بیٹی ہے“ پھر ساگرہ نے وہاں بیٹھے سب لوگوں کا تعارف گودیری سے کروایا ساگرہ کے اس تعارف پر سب خوش ہو گئے تھے پھر ابن معو براہ راست ہر چند رائے اور رام رتن کو مخاطب کیا۔

”اب تم کہو کہاں کہاں سے ہو کر آئے ہو اور کیا خبریں ہیں“ اس پر ہر چند رائے اور رام رتن نے تھوڑی دیر تک مشورہ کیا اس کے بعد رام رتن نے اپنے ساتھی کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آئیں گی۔“

رام رتن جب خاموش ہو گیا تو تھوڑی دیر تک خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ آپس میں مشورہ کرتے رہے پھر خرم بن عمر نے ابن معمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا شروع کیا۔

”ابن معمر میرے محترم اب ہمارے سامنے تین نہیں چار بڑی قوتیں ہیں مجوسیوں کا سربراہ زمیش نکامہ قبیلے کا سردار موئل راجہ واہر اور مسلمانوں کا باغی سالار حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹے، میں نے تم لوگوں پر آج تک یہ ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ میں دل ہی دل میں حارث علانی کے دونوں بیٹوں کو قتل کرنے کی قسم کھائے ہوئے ہوں اس لئے کہ ان دونوں نے سعید بن اسلم کلابی کو قتل کیا تھا اور ان دونوں کا قتل مجھ پر واجب نہیں فرض ہو چکا ہے۔“

اب ہماری سب سے بڑی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کسی بھی صورت ان تینوں قوتوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے، اس سلسلے میں نے بنانہ بن حنظلہ سے بات کی ہے میں چند یوم تک لشکر کے ایک حصے کے ساتھ کوچ کروں گا اور کمان کا رخ کروں گا، اکیلا رام رتن زمیش کے علاقوں تک میری راہنمائی کرے گا ہر چند رائے یہاں آپ لوگوں کے پاس ہی رہے گا اور ضرورت کے وقت یہ آپ لوگوں کے کام آسکتا ہے۔ لشکر کا ایک حصہ یہاں بھی رہے گا جو بنانہ بن حنظلہ کی سرکردگی میں رہے گا تاکہ میری غیر موجودگی میں اگر مکران کے لئے کوئی خطرہ اٹھے تو اس لشکر کے ساتھ بنانہ بن حنظلہ دفاع کر سکے۔“

میں رام رتن کو پہلے آگے بھیج کر مسکی کے نواح میں زمیش کی عسکری قوت کا اندازہ لگاؤں گا اگر اس کے لشکر کی تعداد ایسی ہوئی کہ میں اس سے ٹٹ سکوں تو براہ راست فوراً اس پر حملہ آور ہوں گا اور میرے اللہ کو منظور ہوا تو اپنے پہلے ہی صلے میں زمیش کو کچل کر رکھ دوں گا تاکہ آنے والے دنوں میں وہ جلد ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ اس جنگ میں زمیش کا سر قلم کروں، تاکہ سانپ کا خاتمہ ہی کر دیا جائے۔“

اگر میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس کی عسکری قوت ہماری نسبت بہت زیادہ ہے

اولاد ہی ہے۔ یہ سانکھ کی پرانی جاننے والی ہے میں نے جب وہاں ذکر کیا کہ سانکھ نے کن حالات کے تحت یہاں قیام کیا ہوا ہے تو گودیری ہمارے ساتھ آنے پر پہنچ ہوئی یہ چاہتی تھی کہ سانکھ کے پاس رہے۔ دراصل گودیری کو اس کے باپ نے سارے آنے والے حالات سمجھا دیئے تھے کہ عنقریب ان کا ٹکراؤ موئل سے ہونے والا ہے اور خطرات اٹھ سکتے ہیں۔ لہذا اس نے گودیری کو اجازت دے دی ہے کہ وہ مکران میں جا کر سانکھ ہی کے پاس رہے جب حالات درست ہوں گے تو وہ اسے منگوا لے گا یہ تو نکامہ قبیلے کے حالات ہیں۔“

رام رتن کی اس ساری گفتگو سے ابن معمر ابن حنظلہ اور خرم بن عمر مطمئن دکھائی دے رہے تھے پھر ابن عمر نے رام رتن کو مخاطب کیا۔

”رام رتن تم نے یہ ایک بہترین کام سرانجام دیا ہے وانگہ اگر ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر رضامند ہے تو آنے والا وقت دیکھے گا کہ نکامہ قبائل کو ہم خشکی نیر سمندر میں بھی کھنگال کر رکھ دیں گے۔ اب کمان کے مجوسیوں کے متعلق کچھ کوچ کا سربراہ زمیش ہے۔“ خرم بن عمر کے اس استفسار پر رام رتن کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ بول پڑا۔

”جہاں تک کمان کے مجوسیوں کا تعلق ہے اس وقت کمان کے تین شہروں ان کی گرفت بڑی مضبوط ہے ایک مسکی دوسرا ماہان تیسرا اناسس مجوسیوں کی قوت سربراہ زمیش بڑا عیار اور دھوکے باز انسان ہے، اسے خبر ہو چکی ہے کہ مکران کے مسلمانوں کے پہلے والی سعید بن اسلم کلابی کا خاتمہ کیا جا چکا ہے اور اس کی جگہ والی نے سنبھال لی ہے اسے یہ بھی خبر ہو چکی ہے کہ ایک شخص جس کا نام خرم بن عمر ہے اسے مکران میں مسلمان لشکریوں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے۔ خرم بن عمر میرے عزیز تمہارے متعلق زمیش کو اس کے مخبر پوری اطلاعات فراہم کر چکے، تمہاری طرف سے وہ اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے لہذا اس نے اپنی ساری قوت مسکی شہر کے نواح میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ کسی بھی وقت مسلمانوں کی قوت پر ضرب لگا سکتا ہے، اسی سلسلے میں وہ نکامہ قبیلے کے سردار موئل اور راجہ واہر بھی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے میرے خیال میں یہ تینوں قوتیں مل

تو چند دن کے لئے میں اس کے ساتھ چھاپہ مار جنگ کی ابتداء کروں گا شب خون ماروں گا اس کے لشکر کی تعداد کم کرتا رہوں گا اور پھر اس پر فیصلہ کن ضرب لگاؤں گا کہ وہ اٹھنے کے قابل نہ رہے۔“

”بیٹے میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں“ ابن سعو نے بڑی شفقت سے ابن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا ”پر یہ تو کہو کہ تم کب تک یہاں سے کوچ کرنا پسند کرو گے۔“ اس پر خرم بن عمر فوراً بول پڑا۔

”میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا جوں جوں وقت گزرے گا ہماری دشمن قوتیں مزید طاقتور ہوتی چلی جائیں گی۔ اس لئے میں زمیں پر فوراً ضرب لگانا چاہتا ہوں اور ایسا کرنے کے لئے میں کل یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میری غیر موجودگی میں بنانہ بن حنظلہ آپ کے پاس ہے یہ مکران کا خوب دفاع کرے گا۔“

اس موقع پر سائکرہ کو نجانے کیا سوچھی اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ مجاہد بن سعو تمیمی کے پاس آئی، بڑی راز داری کے ساتھ اس کے ساتھ گفتگو کی پھر وہ اپنی جگہ پر دوبارہ آکر بیٹھ گئی تھی اس گفتگو پر ابن سعو تھوڑی دیر مسکراتا رہا پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”خرم میرے بیٹے اس حویلی کے جن کمروں میں تمہاری رہائش ہے ان کی چابی مجھے دیتے جانا۔ سائکرہ کی خواہش ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے کمروں کی صفائی ستھرائی کا کام سرانجام دیا کرے گی۔ بیٹے یہ تمہیں اپنا محسن اپنا مربی سمجھتی ہے لہذا اس لحاظ سے تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہے میری خیال میں تم محسوس نہیں کرو گے۔“

ان الفاظ پر خرم بن عمر ہلکے ہلکے مسکراتا رہا ایک اچھتی ہوئی نگاہ اس نے لمحہ بھر کے لئے سائکرہ پر ڈالی پھر اس نے ابن سعو کو مخاطب کیا۔

”آپ بے فکر رہیں کمرے کو مقفل کرتے ہوئے چابی میں آپ کو دیتا جاؤں گا میں سائکرہ کا شکر گزار ہوں کہ یہ میرے متعلق ایسے جذبات رکھتی ہے، دراصل یہ خواہ مخواہ ہی مجھے اپنا محسن اور مربی سمجھنے لگی ہے میں نے اس پر کوئی احسان تو نہیں کیا اسے دریائے دشت کے کنارے مول کے آدمیوں سے چھڑا کر یہاں لانا کوئی اتنا

بڑا معرکہ نہ تھا کہ یہ ہمیشہ کے لئے میری ممنون اور شکر گزار بن کر رہے، بہر حال اس کی مریانی ہے کہ یہ ایسے خیالات رکھتی ہے۔“

خرم بن عمر کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ شد برساتی آواز میں سائکرہ فوراً بول پڑی۔

”میں آپ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتی اگر آپ میری مدد نہ کرتے تو یاد رکھئے گا اب تک مول کے آدمی مجھے مول کے پاس لے جا چکے ہوتے وہاں نہ میری پت نہ میری عزت محفوظ ہوتی اور نہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہتی۔ کیا آپ کا مجھ پر یہ کم احسان ہے کہ آپ نے میری جان کے ساتھ میری عزت و آبرو کی حفاظت بھی کی“ سائکرہ کی اس گفتگو کا خرم بن عمر نے کوئی جواب نہ دیا تھا بس مسکرا کر رہ گیا اسی موقع پر ابن سعو کی آواز سنائی دی اس بار اس نے ناکامہ قبیلے کے سردار وانگہ کی بیٹی گودیری کو مخاطب کیا تھا۔

”گودیری میری بیٹی جس طرح سائکرہ کی حیثیت ہمارے ہاں ایک بیٹی کی ہی ہے اس طرح تم بھی یہاں ہماری بیٹی کی حیثیت سے رہو گی تمہاری رہائش سائکرہ ہی کے ساتھ ہو گی، ساتھ دالی حویلی میں تمہاری آمد سے پہلے ہی سائکرہ اور اس کی خادمہ ساول دونوں رہتی ہیں تمہاری آمد سے اس حویلی میں دو کے بجائے تین نفوس ہو جائیں گے رونق بھی پہلے کی نسبت زیادہ ہو گی، مزید یہ کہ سائکرہ کا دل اب پہلے کی نسبت زیادہ دلجمعی سے یہاں لگا رہے گا دیکھ بیٹی تو ابھی یہاں نئی ہے شاید تو شرمائے پھپکائے تجھے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک ساول سے یا سائکرہ سے کہہ دیا کرنا، میرے خیال میں اب تم جا کر سائکرہ اور ساول کے ساتھ آرام کرو۔“

سائکرہ ساول اور گودیری اپنی جگہ سے اٹھنے لگیں تھیں کہ ایک آدمی تقریباً بھاگا بھاگا آیا اور ابن سعو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر ہرچند رائے اور رام رتن کا تیسرا ساتھی بیرویل نیون سے لوٹ آیا ہے اس کے ساتھ دو معزز مہمان بھی ہیں ایک سائکرہ کی ماں ہے دوسرا سائکرہ کا مگیتز، وہ ساتھ دالی حویلی میں داخل ہونے لگے تھے پھر میں انہیں اوہر ہی لے آیا ہوں۔ بیرویل اصطبل میں گھوڑوں کو باندھ رہا ہے جبکہ سائکرہ کی ماں اور مگیتز باہر ہی کھڑے ہیں



نوشی ہوگی۔ اب آپ کی آمد سے میں بھتا ہوں ساگرہ کی خوشیوں میں اور اضافہ ہو  
 بنے گا۔ ساتھ والی حویلی میں ساگرہ اور اس کی خادمہ ساول کا قیام ہے گودیری بھی  
 اب یہیں رہے گی آپ دونوں بھی اپنا قیام وہیں رکھیں اس طرح آپ سب لوگوں کے  
 اگلے رہنے سے آپ سب لوگوں کا جی لگا رہے گا۔“  
 یہاں تک کہتے کہتے جب ابن معمر کا تو ساگرہ بول پڑی۔

”ابن معمر میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتی ہوں ساتھ والی حویلی میں  
 صرف میں، ماں، گودیری اور ساول رہیں گی جہاں تک میرے منگیتر دھرم داس کا تعلق  
 ہے تو وہ اس حویلی کے اس حصے میں رہے گا جس حصے میں بیروئل رام رتن اور ہر چند  
 رائے کا قیام ہے۔ میرے خیال میں آپ میری اس رائے سے اختلاف نہیں کریں  
 گے۔“

ابن معمر نے ساگرہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر ساگرہ سب کو لے کر  
 ساتھ والی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔ دھرم داس نے اس حویلی میں ہر چند رائے،  
 بیروئل اور رام رتن کے ساتھ قیام کر لیا تھا اگلے روز خرم بن عمر لشکر کے ایک حصے  
 کو لے کر کمان کی طرف کوچ کر چکا تھا۔



میرے خیال میں وہ اکٹھے ہی اندر آنا چاہتے ہیں۔“  
 یہ خبر سن کر ساگرہ فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی پھر تقریباً بھاگتی ہوئی باہر  
 نکل گئی تھی اس کے پیچھے پیچھے گودیری اور ساول بھی نکل گئیں تھیں۔

حویلی کے صحن میں اصطلیل کے سامنے ساگرہ کی ماں روجن، ساگرہ کے منگیتر  
 دھرم داس کے ساتھ کھڑی تھی جو نبی اس نے ساگرہ کو دیکھا اس نے اپنے بازو پھیلا  
 دیئے ساگرہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور اپنی ماں سے بٹکیر ہو گئی تھی۔ روجن تھوڑی  
 دیر تک ساگرہ کو پیار کرتی رہی جب وہ علیحدہ ہوئی تو اس کے منگیتر دھرم داس نے  
 پوچھ لیا ساگرہ تم کیسی ہو۔

ساگرہ کی گردن جھک گئی اور مدھم سی آواز میں وہ کہنے لگی ”میں یہاں بالکل  
 ٹھیک ہوں۔“

ساگرہ سے علیحدہ ہونے کے بعد اچانک جب روجن نے گودیری کی طرف دیکھا  
 تو اس کی خوشی پہلے کی نسبت دو چند ہو گئی تھی آگے بڑھ کر اس نے گودیری کو بھی لپٹا  
 لیا اور کہنے لگی۔

”میری بیٹی تو کب سے یہاں ہے“ اس پر گودیری نے یہاں پہنچنے کے سارے  
 حالات کہہ دیئے ساتھ ہی ساگرہ نے ساول سے بھی تعارف کروا دیا تھا اتنی دیر تک  
 بیروئل بھی گھوڑوں کو باندھ آیا پھر سب اس کمرے کی طرف چل دیئے جہاں سے  
 ساگرہ گودیری اور ساول نکلے تھے۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو پہلے ساگرہ نے سب کا تعارف کروایا اس  
 موقع پر گودیری بھی بولی اور کہنے لگی۔

”آنے والے معزز مہمانوں میں سے یہ ساگرہ کی ماں روجن اور ان کے ساتھ  
 ساگرہ کا منگیتر دھرم داس ہے۔ سب نے اٹھ کر دھرم داس سے پر جوش مصافحہ کیا پھر  
 سب نشستوں پر بیٹھ گئے اس کے بعد ابن معمر نے ساگرہ کی ماں روجن کی طرف  
 دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”آپ لوگوں کی آمد سے پہلے میں گودیری سے گفتگو کر رہا تھا یہ چونکہ آج ہی  
 پہنچی ہے تو میں اس سے کہہ رہا تھا کہ اس کی آمد میری بیٹی ساگرہ کے لئے باعث

۷ باہر زمیش کی لشکرگاہ کی طرف بڑھا تھا۔

رات چونکہ آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ہر شے پر نیند کا نشہ سوار تھا صحرائی بمزوں کو روندنا ہوا خرم بن عمر زمیش کی لشکرگاہ کی طرف گیا کھوج رکھنے والی ن کی بھوری آنکھیں ایک آہنی عزم اور استقلال کے ساتھ دشمن کی لشکرگاہ کا پوری طرح جائزہ لے لے چکی تھیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے آن کی آن میں خرم بن عمر نے پاؤں اور ریزہ ریزہ کر دینے والے نفرتوں کے طوفانوں کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ اس کے نکلنے دشمن کی لشکرگاہ پر ایسا ساں طاری کر دیا تھا جیسے تھمائی اور کرب کے سینوں میں کسی نے دکھتی ہوئی آگ بھڑکا دی ہو۔

بڑی تیزی کے ساتھ خرم بن عمر نے دشمن کا قتل عام شروع کیا تھا جب زمیش کے سپاہی سنبھلے تو بھوکے کو جس طرح زمین پر اترتے ہیں اس طرح انہوں نے حملہ آوروں کا رخ کیا لیکن اتنی دیر تک خرم بن عمران پر خشونت آمیز چنگھاڑتی ہواؤں بھلی کی کڑک اور رعد کی چنگاری کی طرح چھا چکا تھا اور صحرائی ریتی زمین کو فون میں ڈبوتے ہوئے اس نے ہر چیز کو اسرار آمیز بنانا شروع کر دیا تھا۔

مجوسیوں کے سالار اعلیٰ زمیش نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ حملہ آوروں کو روکے ابھی تک اسے یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ اس پر حملہ آور ہونے والے کون لوگ ہیں لیکن اسے یہ خبر ضرور ہو گئی تھی کہ لمحوں کے اندر حملہ آور ہو کر کسی نے اس کے لشکر کی حالت غموں کے بے نور گزر گاہوں بے چراغ گھروں اور سنسان بند راستوں جیسی بنا کر رکھ دی ہے۔ لہذا اسے فکر ضرور دامن گیر ہوئی تھی کہ اگر اس کے لشکر کی سنبھل کر اپنے دفاع پر ڈٹ نہ سکے تو حملہ آور انہیں بیخ و بن سے ہلا کر رکھ دیں گے۔

زمیش نے ایک بار اپنی پوری طاقت اور قوت کو جمع کرتے ہوئے خرم بن عمر کے حملوں کو روکنے کی کوشش کی، لیکن خرم بن عمر کے حملوں کو وہ روک نہ سکا۔ خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ زمیش کی لشکرگاہ کا جدھر بھی رخ کرتا پیچھے لاشوں کے ڈھیر چھوڑتا چلا جاتا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ جس سمت بھی حملے کی ابتداء کرتا اس سمت بحیروں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا تھا جس سے زمیش نے اندازہ لگا لیا تھا

رام رتن کی راہنمائی میں خرم بن عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ کمان کے شر مسکی کا رخ کیا تھا اپنے لشکر کے ساتھ وہ مسکی سے چند میل دور رک گیا جبکہ اس نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے رام رتن کو آگے روانہ کیا۔ رام رتن نے واپس آ کر جو اطلاع فراہم کی وہ خرم بن عمر کے اندازوں سے کہیں زیادہ تھی۔ رام رتن نے انکشاف کیا کہ جس قدر لشکر خرم بن عمر کے پاس ہے اس سے کئی گنا زیادہ لشکر مسکی شہر سے باہر موجود ہے خود زمیش بھی مسکی میں ہے اور ایسے ہی دو اور لشکر کمان کے شہر ماہان اور اناس میں موجود ہیں۔

اپنے لشکر کو گھات میں بنانے کے بعد خرم بن عمر نے رام رتن کے ساتھ ایک بار پھر سورج غروب ہونے کے بعد مسکی کا رخ کیا، مسکی کے پورے محل و قریا کو جاننے کے بعد اس نے لشکرگاہ کا بھی جائزہ لیا جو مسکی شہر سے باہر تھی، جہاں زمیش اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا دشمن کی لشکرگاہ کا محل وقوع جاننے اور اپنے لئے مناسب جت کا انتخاب کرنے کے بعد خرم بن عمر رام رتن کے ساتھ لوٹ گیا تھا۔ دشمن کا محل وقوع جاننے کے بعد اس نے دشمن پر شب خون مارنے کا مکمل اور پختہ ارادہ کر لیا تھا۔



رات جب آدھی کے لگ بھگ گزر گئی اور تقریباً چاند غروب ہو چکا تھا اپنے میں اپنے لشکر کے ساتھ خرم بن عمر اپنی صحرائی گھات سے نکلا تھا اور جس طرح آدھ دن کا بھوکا تیندوا دبے پاؤں اپنے شکار کی طرف بڑھتا ہے اس طرح وہ بھی مسکی

”گودیری میری بہن کیا تیری کہیں سگائی کہیں منگنی ہو چکی ہے یہ تو میں جانتی ہوں خیری شادی ابھی تک نہیں ہوئی اگر ہوتی تو مجھے ضرور بلایا ہوتا یعنی مجھے یہ بتاؤ تیری کہیں سگائی تو نہیں ہوئی۔“

سانکرہ کے اسی استفسار پر گودیری نے اسے گھورتے ہوئے دیکھا پھر پوچھنے لگی۔  
”سانکرہ میری بہن یہ تو نے کون سا موضوع چھیڑ دیا ہے تو کیا چاہتی ہے پہلے بتا تیرے من میں کیا ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے نہ تو میری شادی ہوئی ہے نہ ہی میری کہیں سگائی یا منگنی ہوئی ہے۔“

گودیری کے ان الفاظ پر سانکرہ تھوڑی دیر تک مسکراتی رہی شاید وہ کسی خیال سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی اس کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے گودیری شاید کوفت محسوس کرنے لگی تھی، ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اس نے سانکرہ کا بازو پکڑا اور اسے ہلاتے ہوئے کہنے لگی ”اب چپ کیوں ہو جب اس موضوع پر آ کے مجھ سے سوال کیا ہے تو پھر اس موضوع کو آگے بڑھاؤ آخر تو نے ایسا سوال مجھ سے کیا سوچتے ہوئے پوچھا ہے۔“

سانکرہ نے پہلے اس کے سرخ گلاب جیسے گال پر ہلکی سی ایک چپٹ لگائی پھر کہنے لگی ”میں نے تیرے متعلق اچھی سوچ رکھی ہے۔ دیکھ گودیری میں تیرے سامنے ٹال منول نہیں کروں گی نہ ہی میں کوئی بات چھپاؤں گی بس میرے من میں ایک خیال ہے یوں جانو میں نے اپنے جی میں تمہارے لئے ایک جیون ساتھی چنا ہے۔ اگر تم اسے پسند کرنے لگو اسے اپنی زندگی کا رفیق بنانے میں رضا مند ہو جاؤ تو یاد رکھنا تم بڑی خوش رہو گی۔“

گودیری نے تھوڑی دیر کے لئے اسے پھر تیز نگاہوں سے گھورا اس کے بعد بول پڑی ”تو نے کسے میرا جیون ساتھی جن لیا ہے بتاؤ اگر وہ اچھا ہوا میرے من کو بھلایا بناد رہا اور دلیر ہوا میرے جیون کا محافظ بننے کے لئے اس میں خصوصیت ہوئی تو میں تمہاری بات مان جاؤں گی اسے اپنے جیون کا ساتھی تسلیم کر لوں گی اب بتاؤ وہ کون ہے۔“

جواب میں سانکرہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر سوچتی رہی کبھی کبھی وہ آنکھیں

کہ اس پر حملہ آور ہونے والے مسلمان ہیں۔ اس انکشاف پر اس کے پاؤں ستر بھی خرم بن عمر نے زمین کو بساط کی طرح کھینچنا شروع کر دیا تھا ہر لشکری خنز ہراس میں ڈوبنے لگا تھا اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر نے اپنے حملوں میں اور یہ پیدا کر دی تھی شاید وہ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے دشمن سے نبہا چاہتا تھا۔

اور ایسا ہی ہوا، ابھی سپیدہ سحر نمودار نہ ہوا تھا کہ نرمیش بچے کھینچ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ خرم بن عمر نے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس کا تازہ کیا اس کا سب سے بڑا مقصد اور مدعا یہی تھا کہ جس قدر ہو سکے نرمیش کے لشکر کی تعداد کم کی جائے۔ اس تعاقب میں خرم بن عمر پوری طرح کامیاب رہا صرف ایک دستوں کے ساتھ نرمیش اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوا تھا۔

دشمن کا اچھی طرح صفایا کرنے کے بعد خرم بن عمر نے جب اندازہ لگایا صحراؤں کے اندر نرمیش انجانی منزلوں کی طرف روپوش ہو گیا ہے تب وہ اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا۔ اس وقت تک سورج طلوع ہو چکا تھا وہ نرمیش کی لشکرگاہ میں چاروں طرف سامان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے یہاں سے خرم بن عمر کو بار برداری جانوروں کے علاوہ عمدہ نسل کے گھوڑے خوراک اور ہتھیاروں کا ڈھیر اور ضروری زندگی اور بہت سی چیزیں ہاتھ لگیں، خرم بن عمر یہاں زیادہ دیر قیام نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ نرمیش کے پاس ابھی اور دو شہر ہیں جن میں اس کی باہر عسکری قوت ہے۔ وہ نرمیش کے ساتھ ان صحراؤں کے اندر شب خون کا کھیل کھیلتا چاہتا تھا لہذا اس کی لشکرگاہ کی ہر چیز کو سمیٹا بار برداری کے جانور جو اسے تھے ان پر سارا سامان لادا گھوڑوں پر بھی قبضہ کیا پھر وہ واپس مکران کا رخ کر رہا تھا۔



ایک روز سانکرہ اور گودیری حویلی کے کمرے میں اکٹھی بیٹھی کسی موضوع گفتگو کر رہیں تھیں کہ اچانک بولتے بولتے سانکرہ رک گئی کچھ دیر تک وہ عجیب جذبے میں گودیری کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے گودیری کو مخاطب کیا۔

کہ بنانہ بن حنظلہ کے مقابلے میں وہ ایک کم تر انسان ہے اور تم اسے میرے جیون ساتھی کے طور پر مناسب خیال نہیں کرتی ہو۔“

گودیری کی اس ساری گفتگو کو سائکرہ نے سخت ناپسند کیا تھا توڑی دیر تک ٹھورنے کے انداز میں وہ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بول اٹھی۔

”جو کچھ تم نے کہا اسے میں نے ناپسند کیا ہے میں نے تمہارے لئے خرم بن مرکا انتخاب نہیں کیا تمہارے لئے بنانہ بن حنظلہ کو چنا ہے میرا تم سے یہی سوال ہے کہ تم ہاں یا نہ میں جواب دو۔ اگر تم ہاں میں جواب دیتی ہو تو اس سلسلے میں بنانہ بن حنظلہ سے بات کروں گی اگر نہ میں جواب دوں گی تو خاموش رہوں گی۔“

اس موقع پر گودیری کی آنکھوں میں شرارت نپک رہی تھی اس نے پھر سائکرہ کو مخاطب کیا۔

”اگر میں اپنے جیون ساتھی کے لئے خرم بن عمر کا نام لوں تو کیا اس سلسلے میں تم خرم بن عمر سے بات کروں گی اور اسے میرا جیون ساتھی بنانے کی کوشش کروں گی۔“

”گودیری کے ان الفاظ سے سائکرہ برہم سی دکھائی دینے لگی تھی پھر وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بول پڑی۔

”یہ تم بار بار خرم بن عمر کا نام کیوں لئے جا رہی ہو میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب دو۔“

گودیری پھر اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے بول پڑی ”کیا تمہارے خیال میں خرم بن عمر شادی شدہ ہے یا ان علاقوں میں پہلے سے کوئی لڑکی اس کی طرف مائل ہے۔“

سائکرہ نے اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا ”میں کیا جانوں کوئی لڑکی اس کی طرف مائل ہے کہ نہیں میری تو کبھی ان سے گفتگو نہیں ہوئی اور نہ میں یہ جانتی ہوں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہیں۔ اگر تمہیں ان کے متعلق ایسی ہی جستجو ہے تو تم خود ہی براہ راست ان سے بات کرنا چاہو وہ واپس آتے ہیں تو پہلا سوال یہی کرنا۔“

گودیری چند لمبے خاموش رہی شاید وہ کوئی فیصلہ کر رہی تھی پھر اپنا منہ وہ سائکرہ کے کان کے قریب لے گئی اور کہنے لگی۔

بھپکاتے ہوئے گودیری کی طرف دیکھ بھی لیتی تھی پھر اچانک وہ بول پڑی۔

”جسے میں نے تیرے جیون ساتھی کے لئے چنا ہے اس کا نام بنانہ بن حنظلہ ہے اس کا تعلق بنو کلب کے ایک سرکردہ گھرانے سے ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو میں یہاں رہتے ہوئے بنانہ بن حنظلہ کو تمہاری طرف مائل کر سکتی ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ میرا کما نہیں ٹالے گا وہ مجھے اپنی بہن کی طرح سمجھتا ہے اور پھر تم خوبصورت ہو حسین ہو، میرے خیال میں اگر یہ بات تمہاری مرضی جاننے کے بعد بنانہ بن حنظلہ کے کان میں ڈال دوں کہ تم گودیری کی پسندیدہ شخصیت ہو تو یاد رکھنا بنانہ بن حنظلہ تمہارے ساتھ بے پناہ پیار کرنے لگے گا کہ تم کیا کہتی ہو۔“

گودیری کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی تاہم اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھپتی رہی پھر اس نے اپنی نگاہیں سائکرہ کے چہرے پر گاڑھ دیں ساتھ ہی اس کی آواز بھی سنائی دی۔

”سائکرہ میری بہن تو نے مجھے مایوس کیا ہے میں تو یہ خیال کر رہی تھی کہ تم خرم بن عمر کا نام لوں گی۔“

گودیری کی بات کاٹتے ہوئے سائکرہ فوراً بولی پڑی۔

”خرم بن عمر کا نام کیوں؟“

”اس لئے کہ وہ اس سے زیادہ توانا خوبصورت زیادہ دلیر اور جرات مند ہے تمہیں یہی خیال کر رہی تھی کہ جب تم میرے ہونے والے جیون ساتھی کا نام لوں گی تو وہ نام خرم بن عمر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو گا کیا تم خرم بن عمر میں کوئی عیب خیال کرتی ہو جو تم نے یہ نام نہیں لیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد گودیری رکی دم لیا اور پھر سائکرہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر برلتی چلی گئی تھی۔

”اب تم شاید کہنا پسند کروں گی کہ بنانہ بن حنظلہ کا تعلق بنو کلب کے ایک سرکردہ خاندان سے ہے جبکہ خرم بن عمر کا تعلق کوفہ شہر کی ایک نواحی بستی سے ہے ایک غریب شخص ہے بیٹھ بکریاں چرا کر اپنی گزر بسر کرتا رہا ہے یہ حالات مجھے اس سب سے بھی تفصیل کے ساتھ بتائے تھے تو تم نے خرم بن عمر کا نام اس لئے نہیں



”سائکرہ جس شخص کو تم نے میرے جیون ساتھی کے لئے چنا ہے میں اسے قبول کرتی ہوں ساتھ ہی تم سے یہ بھی سوال کرتی ہوں کہ تم دھرم داس کے لئے اپنے پھیرے کب کرانا پسند کرو گی۔ میں یہ بھی خطرہ محسوس کرتی ہوں کہ کہیں خرم بن عمر کی وجہ سے دھرم داس کے ساتھ تمہارے پھیرے معطل ہی نہ ہو کر جائیں۔“

ویسے سائکرہ برا مت ماننا کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تم خرم بن عمر میں دلچسپی لیتی ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد گودیری پھر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے اس سوال پر سائکرہ کی گردن جھک گئی تھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر سائکرہ سنجیدہ آواز میں بول پڑی۔

”گودیری میری بہن ابھی تک تو میں کچھ نہیں جانتی میں ایک الجھن اب پریشانی میں مبتلا ہوں۔ دھرم داس بھی میری ماما کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے اس کوئی شک نہیں کہ میرے اس کے ساتھ پھیرے ہونے والے تھے پر ایک روز مجھے وہاں سے اٹھا لیا گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ بھگوان کو ایسا منظور تھا پھر میرے حالات اور وقت نے اس خرم بن عمر کو لا کھڑا کیا ابھی تک جو میرا تعلق اس کے ساتھ قائم ہوا ہے اسے میں نہ محبت نہ پریت کا نام دیتی ہوں۔ بہر حال میرے ایک جذبہ ہے جو بار بار مجھے خرم بن عمر کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ میں جانتی کے اس جذبے کو کیا نام دوں۔ بہر حال ابھی میں نے خرم بن عمر کے سلسلے کوئی فیصلہ نہیں کیا تاہم دھرم داس کے یہاں آنے کی وجہ سے میرے ذہن میں پریشانی میری روح میں ایک روگ سا اٹھ کھڑا ہوا ہے اب دیکھو حالات مجھے کس بہا کر لے جاتے ہیں۔“

سائکرہ رکی دم لیا پھر وہ گودیری کی طرف دیکھتے ہوئے بول پڑی۔

”گودیری میری بہن تو خوش قسمت ہے کہ تو نے میرے کہنے پر بنانہ بن کر کو اپنانے کی حافی بھری ہے اسی سلسلے میں اب میں خود بنانہ سے بات کروں گے میرے خیال میں جو نہی میں اس پر انکشاف کروں گی وہ تمہارا بہترین خیال رکھنا ضرور

کر دے گا اور تم سے محبت بھی کرے گا، بہت اچھا انسان ہے ہنس کھ ہے کڑوی سے کڑوی بات کو بھی پی جانے کا حوصلہ اور صبر رکھتا ہے۔ جہاں تک خرم بن عمر کا تعلق ہے وہ کم گو ہے زیادہ گفتگو نہیں کرتا سنجیدہ ہے جب بھی کسی عورت سے گفتگو کرتا ہے تو تم نے اندازہ لگایا ہو گا زمین کی طرف دیکھتا ہے نگاہ جھکا کر رکھتا ہے کبھی بھی اس نے کسی عورت یا لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی اور اس کی یہی ادا میرے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا کر چکی ہے جسے میں ابھی تک کوئی نام نہیں دے سکی۔ دریائے دشت کے کنارے جس طرح اس نے میری آبرو میری جان کی حفاظت کی تھی وہ ایک ایسا معرکہ ایک ایسی ہم تھی جسے میں اپنی موت اپنی مرگ تک فراموش نہ کر سکوں گی۔ گودیری میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہوں جہاں سے دو راستے نکلتے ہیں ابھی تک میں نے فیصلہ نہیں کیا کہ مجھے کس راستے پر سفر کرنا ہے جس دوراہے پر میں کھڑی ہوں اس سے ایک راستہ خرم بن عمر کی طرف جاتا ہے دوسرا دھرم داس کی طرف۔ میں شش پنج میں ہوں کہ کس راستے کو اپناؤں میں سوچتی ہوں کہ کوئی ایسا فیصلہ کروں کہ وہ فیصلہ کرنے کے بعد میں پچھتاؤں میں نہ ڈوبی رہوں، کیا اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گی۔“

گودیری سائکرہ کے اس سوال کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ عین اس لمحہ ساؤل تقریباً ”بھانگی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی وہ ہانپ رہی تھی اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے سائکرہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی گودیری بھی کھڑی ہو گئی پھر سائکرہ نے اسے مخاطب کیا۔

”ساؤل خیریت تو ہے تم گھبرائی ہوئی بھاگ کر آ رہی ہو تمہاری سانس بھی پھولی ہوئی ہے، کیا ہوا۔“

اس پر ساؤل نے اپنے آپ کو سنبھالا پھر سائکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”مالک میں دو خبریں لے کر آئی ہوں ایک اچھی ہے ایک بری، پہلے آپ سے اچھی خبر کہتی ہوں، اچھی خبر یہ ہے کہ مسکی کے نواح میں خرم بن عمر نے مجوسیوں کے سپہ سالار زمیش کو بدترین شکست دی ہے خرم بن عمر نے رات کی تاریکی میں اس کا خوب قتل عام کیا خرم بن عمر نے اس پر شب خون مارا تھا جس کے نتیجے میں

تیری دل شکنی نہیں کروں گی۔“

اپنی ماں کا جواب سن کر ساکنہ خوش ہو گئی تھی پھر ساکنہ اور گودیری ہی نہیں سلاول اور خود روجن بھی خرم بن عمر اور اس کے لشکر کا استقبال کرنے کے لئے حویلی سے نکل گئی تھیں۔

جب وہ ساتھ والی حویلی میں داخل ہوئیں تو حویلی کے صحن میں انہیں مجاہد بن سحر جمہی کھڑا دکھائی دیا، اس کے ساتھ بنانہ بن منطلہ کے علاوہ ہر چند رائے اور ساکنہ کا منگیتر دھرم داس بھی تھے چاروں آگے بڑھیں پھر ساکنہ نے ابن سحر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”ابھی توڑی دیر پہلے ساول تقریباً بھاگتی ہوئی ہمارے پاس گئی اور اس نے ہمیں دو خبریں سنائی ہیں ایک اچھی ہے ایک بری“ جواب میں ابن سحر فوراً بول پڑا۔  
 ”تو ٹھیک کتنی ہے میری بیٹی اچھی خبر یہ ہے کہ زمیش کو خرم بن عمر نے بدترین شکست دی ہے اس پر جان لیوا شب خون مارا۔ بری خبر یہ ہے قدا تیل میں راجہ داہر ایک لشکر جمع کر رہا ہے مسلمانوں کا باغی سردار حارث اور اس کے دونوں بیٹے معاویہ اور محمد بھی اس کے ساتھ مل چکے ہیں اور وہ حملہ آور ہونے کے لئے ناکامو قبیلے کے سردار موئل اور مجوسیوں کے سپہ سالار زمیش کے ساتھ رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ وہ کوئی ایک دن مقرر کرنا چاہتے ہیں جب وہ ہم پر حملہ آور ہوں گے لیکن ان کی اس کارروائی سے پہلے ہی پہلے ہم بھی اپنے کام کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ بس مجھے خرم بن عمر کی آمد کا انتظار ہے میرے خیال میں وہ توڑی دیر تک یہاں پہنچ جائے گا اس کی آمد ہی کی وجہ سے ہم صحن میں نکل گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس کا شاندار استقبال کیا جائے۔“

ابن سحر جب خاموش ہوا تو ساکنہ نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”میں اپنی ماں سے اجازت لے چکی ہوں کیا ہم بھی اس استقبال میں شامل ہو سکتی ہیں“ اس پر بڑی فراخدلی اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن سحر کہنے لگا۔  
 ”کیوں نہیں میری بیٹی تم اس استقبال میں پیش پیش رہ سکتی ہو اس سلسلے میں تمہیں کسی سے میرے خیال میں اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے“ ابن سحر کے

خرم بن عمر نے مسکی شہر کے باہر جو زمیش کا لشکر تھا اس کا تقریباً مکمل طور پر صفایا کر دیا ہے۔ زمیش چند محافظ دستوں کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے اب توڑی دیر تک خرم بن عمر کرمان میں داخل ہونے والا ہے۔ رام رتن یہاں پہنچا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے وہ یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر ہو گا یہ تو اچھی خبر ہے۔ بری خبر یہ ہے کہ راجہ داہر نے ایک لشکر قدا تیل میں جمع کیا ہے اس لشکر میں قبیلہ علاف کے باغی مسلمان بھی شامل ہیں ساتھ راجہ داہر نے ناکامو قبیلے کے سردار موئل کی طرف پیغام بھجوایا ہے کہ وہ مسلمانوں پر جنوب کی طرف سے حملہ کرے شمال کی طرف سے راجہ داہر کا لشکر حملہ آور ہو گا۔ ایسا ہی پیغام انہوں نے زمیش کی طرف بھی روانہ کیا ہے پر شاید راجہ داہر کو ابھی تک یہ خبر نہیں ملی کہ مسکی شہر کے نواح میں خرم بن عمر زمیش کو بدترین شکست دے چکا ہے پہلے یہ قوتیں ایک دن مقرر کریں گی اور پھر اسی دن یہ تینوں مختلف اطراف سے کرمان کی مملکت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے۔“

ساول مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ اس کمرے میں ساکنہ کی ماں روجن داخل ہوئی اس نے جو تینوں کو کھڑے ہوئے دیکھا تو اپنی بیٹی ساکنہ کو مخاطب کیا۔

”ساکنہ خیریت تو ہے ساول تم سے کچھ کہہ رہی تھی۔ جو دو خبریں ساول نے بتائیں تھیں ساکنہ نے اپنی ماں روجن سے کہہ دیں تھیں ساتھ ہی ساکنہ بول پڑی۔  
 ”اے میری ماں میرے خیال میں ہمیں حویلی سے باہر نکل کر ابن سحر اور بنانہ بن منطلہ کے ساتھ مسلمانوں کے فاتح لشکر کا استقبال کرنا چاہئے میری ماں آپ جاؤ ہیں خرم بن عمر میرے محسن میرے مہربانی ہیں انہوں نے میری جان اور عزت کی حفاظت کی ان کی فتح پر ان کا سواگت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔“

ساکنہ کی اس گفتگو سے روجن کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اسے

”میری بیٹی تم تو اس طرح گفتگو کر رہی ہو جیسے میں تمہیں خرم بن عمر کا سواگت کرنے سے منع کر رہی ہوں، تو جو کچھ بھی کرے گی میں تیرے ساتھ ہوں۔“

کی طرف بڑھا تو گودیری کا جسم کانپنے لگا وہ زمین کی طرف دیکھنے لگی تھی گودیری کے سامنے جا کر ابن حنظلہ رکا اور گودیری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”گودیری میں تیرا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے اپنی زندگی کا رفیق بنانے کا فیصلہ کیا۔ یاد رکھنا میں تمہیں وہ محبت و پیار دوں گا جو صحراؤں کے اندر کم از کم مثالی ہو گا، یوں جانو آج کے بعد ان صحراؤں کے اندر تم میری امانت ہو اور میں تمہاری خوب حفاظت کروں گا۔“

گودیری کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ زمین کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن ابن حنظلہ کے ان الفاظ پر اس کے چہرے پر انتہائی گہری خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ لگتا تھا بظاہر وہ چپ اور خاموش تھی لیکن باطن اس کی خوشیوں اس کے اطمینان کی کوئی انتہا نہ تھی پھر ابن حنظلہ پیچھے ہٹ کر ابن سمر کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔



مغرب میں سورج کافی جھک گیا تھا آہستہ آہستہ سورج کی سرخ قرص غروب ہو گئی۔ صحراؤں کے اندر ہوا میں کسی قدر خشکی آنا شروع ہو گئی تھی، پھر وہ حویلی سے باہر نکلے اور سب کے چہروں پر خوشیاں پھیل گئی تھیں اس لئے کہ مغرب کی جانب سے خرم بن عمر کا لشکر آ رہا تھا۔ خرم بن عمر اپنے لشکر کے آگے آگے تھا ساکرہ آثار تکلی باندھے خرم بن عمر کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس موقع پر ہچکچاتے شرماتے گودیری ابن حنظلہ کے قریب آئی ابن حنظلہ سمجھ گیا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے لہذا اس نے اپنا سر آگے کر دیا تھا گودیری نے بڑے راز دارانہ انداز میں ابن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

”یہ جو ساکرہ ہے اندر ہی اندر خرم بن عمر سے محبت کرتی ہے لیکن اپنی اس بات کو چھپائے ہوئے ہے اظہار نہیں کرتی۔ میں نے اس سے پوچھا بھی لیکن کہتی ہے کہ میرے دل میں ایسے جذبے ہیں جنہیں محبت کا نام ہی الحال نہیں دیا جا سکتا۔ بددیکھو اس کی کیا حالت ہو گئی ہے برابر تکلی باندھے خرم کی طرف دیکھے جا رہی ہیں، جوں جوں وہ قریب آتے جا رہے ہیں اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا ہے اور پھر یہ

اس جواب سے ساکرہ حسن دلہانی دے رہی تھی پھر ساکرہ بنانہ بن حنظلہ کے قریب گئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”ابن حنظلہ میرے بھائی میں آپ سے بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ تھوڑی دیر کے لئے میری بات سنیں۔“

ابن حنظلہ ابن سمر کے پاس سے ہٹ کر ساکرہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا ”کو میری عزیز بہن کیا کہنا چاہتی ہو“ جواب میں سرگوشی کے انداز میں ساکرہ بول پڑی۔

”میرے بھائی اگر میں گودیری کو آپ کی زندگی کا ساتھی آپ کے جیون کا رفیق دیکھنا چاہوں تو کیا آپ اس فیصلے کو پسند کریں گے۔“

ساکرہ کے اس انکشاف پر تھوڑی دیر تک ابن حنظلہ نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”ساکرہ میری بہن تو یہ کیا کہہ رہی ہے ایسی بات کبھی آئندہ مت کہنا اگر گودیری کو خبر ہوئی تو یاد رکھنا وہ خشکی کا اظہار کرے گی۔“

ساکرہ ہنس دی اور کہنے لگی۔

”عزیز بھائی جو کچھ میں آپ سے کہہ رہی ہوں گودیری سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کہہ رہی ہوں وہ آپ کو اپنا جیون کا ساتھی بنانے کا اظہار کر چکی ہے بس آپ کے ہاں کہنے کی دیر ہے پھر دیکھئے مکران کے ان صحراؤں میں محبت کے شگوفے کیسے پھوٹتے ہیں۔“

ساکرہ کے ان الفاظ پر ابن حنظلہ نے ایک قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا ”اگر گودیری مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے تیار ہے تو میں گودیری کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا، نہ صرف اس کی زندگی کا اچھا ساتھی اور رفیق ثابت ہوں گا بلکہ اس کی ذات کا بہترین پاسان اور محافظ بھی ثابت ہوں گا۔“

میری بہن کیا میں اس سلسلے میں براہ راست گودیری سے گفتگو کر سکتا ہوں۔“

ساکرہ نے جب اثبات میں سر ہلا دیا تو ابن حنظلہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اس موقع پر گودیری عجیب سے انداز میں شرم رہی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ ساکرہ اس کے متعلق ابن حنظلہ سے گفتگو کر رہی ہے۔ پھر جب ابن حنظلہ آہستہ آہستہ گودیری

تہلب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں آپ کو آپ کی شاندار فتح پر دلی مبارک باد دیتی ہوں آپ کی یہاں آمد ہمارے لئے یقیناً خوشیوں اور اطمینان کا باعث ہے۔ آپ جب یہاں نہیں ہوتے تو یہاں کا ماحول عجیب گھٹا گھٹا اور بے سکون سا ہوتا ہے۔“

ساکرہ کی اس گفتگو کا خرم بن عمر نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ابن عمر کے قریب گیا اور کہنے لگا میرے بعد یہاں کوئی حادثہ تو نہیں ہوا۔

ابن عمر کہنے لگا ”پہلے اندر چل کر حویلی میں بیٹھو لشکریوں کو آرام کرنے کا حکم دو اس کے بعد میں تمہیں بتاتا ہوں کہ نیا حادثہ کہاں سے اٹھنے والا ہے۔“

خرم بن عمر اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور کہنے لگا نہیں ”جو کچھ آپ بتانا چاہتے ہیں وہ بتائیں اس کے بعد میں اپنے رد عمل کا اظہار کروں گا“ جب خرم بن عمر اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو ابن عمر بول پڑا۔

”ابن عمر میرے بیٹے مجھے تمہاری فتح کی انتہا درجہ کی خوشی ہے پر جس وقت تمہاری فتح کی خبر ملی ساتھ ہی ایک اور خبر ملی اور وہ یہ کہ قذائل شہر میں راجہ داہر نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے حادثہ اور اس کے دونوں بیٹے محمد اور معاویہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود ہیں۔ جس نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے اس کا کہنا ہے کہ اپنے تیز رفتار قاصد راجہ داہر نے ناکامہ قبیلے کے سردار مول اور زمیش کی طرف روانہ کیے ہیں تاکہ ان کے ساتھ کوئی بھی دن مقرر کیا جائے جس دن ہم پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔ ایک قذائل کی طرف سے دوسرا ناکامہ قبیلے کی طرف سے تیسرا زمیش کی طرف سے“ اب بتاؤ تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو۔

جواب میں خرم بن عمر کے چہرے پر انتہائی تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر ابن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن عمر میرے محترم جہاں تک زمیش کا تعلق ہے چند ماہ تک وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہے گا میں نے اس کی کمر ایسی توڑی ہے کہ کچھ عرصہ تک وہ سنبھل نہ پائے گا۔ مسکی شہر کے نواح میں جو اس کی عسکری قوت تھی اسے تو میں نے تباہ و برباد کر دیا ہے اب اس کے پاس دو شہر رہتے ہیں ایک ماہان ایک اتاس، کہنے والوں کا

بھی دیکھیں کہ یہ اپنے منگیتروہرم داس کو برابر نظر انداز کیے جا رہی ہے۔“

ابن حنظلہ کچھ دیر تک مسکراتا رہا پھر گودیری کو اس نے مخاطب کیا۔

”گودیری جب ساکرہ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو تو خرم بن عمر کی فتح کے بعد جو سب سے بڑی مجھے خوشی ملی وہ تمہاری محبت ہی کی تھی۔ اب جبکہ تم یہ انکشاف کر رہی ہو کہ ساکرہ میرے عزیز بھائی خرم بن عمر کو پسند کرتی ہے تو بار رکھنا خرم بن عمر کی فتح کے بعد یہ انکشاف سب سے زیادہ خوشی کا باعث ہے۔ اسے ذرا آنے دو میں اس موضوع پر اس سے گفتگو ضرور کروں گا۔“

گودیری پیچھے ہٹ گئی تھی اتنی دیر تک خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ قریب آ گیا تھا پھر ابن حنظلہ بھاگ پڑا اس کو اپنی طرف بھاگتے ہوئے دیکھ کر خرم بن عمر رک گیا اپنے گھوڑے سے اتر گیا اتنی دیر تک ابن حنظلہ بھاگ کر اس سے بے یلغیر ہو گیا تھا پہلے اس کی پیشانی پر ایک بوسہ دیا پھر اس کے کان میں کہنے لگا۔

”ابن عمر میرے عزیز بھائی میں تمہیں زمیش کے خلاف اس شاندار فتح پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں، ساتھ ہی تمہیں اچھی خبر سناتا ہوں کہ حسین اور پر جلال ساکرہ تمہیں چاہتی ہے تم سے پیار کرتی ہے تم سے محبت رکھتی ہے۔“

ایک دم مسکراتے مسکراتے خرم بن عمر سنجیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ تم پاگل ہو گئے آئندہ اس موضوع پر کبھی مجھ سے گفتگو نہ کرنا؛ ہی یہ بات کسی اور سے کہنا شاید تم ساکرہ کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ ساکرہ دھرم داس کی منگیتر ہے جس روز اسے نیرون شہر سے اٹھایا گیا ایک دن بعد دھرم داس کے ساتھ اس کے پھیرے ہونے والے تھے، من ابن حنظلہ میں اپنی خوشی کی خاطر اس کی زندگی کو تباہ و برباد نہیں دیکھ سکتا۔ ساکرہ ایک خوبصورت حسین لڑکی ہے ہر کسی دل چاہے گا کہ اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنائے لیکن میں ایسا پسند نہیں کروں گا“

لئے کہ وہ یہاں دھرم داس کی امانت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ دھرم داس ہی ہو کر رہے گی۔ اب کبھی میرے ساتھ اس موضوع پر گفتگو نہ کرنا۔“

اتنی دیر تک سب چلتے ہوئے خرم بن عمر کے پاس آ گئے تھے سب نے بار بار اسے فتح کی مبارک باد دی ساکرہ بھی شرماتے ہوئے قریب گئی اور خرم بن



”میرے بیٹے میں تمہارے جذبے تمہاری حب الوطنی کی قدر کرتا ہوں پر ہمارے جیسے جذبے سب لشکری تو نہیں رکھتے وہ تھکاوٹ محسوس کر رہے ہوں گے انہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

خریم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلی پھر اس نے ابن عمر کو مخاطب کیا۔  
 ”آپ کی موجودگی میں میں ان سے پوچھ لیتا ہوں پھر دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں“ خرم بن عمر اپنے لشکریوں کی طرف مڑنے ہی لگا تھا کہ ابن حنظلہ نے اسے مخاطب کیا۔

”ابن عمر میرے بھائی اب میں تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گا میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا، جس طرح تم اکیلے دشمن کے ساتھ نکلواتے رہتے ہو یہ میرے لئے شرم اور خجالت کی بات ہے کہ آپ تو جنگوں میں حصہ لیتے رہیں اور میں یہاں مکران میں آرام کرتا رہوں، تم جانتے ہو کہ میں ایسی زندگی کو پسند نہیں کرتا اس بار یا تو تم مکران میں رہ کر آرام کرو میں لشکر کی نمائندگی خود کرتا ہوں یا تمہارے ساتھ جاؤں گا۔“

خریم بن عمر ابن حنظلہ کے قریب آیا دو تین بار اس کا شانہ تھپتھپایا پھر بڑی شفقت میں کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں مجھے خبر ہے کہ تم بے کار بیٹھنے والے نہیں ہو حب الوطنی کا جذبہ خوب رکھتے ہو مذہب اور دین کے ساتھ بھی تمہارا لگاؤ انتہائی حد تک ہے، پھر دیکھو میرے بھائی یہاں میری نسبت تمہاری ضرورت زیادہ ہے۔ تم پہلے سے یہاں موجود ہو اور مکران کا دفاع کرنا میں نے تمہارے ذمے لگا رکھا ہے مجھے امید ہے جس قدر لشکر اس وقت مکران میں موجود ہے اس کے ساتھ تم مکران کا خوب دفاع کرو گے مکران ہماری قوت کا مرکز ہے اس کی حفاظت سب سے مقدم ہے اس بنا پر میں نے تمہیں یہاں چھوڑا ہوا ہے۔ اب ضد نہ کرنا میں لشکریوں سے ان کا عندیہ لیتا ہوں اس کے بعد اپنے رد عمل کا اظہار کروں گا۔“

خریم بن عمر مڑ کر اپنے لشکر کی طرف گیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا گھوڑے کا

کہنا ہے کہ جس قدر میں نے اس کی قوت مسکئی کے باہر تباہ کی ہے ایسی دو قوتیں اس کے پاس ماہان اور اتاس میں بھی ہیں۔ میرے اللہ کو منظور ہوا تو اس کی باقی کی دو قوتوں کو بھی تہس نہس کر کے رکھ دوں گا۔

جہاں تک راجہ داہر کے لشکر کے علاوہ حارث اور اس کے بیٹوں کا قدامتیل میں جمع ہونے کا تعلق ہے تو ان کے اس اجتماع کو بھی میں فضول بنا کر رکھ دوں گا۔ میں مکران میں قیام نہیں کروں گا جو لشکر میرے ساتھ ہے اسے لے کر میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے قدامتیل کی طرف کوچ کروں گا اور اپنے کام کی ابتداء کروں گا“ ابن عمر تڑپ کر بول اٹھا۔

”ابن عمر میرے بیٹے یہ کیسے ہو سکتا ہے ابھی تم ایک طویل سفر سے آئے ہو تم ہی نہیں تمہارے لشکری بھی تھکے ہوئے ہیں تمہیں اور انہیں آرام کی ضرورت ہے، کچھ روز یہاں قیام کرو اپنے لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کرو اس کے بعد یہاں سے کوچ کرنا“ اس پر فوراً خرم بن عمر بول پڑا۔

”ستانے اور آرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دشمن کو اجازت دے دیں کہ وہ ہمارے سر پر چڑھ کر آئیں، ابن عمر اگر میں یہاں کچھ دن رک گیا تو یاد رکھنا دشمن کو خبر ہو جائے گی کہ زمیں سے نپٹنے کے بعد میں مکران میں واپس آچکا ہوں لہذا وہ محتاط ہو جائیں گے اس طرح جو کاروائی میں ان کے خلاف کرنا چاہتا ہوں وہ کر نہیں پاؤں گا، میں اگر قدامتیل میں موجود لشکر کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو یاد رکھنا راجہ داہر ناکامہ قبیلے کے سردار مومل اور زمیں کو یکجا ہونے میں وقت لگے گا۔ اس وقت سے ہم بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اپنی طاقت کو پہلے کی نسبت زیادہ مربوط اور مستحکم بنا سکتے ہیں۔“

تھوڑی دیر کے لئے خرم بن عمر رکا اور ابن عمر کو کہتا چلا گیا تھا۔

”میرے لشکر کے پیچھے جو بار برداری کے جانور کھڑے ہیں یہ جانور اور ان پر لدا ہوا سامان مجھے زمیں کی لشکر گاہ سے ملا ہے اسے آپ اپنی تحویل میں لے لیں۔ میں لشکر کے ساتھ ابھی اور اسی وقت قدامتیل کی طرف کوچ کروں گا“ اس پر ابن عمر پھر بول پڑا۔

رخ اس نے اپنے لشکر کی طرف کیا پھر اپنی تلوار اس نے فضا میں بلند کی اور اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

”اے عزیزان من! میں تمہارا سالار خرم بن عمر تم سے مخاطب ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے غور سے سننا پھر اپنی سوجھ بوجھ کو سامنے رکھتے ہوئے جواب دینا۔ میرے صدق و ایثار اور وفا شعار ساتھیوں درد آشنا رقیب راجہ داہر کا ایک بہت بڑا لشکر جارح معاویہ اور محمد کے لشکر کے ساتھ مل کر اس وقت قذائیل شہر میں قیام کئے ہوئے ہے اور ہم پر حملہ آور ہونے کی تدبیریں کر رہا ہے۔

میرے جان نثارو سنو! قبل اس کے کہ وہ ہنگامہ خیز طوفان کی طرح ہم پر وارد ہو اور ہمارے شادمان اور گل نشان جذبوں کو سرنگوں اور بے برگ و بار درختوں جیسا کرے، قبل اس کے ہمارے وجود کو بصارت سے ماوراء اور ہماری آوازوں کو سماعت کے قابل نہ چھوڑے قبل اس کے کہ وہ ہماری حلاوت بھری اخوت کو اضطراب اور بیقراری کے کرب میں تبدیل کر دے اور اس کے حملے کے باعث ہماری سرزمینوں میں ہر سو آہ و بکا اور ہر سمت ہزبان اور درد سری اٹھ کھڑی ہو میں اس سے قبل ہی دشمن پر نزع کی بے صوت حکایات کی طرح حملہ آور ہو کر اس کے ارادوں اس کے جذبوں کو پامال کر دینا چاہتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑی ہم سے لوٹ رہے ہو تھکے ہارے ہو تمہیں آرام اور سستانے کی ضرورت ہے پر یاد رکھنا خدائی قانون کبھی ساقط نہیں ہوتا اگر اس موقع پر تم میرا ساتھ نہ دو گے تو میں کسی دوسرے کے گروہ کو ساتھ لے کر نکلوں گا پر میں آج اور ابھی اسی وقت قذائیل کا رخ کروں گا۔ دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہیں دوں گا بروقت اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھوں گا اور اس کی گردن کو ناپتا چلا جاؤں گا۔ یاد رکھنا اگر تم نے میرا ساتھ اس وقت نہ دیا تو مجھے تم سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہ ہو گا اس لئے کہ ہر دور میں اللہ کے بندے حق کی خاطر باطل کے خلاف عصائے کلیم بن کر بستے رہے ہیں تم ساتھ نہ دو گے تو میں ابھی کسی دوسرے گروہ کو ساتھ لے کر نکلوں گا پر میں دشمن کو اجازت نہ دوں گا کہ وہ زمین کے بطن سے نکلنے والی ابتلا کی طرح ہر سمت ہمارے لئے آہیں کھڑی کرتا چلا جائے۔

میرے آہن شکن ساتھیو! میں اب تک تمہاری کارگزاری سے بالکل مطمئن ہوں میں تم سے خوش ہوں تم اگر اس وقت میرا ساتھ نہ دو گے تب بھی میں تمہارے ساتھ خوشی اور اطمینان کا اظہار کروں گا اور یاد رکھنا شر کے خلاف انتہا پسندی خاموشی سے کہیں افضل ہوتی ہے اس لئے اس موقع پر تم لوگ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرنا تم ساتھ نہ جانا چاہو مجھے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہ ہو گا اگر ساتھ جانا چاہو تب بھی اپنے ارادے کا اظہار کرنا۔ پر ایک بات یاد رکھنا میں تمہیں کیے ہوئے ہوں کہ ہر صورت میں قذائیل سے نکل کر دشمن کو مسموم خیالات کی تخم تیزی کرنے نہیں دوں گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے خرم بن عمر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کے سامنے اپنے گھوڑوں پر سوار لشکریوں میں سے کسی زندہ دل جوان نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی پھر وہ اپنی پوری طاقت اور قوت سے چلا اٹھا تھا۔

”امیر محترم! آپ ایسے الفاظ ادا کر کے ہماری توہین ہماری بے عزتی کر رہے ہیں ہم لوگ بد سے بدترین حالات میں بھی بغیر کسی آرام اور سستانے کے آپ کا ساتھ دیں گے یاد رکھئے صبر کو اپنی ذرہ بنا کر ہی قوموں کی عظمت کی داستانیں لکھی جاتی ہیں جو اتان ملت کے شباب کو ندیم بنانے کے بعد ہی تخریبی عناصر کے سامنے اپنی سطوت اپنی جبروت کی حفاظت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔“

اس جوان کے ان خیالات پر خرم بن عمر خوشی کا اظہار کر رہا تھا کہ ایک اور منچلا چلا اٹھا اس نے بھی خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”اے ہمارے محترم امیر! یاد رکھئے گا ہم کسی بھی صورت آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے بلکہ دشمن کے خلاف ہر حال ہر صورت میں سنگ سنگ اٹاتے بادلوں کی طرح آپ کا ساتھ دیں گے۔ اے ہمارے امیر! ان سرزمینوں میں آپ ہمارے لئے دانا ہیں آپ کی راہبری آپ کی کمانداری میں ہم ہر جگہ ہر شہر ہر قصبہ ہر دشت ہر کوستان میں دشمن کی چڑھی ہوئی تیوریاں اور ان کی اینٹھی ہوئی گردنیں جھکانے کے لئے ہمہ وقت آپ کے حکم کے منتظر رہیں گے۔ یاد رکھئے ان سرزمینوں میں ایک سالار ایک کماندار کی حیثیت سے آپ ہمارے لئے نو کی حیثیت رکھتے ہیں اور

”تم دونوں میں سے کون میرے ساتھ جانا پسند کرے گا“ رام رتن فوراً بول پڑا ”جس طرح میں پہلے آپ کے ساتھ گیا تھا اس بار بھی میں ہی آپ کا ساتھ دوں گا“ رام رتن کا جواب سن کر خرم بن عمر خوش ہو گیا تھا اس کے بعد وہ مڑا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

اس کو جاتا دیکھتے ہوئے ساگرہ بیچاری بے خواب سناٹوں میں راہ گم کردہ مسافر اور رات کے سنناتے صحراؤں میں طائر بے آشیانہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ لگتا تھا پس سرحد اور اک اسی کی ہستی اور عدم دونوں ایک دوسرے سے مل گئے ہوں جوں جوں خرم بن عمر دور ہوتا جا رہا تھا اس پر جانی کنی کے لمحات طاری ہو رہے تھے۔ وہ بیچاری درد کے اڑتے ریگزاروں۔۔۔ صحرائے فنا کے سررہار بگولوں میں اور ویرانیوں میں نہائی داستانوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ خرم بن عمر جب اپنے لشکر کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تب اس نے کسی کے رد عمل اور کسی کی بات کا انتظار نہیں کیا گردن بیچاری کی جھک گئی تھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔



بصارت نہ ہو تو سورج کی روشنی بھی بیکار ہوتی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ الفاظ کا شر شیطان کے شر سے کہیں زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔ لہذا ہم آپ کے ساتھ عہد کرتے ہیں آندھی ہو بارش ہو قہر ہو طوفان ہو عذاب ہو کوئی بھی ابتلا ہو ہر صورت میں ہم آپ کے ایک ادنی اشارے پر اپنی گردنیں کھانے کے لئے تیار رہیں گے۔ خدا کے لئے آپ ہم سے یہ سوال نہ کیجئے کہ ہم آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں کہ نہیں آپ صرف ہمیں حکم دیجئے پھر دیکھیں ہم آپ کے حکم کا اتباع کیسے کرتے ہیں۔“

خرم بن عمر تھوڑی دیر تک اپنے گھوڑے پر بیٹھا مسکراتا رہا تاہم اس نے اپنی تلوار نیام میں کر لی تھی تھوڑی دیر تک ایسی ہی کیفیت رہی پھر وہ اپنے گھوڑے سے اتر مڑا آہستہ آہستہ چلتا ہوا ابن سمر کے پاس آیا اور اسے مخاطب کیا۔

”آپ نے میرے لشکریوں کا جذبہ دیکھا میں نے انہیں یہاں آنے کے بعد جو تربیت دی ہے اس کا پورا رنگ اس کا پورا اثر ان پر چھا چکا ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں جو موت کے پیچھے بھاگیں گے اور زندگی ان کے تعاقب میں لگی رہے گی۔ میرے خداوند قدوس نے چاہا تو جس طرح مسکی شہر کے نواح میں ہم نے زمیں کے کس بل سیدھے کئے اسی طرح قذائیل شہر میں بھی ہم راجہ داہر اور حارث علانی کے مشترکہ لشکر کی بھی مشقیں باندھ کر رکھ دیں گے میرے خیال میں اب مجھے جانے کی اجازت دیجئے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا“ اس بنانہ بن حنظلہ فوراً بول پڑا۔

”خرم میرے بھائی تم نے کھانا بھی نہیں کھایا لشکر کو بھی کھانا نہیں کھانے دیا“ خرم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

”کھانا ہم کھا چکے ہیں اس کی تم فکر نہ کرو میں اب کوچ کرنے لگا ہوں لشکر کے پیچھے جو بار برداری کے جانور کھڑے ہیں اور ان پر جو سامان لدا ہے اسے سنبھال لیتا“ اس کے ساتھ ہی باری باری خرم بن عمر نے ابن سمر بنانہ بن حنظلہ سے مصافحہ کیا تیسرے نمبر پر وہ دھرم داس کے سامنے آن کھڑا ہوا اور اسے مخاطب کیا۔

”دھرم داس میرے عزیز تم یہاں اجنبی ہو کسی شے کی ضرورت ہو تو تکلف مت کرنا تمہاری حیثیت یہاں اپنوں کی سی ہے“ دھرم داس سے مصافحہ کرنے کے بعد خرم بن عمر ہنجر رانے اور رام رتن کے پاس آیا پھر ان دونوں کو مخاطب کیا۔

اس کا نام ایک نبی کے نام پر ہو گا جس سے خیر و برکت کا افتتاح ہو گا۔“  
حجاج سمجھ گیا کہ ولید کے بعد سلیمان ہو گا اس لئے کہ اس کا نام اللہ کے نبی  
لیمان علیہ اسلام پر تھا۔ حجاج کچھ دیر سوچتا رہا اس کے بعد اس نے پھر راہب کو  
خطب کیا ”کیا تم مجھے جانتے ہو۔“

راہب کہنے لگا ”ہاں مجھے بتایا گیا ہے کہ تم حجاج بن یوسف ہو“ حجاج نے پوچھا  
کہ تم میرے منصب وراثت کو جانتے ہو“ راہب نے کہا ”ہاں میں جانتا ہوں اور اس  
کے متعلق مجھے بتایا بھی گیا ہے“ حجاج نے پھر پوچھا ”یہ بتاؤ کہ میرے بعد میرے  
منصب پر کون ہو گا۔“

راہب پھر خاموش ہو گیا اپنا حساب لگانے لگا اور کہنے لگا ”تمہارے بعد یزید نام  
کا ایک شخص تمہارے منصب پر مقرر کیا جائے گا۔“  
حجاج کچھ فکر مند ہوا اور پھر راہب کو مخاطب کیا۔

”اچھا یہ بتاؤ جو میرے منصب پر مقرر ہو گا ایسا میری زندگی میں ہو گا کہ میری  
زندگی کے بعد“ راہب پھر حساب لگانے لگا اور بے بسی سے حجاج کی طرف دیکھتے  
ہوئے کہنے لگا ”اس کے متعلق میرا حساب کچھ نہیں کہتا“ حجاج نے پھر پوچھا ”اچھا جو  
میرے منصب پر قائم ہو گا جس کا نام تم یزید کہہ رہے ہو اس کی کیا خصوصیات ہوں  
گی“ راہب فوراً بول پڑا ”کہ وہ ایک بد عمدی کرے گا اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں  
جانتا۔“

راہب سے اس ملاقات کے بعد حجاج نے پھر واسط کی طرف جانے کے لئے  
اپنے سفر کا آغاز کیا راہب کے ساتھ اس گفتگو کے بعد حجاج کے دل میں خیال آیا کہ  
یزید بن مہلب ہی میرا مد مقابل ہو سکتا ہے۔ راہب کی گفتگو نے اسے کسی قدر پریشان  
کر دیا تھا واسط پہنچ کر اس نے اپنا استغفیٰ لکھا اور عبدالملک کی طرف روانہ کر دیا۔  
عبدالملک حجاج بن یوسف کو بے حد پسند کرتا تھا اس کے استغفیٰ کے جواب میں  
عبدالملک نے لکھا کہ مجھے تمہارا اصلی فشا معلوم ہو گیا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے  
متعلق میں اپنی رائے کا اظہار کروں تو سن لو میں تمہیں ایک مفید آدمی سمجھتا ہوں  
اس لئے تم اپنا استغفیٰ واپس لے لو اور اب کبھی مرتے دم تک استغفیٰ مت دینا۔

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے کہنے پر حجاج اس سے ملنے کے لئے  
دمشق گیا وہاں اس نے کچھ دن قیام کیا چند معاملات اس نے عبدالملک کے ساتھ طے  
کیے پھر واپسی کا سفر شروع کیا۔ سفر کے دوران اس نے ایک معبد میں قیام کیا جہاں  
اسے بتایا گیا کہ یہاں ایک راہب ہے جو نجوم کے علم میں بڑی مہارت رکھتا ہے یکا  
اور بے مثال ہے، گزرے ہوئے حالات اور آنے والے حادثات اور واقعات پر بڑی  
تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے۔

اس انکشاف پر حجاج بن یوسف نے اس راہب کو بلایا راہب جب حجاج بن  
یوسف کی خدمت میں پیش ہوا تو راہب سے اس نے پوچھا کہ تم مجھے آنے والے  
حالات کے متعلق اشارہ دو گے۔ راہب نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب حجاج بن  
یوسف نے اسے مخاطب کیا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارے موجودہ امیر المومنین کی کیا خصوصیات ہیں۔“  
راہب نے کچھ سوچا اپنے علم کا حساب لگایا پھر کہنے لگا ”ہم اپنے زمانے میں  
انہیں ایک نہایت مدبر حکمران جانتے ہیں جو ان کی مخالفت کرے گا پچھاڑ دیا جائے  
گا۔“

حجاج اس جواب کو سن کر کسی قدر متاثر ہوا دوبارہ بولا۔

”اچھا یہ بتاؤ موجودہ امیر المومنین کے بعد کون ہو گا۔“

راہب نے پھر حساب لگایا اور کہنے لگا ”ولید۔“

حجاج نے پھر پوچھا ”اور اس کے بعد کون ہو گا۔“

راہب پھر اپنے حساب میں کھو گیا کہنے لگا ”اس کے بعد ایک ایسا شخص ہو



حجاج بن یوسف نے دیکھا کہ اس کے بلانے پر بھی یزید بن مہلب نہیں آ رہا تو جو خدشات راہب نے ظاہر کئے تھے وہی خدشات حجاج بن یوسف نے عبد الملک کو لکھ بھیجے کہ یہ لوگ ضرور بے وفائی کریں گے۔

عبد الملک نے لکھ بھیجا تم نے یزید اور خاندان مہلب کی شکایت کی ہے تم ہی ایسے شخص کا نام ظاہر کرو جو خراسان کی گورنری کا اہل ہو حجاج نے جب ایک شخص کا نام پیش کیا تو عبد الملک نے لکھ بھیجا۔

جو خرابی اہل مہلب میں پاتے ہو وہی اس نے شخص میں بھی ہے، کسی ایسے شخص کا انتخاب کرو کہ جو انتظامی قابلیت رکھنے والا سیاستدان ہو بہترین قسم کا مدبر عمدہ قسم کا سالار اور منظم ہو اور تمہارے احکامات کی تعمیل کرنے والا ہو۔

اس پر چند دن تک حجاج بن یوسف نے پجار سے کام لیا آخر اس کی نظر قتیبہ بن مسلم پر جم کر رہ گئی اس لئے کہ اس سے بڑھ کر اسے کوئی شخص نظر نہ آیا جو خراسان میں امن و امان بھی قائم کر سکتا تھا اور ارد گرد پھیلے غیر مسلموں کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے ملکی سرحدوں کو وسیع کر سکتا تھا، لہذا حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم کا نام پیش کر دیا۔

عبد الملک نے فوراً "قتیبہ بن مسلم کا نام منظور کر لیا اور حکم دے دیا کہ قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا صوبیدار مقرر کر دیا جائے ادھر یزید کو بھی علم ہو گیا تھا کہ میری جگہ قتیبہ بن مسلم کو والی مقرر کر دیا گیا ہے۔ وہ بغاوت بھی نہیں کر سکتا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے بغاوت کی تو قتیبہ بن مسلم ایک ایسا شخص ہے جو اس کی بغاوت کو کچل کر رکھ دے گا لہذا حجاج بن یوسف کے بلاوے کا احترام کرتے ہوئے اس نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

بہر حال قتیبہ بن مسلم نے جا کر خراسان میں اپنے عہدے اپنے منصب کو سنبھال لیا یزید بن مہلب اپنے بھائی مفضل اور عبد الملک کے ساتھ خراسان سے نکل کر حجاج بن یوسف کے پاس آیا اور حجاج بن یوسف نے ان تینوں کو زندان میں ڈال دیا تھا۔

راہب کی گفتگو سے حجاج بن یوسف برابر پریشان رہنے لگا۔ ایک دن وہ اپنے ایک جاننے والے کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حجاج زمین کرید رہا تھا پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے جاننے والے کو نام جس کا عبید تھا کہنے لگا "مجھے نجوم کا علم جاننے والے راہب نے بتایا ہے کہ میرے ماتحت عمدیداروں میں سے یزید نامی عراق کا گورنر ہو گا۔ میرے عزیز میرے دوست اس وقت ہمارے سامنے تین یزید ہیں ایک یزید بن مہلب دوسرے یزید بن قتبہ تیسرا یزید بن دینار۔ جہاں تک یزید بن قتبہ اور یزید بن دینار کا تعلق ہے اس وقت ان دونوں میں سے کوئی بھی عراق میں نہیں ہے اور نہ انہیں اس کا موقع مل سکتا ہے کہ وہ کبھی میرے منصب پر مقرر کئے جائیں اس منصب پر اگر کوئی قائم ہو سکتا ہے تو صرف یزید بن مہلب ہی ہے۔"

کئی دنوں کی سوچ پجار کے بعد آخر حجاج بن یوسف نے اپنے کام کی ابتداء کی حجاج نے عبد الملک کو خط لکھا کہ یزید اور خاندان مہلب پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا لوگ زبیری ہیں اور کسی وقت بھی دھوکہ دے سکتے ہیں۔ جواب میں عبد الملک نے لکھا مجھے مہلب کی اولاد میں اگر وہ خاندان زبیر کے حامی اور حمایتی ہیں تو صرف اس بنا پر کوئی برائی نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ تو ان میں ایک ایسا جوہر ہے جس کے باعث انہیں ہم سے عقیدت ہے۔

عبد الملک کے اس جواب سے حجاج بن یوسف کی تسلی نہ ہوئی ابن اشعث نے تو وہ نبٹ چکا تھا اب یزید بن مہلب اسے کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا اور وہی ایک ایسا شخص تھا جو اس کی پریشانی کا باعث تھا ورنہ حجاج نے عراق کے تمام خاندانوں کو اچھی طرح کچل ڈالا تھا، صرف یزید اور اس کا خاندان اور بصرہ اور کوفہ کے لوگ اس کے ہمراہ خراسان میں تھے وہی اس کے فولادی پنجے سے محفوظ تھے۔

حجاج بن یوسف خاموش نہیں بیٹھا خراسان سندھ مکران اور کمان کے سارے ہی حکمران کیونکہ اس کے ماتحت ہوا کرتے تھے لہذا اس نے یزید بن مہلب کی طرف قاصد بھیجنے شروع کیے کہ تم فوراً میرے پاس آؤ۔ یزید ان دنوں غیر مسلموں سے جا میں مصروف تھا لہذا وہ غیر مسلموں کی طرف سے خطرے کا بہانہ بنا کر وقت کو ٹالنا وہ سمجھتا تھا کہ شاید اسی طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے۔

خریم بن عمر نے قداہیل شہر کی طرف اس رفتار سے سفر کیا کہ جس وقت سورج غروب ہو رہا تھا وہ شہر سے دس میل کے فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔ رام رتن کو اس نے پہلے ہی شہر کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ دشمن کی طاقت و قوت کا اندازہ لگائے وہ وہیں رک کر رام رتن کا انتظار کرنے لگا تھا۔

رام رتن نے واپس آنے میں دیر نہیں لگائی، واپس آ کر اس نے خرم بن عمر کو اطلاع دی کہ دشمن کا سارا لشکر اس وقت قداہیل شہر کے اندر محفوظ ہے، اس لیے یہ بھی بتایا کہ قداہیل شہر میں ایک خاصا بڑا لشکر ہے اور اگر ہم قداہیل شہر پر حملہ آور ہوں تو کامیابی کے آثار بہت کم ہیں۔

رام رتن کی مہیا کردہ اطلاعات کے مطابق خرم بن عمر نے اپنے چھوٹے سالاروں کو بلایا لشکر میں سے کچھ دستے علیحدہ کئے پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عزیزو! ہم قداہیل شہر پر حملہ آور نہیں ہوں گے اس لئے کہ رام رتن بتا رہا ہے کہ شہر کے اندر ایک بہت بڑی طاقت ہے شہر پر حملہ آور ہو کر ہم شہر پر قبضہ نہیں کر سکتے اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے لئے خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے اس لئے شہر کے اندر جو لشکر محفوظ ہے وہ تو ہمیں جنگ میں مصروف رکھے گا اور راجہ داہر کی طرف سے انہیں کمک بھی مل سکتی ہے۔ ہمارے پاس اپنی پوری طاقت نہیں ہے اور لشکر کمران میں پڑا ہوا ہے لہذا دشمن کے ساتھ ہمیں کسی حیلے کسی بہانے کے ساتھ نبتنا ہو گا۔

دشمن سے نبتنے کے لئے جو تدبیر میں نے سوچی ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ جو دستے میں نے علیحدہ کئے ہیں یہ تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کریں گے میں ان کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے مزید آگے جاؤں گا۔ یہ دستے ایسا کریں گے کہ قداہیل شہر کے نواح میں جو بستیاں قصبے اور آبادیاں ہیں ان پر حملہ آور ہو کر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کریں گے، اس تباہی کی خبر فی الفور قداہیل شہر میں پہنچے گی قداہیل شہر میں راجہ داہر کے لشکریوں کا جو سالار ہے ظاہر ہے وہ خاموش نہیں رہے گا۔ جونہی اسے خبر ہوگی کہ قداہیل شہر کے نواح میں کسی نے یلغار کر دی ہے مار کا بازار گرم کر دیا ہے بستیوں کو آگ لگانا شروع کر دی ہے تو یقیناً وہ لشکر کا

حصہ لوٹ مار کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کرے گا۔

یہ سارا کھیل آج رات ہی کھیلا جائے گا تمہارے ذمے میں یہی کام لگا رہا ہوں کہ شہر کے نواح میں جو بستیاں ہیں ان پر تم حملہ آور ہو گے، اپنے چند آدمی شہر کی بات کھڑے کر دو گے شہر سے نکل کر کوئی لشکر تمہاری طرف آئے گا تو وہ لشکر نہیں اطلاع دیں گے، لہذا جونہی وہ لشکر قریب آئے تم بھاگ کھڑے ہونا اور میری بات مانا میں کچھ مزید آگے جا کر گھات پکڑ لوں گا۔ جب تم لوگ میرے قریب سے گزرتے ہوئے آگے نکلو گے تو تمہارے تعاقب کرنے والوں پر میں حملہ آور ہوں گا اور مجھے امید ہے میں انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا۔ جب اس لشکر کا خاتمہ کر دیا جائے گا تو ان میں سے کچھ کو زندہ چھوڑ کر واپس بھیج دیا جائے گا تاکہ وہ اطلاع کریں کہ حملہ آوروں نے ان کے سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ راجہ داہر کے لشکر کا سالار خاموش نہیں بیٹھے گا نہ ہی اس پر وہ بس کرے گا یا تو وہ لشکر کا کچھ بڑا حصہ روانہ کرے گا یا سارے لشکر کے ساتھ باہر نکلے گا، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ہم سارے متحد ہو جائیں گے جو گھات ہم نے پہلے لگائی ہو گی اس کو تبدیل کر دیں گے۔ اس لئے کہ دشمن کے جو سپاہی واپس جائیں گے وہ انہیں ہمارے محل وقوع سے آگاہ کر دیں گے، اپنی گھات بدلنے کے بعد راجہ داہر کا وہ لشکر جب باہر نکلے گا تو اس پر ایسا ہی شب خون ماریں گے جیسا مسکی شہر کے باہر ہم نے زمیش پر مارا تھا۔ مجھے امید ہے کہ جیسی حالت ہم نے مسکی شہر کے نواح میں زمیش کی کی ایسی ہی ہم قداہیل شہر کے باہر راجہ داہر کے لشکر کی بھی کریں گے۔

خریم بن عمر کی اس تجویز سے ان دستوں کے علاوہ سارے چھوٹے سالاروں نے بھی اتفاق کیا۔ اس کے بعد لشکر مزید آگے بڑھا ایک جگہ جو گھات کے لئے مناسب تھی وہاں اپنے لشکر کے ساتھ خرم بن عمر مقیم ہو گیا تھا۔ جن دستوں کو علیحدہ کیا گیا تھا وہ چھوٹے سالاروں کی سرکردگی میں آگے بڑھے اور قداہیل کے نواح میں جو بستیاں اور قصبے تھے ان کے اندر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔

قداہیل میں راجہ داہر کا جو سالار تھا اس نے خرم بن عمر کی خواہش کے مطابق ہی عمل کیا، جونہی اسے خبر ملی کہ قداہیل شہر کے نواح میں کسی گنہگار لشکر نے

قدائیل شہر میں راجہ داہر کے لشکر کے سالار کو جب خبر ہوئی کہ اس نے اپنے لشکر کا حصہ جو حملہ آوروں کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا اس کا خاتمہ کر دیا گیا ہے تب وہ بڑا غضب ناک ہوا۔ جس قدر لشکر اس کے پاس قدائیل شہر میں تھا اسے لے کر وہ رات کی تاریکی میں نکلا۔ وہ لشکری جنہیں خرم بن عمر نے زندہ چھوڑ دیا تھا تاکہ اپنی باہی اور بربادی کی خبر جا کے قدائیل شہر میں سنائیں وہ اس کی راہبری اور راہنمائی کا کام سرانجام دے رہے تھے۔

پھر انہیں خبر نہ تھی کہ خرم بن عمر نے پہلے والی گھات ترک کر دی ہے اور اب وہ قدائیل شہر کے قریب ہی ان کا شکار کرے کے لئے منتظر بیٹھا ہوا ہے۔

راجہ داہر کا سالار اپنے لشکر کے ساتھ جب اس جگہ سے گزرا جہاں خرم بن عمر نے گھات لی ہوئی تھی۔ تب خرم بن عمر اپنی گھات سے اپنے لشکر کو لے کر اس طرح نکلا جیسے کوئی عتاب جہاں شہاب یا رسد گاہ چشم کو چندھیا دینے والا سیال آتش نفاں اٹھ کھڑا ہوتا ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے راجہ داہر کے لشکر کی پشت کی طرف سے خرم بن عمر اور اس کے عارف آبق صاحب سیف و قلم اور محرم راز ساتھی اور مجاہد راجہ داہر کے لشکر پر فضاؤں کو برساں کر دینے والی بیت کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

خرم بن عمر کے اچانک حملہ آور ہونے سے شب کے خمار میں اٹھتی پریشان فضاؤں کے اندر بڑے بڑے سورماؤں کی ہمت جو اب دینے لگی تھی بڑے بڑے تیغ زن سراب ریگ ہونے لگے تھے خرم بن عمر اپنے لشکریوں کے ساتھ بڑی تیزی سے لڑائی میں مرتعش ہوتے نغموں کی طرح دشمن پر چھانے لگا تھا خرم بن عمر دیکھتے ہی دیکھتے شب کی تاریکی میں راجہ داہر کے لشکر میں اس طرح گھسا تھا جیسے حیلہ گر مکار لوزیوں کے گروہ میں بھوکے بھیرے گھتے ہیں جیسے جھوٹے اہلیس منافقوں کے اندر حق کا کوئی نقیب تکبیریں بلند کرتا ہوا اپنی جگہ بناتا ہے جیسے بے ایمان اور بے وفا گماشتوں کے اندر فطرت کا کوئی راز دار موت اور مرگ کا پیغام کھڑا کرنے کے لئے مہستا ہے۔

قدائیل شہر کے نواح میں گھسان کارن پڑا راجہ داہر کے لشکر کو چونکہ پلٹ کر اپنا دفاع کرنا تھا اس لئے کہ خرم بن عمر نے پشت کی جانب سے حملہ کیا تھا لہذا جب

حملہ آور ہو کر تباہی پھیلانا شروع کر دی ہے تو اپنے لشکر کا ایک حصہ اس نے نکالا تاکہ حملہ آوروں کی سرکوبی کی جاسکے۔ اس لشکر میں وہ خود شامل نہیں تھا اپنے ایک سالار کو کماندار بنا کر اس نے حملہ آوروں کو مار بھگانے کے لئے روانہ کیا تھا۔

ادھر خرم بن عمر کے چھوٹے سالار بھی بڑے مستعد تھے اپنے چند مسلح جوانوں کو انہوں نے شہر کے قریب کھڑا کر دیا تھا تاکہ شہر کے اندر سے جب لشکر نکلے تو انہیں مطلع کر دیا جائے جو نبی راجہ داہر کا لشکر شہر سے نکلا ان مسلح جوانوں نے اپنے کمانداروں کو اطلاع کر دی لہذا وہ اور مستعد ہو گئے تھے۔

رات کی گہری تاریکی میں جب خرم بن عمر کے دستوں کو خبر ہوئی کہ راجہ داہر کا لشکر ان کے قریب آ گیا ہے اور انہوں نے انہیں دیکھ لیا ہے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، انہوں نے اس سمت کا رخ کیا جہاں خرم بن عمر نے گھات لگا رکھی تھی۔

راجہ داہر کے لشکر کو خبر ہو گئی تھی کہ انہیں دیکھتے ہی حملہ آور بھاگے ہیں لہذا وہ ان کے تعاقب میں لگ گئے تھے جو نبی تعاقب کرنے والے راجہ داہر کے لشکری اس جگہ کے پاس سے گزرے جہاں خرم بن عمر نے گھات لگا رکھی تھی۔ تو وہ بھی اپنی گھات سے نکلا اور راجہ داہر کے لشکر کے پیچھے لگ گیا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے خرم بن عمر اور اس کے لشکریوں نے اتصال عبدیت و ربوبیت کے سے پر شکوہ انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے پشت کی جانب سے حملہ کر دیا تھا اور یہ حملہ ایسا ہولناک بروقت اور اچانک تھا کہ راجہ داہر کے وہ لشکری بوکھلا کر رہ گئے تھے۔ خرم بن عمر کے لشکری جو ان کے آگے آگے بھاگے تھے جب انہیں خبر ہوئی کہ تعاقب کرنے والے دشمن پیچھے سے ان کے سالار خرم بن عمر نے حملہ کر دیا ہے تب وہ بھی رک پلٹے پھر خوفناک انداز میں وہ بھی دشمن پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ اس طرح دونوں طرف سے دشمن کو پس کر رکھ دیا گیا تھا چند سپاہیوں کو زندہ رکھا گیا اور انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی تاکہ واپس جا کر وہ راجہ داہر کے لشکر کے کماندار کو اپنی بربادی کی داستان سنائیں۔ اس کے بعد خرم بن عمر نے اپنے لشکر کو جمع کیا پہلے والی گھات ان نے تبدیل کر دی مزید قدائیل شہر کے قریب ہوا اور ایک مناسب جگہ دیکھتے ہوئے دوبارہ وہاں گھات لگا لی تھی۔

PDF

تک وہ پلٹے اس وقت تک خرم بن عمر اس کے لشکر کے ایک حصے کو فنا کر چکا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ راجہ داہر کے اس لشکر کی تعداد کم ہوتی چلی گئی اور اس سے بھی زیادہ خرم بن عمر اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے اور ولولے بلند ہونا شروع ہو گئے تھے۔ راجہ داہر کے اس سالار نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح دشمن کے سامنے جم کر اسے مار بھگانے کی کوشش کرے لیکن اس کا ہر حیلہ ہر مکر ناکام ہوا۔ پھر جب اس نے اندازہ لگایا کہ اپنی جانیں بچانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو بچے کھچے لشکر کو لے کر وہ قذاتیل شہر کی طرف بھاگا۔ خرم بن عمر اس کے پیچھے پیچھے تھا اس نے راجہ داہر کے اس لشکر کا تعاقب قذاتیل کی فصیل تک کیا جب بچے کھچے لشکریوں کو لے کر اس کا سالار شہر میں داخل ہو گیا اور شہر کے دروازے بند کر دیئے تب خرم بن عمر بھی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کا مقصد ضرب قذاتیل شہر میں راجہ داہر کی قوت کو توڑنا اور کم کرنا تھا اور وہ یہ فرض بڑی خوبی اور احسن طریقے سے ادا کر چکا تھا۔ لہذا پیچھے ہٹنے کے بعد اس نے کچھ دیر کے لئے اپنے لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کا حکم دیا زخمیوں کی مرہم پٹی کی پھر خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ مکران کا رخ کیا۔

امیر المومنین عبد الملک نے اپنی رعایا سے یکے بعد دیگرے اپنے بیٹے ولید اور لیمان کی ولی عہدی کی بیعت لی اس کے بعد وہ اچانک بیمار پڑ گیا، طبیبوں نے بہت لاج کیا لیکن کوئی افاتہ نہ ہوا عبد الملک سمجھ گیا کہ بیماری اس کی موت کا پیغام ہے لہذا اس نے اپنی اولاد کو اپنے پاس جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے تم لوگوں میں سے ولید کو اپنا ولی عہد اور اس کے بعد سلیمان کو اس عہدے کے لئے پہلے ہی منتخب کر دیا ہے میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ اللہ سے ڈرتے رہنا ہی بہترین لباس اور بہترین جائے پناہ ہے تمہارے بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں پر شفقت کریں۔ اور چھوٹوں کو چاہئے کہ بڑوں سے ادب اور تہذیب سے پیش آئیں۔

مسلمانوں کی رائے اور مشوروں کی ہمیشہ قدر کرنا ان کی مخالفت سے بچنا کیونکہ یہ وہی جڑے ہیں جن سے تم چباتے ہو اور وہی دانت ہیں جن سے تم توڑتے ہو قلمندوں پر احسانات کرنا کیونکہ وہ اس کے مستحق ہوتے ہیں۔“

پھر عبد الملک انتقال کر گیا لوگوں نے اس کے بیٹے ولید بن عبد الملک کے ہاتھ پر بیعت کی، عبد الملک کے پندرہ بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ عبد الملک کے عہد میں حجاج بن یوسف کی وجہ سے کئی جگہ مظالم ہوئے جبر و ستم سے کام لیا گیا لیکن عبد الملک کے عہد ہی میں حجاج بن یوسف کی وجہ سے کئی بہترین عمدہ کام بھی سر انجام دیئے گئے۔

عبد الملک کے زمانے میں پہلی مرتبہ حجاج بن یوسف کی وجہ سے مسلمانوں نے لہنا سکھ بتایا اور جاری کیا۔ عبد الملک کے عہد تک شام عرب مصر وغیرہ میں رومنوں



کے سکے رائج تھے عراق میں عموماً ایران کے سکے جاری تھے عرب میں نہ کوئی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی نہ کوئی سکے موجود تھے تمام علاقوں میں انہوں ہی کے سکوں کا رواج تھا۔

اب جبکہ اسلامی سلطنت قائم ہو کر طبعاً سے خراسان تک پھیل گئی تو بھی کسی کی توجہ اس طرح مبذول نہ ہوئی کہ اپنا سکہ الگ جاری کریں۔ اتفاقاً عبدالملک بن مروان کو رومنوں کے بادشاہ کے پاس چند خطوط بھیجنے کا اتفاق ہوا عبدالملک نے اسلامی دستور کے مطابق خطوط کی پیشانی پر کلمہ توحید اور درود شریف لکھا۔

رومنوں کے حکمران نے عبدالملک کو خط لکھا کہ تم اپنے خطوط کی پیشانی پر توحید باری تعالیٰ اور اپنے رسولؐ کا ذکر نہ لکھا کرو یہ ہم کو ناگوار محسوس ہوتا ہے اگر تم اس حرکت سے باز نہ رہے تو ہم اپنی نکسال میں ایسے درہم اور دینار ڈھال کر رائج کریں گے جن میں تمہارے نبی کا نام توہین کے ساتھ لکھا ہوا ہو گا اور تم کو یہ بات بے حد ناگوار گزرے گی۔

عبدالملک کو اس خط کے پڑھنے سے تردد پیدا ہوا اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا جس پر اسے بتایا گیا کہ رومن سکوں کا رواج اپنے ملک میں ترک کر دیا جائے اور اپنے سکے مضروب کرا کر رائج کر دیئے جائیں۔ عبدالملک نے اس رائے کو پسند کیا اور فی الفور چودہ قراط درہم مضروب کرائے جو پانچ ماشے کے قریب وزنی ہونے لگے۔ حجاج بن یوسف نے درہم اور دینار پر ایک طرف قل هو اللہ احد مصلوب کر دیا۔ غرض حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے دور میں عربی سکوں کو جاری کر کے اسلامی مملکت کے لئے ایک اچھا عمدہ اور اولین کام سرانجام دیا۔

اس کے علاوہ عبدالملک کے عہد میں حجاج بن یوسف نے ملک کی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے بھی جدوجہد کی۔ جنگوں کی وجہ سے ملک کی حالت بری طرح متاثر تھی زراعت کو ترقی دینے میں بھی حجاج نے بہت کوششیں کیں اس نے بہت سے ممتاز عربوں کو جاگیروں کے طور پر کافی اراضی عطا کی تاکہ زیادہ سے زیادہ زمین آباد ہو اور آمدنی کے ذرائع بڑھیں۔ اس کے علاوہ دیہاتی لوگوں کی شہروں کی طرف منتقلی کے خلاف کوششیں کیں۔ تاکہ خراج میں تباہ کن کمی واقع نہ ہو۔ اس نے منہ

اقدامات یہ کئے کہ نو مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کھیتوں میں واپس جائیں جنہیں چھوڑ کر وہ آئے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ آباد ہوں اور آمدنی کے ذرائع بڑھیں۔

ان کے علاوہ حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے عہد میں قرآن مجید کے نسخوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے کوششیں کیں۔ اس کی خواہش تھی کہ ایک طرف تو قرآن حکیم کی مختلف قراتوں کے بارے میں متکلمین کے جھگڑوں کو ختم کیا جائے اور ایک ہی متن مقرر کیا جائے چنانچہ قرآن مجید کی علیحدہ علیحدہ اجزا یا پاروں میں تقسیم اس کی کوشش معلوم ہوتی ہے نیز قرآن کے اعراب بھی حجاج بن یوسف کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

اپنی موت سے پہلے عبدالملک نے جہاں اپنے بڑے بیٹے ولید کو اپنا جان نشین مقرر کیا وہاں اپنے دوسرے بیٹے سلیمان بن عبدالملک کو فلسطین کا والی مقرر کیا۔ کتے ہیں سلیمان بن عبدالملک بے رحم اور نفسانی خواہش کا اسیر ہونے کے باوجود عدل و انصاف کا شوقین اور جہاد کا حریص تھا۔ موسیقی سے سلیمان کو سخت نفرت تھی چنانچہ اس نے گانے بجانے کی مخالفت کی۔ سلیمان نہایت خوبصورت و وجیہہ شخص تھا تو منہ اور پر خور بھی تھا کہتے ہیں ایک مرتبہ اس نے سترانا بہت سی کشش چھ مہینے کی عمر کا بکرا اور چھ مرغ کھائے اور سب کو ہضم کر گیا۔



یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالملک خلفائے بنو امیہ میں ایک مشہور اور کامیاب خلیفہ تھا اس نے تمام عالم اسلام کو ایک مرکز سے وابستہ کرنے میں کامیابی حاصل کی اور حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو خلا سا پیدا ہو گیا تھا اسے دور کر کے ایک عالمگیر اسلامی حکومت دوبارہ قائم کی۔

اس کام میں اس نے سختی اور تشدد سے زیادہ کام لیا وہ اس کی معذرت میں خود کہا کرتا تھا کہ اگر ایسے جاہل اور سرکش لوگوں سے صدیق اکبر فاروق اعظم کو واسطہ پڑتا تو وہ بھی یہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔ عبدالملک نے بنو امیہ کی جڑ جما دی جو اس سے پہلے تذبذب کی حالت میں تھی۔ عبدالملک کے مزاج میں درشتی اور سخت

گیری کے ساتھ معقول پسندی اور حق شناسی بھی تھی۔ اکثر مورخ اس کی مستقل مزاجی اور بلند ہمتی کی تعریف کرتے ہیں۔

عبدالملک کی غلطیوں اور خطاؤں میں سب سے بڑی یہ غلطی تصور کی جاتی ہے کہ اس نے حجاج کو اس کے استحقاق سے زیادہ اختیار اور اقتدار دیا۔ حجاج نے اپنے اختیار کے ظالمانہ استعمال میں کمی نہیں کی لیکن اس قسم کی غلطیاں پھر اس حکمران سے سرزد ہو سکتی ہیں جو اپنی سلطنت کے قیام اور استحکام کا خواہاں ہو۔ عبدالملک کے زمانے میں مسلمانوں کو فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور اندرونی خلفشار بھی ایک ایک کر کے سب مٹ گئے۔ عبدالملک نے اپنی خلافت کے زمانے میں جو کام سرانجام دیے ان کے اعتبار سے ان کا شمار نامور اور کامیاب خلفاء میں ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ باعظمت اور باجروت خلیفہ بھی تھا علم و فضل کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ بہت بلند تھا اور شجاعت اور سپاہ گری کے اعتبار سے بھی وہ بہادر اور نامور سپہ سالاروں کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

عبدالملک بڑا صاحب علم شخص تھا۔ ایک روز عبدالملک ابوہریرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ شخص ایک دن عرب کا بادشاہ ہو جائے گا۔ ام درداء نے عبدالملک کے خلیفہ بن جانے کے بعد عبدالملک سے ایک روز کہا میں پہلے ہی سمجھتی تھی کہ تو ایک روز حکمران بن جائے گا۔ عبدالملک نے پوچھا کس طرح انہوں نے فرمایا میں نے تجھ سے بہتر نہ کوئی بات کرنے والا دیکھا نہ بات سننے والا امام شعبی کہتے ہیں کہ میں جس شخص کی صحبت میں بیٹھا وہ میرے علم کا قائل ہو گیا مگر میں خود عبدالملک کے علم و فضل کا قائل ہوا ہوں۔

خلفاء میں سے عبدالملک کو یہ بھی فوقیت حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے کعبہ پر دیباچہ کے پردے ڈالے۔ ایک مرتبہ عبدالملک سے کسی نے کہا کہ امیرالمومنین آپ پر بڑھاپا بہت جلدی طاری ہو گیا ہے اس پر اس نے کہا کیسے نہ آنا میں ہر جہد کو اپنی بہترین عقل لوگوں پر خرچ کرتا ہوں۔ عبدالملک سے کسی نے ایک روز پوچھا آدمیوں میں سے سب سے بہتر کون ہے اس نے کہا جس شخص نے بلند رتبہ ہو کر تواضع کی اور بحالت اختیار زہد کو ترجیح دی بحالت قوت عدل و انصاف سے کام

لیا وہی سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

جب عبدالملک کے پاس باہر سے کوئی شخص آتا تو وہ اس سے کہا کرتا، دیکھ چار باتوں کا لحاظ رکھنا ایک تو جھوٹ نہ بولنا کیونکہ مجھ کو جھوٹ سے سخت نفرت ہے دوسرا جو کچھ میں پوچھوں اس کا جواب دینا تیسرے میری مدح نہ کرنا کیونکہ اپنا حال میں خود ہی خوب جانتا ہوں چوتھے میری رعیت پر مجھے ہوانگیختہ اور مشتعل ہرگز نہ کرنا کیونکہ ان کو میری عنایات کی زیادہ ضرورت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عبدالملک جب بیمار ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحت مند نہیں ہو گا تو اپنی ساری اولاد کو بلانے سے پہلے اپنے بڑے بیٹے ولید کو اپنے پاس بلایا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”بچے لڑائی میں نہایت سرگرمی دکھانا، نیک کاموں میں ضرب البتل بننے کی کوشش کرنا کیونکہ لڑائی قبل از وقت موت کو نہیں بلاتی نیک کام کا اجر ملتا ہے اور مصیبت میں خدا مددگار ہوتا ہے سختی میں نرمی اختیار کرنی چاہئے آپس میں رنجشیں نہ بڑھانا کیونکہ ایک تیر کو جو چاہئے توڑ سکتا ہے اور جب بہت سے تیر جمع ہو جائیں تو کوئی نہیں توڑ سکتا۔“

اے ولید میں جس معاملے میں تمہیں خلیفہ کرتا ہوں اس میں خدا کا خوف کرنا حجاج بن یوسف کا خوب خیال رکھنا اسی نے گویا تجھے خلافت تک پہنچایا ہے اس کو اپنا دایاں بازو اور بہترین تلوار سمجھنا وہ تجھ کو تیرے دشمنوں سے پناہ میں رکھے گا، اس کے حق میں کسی کا قول نہ سنا اور یاد رکھنا تجھ کو حجاج کی زیادہ ضرورت ہے حجاج کو میری اتنی ضرورت نہیں جب میں مر جاؤں تو لوگوں سے اپنی بیعت لینا اور جو شخص انکار کرے اس کا خاتمہ کر دینا۔“

کہتے ہیں اپنے باپ کے یہ الفاظ سن کر ولید سمجھ گیا کہ اس کے باپ پر نزع کا وقت آ گیا ہے لہذا وہ رونے لگا عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کی طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگا ”لڑکیوں کی طرح رونے سے کیا فائدہ میرے مرنے کے بعد تیار ہو کر جرات کو کام میں لاتے ہوئے بائیں کندھے پر تلوار رکھنا اور جو شخص ذرا بھی سر اٹھائے اس کا سر کاٹ دینا تاکہ مملکت اسلامی میں امن قائم رہے اور جو چپ رہے اسے چھوڑ دینا کہ وہ اپنے مرض سے آپ ہی مر جائے گا۔“

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ عبدالملک کہا کرتا تھا کہ میں رمضان میں پیدا ہوا

مکران شہر میں داخل ہونے کے بعد خرم بن عمر نے اپنے چھوٹے سالاروں کی مرکردگی میں اپنے لشکر کو مستقر کی طرف روانہ کر دیا تھا اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا جب وہ حویلی کے قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ حویلی کے صحن سے رونے کی آوازیں نائی دے رہی تھیں۔ خرم بن عمر متفکر ہوا جب وہ حویلی میں داخل ہوا اس نے دیکھا حویلی میں خادمہ سادل بیچاری بچکیاں اور سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی صحن کے اندر ہی بنانہ حنظلہ کے ساتھ گودیری بیرویل ہرچند رائے ساگرہ کی ماں روجن متفکر اور پریشان کھڑے تھے۔ جو نئی خرم بن عمر حویلی میں داخل ہوا بنانہ بن حنظلہ اس کی طرف بھاگا اتنی دیر تک خرم بن عمر گھوڑے سے اتر گیا آگے بھاگتے ہوئے بنانہ بن حنظلہ خرم بن عمر سے بنگلیہ ہو گیا تھا علیحدہ ہونے کے بعد خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”ابن حنظلہ یہ سادل کیوں رو رہی ہے اس کے رونے کی آواز میں نے حویلی کے باہر سنی ہے۔ کیا اسے کسی نے کچھ کہا کیا کسی نے اس کے ساتھ بد تمیزی کی اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو یاد رکھنا اسے کڑی سزا دی جائے گی۔“

اور تم سب لوگ حویلی کے صحن میں کیوں کھڑے ہو ابن معر کہاں ہے۔“  
اس موقع پر ابن حنظلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اس نے بیرویل کی طرف دیکھا اور کہنے لگا ”بیرو میرے بھائی خرم کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جاؤ“ بیرویل بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور خرم بن عمر کے گھوڑے کو پکڑ کر وہ اصطبل کی طرف لے گیا تھا پھر ابن حنظلہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”خرم میرے بھائی فوراً“ اندر جاؤ ابن معر تمہارے جانے کے بعد بیمار ہو گیا

رمضان ہی میں میرا دودھ چھڑایا گیا رمضان ہی میں میں نے قرآن شریف ختم کیا رمضان ہی میں بالغ ہوا رمضان ہی میں ولی عہد ہوا رمضان ہی میں خلیفہ بنا مجھے خوف ہے کہ میں رمضان ہی میں مروں گا لیکن اس کے برعکس وہ سوال میں فوت ہوا۔

بہر حال عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک چھتیس سال کی عمر میں دمشق میں تخت خلافت پر بیٹھا کیونکہ وہ نہایت نازد نعمت کا پلا ہوا تھا لہذا علم و فضل سے بے بہرہ اور پڑھنے لکھنے میں بہت ہی ناقص تھا۔ اپنے باپ عبدالملک کے کفن و دفن سے فارغ ہو کر اس نے جامعہ مسجد کا رخ کیا سارے لوگوں کو وہاں جمع کیا۔ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”لوگوں جس کو اللہ نے مقدم کیا اس کو کوئی موخر نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ نے موخر کیا اس کو کوئی مقدم نہیں کر سکتا موت اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں تھی جس کو اس نے انبیاء اور دیگر سب کے لئے لازم کر دیا ہے۔“

خدا تعالیٰ نے آپ کی خدمت کا والی ایک ایسے شخص کو بنا دیا ہے جو مجرموں پر سختی اور اہل فضل اور اہل حق پر نرمی کرنے والا اور حدود شرعیہ کو قائم کرنے کا عزم رکھتا ہے اور وہ خانہ کعبہ کے حج اور سرحدوں پر جہاد یعنی دشمنان دین پر حملے کرتے رہنے کا عزم رکھتا ہے یاد رکھو اس کام میں نہ میں سستی کرنا چاہتا ہوں نہ حد کو تجاوز کرنے کو اچھا جانتا ہوں لوگوں مجھے تمہارا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے تم خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا مسلمانوں میں اتفاق کو قائم رکھنا۔ یاد رکھو جو سرکشی کرے گا اس کا سرتوڑ دیا جائے گا اور جو خاموش رہے گا وہ اپنے مرض میں خود ہی ہلاک ہو کر رہے گا۔“

خلیفہ بننے کے بعد ولید بن عبدالملک نے حجاج کے اختیار اور اقتدار کو نہ صرف بدستور قائم رکھا بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا گورنر رہنے دیا گیا اور قتیبہ بن مسلم نے چین اور ترکستان کے اندر فتوحات حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مغرب کی جانب موسیٰ بن نصیر افریقہ کی حالات کو درست کر چکا تھا جبکہ خود ولید کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک رومنوں کی فتح کنی میں مصروف ہو گیا تھا۔



تھا اب وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر اس وقت نزع کا وقت طاری ہو گیا ہے ہم سب اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن اس نے اہم تھوڑی دیر پہلے ہم سب کو باہر نکالا ہے اس وقت صرف سائکرہ اس کے پاس ہے سائکرہ کو وہ کوئی نصیحت وصیت کر رہا ہے وہ کئی بار تمہارا پوچھ چکا ہے اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے وہ تمہیں دیکھ سکے بھاگ کر اندر جاؤ اس سے ملو۔“

ابن حنظلہ کے اس انکشاف پر خرم بن عمر پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا تقریباً بھاگتا ہوا سامنے والے کمرے میں گیا دروازے کے قریب کھڑے ہو کر اس نے دیکھا بستر پر ابن معمر بے حس سالیٹا ہوا تھا سائکرہ کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور بڑی دکھی آواز میں اسے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”میری بیٹی! خرم بن عمر ایک صاف باطن سادہ بھولا بے لوث اور صاف دل انسان ہے خدا فروش نہیں یگانگت محبت اور الفت کے لئے اپنے جان تک قربان کر سکتا ہے۔ میری بیٹی، وہ ایسا جری ایسا دلیر ہے کہ چار سو پھیلی اذیتوں کی چادر اور نمند ٹھہرے ہوئے غذاؤں کے اوپر کھڑا ہو کر بھی حق کی صدا دے سکتا ہے۔ وہ ایسا نایاب اور بے مثل شخص ہے کہ آگ برساتے بادلوں کے درمیان کھڑا ہو کر بھی دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا ہے۔“

خرم بن عمر دروازے پر کھڑا رہا اس نے دیکھا ابن معمر بول رہا تھا سائکرہ رو رہی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے جیسے بھادوں میں ندیاں جل تھل ہو گئی ہوں۔ اس کی ہچکیوں کی آواز ایسے سنائی دے رہی تھی جیسے کسی صومعہ کا ناقوس سے بچتے بچتے اپنی آواز سے محروم ہو لگا ہو کہ اس بیچاری کی آواز اس طرح ہو رہی تھی جیسے کسی معبد کا گنہ کھو گیا ہو جیسے کسی مسافر کے جادو کا عصا گم ہو گیا ہو جیسے کسی ساز آفاق، سیاح جہاں گرد کی منزل ہجر کے آتش لہو میں کھو گئی ہو۔

اپنا نیک سائکرہ کو خرم بن عمر کی موجودگی کا احساس ہوا تڑپ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا خرم بن عمر کو دیکھتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے اس آنکھوں کے اندر تازہ اور نئے سکھ کی بانسریاں سننے جیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس کے بعد دوبارہ اپنی خوشبوئے عروساں سی لڑکی تیبوں کے اشک کی تپش کی مانند ہو گئی تھی۔

خرم بن عمر آہستہ آہستہ آگے بڑھا اس کے قدموں کی چاپ شاید ابن معمر نے بھی محسوس کر لی تھی اس نے سائکرہ کو مخاطب کیا۔

”سائکرہ میری بیٹی کمرے میں کون آیا ہے“ سائکرہ بیچاری روتی اور بین کرتی ہوئی آواز میں بول پڑی۔

”اے عمر کمرے میں خرم بن عمر داخل ہوئے ہیں۔“

اس موقع پر ابن معمر نے اپنا سراوہ اٹھانا چاہا لیکن نہ اٹھا سکا بیچارہ مردہ سی آواز میں بول پڑا۔

”سائکرہ میری بیٹی خرم بن عمر کو میرے پاس لاؤ۔“

اتنی دیر تک خرم بن عمر بالکل مسہری کے ساتھ جا کھڑا ہوا ابن معمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا پھر اسے مخاطب کیا۔

”ابن معمر میرے بزرگ! میں اپنی مہم سے لوث آیا ہوں قدا تیل شہر سے باہر میں نے دشمن کو بدترین شکست دی ہے اور ایک طرح سے قدا تیل میں جو دشمن کا فکر مقیم تھا اس کا میں نے صفایا کر دیا ہے۔“

اس خبر پر لمحہ بھر کے لئے ابن معمر کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہی پھر مسکراہٹ کی جگہ عجب سی دل شکنی اور تفکرات نے لے لی تھی آہستہ آہستہ سنجیدگی اس کے چہرے پر گہری ہونے لگی تھی پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”خرم میرے بیٹے! میں اپنے لئے وقت کی درزوں سے موت کو ٹانگ جھانک کرتے دیکھ رہا ہوں لمحوں کی زلفوں کے اندر میں اپنی ذات کے لئے لمحہ بہ لمحہ فراق کی رات کو طویل اور گہرا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ دیکھ بیٹے ہم اس رسولؐ اس ہستی کے لئے والے ہیں زمانہ جن کا صبح ازل سے منتظر تھا وہ اس نگار خانہ کن میں خیر و مر کے المین مجسم امن و امان تھے اور زبان وحی نے میرے اس رسولؐ کو منزل تک کہہ کر بلایا۔ میرے بیٹے ان سرزمینوں کے اندر اپنے رسولؐ کا تابع بن کر رہنے والا بننا میں چاہتا ہوں تم ایک شریف اور عمدہ قسم کے انسان اور بے مثل دنیا یاب مجاہد ہو۔ بیٹے ان سرزمینوں میں جمال و خیر کا منبع اخلاق و پاکیزگی کا معدن بن کر لوگوں کے سامنے آنا۔ اگر تم ان سرزمینوں میں بسنے والوں کا تریاق اور آنکھوں کا مرہم بن کر رہو یا



رکھنا تم غار حرا سے اٹھتی اقراء باسم ربک کی شعاعوں کی طرح ہر منزل پر ہر مہم میں کامیاب اور کامران رہو گے، سنو میرے خوش اخلاق اور ایمان نفس فرزند پرستان باطل کی یلغار کے سامنے بے غرض اور بغا کشی کا طوفان بن کر آنا میں جانتا ہوں تو ہر طرح کے دشمن کا بلند ہمتی کے عذاب اور سپاہ گرانہ قابلیت کے ساتھ مقابلہ کرنے کا فن جانتا ہے، قوی بازو رکھنے والے فرزند و مہربان ان سرزمینوں میں اپنی اخلاقی سربلندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر ایک کی دل عزیز کی باعث بن جانا میں جانتا ہوں کہ قدرت نے تجھے گلہ بانی سے جہاں بانی کی طرف جانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ بیٹے میں چند لمحوں کا مہمان ہوں ساکنہ کو میں نے علیحدگی میں اس لئے بلایا تھا کہ مجھے تیرے آنے کی کوئی امید نہ تھی لہذا میں اسے کچھ نصیحت اور وصیت کرنا چاہتا تھا اچھا ہوا تو آگیا۔

سن فرزند ساکنہ دیوانگی کی حد تک تجھے چاہتی ہے تجھے پیار کرتی ہے گو اس کی معنی ہو چکی ہے لیکن کوئی کام لڑکی کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا میرے بیٹے کی بھی موقع پر ساکنہ کی دل نشینی مت کرنا اگر ہو سکے۔“

اس کے آگے ابن مسعود کی آواز گلے میں اٹک گئی تھی خرم بن عمر نے اس ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا وہ مردہ سا ہو گیا تھا پھر ابن مسعود کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی وہ ختم ہو چکا تھا۔ خرم بن عمر نے اس کی آنکھیں اس کا چہرہ درست کیا اور سیدھا لٹا دیا پھر اس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیچارہ وہاں بیٹھ گیا ایک ہاتھ اس نے ابن مسعود کے بازو پر رہنے دیا دوسرا ہاتھ اس نے مسہری کے پائے پر رکھا اور پھر اس کے ہاتھ پر سر رکھ کر وہ زارو قطار رونے لگا تھا۔

ساکنہ بیچاری ابن مسعود کی حالت دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کی آمد سے پہلے ہی رو رہی تھی اس کے بعد خرم بن عمر جب اس کمرے میں داخل ہوا اور اس نے خرم بن عمر کا گرد اور خون میں اٹا ہوا لباس دیکھا تو اس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ اب جو خرم بن عمر بیچارہ پائے پر سر رکھ کر زارو قطار رونے لگا تو ساکنہ بیچاری دھاڑیں مار کر رونے لگی تھی۔ اس کے رونے کی آواز جب باہر گئی تو سنا بھاگتے ہوئے اندر آئے اس وقت ساکنہ بیچاری ابن مسعود کی لاش سے لپٹ کر رو رہی

تھی۔ خرم بن عمر کا سراپی طرح مسہری کے پائے پر رکھا تھا اور وہ رو رہا تھا سارے مسہری کے ارد گرد کھڑے ہو گئے سب کی حالت ناقابل برداشت تھی گودیری تھوڑی دیر تک ساکنہ کی حالت پر ضبط کرتی رہی پھر وہ بھی زارو قطار رونے لگی تھی روجن نامکہ کے پاس بیٹھ کر رو بھی رہی تھی اور اسے تسلی بھی دے رہی تھی۔

بنانہ بن حنظلہ دھرم واس بیروہل ہر چند رائے بھی خرم بن عمر کے پاس بیٹھ لئے ہر ایک کی حالت خرم بن عمر جیسی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک رام رتن بھی ہاں داخل ہوا اور وہ بھی ان کے پاس بیٹھ گیا کچھ دیر تک ایسی ہی کیفیت رہی پھر زیم بن عمر نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

خرم بن عمر جب اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تو ساکنہ تڑپ اٹھی وہ یہ سمجھی کہ خرم بن عمر باہر جانے والا ہے جلدی جلدی اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں چہرہ صاف کیا اس نے ہاتھ کے اشارے سے ساول کو بلایا جو ابھی تک دروازے پر کھڑی منہ چلنے رو رہی تھی۔

ساکنہ کا اشارہ پا کر ساول تیزی سے آگے بڑھی ساکنہ کے قریب آ کر وہ جھکی نامکہ نے اس موقع پر اس کے کان میں کوئی سرگوشی کی جسے سن کر ساکنہ اس حویلی سے نکل کر اپنی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔

خرم بن عمر جب اپنی جگہ سے اٹھا بنانہ بن حنظلہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”خرم میرے بھائی اپنے کمرے میں جاؤ یہ گرد آلود خون سے اٹا ہوا لباس نبیل کو اس کے بعد مجاہد بن مسعود کی تکفین کا سامان کرتے ہیں۔“

ابن حنظلہ کے ان الفاظ پر خرم نے اثبات میں گردن ہلائی ایک انتہائی نوس زدہ اور پریشان سی نگاہ دوبارہ اس نے ابن مسعود کے چہرے پر ڈالی اس کے بعد لڑکی گردن جھک گئی اور وہ اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

گہمت آہستہ چلتا ہوا وہ حویلی کے اس حصے میں داخل ہوا جو دو کمروں پر مشتمل تھا جہاں اس کی رہائش تھی کمرے میں داخل ہوتے ہی خرم بن عمر دنگ رہ گیا۔ کمرے میں دیکھا کہ وہ انتہا درجہ کا صاف ستھرا کیا ہوا تھا اس کی ضرورت کی ہر چیز ترتیب اور قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کمرے کا جائزہ لیتا رہا

خریم بن عمر تھوڑی دیر رکا کچھ سوچا پھر وہ تاسف آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔  
 ”ساکرہ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے جذبات سے عاری آبروسوز لمحوں اور  
 فروشوں کی سی بدترین ناانسانی کی طرف مت دھکیلو، میں اس سے باخبر ہو چکا ہوں  
 تم مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کرتی ہو مجھ سے محبت کرتی ہو لیکن یہ ایک انتہائی  
 عقل بات ہے۔ تمہاری محبت کا احساس مجھے بنانہ بن حنظلہ بھی دلا چکا ہے اور ابن  
 ہر مرتے وقت بھی اس کا اظہار کر چکا ہے اور مجھے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ تم دھرم  
 اس کو پسند کرتی رہی ہو اور تمہاری پسند ہی کی وجہ سے اس کے ساتھ تمہارے  
 برے ہونے والے تھے کہ ایک روز پہلے تمہیں اغوا کر لیا گیا، اپنی منزل کو اپنی پشت  
 مت ڈالو جو فیصلہ تمہارے ماں باپ نے کر رکھا ہے اس کا احترام کرو اس میں  
 ماری بھلائی اور تمہاری بہتری ہے میں ایک سراب ہوں میرے پیچھے مت بھاگو ورنہ  
 کیا پتے پرندے کی طرح صحراؤں میں گر کر ختم ہو جاؤ گی۔“

جب تک خرم بن عمرو ہوتا رہا ساکرہ خاموشی سے سنتی رہی جب وہ چپ ہو اتو  
 بولی اور کہنے لگی۔

”آپ کو غلط بتایا گیا ہے قسم بھگوان کی میں نے کبھی کسی بھی موقع پر دھرم  
 اس کو پسند نہیں کیا نہ اس سے محبت کی ہے ہاں اس سے گٹھ جوڑ میرے ماں باپ  
 نے طے کیا تھا اور میں نے اس کو منظور کر لیا تھا۔ میں نے کبھی بھی اس سے محبت  
 کی نہیں کی مجھے قسم ہے آپ کے اس خدا کی جس نے اجرام فلکی کو اپنے قانون کی  
 روشنی میں جکڑ رکھا ہے۔ جس نے کائنات کے طبقوں کو غیر مرنی اور غیر محسوس  
 ابدوں میں قائم رکھا ہے میں نے کبھی بھی کسی بھی موقع پر نہ دھرم داس سے محبت کا  
 اظہار کیا ہے نہ ہی اس سے محبت کی ہے۔ آ اب بھی آپ اگر یقین نہ کریں تو میں  
 بھول گئی کہ یہ میری بد قسمتی ہے۔“

ساکرہ کی اس گفتگو کے جواب میں خرم بن عمر کچھ دیر تک سوچتا رہا اس کے  
 دماغ میں اس کی آواز پھر سنائی دی۔

”ساکرہ تم جو ساول کو لے کر میرے پیچھے پیچھے آ گئی ہو تمہاری ماں کیا سوچتی  
 ہے تمہارا مگتیر دھرم داس کیا خیال کرتا ہو گا کیا وہ یہ سوچنے میں حق بجانب نہ ہو گا

پھر دوسرے کمرے میں داخل ہوا، دوسرا کمرہ بھی ایسے ہی صاف ستھرا اور چمک رہا  
 دوبارہ وہ پہلے کمرے میں آیا کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کمرے  
 میں ساکرہ اور ساول دونوں داخل ہوئیں، انہیں دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کسی قدر  
 دنگ اور پریشان ہو کر رہ گیا تھا اس موقع پر ساکرہ کے ہاتھ میں ایک گٹھڑی تھی آہستہ  
 آہستہ گردن جھکائے چلتی ہوئی وہ خرم بن عمر کے قریب آئی گٹھڑی اس نے ایک  
 طرف رکھ دی پھر خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے دھیمی سی آواز میں کہنے لگی۔

”اس گٹھڑی میں آپ کے لئے نئے کپڑوں کے کچھ جوڑے ہیں یہ میں نے  
 سئے ہیں آپ اپنا یہ گرد آلود خون سے اتا ہوا لباس اتار دیں نئے کپڑے تبدیل کر لیں  
 اس کے بعد۔۔۔۔۔۔“  
 ساکرہ بیس تک کہہ پائی تھی کہ بیچ میں بولتے ہوئے خرم بن عمر نے اس کی  
 بات کاٹ دی۔

”ساکرہ تمہارا یوں میرے کمرے میں آنا انتہا درجہ کا معیوب اور نقصان  
 ہے اس میں شک نہیں کہ ساول تمہارے ساتھ ہے لیکن پھر بھی تمہیں اس طمان  
 میرے کمرے میں نہیں آنا چاہئے نہ ہی تمہیں میرے لئے لباس اور کپڑوں کا اہتمام  
 کرنا چاہئے، تمہیں اپنے ذہن سے کبھی یہ بات نہیں نکال دینی چاہئے کہ تم دھرم داس  
 کی مگتیر ہو اس لحاظ سے تم اس کی امانت ہو تمہیں ہر کام اس سے پوچھ کر کرنا چاہئے  
 کبھی بھی اس کی اجازت کے بغیر ایک قدم بھی مت اٹھانا ورنہ یاد رکھنا سمت اور منزل  
 کا احساس کئے بغیر ریگستانوں میں ایسی بھٹوگی کہ حلق سے نکلنے والی تمہاری چیخوں  
 کوئی بھی نہیں سنے گا۔ ساکرہ اپنی اصلیت کو مت چھوڑو تم دھرم داس کی امانت  
 اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا اور تم نے اگر اپنی اس بنیاد اور اس اصل کو چھوڑ  
 تو یاد رکھنا ڈوبتے سورج کے دھند لکوں میں موت کی آندھیوں کا لقمہ بن جاؤ گی۔ میرا  
 طرف آتے ہوئے یقیناً تم دھرم داس کو بھول جاتی ہو اور دھرم داس تمہارا  
 ہے بغیر کسی ٹھوس مادی اور منطقی جواز کے تم اس کے ساتھ طے شدہ اپنی سگائی  
 کیسے توڑ سکتی ہو اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھنا وہ تمہارے اور میرے دونوں کے خلاف  
 اصولی کارروائی کرنے پر مجبور اور حق بجانب ہو گا۔“

سارے لوگ بھی کہیں گے کہ میں بدی کا محرک بنا اور اپنی سفلی خواہشات کی خاطر دھرم داس کی منگیتر پر قبضہ کر لیا نہیں ہرگز نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی میں ایسا ہونے دوں گا اب تم جا سکتی ہو۔“

سانکرہ بیچاری رو دینے والی ہو رہی تھی خرم بن عمر کے کہنے پر وہ گئی نہیں بلکہ وہیں کھڑی رہی تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر سوچتی رہی اس کے بعد اس نے بڑے اپوسانہ سے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھا۔ خرم بن عمر نے اندازہ لگایا کہ اس موقع پر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے پھر آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے گرے ساتھ ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔

”آپ مجھے یہاں سے جانے کی تلقین کیوں کر رہے ہیں کیا میں نے کوئی گناہ کیا ہے کیا میں کسی بدی کی مرکتب ہو رہی ہوں کیا میں کوئی جانور ہوں بھیڑ بکری ہوں جس طرف چاہے مجھے دھکیل دیا جائے شادی میرا ذاتی معاملہ ہے اور شادی میں اس سے کون لگی جہاں میری مرضی جہاں میری خواہش ہوگی۔ یہ جو کپڑے میں نے رکھے ہیں ان میں سے ایک لباس نکال کر پہننے پھر دوسرے لوگوں میں آئیے۔“

خرم بن عمر نے اس گٹھڑی کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”یہ کپڑے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

خرم بن عمر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ غصے میں سانکرہ پھٹ پڑی اس کی حالت بے بسی ہو رہی تھی رو بھی رہی تھی غصے اور محبت کا ملا جلا اظہار بھی کر رہی تھی ساتھ ہی چلا پڑی۔

”آپ کو یہ کپڑے پہننا ہوں گے۔“

سانکرہ بیچاری بڑی مشکل سے یہیں تک کہہ پائی تھی اس کے بعد وہ دھاڑیں مار کر روئے لگی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کھپکھپ کر رہ گیا تھا ماول کے قریب آیا اور اسے کہنے لگا۔

”ساول! ساول! تم سانکرہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ یہ ابھی اپنے حواس میں نہیں ہے میں اس کی دل شکنی نہیں کروں گا یہ جو لباس لے کر آئی ہے میں پہن لیتا ہوں۔“

کہ اندر ہی اندر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوئے اس کے خلاف سازش کی ہے۔ نہیں میں اسے یہ احساس نہیں ہونے دوں گا اگر میں ان سرزمینوں میں اجنبی ہوں تو وہ بھی اپنے گھر اپنی جگہ سے دور ہے اور پھر دھرم داس تمہارا عزیز ہے تمہارا رشتہ دار ہے۔ شاید کسی نے تمہیں میرے حالات نہیں بتائے اگر تم میرے حالات سنو گی تو شاید مجھ سے تم نے جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں خاک اور سرباب ہو جائیں گی اور تم مجھ سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔“

سانکرہ پھر بول پڑی۔

”میں آپ کے سارے حالات جانتی ہوں آپ شاید کہنا پسند کریں گے کہ آپ کسی خاندان کے سردار نہیں ہیں کوفہ کی ایک نواحی بستی کے کومستانی سلسلے کے اندر آپ اپنا چھوٹا سا ریوڑ چرا کر گزر بسر کرتے رہے ہیں۔ یہی کہنا چاہیں گے نا ان سارے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں آپ کی طرف مائل ہوئی ہوں۔“ روتی ہوئی آواز میں سانکرہ نے کہا تھا۔

خرم بن عمر نے تھوڑی دیر تک غور سے اس کی طرف دیکھا اس کے بعد دوبارہ وہ بول پڑا۔

”سانکرہ جہاں تک بڑھی ہو وہیں رک جاؤ اپنی پہلی دنیا کی طرف لوٹ جاؤ میرے پیچھے بھاگو گی تو تھک جاؤ گی یاد رکھنا میں پس منظر میں بیٹھے کسی اور کے فیصلوں کا تابع ہوں۔ اس نے اگر مجھے گڈریے سے یہاں کا سالار بنا دیا ہے تو کل مجھے اس منصب سے محروم بھی کر سکتا ہے اور میں پھر اپنی بستی میں اپنا ریوڑ چرانے پر مجبور ہو سکتا ہوں۔ یاد رکھنا جس طرح دریا میں بننے والے قطرے کی اپنی مرضی نہیں ہوتی اس طرح اس منصب میں میری بھی اپنی مرضی نہیں ہے یہ بھی اپنے دل کے قرطاس میں لکھ رکھنا کہ اس صحرا میں کوئی دہلیز ایسی نہیں جسے میں اپنا کہہ سکوں بلکہ تمہیں رنگین خوابوں میں نہیں ڈالنا چاہتا نہ ہی میں اپنی اوقات کو بھولنا چاہتا ہوں اپنے ذہن میں یہ بات بھی لکھ رکھنا کہ میں شام غم جیسے دھواں دھواں بے وطن سازش اور ریگ وطن میں قافلہ بے نوا سے کوئی زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر میں نے تم میں دلچسپی لینی شروع کی تم سے اظہار محبت کیا تو یاد رکھنا دھرم داس کے علاوہ باقی

مجوسیوں کے سردار زمیش پر میں ضرب لگا چکا ہوں وہ تیاری کرنے میں چند ماہ لے گا۔ جہاں تک حارث علانی اور راجہ داہر کا تعلق ہے تو راجہ داہر نے جو لشکر ہم حملہ آور ہونے کے لئے قدائیل شہر کی طرف روانہ کیا تھا اس کی کمر بھی توڑی جا رہے کوئی دوسرا لشکر مہیا کرنے کے لئے راجہ داہر کو کچھ ہفتے ضرور لگیں گے۔

اب باقی بڑی قوت ناکامہ قبائل کے بحری قزاق رہتے ہیں۔ یہ زمیش سے بھی اہل خطرناک اور پر قوت ہیں۔ میں ایک دو روز تک اس لشکر کو لے کر یہاں سے باہر گیا جس کے ساتھ میں زمیش اور قدائیل پر حملہ آور ہوا تھا جو لشکر یہاں رہا کرتا اور یہیں تمہاری کمانداری میں رہے گا تاکہ تم انتظامی امور کے ساتھ ساتھ علاقوں کی دفاع بھی کر سکو۔

حسب سابق رام رتن میرے ساتھ جائے گا۔ پہلے میں گودیری کے باپ وانگہ سے ملاقات کروں گا اس کے ساتھ لائحہ عمل طے کرنے کے بعد میں موصل کے قبائل حملہ آور ہونے کی کوشش کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تک مکران کے لئے جاکے کی طرف سے کوئی والی مقرر نہیں ہوتا میں مکران پر حملہ آور ہونے کا کسی بھی موقع ہی نہ دوں گا۔ سب قوتیں فی الحال اپناج ہیں صرف ناکامہ قبیلے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں ان پر ایسی ضرب لگاؤں کہ چند ہفتوں تک یہ نہ اٹھ سکیں۔ اس وقت تک مکران کا نیا مسلمان والی آجائے گا اس کے بعد جیسا وہ حکم دے گا ویسا ہی آجائے گا تم میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہو۔“

بنانہ بن حنظلہ بڑی خاموش اور بڑے انہماک سے خرم بن عمر کی گفتگو سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو بنانہ بن حنظلہ بول پڑا۔

”میں آپ سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ ابن معوی کی موت کے بعد مجھے انتظامی امور سنبھالنے چاہئیں یہ آپ کس حیثیت کس بنا پر کہہ رہے ہیں آپ ان سرزمینوں میں مسلمان لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہیں جبکہ میں آپ کا نائب کی کیا حیثیت کہ انتظامی امور سنبھالے۔ ابن معوی کے بعد جہاں آپ لے سکتے ہیں ان سرزمینوں میں سالار اعلیٰ ہیں اب مسلمانوں کے ان علاقوں کے والی بھی اسے بھائی تم ہی ہو، لہذا تمہارا کوئی بھی فیصلہ ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھے گا۔“

سانکرہ کے لئے یہ جواب شاید تسلی بخش تھا لہذا وہ ان کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی ساؤل بھی اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔



ابن معوی کی تجویز اور تکلیفیں کے بعد شام تک خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے پاس لوگ افسوس اور فاتحہ خوانی کے لئے آتے رہے۔ اس روز شام کو خلاف معمول خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ دھرم داس ہرچند رائے اور رام رتن ان سب کا کھانا لشکرگاہ کی طرف سے نہیں آیا تھا بلکہ اس روز ان سب کے لئے کھانا ساؤل گودیری اور سانکرہ کی ماں روجن نے تیار کیا تھا۔ جب کھانا تیار ہو چکا تب ساؤل ان سب کو ان کی حویلی میں بلانے گئی تو سب کھانے پر جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن خرم بن عمر نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کی وجہ سوائے بنانہ بن حنظلہ کے کوئی نہ جانتا تھا بنانہ جانتا تھا کہ سانکرہ اس کو پسند کرتی ہے پر وہ سانکرہ میں دلچسپی نہیں لینا چاہتا اس لئے کہ سانکرہ کی پہلے سے منگنی ہو چکی ہے۔ جب خرم بن عمر نے جانے سے انکار کر دیا تو ساؤل واپس دوسری حویلی کی طرف گئی اس موقع پر خرم بن عمر نے بنانہ بن حنظلہ بیرومل دھرم داس ہرچند رائے رام رتن کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ سب لوگ جائیں اور ساتھ والی حویلی میں جا کر کھانا کھائیں۔ بنانہ بن حنظلہ دن بھر لوگ آتے رہے ہیں لہذا میں تم سے گفتگو نہیں کر سکا تم مجھ سے پہلے کے یہاں ہو میں تمہارے بعد ان سرزمینوں کی طرف آیا ہوں۔ مجھے حجاج بن یوسف نے یہاں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا تھا لہذا میں لشکریوں ہی کی نمائندگی کروں گا۔ اب جبکہ مکران کا والی مجاہد بن معوی وفات پا چکا ہے تو اس کی فوتگی کے بعد سارے انتظامی معاملات تم سنبھالو گے میں صرف لشکر کا خیال رکھوں گا بلکہ اب میں مستقل طور پر لشکرگاہ میں منتقل ہو جاؤں گا۔ یاد رکھنا مکران کے مسلمان والی کی موت کی خبریں چند ہی دنوں میں مجوسیوں ناکامہ قبیلے کے قزاقوں، راجہ داہر اور حارث علانی کے ساتھیوں میں پھیل جائیں گی ایک بار وہ پھر پر پرزے نکلنے کی کوشش کریں گے۔“



خریم بن عمر میرے بھائی آپ کی غیر موجودگی میں میں کچھ بھی نہیں ہوں ہر تک آپ یہاں ہیں میرے ہی نہیں سارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہیں ہم آپ کی موجودگی میں ہر قسم کے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، بہر حال ابن مسعود موت کے بعد ان علاقوں کے والی بھی آپ ہیں میں صرف آپ کا نائب ہوں۔ ہر تک آپ کا لشکر لے کر نکارہ قبیلے کے سردار مول کی سرکوبی کیلئے جانا ہے تو اس میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں آپ کب تک جانا پسند کریں گے۔“

خریم بن عمر نے ایک بار تیز نگاہوں سے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا پھر پڑا۔

”بنانہ بن حنظلہ میں ایک دو روز تک مول کی سرکوبی کے لئے نکلوں گا، بہر حال میرے بعد یہاں کے لشکر کی کمانداری اور والی کے فرائض بھی تمہارے ذمہ ہوں گے اب تم جاؤ جا کر کھانا کھاؤ“ اس کے ساتھ ہی سب وہاں سے نکل کر ماہ والی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

ابھی وہ حویلی کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ انہیں اس حویلی کی طرف ایک گھوڑ سوار اپنے گھوڑے کو بڑی تیزی سے دوڑاتا ہوا دکھائی دیا۔ سب دروازے قریب ہی رک گئے آنے والا گھوڑ سوار قریب آ کر اپنے گھوڑے سے اترا رام راہ بیروں اور ہر چند رائے اسے دیکھتے ہی مسکرا دیئے تھے شاید وہ ان کا کوئی جاننے والا تھا۔ آنے والا جب اپنے گھوڑے سے اترا تو تینوں آگے بڑھ کر اس سے بے تکلیف ہوئے۔ بنانہ بن حنظلہ چند قدم آگے بڑھا اور آنے والے کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”کیا نیون سے کوئی خبر لیکر آئے ہو۔“ آنے والے نے اثبات میں جواب دیا اور مسلمانوں کے امیر کا پوچھا۔

”تم میرے ساتھ آؤ میں تمہیں ان علاقوں میں مسلمانوں کے لشکریوں کا سالار اعلیٰ ہے اس کے پاس لے کر جاتا ہوں جو خبر تم کتنا چاہتے ہو اس سے کہو۔ اس کے رد عمل کا اظہار بھی وہی کرے گا۔“ بنانہ بن حنظلہ نے قاصد کو مخاطب کیا۔

سب ایک دفعہ مڑے اور آنے والے قاصد کو لے کر ساتھ والی حویلی

داخل ہوئے۔ خرم بن عمر ابھی تک صحن ہی میں کھڑا تھا انہیں واپس آتے دیکھ کر وہ چونکا۔ بنانہ بن حنظلہ آنے والے قاصد کو اس کے پاس لے گیا اور خرم بن عمر کو اس نے مخاطب کیا ”ابن عمر میرے بھائی یہ قاصد ابھی ابھی نیون کے حاکم سندر داس کی طرف سے آیا ہے ہمارے لئے کوئی اہم خبر رکھتا ہے اس نے آتے ہی مسلمانوں کے امیر کا پوچھا میں نے کہاں کہ ان علاقوں میں جو امیر تھے وہ تو انتقال کر چکے ہیں آؤ میں تمہیں اپنے سالار اعلیٰ کے پاس لے کر چلتا ہوں لہذا میں اسے تمہارے پاس لایا ہوں تاکہ یہ وہ خبر کہے جس کے لئے سندر داس نے اسے ہماری طرف روانہ کیا ہے۔“

خرم بن عمر نے ایک بار سر سے لے کر پاؤں تک آنے والے کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کیا۔

”میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم ہمارے لئے کوئی خبر لے کر آئے۔ نیون کے حاکم سندر داس کا بھی ممنون ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ مہمانی اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہے کو تم کیا کہنا چاہتے ہو“ اس پر آنے والا قاصد بول پڑا۔

”مسلمانوں کے سالار میں آپ لوگوں کے لئے ایک اچھی خبر لے کر آیا ہوں مجھے میرے مالک سندر داس نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے دراصل جو خبر میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ راجہ داہر کے ہمسائے اہل کے راجہ نے راجہ داہر کی سلطنت پر حملہ کر دیا ہے اہل کے راجہ نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا جس میں کثیر انفرادی قوت کے علاوہ بے شمار سدھائے ہوئے ہاتھی بھی ہیں وہ مشرق کی طرف سے راجہ داہر کی سلطنت میں داخل ہوا آگے بڑھتے ہوئے وسیع علاقوں پر قبضہ کیا اور راجہ داہر کے مضبوط اور مستحکم قلعے راوڑ پر حملہ آور ہو کر اس کے ارد گرد کے علاقے پر بھی وہ چھا گیا ہے۔

کہتے ہیں وہ راوڑ میں اپنی قوت مستحکم کرنے کے بعد راجہ داہر کی سلطنت کے اندرونی حصوں کی طرف بڑھے گا۔“

(راوڑ کے قلعے سے متعلق مختلف روایات ہیں بہت سے لوگ جنہوں نے تاریخ پر قلم اٹھانے کی جرات کی ان کا خیال ہے کہ راوڑ اور راوڑ ایک ہی قلعے کا نام ہے

راوڑ سندھ میں ایک بڑا شہر ہے جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ راوڑ سن سولہ سو بارہ تک موجود تھا اس لحاظ سے راوڑ غالباً شاہ بندر سب ڈویژن کا ہی قدیم برباد شدہ شہر اڑی ہے جو مقامی روایات کے مطابق دو تین صدی پہلے برباد ہوا۔ اپنے آخری دور میں اڑی جٹ قوم کے لوگوں کا مشہور شہر تھا جس پر اپنے قرض کے بدلے میں کیر قوم کے لوگ قابض ہو گئے تھے کیر قوم کا والی تقریباً سترہویں صدی کے آخر میں ہوا اور غالباً اسی زمانے میں شہر راوڑ تباہ ہو گیا۔

آنے والے قاصد کے انکشاف پر لمحہ بھر کے لئے خرم بن عمر کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ پھیلی تھی پھر اس نے اپنے سامنے کھڑے بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

”بنانہ میرے بھائی میں سمجھتا ہوں اس قاصد کے آنے کی وجہ سے میری ساری مشکلیں آسان ہو چکی ہیں۔ میں پہلے ہی تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ایک دو دن تک نکامہ قبائل کی قوت پر ضرب لگانے کے لئے جنوب کی طرف پیش قدمی کروں گا۔ اس کام کی ابتداء کرتے ہوئے میرے دل میں خدشات بھی تھے کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں نکامہ قبیلے پر گودیری کے باپ کے قبیلے کے ساتھ مل کر ضرب لگاتا ہوں تو راجہ داہر ضرور نکامہ قبائل کی مدد کرے گا اور ہمارے لئے مشکلات کھڑی کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے میں میں گودیری کے باپ وانگہ سے طویل مشورہ کرنے کے بعد ہی اپنا قدم اٹھانا چاہتا تھا پر میں سمجھتا ہوں کہ اب سارا کام آسان ہو گیا ہے۔ میں یہاں سے اپنے لشکر کو لے کر سیدھا وانگہ کے قبیلے کا رخ کروں گا وانگہ سے معاملہ طے کرنے کے بعد میں موہل پر ضرب لگاؤں گا جہاں تک نکامہ قبائل کا تعلق ہے یہ جو کاٹھیاوار تک پھیلے ہوئے ہیں ان کا خاتمہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ان علاقوں میں میرا مختلف جگہوں پر حملہ آور ہونے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اردگرد جو دشمن پھیلے ہوئے ہیں ان پر ضرب لگائی جاتی رہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مل کر ہمارے خلاف کوئی بڑی طاقت بن کر حرکت میں نہ آسکیں۔ بس میرا یہی مدعا ہے جب تک ان علاقوں کا کوئی نیا مسلمان والی نہیں آتا

ان لوگوں کا خیال ہے کہ راجہ داہر کے باپ چچ نے اپنے زمانے میں راوڑ قلعے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے بیٹے داہر سینا نے اسے بنوا کر شہر آباد کیا تھا اور اس کا نام راوڑ رکھا تھا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ روایت غلط ہے ارور ایک قدیمی شہر تھا اور چچ سے پہلے رائے خاندان کے زمانے میں بھی سندھ کا پایہ تخت تھا۔ ارور شمالی سندھ میں روہڑی کے قریب تھا راوڑ نشیب میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر مضبوط حفاظتی قلعہ تھا۔ آج کل راوڑ کا صحیح مقام متعین کرنا مشکل ہے لیکن چچ میں محمد بن قاسم اور داہر کی جنگ کے سلسلے میں دی ہوئی روایات سے پتا چلتا ہے کہ راوڑ نشیبی سندھ میں دریائے سندھ کے مدخل والی اراضی پر واقع تھا۔

بہر حال مختلف مورخین نے راوڑ قلعے کے متعلق مختلف رائے کا اظہار کیا ہے مورخین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ راوڑ قلعہ ارور سے بیس یا پچیس میل مغرب یا جنوب مغرب شہر کنگڑی سے کچھ نشیب میں واقع تھا۔ دوسرے گروہ کا یہ اندازہ ہے کہ راوڑ برہمن آباد کے مغرب میں تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

تیسرا گروہ کہتا ہے راوڑ موجودہ حیدر آباد کی جگہ پر واقع تھا۔ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ راوڑ کا قلعہ غالباً موجودہ ضلع ٹھٹھہ کے شاہ بندر ڈویژن اور حیدر آباد کے ٹنڈو ڈویژن میں کسی جگہ واقع تھا۔ ان کی رائے میں نام کی مناسبت سے اس بندر ڈویژن میں قدیمی شہر اڑی کے کھنڈرات شاید راوڑ کے قدیمی قلعے اور شہر کے ہیں۔

پانچویں گروہ کی رائے کے مطابق راوڑ نیرن کوٹ اور برہمن آباد کے درمیان واقع تھا۔

چھٹے گروہ نے ان ساری روایات کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس گروہ نے مران کے دو آبے اور اس کی قدیمی شاخوں کی کافی تحقیق کی ہے اس گروہ کی رائے میں راوڑ لاڈ میں ونگی کے آس پاس مشرقی نارے کے کنارے برہمن آباد سے تقریباً اسی میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شہر کب اور کیسے برباد ہوا البتہ اس کا پتا چلتا ہے کہ شہر راوڑ محمد بن قاسم کی فتوحات سے تقریباً پانچ سو برس کے بعد بھی موجود تھا کیونکہ یا قوت اپنی کتاب معجم البلدان کے زمانے میں لکھتا ہے کہ

اس وقت تک اپنے اسی مقصد پر عمل کرتا رہوں گا اور مجھے امید ہے کہ میں نئے والے آنے تک کسی بھی قوت کو اپنے خلاف نہ کھڑا ہونے دوں گا، نیا والی یہاں آکر بھی فیصلہ کرے گا وہ تمہارے اور میرے دونوں کے لئے آخری ہو گا اب کہو تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

بنانہ بن حنظلہ تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر خرم بن عمر کے قریب گیا اور کہنے لگا۔

آپ کا فیصلہ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے میں تو کچھ بھی نہیں چاہتا میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور بیٹھ کر کھانا کھائیں۔“

جواب میں خرم بن عمر ہنس دیا تھا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ ساگر اور گودیری بڑی تیزی سے اس حویلی میں داخل ہوئیں پھر سب کو مخاطب کر کے ساگر بول پڑی۔

”میں نے آپ لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا تھا ساول کب کا پیغام دے کر چلا گئی ہے آپ ابھی تک سب یہیں کھڑے ہیں۔“

اس پر ساگر کی طرف دیکھتے ہوئے بن حنظلہ بول پڑا۔

”ساگر میری بہن ہم تو کھانا کھانے کے لئے حویلی سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ تمہاری حویلی کے دروازے پر گئے تو تمہارے باپ کی طرف سے یہ قاصد آیا ساتھ ہی بنانہ بن حنظلہ نے قاصد کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بعد جو قاصد نے پیغام دیا تھا وہ بھی بنانہ بن حنظلہ نے ساگر سے کہہ دیا تھا“ ساگر نے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے باپ کا احوال پوچھا پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی ”کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے میری ماما اور ساول بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہیں سب لوگ میرے ساتھ آئیں۔“

اس موقع پر بنانہ بن حنظلہ ساگر کے قریب ہوا اور اس کے کان میں کچھ کھس پھسکی۔ بنانہ بن حنظلہ سب کو لے کر ساتھ والی حویلی کی طرف چلا گیا تھا ساگر حرکت میں آئی گودیری کو لے کر وہ خرم بن عمر کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی باقی سب لوگوں کو لے کر جن میں آنے والا قاصد بھی شامل تھا بنانہ بن حنظلہ دوسری

حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک ساگر اپنے دونوں ہاتھ بڑے غصے میں اپنی کمر پر جھاتے ہوئے کچھ دیر تک خرم بن عمر کو دیکھتی رہی اس کے بعد جواب طلب نگاہوں سے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو کیا ہوا بنانہ بھائی مجھے کہہ رہے تھے کہ جس وقت قاصد آیا وہ کھانا کھانے کے لئے ساتھ والی حویلی کے دروازے پر پہنچ چکے تھے لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا، کیوں کیا آپ کی میرے ساتھ کوئی لڑائی ہے میں نے آپ کا کوئی نقصان کیا ہے جب سب لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا ہے تو آپ کیوں نہیں آئیں، اگر آپ نہیں آئیں گے تو کوئی بھی کھانا نہیں کھائے گا آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا اسی لئے میں گودیری کو ساتھ لے کر آئی ہوں۔ آپ نہیں جائیں گے تو میں بھی کھڑی رہوں گی گودیری بھی یہاں کھڑی رہے گی جو لوگ گئے ہیں وہ بھی وہاں کھانا کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے کوئی ہمارے پہنچنے سے پہلے انہیں کھانا نہیں دے گا سوچ لیں آپ نے جانا ہے کہ نہیں۔“

بنانہ بھائی مجھے یہ بتا رہے تھے کہ آپ ایک دو روز تک ساحل سمندر کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کریں گے اور گودیری کے باپ سے مل کر نکامہ قبائل پر ضرب لگائیں گے۔ اگر ایسا کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو کم از کم ہمیں بھی بتا دیا کریں ہمارا بھی آپ سے کوئی تعلق ہے اگر ہم ان سرزمینوں میں اجنبی ہیں تو جس روز میں آئی تھی آپ بھی اسی روز ان سرزمینوں میں آئے تھے۔ اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے یا گودیری سے مشورہ کر لیتے تو نہ اس میں آپ کی توہین اور نہ ہی کوئی نقصان ہوتا۔ بہر حال اصل معاملہ یہ ہے کہ آپ ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلیں گے سب کے ساتھ وہاں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اس کے بعد میں، آپ کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کھولوں گی کہ کب آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہونا ہے۔ شاید آپ کے لئے یہ بات نئی ہو کہ جب آپ یہاں سے جاتے ہیں تو کوئی بڑی بے چینی بڑی بے تابی اور بڑی اضطرابی کیفیت میں آپ کی آمد کا انتظار کرتا ہے۔“

ساگر جب خاموش ہوئی تو تھوڑی دیر تک بڑے عجیب سے انداز میں خرم بن عمر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بول پڑا۔

”اچھا رونا مت چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور دراصل میری کمزوری یہ ہے کہ میں تمہاری دل شکنی نہیں کرنا چاہتا“ خرم بن عمر کا جواب پا کر سائکرہ کے چہرے پر ایسی خوشیاں ناچ اٹھیں تھیں جن کی کوئی انتہا نہ تھی پھر خرم بن عمر سائکرہ اور گودیری کے ساتھ دوسری حویلی کی طرف کھانا کھانے کے لئے چلا گیا تھا دور روز بعد خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



”سائکرہ لگتا ہے جو باتیں میں نے تمہیں سمجھائیں تھیں وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں یا جان بوجھ کر تم ان پر عمل نہیں کرنا چاہتیں۔ سائکرہ اگر تمہاری سبکدوشی دھرم داس سے نہ ہوئی ہوتی تو پھر معاملہ کچھ اور تھا پھر اگر میں تمہاری چاہت اور جواب چاہت سے نہ دیتا تو یقیناً مجرم ہوتا لیکن اس وقت معاملہ کچھ اور ہے۔ یہ مکران کے لشکریوں کا سالار اعلیٰ ہوں لوگ یہ کہیں گے کہ قوت رکھنے کی وجہ سے دھرم داس سے سائکرہ کو چھین لیا میں کم از کم یہ الزام برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا جب تم میرے پاس بیٹھو میرے ساتھ گفتگو کرو تو یہ بات اپنے ذہن میں رکھا کرو کہ دھرم داس کی امانت ہو۔“

خرم بن عمر تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ سائکرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ

تھا۔

”سائکرہ خداوند قدوس نے یہ جو بڑا نظام کائنات قائم کیا ہے اس پل دوپل زندگی میں عقل کچھ چاہتی ہے جبکہ فطرت کسی اور شے کا مطالبہ اور تقاضہ کرتی ہے یہ ضروری نہیں کہ جس شے کی مانگ تمہاری عقل تمہارا دل تمہاری روح کرے۔ صورت میں پوری ہو کر رہے۔ کبھی کبھی انسان کو مخالف حالات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے پھر بھی زندگی گزارنی پڑتی ہے سمندر میں سفر کرنے والے اکثر مخالف ہوا کا سامنا کرتے ہیں اس کے باوجود اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں ہمت نہیں ہارتے۔“

خرم بن عمر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بیچ میں سائکرہ نے بولتے ہوئے اس کی

بات کاٹ دی۔

”میں جانتی ہوں میرا آپ پر نہ کوئی دباؤ ہے نہ کوئی حق، اس کے باوجود آپ خوش رکھنا آپ کا خیال رکھنا میری پیاسی روح کی فریاد میرے شکستہ دل کی خواہش ہے ان دنوں میں جذباتی بیجان اور احساسی کرب سے گزر رہی ہوں کاش میرے پاس اللہ ہوتے تو میں وہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار کر سکتی۔“

اس موقع پر سائکرہ رو دینے والی ہو رہی تھی اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی

تھی خرم بن عمر کو اس پر بڑا رحم اور ترس آیا اور کہنے لگا۔



ہے یا ہماری نسبت اس کے لشکریوں کی تعداد زیادہ ہے یا اس کا لشکر ہم سے بہتر  
 زینت رکھتا ہے تو پھر اس سے صلح کی صورت اختیار کرنا چاہئے چاہے اس میں کتنا ہی  
 روپیہ کیوں نہ خرچ ہو کیونکہ روپیہ اسی لئے خزانے میں جمع کیا جاتا ہے۔“  
 داہر نے کہا ”کہ میں موت کو اس سے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ ذلیل ہو کر دشمن  
 سے صلح کی جائے میں اس ذلت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔“

بد بھمن کہنے لگا ”حضور اس کے علاوہ جو دوسری تجویز میری سمجھ میں آتی ہے وہ  
 یہ ہے کہ جو عرب ہمارے ملک میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان کے سردار حارث علانی کو  
 بلایا جائے اور اس سلسلے میں اس سے مشورہ کیا جائے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس کے  
 دونوں بیٹے معاویہ اور محمد کو بھی طلب کیا جائے کیونکہ عرب فطرتاً ”دیر ہوتے ہیں جنگی  
 مہموں کا کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ ممکن ہے اس موقع پر وہ ہمیں کوئی اچھی تجویز بتا سکیں  
 اور اہل کے راجہ کے خلاف اپنی مہم اور اپنی جنگ کو کامیاب بنا سکیں“ داہر کو اپنے  
 وزیر بد بھمن کا یہ مشورہ پسند آیا لہذا اس نے اسی وقت تیز رفتار قاصد حارث کی  
 طرف بھجوائے اور حارث اور اس کے دونوں بیٹوں کو طلب کیا۔



جس وقت حارث علانی اپنے بیٹے معاویہ اور محمد کے ساتھ راجہ داہر کی خدمت  
 میں پیش ہوا تو راجہ داہر نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر  
 تینوں باپ بیٹوں کا استقبال کیا، بہترین انداز میں ان کی سواگت کا انتظام کیا اپنے پہلو  
 میں تینوں کو بٹھایا پھر اپنی سلطنت پر اہل کے راجہ کے حملہ کی پوری تفصیل ان تینوں  
 سے کہہ دی تھی۔

راجہ جب ساری تفصیل کہہ چکا تو حارث نے اسے مخاطب کیا۔  
 ”اے راجہ آپ یہ بتائیے کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں“ اس موقع پر راجہ  
 فوراً بول پڑا۔

”حارث میرا جو سلوک تم سے اب تک رہا ہے اور میں جس قدر تم تینوں کو  
 گزر رکھتا ہوں میرا خیال ہے اسے تم بھی محسوس کرتے ہو گے میں نے تمہیں جو

اہل کے راجہ نے جب راجہ داہر کی سلطنت پر حملہ کیا اور راوڑ کے قلعے کے  
 آس پاس تک اس نے تباہی کا کھیل کھیلا تب راجہ داہر بڑا پریشان ہوا۔ وہ دل میں بہ  
 خیال کرنے لگا تھا کہ اہل کے راجہ کی طاقت اور قوت اس سے زیادہ ہے تبھی کہیں با  
 کر اسے اس پر حملہ آور ہونے کی جرات اور جسارت ہوئی ہے۔ ان خیالات کے  
 آتے ہی راجہ داہر پریشان ہو گیا بہر حال اہل کے راجہ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے  
 پہلے مشورہ کرنے کی خاطر اپنے وزیر بد بھمن کو طلب کیا۔  
 بد بھمن جب راجہ داہر کے پاس آیا تو راجہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہ  
 شروع کیا۔

”بد بھمن تم جانتے ہو اہل کا راجہ انتہائی طاقتور اور بہترین جنگی لشکر رکھنے والا  
 ہے یوں جانو ایک طاقتور دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا ہے تم مشورہ دو کہ ہمیں کیا کر  
 چاہئے۔“

بد بھمن تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا پھر داہر کی طرف دیکھا اور  
 کہنے لگا۔

”مہاراج میری رائے میں اگر آپ اپنے آپ میں دشمن سے مقابلے کی طاقت  
 اور سکت پاتے ہیں تو ڈٹ کر مقابلہ کیجئے اور تلوار سے اس کا نام و نشان مٹا ڈالو  
 اس لئے کہ سلطنت کی حفاظت کرنا رعایا کے ہر فرد کا کام ہے مجھے امید ہے جب آپ  
 اپنی سرزمینوں کی حفاظت کے لئے اہل کے راجہ کے خلاف نکلیں گے تو پوری رعایا  
 آپ کا ساتھ دے گی۔“  
 اور اگر یہ ممکن نہیں آپ سمجھتے ہیں کہ اہل کا راجہ طاقت اور قوت میں نا

حالات بتائیں ہیں ان کے تحت اہل کے راجہ کی وجہ سے ہمارے ملک پر خطرات رہے ہیں۔ اہل کا راجہ ہماری سلطنت کے اندر برابر پیش قدمی کیے ہوئے ہے اب تک نہ ہمارا اس کے ساتھ ٹکراؤ ہوا نہ ہم نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی اب تم مجھے مشورہ دو کہ اس موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

حارث علانی بڑا دلیر بڑا کاٹنا دانا اور بیٹا شخص تھا حالات کی نزاکت کو دیکھ کر ہوئے اس نے راجہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا ”راجہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں اہل نے اگر آپ کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی یا اس نے حملہ کر دیا اس میں فکر مندی اور پریشانی کی کیا ضرورت ہے۔ آخر میری اور میرے بیٹوں کی موجودگی کا آپ کو بھی کوئی فائدہ ہونا چاہئے آپ مطمئن رہیں اہل کے راجہ کے خلاف میں ایسی تدبیر کروں گا کہ آپ کا دشمن عمر بھر یاد رکھے گا۔“

حارث علانی کی گفتگو سن کر راجہ داہر عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا اور اہل کے راجہ کے حملے کی طرف سے پریشان تھا اور یہاں حارث علانی اسے سنبھالنے سے ہی نہ لے رہا تھا۔ راجہ داہر نے اپنی تسلی اور تشفی کے لئے پھر اسے مخاطب کیا ”تفصیل سے کہو کیا کہنا چاہتے ہو جس طرح اہل کے راجہ نے ہماری سلطنت میں پیش قدمی شروع کی ہے اگر اس طرح وہ بڑھتا ہے تو یاد رکھنا ایک روز مرکز شہر بھی اس کی گرفت میں ہو گا“ حارث علانی جواب میں فوراً بول پڑا۔

”راجہ میں نے کہا تاکہ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے ایک لشکر مہیا کیجئے تاکہ اس کو لے کر میں دشمن کا حال معلوم کر سکوں اور ساتھ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کروں۔“

جب تک میں یہ کر گزرتا ہوں اس وقت تک آپ یہ کام کیجئے کہ یہاں تین میل کے فاصلے پر خندق کھود کر وہاں ٹھہریے اس کے بعد میں اہل کے راجہ کی درگت بناتا ہوں یہ آپ خود ہی جان جائیں گے۔“

راجہ داہر سمجھ گیا کہ حارث علانی عقلمند انسان ہے وہ کوئی ایسی تدبیر کرے ضرور اس تدبیر کے باعث اسے فتح حاصل ہوگی اور اہل کا راجہ ذلیل و خوار بھاگ کھڑا ہو گا۔ لہذا اس نے حارث علانی اور اس کے بیٹوں کو ایک لشکر

بانتی جس طرح خندق کھودنے کے لئے حارث علانی نے کہا تھا ویسی ہی ایک خندق بنائی اس نے کھود دی، اس لشکر کو لے کر حارث علانی اپنے بیٹوں کے ساتھ کوچ کر گیا اور آدھی رات کے وقت اس نے اہل کے راجہ پر ایسا ہولناک شب خون مارا کہ اہل کے راجہ کے لشکر میں ایک چیخ پکار اٹھ کھڑی ہوئی تھی یہ شب خون ایسا زوردار تھا کہ اہل کے راجہ کے لشکر میں گھبرا کر اٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے بھاگتے ہوئے جب انہوں نے خندق کا رخ کیا تو کچھ خندق میں گر پڑے جنہوں نے خندق پار کرنے کی کوشش کی انہیں راجہ داہر کے لشکریوں نے تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔ اس طرح حارث علانی کی تجویز سے نہ صرف یہ کہ اہل کے راجہ کو بدترین شکست ہوئی بلکہ اس کے راجوں آدمی گرفتار ہوئے اور ہزاروں قتل ہوئے اہل کے راجہ کا بے شمار سازو سامان راجہ داہر کو ملا اس سامان میں کتے ہیں پچاس کے لگ بھگ ہاتھی بھی شامل تھے۔

راجہ داہر کو یہ فتح کیونکہ حارث علانی کی تجویز کی وجہ سے ہوئی تھی لہذا وہ اہل علانی سے اتنا خوش ہوا کہ اس کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اس موقع پر حارث علانی کو بے شمار انعام و اکرام سے نوازا، ایسے ہی انعامات اور تحائف دئے اس کے بیٹوں کو بھی دئے اور مکران کی سرحد پر ایک وسیع علاقہ ان کے نام کر دیا جو ان کے پاس جاگیر کے طور پر رہا تھا جہاں وہ قیام کر سکتے تھے، ساتھ ہی راجہ نے یہ بھی کہا کہ اب تم تینوں اپنی جاگیر میں جا کر رہو وہاں کا نظم و نسق سنبھالو۔

یہ جاگیر دینے سے راجہ داہر کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹے کیونکہ اسلامی حکومت کے باغی تھے لہذا انہیں سرحد پر آباد کرنے کا ارادہ تھا لہذا یہ مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھیں۔

حارث علانی نے جب دشمن کے لشکر سے ملنے والے جنگی قیدیوں کو داہر کے سامنے پیش کیا تو راجہ کچھ دیر تک ان قیدیوں کا جائزہ لیتا رہا بے شمار قیدی تھے جو اس جنگ میں راجہ داہر کے ہاتھ لگے تھے راجہ داہر نے چاہا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن اس موقع پر اس کا وزیر بدہمن آڑے آیا اور اس نے راجہ کو مخاطب کیا۔

”راجہ فتح پر بھگوان کا شکر ادا کرنا چاہئے بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان کو حاصل ہوتی ہے جب دشمن کے امراء اور اکابر ان کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہیں

قاصدوں کی آمد سے حجاج کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر اپنے اسی چہددار کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”پہلے اس قاصد کو بھیجو جو خراسان کی طرف سے آیا ہے بعد میں مکران سے آنے والے قاصد سے بات کروں گا۔“

چہددار باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان اندر آیا بلند آواز میں اس نے سب کو سلام کیا۔ حجاج بن یوسف نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر اسے مخاطب کیا۔

”کیا تم خراسان سے قتیبہ بن مسلم کی طرف سے آئے ہو“ آنے والے قاصد نے دھم سے لہجے میں کہا۔

”اے امیر آپ کا کننا درست ہے۔“

حجاج بن یوسف نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”کیا تمہارے پاس کوئی اچھی خبر ہے یا بری“ قاصد کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا۔

میں آپ کی خدمت میں تقریباً ”اچھی خبریں لے کر آیا ہوں جانئے خراسان پہنچنے کے بعد جو کچھ قتیبہ بن مسلم نے کیا ہے اس کی اطلاع دینے کے لئے اس نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔“

حجاج بن یوسف تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔

”کہو خراسان پہنچنے کے بعد قتیبہ بن مسلم کہاں تک آگے بڑھا ہے“ اس پر قاصد بول پڑا۔

”امیر محترم خراسان کے شہر مرو پہنچ کر قتیبہ بن مسلم نے جس قدر جوان لشکر میں شامل تھے انہیں ایک جگہ جمع کیا انہیں مخاطب کرتے ہوئے ایک بہترین خطبہ دیا۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ لوگوں اللہ ہی وہ مقدس ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ شیع ہدایت اور سچا دین دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو جائے چاہے مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ اس لئے خداوند قدوس نے مجاہدین کے لئے بڑا ثواب اور اپنے پاس بڑے بڑے مراتب اور اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔“

قتیبہ بن مسلم نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا کہ خداوند

تو وہ بخشش سے کام لیتے ہیں۔

میری تجویز یہ ہے کہ آپ بھی درگزر سے کام لیجئے اور قیدیوں کو رہا کیجئے۔“

اپنے وزیر کے مشورے سے قیدیوں کو رہا کر دیا اور اس سے خوش ہو کر کہنے لگا۔

”بد بھمن تم نے مجھے ایک بہترین مشورہ دیا تمہارے مشورے سے میں بے حد فخر ہوں اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو مجھ سے کہو تاکہ میں اسے پورا کروں۔“

وزیر بد بھمن کہنے لگا۔

”مہاراج آپ کا دیا ہوا سب کچھ ہے مجھے کسی شے کی تمنا نہیں صرف ایک آرزو ہے وہ یہ کہ میرے یہاں کوئی لڑکا نہیں اس لئے خیال ہوتا ہے کہ میرے پوتے کا نام اس دنیا سے مٹ جائے گا۔ اس کی طرف ایک ہی صورت ہے کہ آپ کے نکسال میں چاندی کے جو سکے ڈھالے جاتے ہیں ان پر ایک طرف آپ کا نام ہے اور دوسری طرف میرا نام کندہ کر دیا جائے تو حضور کے سکوں کی بدولت میرا نام بھی زندہ رہے گا اور جب تک آپ کی یہ سلطنت قائم رہے گی لوگ مجھے بھولیں گے۔“

راجہ داہرنے اپنے وزیر بد بھمن کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور حکم دیا کہ سکوں کی دوسری طرف وزیر بد بھمن کا نام ڈھالا جائے اس طرح حارث علانی کی جرات مندی اور تدبیر سے راجہ داہرنے کی جان اہل کے راجہ سے چھوٹ گئی تھی۔



حجاج بن یوسف ایک روز واسط کی اپنی رہائش گاہ کے کمرے میں بیٹھا ہوا اس کے ساتھ خرم بن عمر کی بستی کا سردار محمد بن ہارون نمری اور کچھ دیگر سربراہان لوگ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں جو شخص حجاج بن یوسف کے لئے کتابت کا کام انجام دیتا تھا وہ اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر اس وقت دو قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں آپ خراسان سے قتیبہ بن مسلم کا بھیجا ہوا ہے دوسرا مکران سے آیا ہے اب نے کہیں اسے میں پہلے بھیجتا ہوں۔“

کے بادشاہ کا بھانجا چاہتا ہے کہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قتیبہ کی راہ روکے ہمارے مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ چین کے بادشاہ کا بھانجا یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ کم از کم دو لاکھ کا لشکر لے کر قتیبہ کا سامنا کرے گا اور قتیبہ کو پسپا کرنے کی کوشش کرے گا امیر محترم اب تک کی خراسان کی بیسیں خبریں ہیں۔“

یہ ساری باتیں سن کر حجاج بن یوسف خوش ہوا اور قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جو خبریں تم نے دی ہیں یہ میری دلچسپی اور خوشی کا باعث ہیں تم دو دن یہاں رک کر آرام کرو پھر واپس جاؤ اور قتیبہ بن مسلم کو میرا یہ پیغام دینا اگر کبھی بھی وہ کفار کے خلاف اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرے تو اپنے لشکر کے آگے رہے اور جب کسی مہم کو سر کرنے کے بعد کامیابی کے ساتھ پلٹے تو اس وقت لشکر کے پچھلے حصے میں اپنے محافظ دستوں کے ساتھ رہا کرے۔ بس اس کے نام میرا یہی پیغام ہے اس کے ساتھ ہی خراسان سے آنے والا وہ قاصد باہر نکل گیا تھا اس کے جانے کے بعد ہوبدار نے مکران سے آنے والے قاصد کو پیش کیا۔“



مکران کے قاصد نے سب سے پہلے حجاج بن یوسف کو مجاہد بن معمر تمیمی کی موت کی اطلاع دی اس کے بعد مکران پہنچ کر خرم بن عمر نے جو کارہائے نمایاں سر انجام دیئے تھے ان سب سے متعلق حجاج بن یوسف کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔

ابن معمر کی موت کا سن کر حجاج بن یوسف افسردہ ہو گیا تھا تھوڑی دیر تک اس کی گردن جھکی رہی گہری سوچوں میں کھویا رہا لگتا تھا۔ اسے ابن معمر کی موت کا بے حد صدمہ ہوا تھا کچھ دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا پھر سنبھلا اور اپنے سامنے بیٹھے محمد بن ہارون نمری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن ہارون میں نے تمہارے متعلق ایک بہت بڑا فیصلہ کیا ہے۔ اب جبکہ مکران کا والی مجاہد بن معمر تمیمی فوت ہو چکا ہے تو اس وقت مکران کو والی کی اشد ضرورت ہے۔ جو فی الفور مکران روانہ ہو اور وہاں تیزی سے تبدیل ہونے والے

قدوس نے کفار سے جہاد کرنے کو تمہارے لئے ہلال کیا ہے تاکہ اس کے دین کا غلبہ ہو اور تم برائیوں سے بچو۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم خداوند قدوس کے ساتھ وعدہ کریں کہ اپنے آپ کو انتہائی مصیبت اور تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رکھیں گے اور کبھی بھی کابلی اور ذھیلے پن سے کام نہیں لیں گے۔ قتیبہ بن مسلم کی اس تقریر کا لشکریوں نے خاطر خواہ جواب دیا اور اس کی کمانداری میں بہترین جوش و جذبے کا اظہار کیا۔ اس کے بعد قتیبہ بن مسلم نے لشکر کے سازو سامان ہتھیاروں اور گھوڑوں کا معائنہ کرنے کے بعد جہاد کے لئے کوچ کیا۔ اس نے مرو شہر میں دو اشخاص کو اپنا قائم مقام بنایا لشکر کا سردار اپنے بعد ایاس بن عبد اللہ کو رکھا جبکہ انتظامیہ کے کام پر ایک شخص عثمان کو مقرر کیا لشکر کو لے کر وہ طالقان پہنچا۔ یہاں بلخ کے کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ دریائے آمو کو عبور کیا تو غیر مسلم ترکوں کے حکمران نے قتیبہ بن مسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تحفے تحائف پیش کئے اپنے شہر کی سونے کی کنجی پیش کی اس کا بہترین استقبال کیا اور قتیبہ بن مسلم کی اطاعت کو قبول کیا۔

قتیبہ بن مسلم نے پیش قدمی جاری رکھی یکے بعد دیگرے آخرون اور شومان کے حکمران اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا یہ کام سر انجام دینے کے بعد خود تو قتیبہ بن مسلم خراسان کے مرکزی شہر مرو میں آگیا اور اپنے بعد اپنے بھائی صالح کو لشکر کی کمانداری سونپی۔ اس کی غیر موجودگی میں صالح نے کاشان درشت اور پلاز فرغانہ وغیرہ کو فتح کیا اس جنگ میں ایک شخص نصر بن سیار نے بہترین بہادری اور جرات مندی کا مظاہرہ کیا جس کے صلے میں صالح نے اسے ایک گاؤں جاگیر کے طور پر عطا کیا۔ یہ فتوحات حاصل کرنے کے بعد قتیبہ بن مسلم کا بھائی بھی قتیبہ کے پاس مرو چلا آیا اور قتیبہ نے اسے مرو کا امیر مقرر کیا۔

قتیبہ بن مسلم پھر نکلا بخارا پر فوج کشی کی اردگرد کے غیر مسلم ترکوں نے جٹا ہو کر قتیبہ کا مقابلہ کیا لیکن قتیبہ بن مسلم نے ان سب کو رگید کر رکھ دیا اور اس جنگ میں قتیبہ بن مسلم کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا اب یہ افواہیں اڑ رہی ہیں کہ قتیبہ بن مسلم کی ان فتوحات کو چین کے بادشاہ نے ناپسند کیا ہے لہذا چین کے بادشاہ نے اپنے بھانجے کو حکم دیا کہ وہ قتیبہ بن مسلم کی راہ روکے یہ بھی سنا گیا ہے کہ چین



حالات پر نظر رکھ سکے ابن ہارون میں تمہیں ہی مکران کا والی مقرر کرتا ہوں کیا تمہیں میرے اس فیصلے پر کوئی اعتراض یا انکار ہے۔ میں تمہیں اس لئے وہاں کا والی مقرر کرتا ہوں کہ مکران کے لشکریوں کا سالار اعلیٰ خرم بن عمر تمہاری بستی ہی کا رہنے والا ہے تم دونوں مل کر مکران میں اپنی بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کرو گے اور مجھے یہ بجز خبریں پہنچ چکی ہیں کہ بنانہ بن حنظلہ جو وہاں نائب سالار ہے وہ پہلے سے خرم بن عمر کا جاننے والا ہے۔ دونوں ایک ساتھ بصرہ کے کتب میں پڑھتے رہے ہیں اس طرح آدنیوں ایک جا ہو کر بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرو گے کہو تم کیا کہتے ہو اس کے بعد میرے تمہیں خرم بن عمر کے متعلق کچھ کہنا پسند کروں گا۔“

حجاج بن یوسف کے خاموش ہونے پر محمد بن ہارون نرمی کچھ دیر تک سوچتا رہا اور حجاج بن یوسف کی طرف دیکھتا رہا پھر خوش کن انداز میں کہنے لگا۔  
”امیر محترم میں ہارون نرمی اس قابل کہاں کہ آپ کی حکم عدولی کروں میں مکران کے والی کی حیثیت سے جانے کے لئے تیار ہوں۔“

حجاج بن یوسف اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا خوشی سے اس نے پر جوش مصافحہ محمد بن ہارون نرمی سے کیا پھر وہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مکران جا کر خصوصیت کے ساتھ خرم بن عمر کی ہر خواہش اور اس کی ہر مانگ کا خیال رکھنا یاد رکھنا۔ ایسے نوجوان روز روز پیدا نہیں ہوتے پہلی بار ایک طرم کی حیثیت سے جب سلیمان کی موجودگی میں وہ میرے پاس آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ سلیمان کی آنکھوں میں اس کے لئے نیم حقارت تھی لیکن اسے دیکھتے ہوئے میرے دل میں اس کے لئے آپ سے آپ نیم سی شفقت پیدا ہوئی تھی۔ اس پہلی ملاقات میں بھی میں نے خرم بن عمر کے چہرے کے خطوط میں ایسے جذبے دیکھے تھے جیسے زردوزی کے تاج سی جاٹاری کے اوپر شجاعت کے یا قوت جڑ دیے گئے ہوں۔ اس کی آنکھوں کے اندر میں نے اس روز بھی جذب و وجدان کی پکار کو دیکھا تھا اور اس کے چہرے سے میں نے یوں محسوس کیا تھا جیسے چیخے صحرا کے اندر عقوبت کے گولے اٹھ کھڑے ہوں۔ وہ کشیدہ قامت ہے خوش اندام ہے جان نثار اور وفادار ہے ایسے جوان

جو مجھ سے بھی نہیں ملتے یاد رکھنا جنگ اور رمزگاہ کی بھٹی کے اندر ہر کوئی سرفراز ہو کر نہیں نکلتا۔ وہ نوجوان جو دمشق کے ریشم کے شلو کے پن کر رمزگاہوں کا رخ کرتے ہیں وہ کوئی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ سپاہی جب زین سے اتر کر قالین پر بیٹھنے لگے تو کام کا نہیں رہتا۔ وہ کیونکہ ایک گڈ ریا تھا کہ ہمتانوں کے اندر اپنے ریوڑ کو چرانے والا تھا لہذا مجھے اچھا اور بھلا لگا اس کی چمکتی آنکھوں میں بل کھاتی خشرناک فطرت سے میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس پر پورا اترا۔ اس کے چہرے کے آثار و افکار میں جو میں نے حسن عمل دیکھتے ہوئے اسے مکران میں لشکریوں کا سالار اعلیٰ بنایا تو قسم خداوند قدوس کی وہ میری خواہشوں سے بھی کہیں آگے جا کر اترا۔

اس کی کارکردگی سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ بنیادی طور پر وہ ایک چودا ہا ہے لیکن بصرہ کے حربی کتب کا تربیت یافتہ ہے اس نے اپنی کارگزاری سے ثابت کر دیا ہے کہ جنگ کی بھٹی میں وہ برق و شعلہ کی لپک اور رزم گاہ کے بادو باران میں طوفانی یلغار کا شاب بننے کا بھی ہنر اور فن خوب جانتا ہے۔ مکران کے والی کی حیثیت سے میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ وہاں خرم بن عمر کے صاعقہ بردار جذبوں اور اس کی کوندنی تلوار اس کے آہنی طوفانی جذبوں سے صحیح اور خوب کام لینا۔ محمد بن ہارون نرمی خرم بن عمر جیسے جوان اپنی کارکردگی اپنی جاٹاری کی وجہ سے وقت کے عمل میں فزائوں کے سنسار کی طرح حسین اور شوق کے سلسلوں میں مقاصد اور منزل کی گرد کی طرح پرفشاں ہو کر آتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں پہنچ کر تم اس کا خوب خیال رکھو گے کیونکہ میں اسے اپنا بیٹا کہہ چکا ہوں۔“

حجاج بن یوسف کے ان الفاظ پر ہارون نرمی تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔

”امیر محترم آپ کسی فکر مندی اور پریشانی کا اظہار نہ کریں۔ خرم بن عمر مجھے کب بے حد عزیز ہے میری بستی کا رہنے والا ہے۔ پہلے بھی میں اسے اپنے بیٹوں جیسا سمجھتا ہوں اس کے سلسلے میں میرے خداوند نے چاہا تو آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی۔“

”اچھا یہ بتاؤ تم کب تک یہاں سے کوچ کرنا پسند کرو گے“ حجاج بن یوسف نے خوش طبعی سے محمد بن ہارون کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

”امیر محترم میں ایک دو روز تک یہاں سے کوچ کر جاؤں گا پر اکیلا جاؤں اپنے اہل خانہ کو ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ جب حالات خوب ہمارے حق میں جائیں گے تو پھر کوشش کروں گا اپنے اہل خانہ کو بھی وہاں بلا لوں۔“

حجاج بن یوسف نے محمد بن ہارون نمری کے اس فیصلے سے اتفاق کیا پھر محمد بن ہارون نمری وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا دو روز بعد وہ اپنی بستی سے مکران کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

رام رتن ایک روز سورج غروب ہونے کے بعد سمندر کے کنارے دور تک پہلی ہوئی ایک بستی میں داخل ہوا یہ بستی بدھ قبائل کے سردار وانگہ کی تھی اور اس کے آس پاس اور چاروں طرف نکامرہ قبائل کے انہیں لوگوں کی بستیاں تھیں جو بدھ مت کے پیروکار تھے۔

رام رتن کا وہاں اکثر آنا جانا تھا اس لئے بستی میں سے بلا جھجک گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے مکان کے سامنے رکا جو گارے اور پتھر کے علاوہ لکڑی کا بھی بنا ہوا تھا۔ دروازے پر اس نے دستک دی تھی تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا دروازہ کھولنے والے نے اپنے ہاتھ میں چھوٹی سی مشعل لے رکھی تھی۔ اس مشعل کی روشنی میں رام رتن کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی شاید وہ رام رتن کو پہلے سے جانتا تھا رام رتن نے اسے مخاطب کیا۔

وانگہ گھر پر ہے دروازہ کھولنے والے نے اثبات میں سر ہلا دیا ساتھ ہی آگے بٹھ کر اس نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی۔ رام رتن نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”میرے گھوڑے کو چھپر تلے باندھ دو میں دیوان خانے میں بیٹھتا ہوں وانگہ کو میرے آنے کی اطلاع کرو میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

دروازہ کھولنے والا گھوڑے کو حویلی کی طرف لے گیا تھا خود رام رتن بائیں جانب مڑا اور ایک سادہ سے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے وہاں بیٹھ کر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا اس لئے کہ نکامرہ قبیلے کے بدھ قبائل کا سردار وانگہ اس کمرے میں داخل ہوا رام رتن نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے بغلیں ہوا دونوں جب اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو وانگہ نے اسے مخاطب کیا۔

”پہلے یہ کو تم مکران سے آ رہے ہو“ رام رتن نے کمرے میں جلی سے چھوٹی سی مشعل کی روشنی میں اثبات میں جب گردن ہلائی تو وانگہ کے چہرے مسکراہٹ پھیل گئی وہ دوبارہ بولا۔

”پہلے یہ بتاؤ میری بیٹی گودیری کیسی ہے“ رام رتن تھوڑی دیر تک مسکرا کر پھر اس کی آواز گونجی۔

”وانگہ میں یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا کہ تمہاری بیٹی گودیری یہاں کی نسبت ہمارے ہاں زیادہ خوش ہے“ وانگہ نے اسے مشتبہ انداز میں دیکھا اور کہنے لگا۔

”رام رتن یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہے۔“

رام رتن تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا جلد ہی اس کے چہرے پر سنجیدگی پھیلی اور اس کی آواز سنائی دی۔

”وانگہ لڑکیاں فطرت کی داستان کی زیبائش ہوتی ہیں ماں باپ کے گھر میں یادوں کی تنگ وادی کی سی زندگی بسر کرتی ہیں اس لئے کہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ انہیں ایک روز اپنے پیا کے گھر جانا ہے اور وہی ان کی زندگی کی امیدوں کی میٹھی گود ہو ہے۔ لڑکیاں جب اپنے پیا سے بیاہی جاتیں ہیں تبھی ان کے ادھورے خوابوں کی تعبیریں اور بے چہرہ تصویریں سنگم کی سنہری راتوں میں تبدیل ہوتی ہیں اور اپنی زندگی کے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے لڑکیاں بچپن سے لے کر جوانی کے کنارے تک بس اسی انتظار میں رہتی ہیں کہ کب کسی ایسے شخص کی ساتھی بنوں گی جو اس قدر کرنے والا ہو۔“

رام رتن مزید کچھ کہتا کہ وانگہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”رام رتن پہیلیاں مت بجاؤ الجھی الجھی باتیں مت کرو صاف بتاؤ کیا معاملہ ہے۔“

رام رتن نے ایک گہری نگاہ وانگہ پر ڈالی پھر کہنا شروع کیا۔

”وانگہ میرے عزیز اگر میں یہ کہوں کہ تمہاری بیٹی وہاں ایک نوجوان کو پسند کرتی ہے اس سے محبت کرنے لگی ہے تم برا تو نہ مانو گے۔“

وانگہ کی گردن لمحہ بھر کے لئے جھک گئی تھی پھر اس نے رام رتن کی طرف دیکھا۔

”پہلے یہ بتاؤ میری بیٹی نے جس جوان کو پسند کیا ہے وہ کون ہے؟ مکران میں رہتے ہوئے یہ فیصلہ کن بات ہے کہ اس نے کسی مسلمان ہی کو پسند کیا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے۔“

رام رتن نے کہا ”فکر مت کرو وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے وہ مکران میں مسلمانوں کے لشکریوں کا نائب سالار ہے۔ ایک انتہائی بہادر دلیر اور جستجو رکھنے والا نوجوان ہے۔ تمہاری بیٹی گودیری اسے پسند کرتی ہے وہ بھی گودیری کو چاہتا ہے۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔“

وانگہ نے کچھ سوچا اور بول پڑا۔

”رام رتن تیرا کہنا درست ہے اگر میری بیٹی اس جوان کو پسند کرتی ہے اسے اپنا بیٹا سمجھنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اس لئے کہ میں اپنی بیٹی کی خوشی کو اپنی خوشی جانوں گا پر یہ بتاؤ جس جوان کو میری بیٹی نے اپنی زندگی کے ساتھی کے طور پر منتخب کیا ہے اس کا نام کیا ہے۔“

رام رتن کہنے لگا ”اس کا نام بنانہ بن حنظلہ ہے۔“

وانگہ کے چہرے پر خوشیاں بکھر گئیں کہنے لگا ”یہ نام میرے لئے اجنبی نہیں۔ میں نے سنا ہوا ہے اس لئے کہ بنانہ بن حنظلہ کا اس سے پہلے موئل کے کچھ دستوں سے ٹکراؤ بھی ہوتا رہا ہے اس ٹکراؤ میں بنانہ بن حنظلہ ہمیشہ کامیاب ہی رہا۔ اگر میری بیٹی بنانہ بن حنظلہ کو اپنی زندگی کا ساتھی چن چکی ہے تو میں اس چناؤ اور اس پسند کو قبول کرتا ہوں کیا تم یہی پیغام لے کر میرے پاس آئے ہو۔“

رام رتن بولا ”ایسی کوئی بات نہیں وہ تم نے اپنی بیٹی کا پوچھا تو میں نے تم پر یہ انکشاف کر دیا۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی بیٹی کے چناؤ کو قبول کیا میں ایک اور انتہائی اہم سلسلے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ شاید تمہیں پہلے سے خبر ہو کہ مکران میں مسلمانوں کے لشکر کا سالار ایک شخص خرم بن عمر ہے بنانہ بن حنظلہ اس کا نائب ہے۔ یہ خرم بن عمر بے کار بیٹھے والا نہیں ہے۔ تمہیں یہ بھی خبر پہنچ چکی ہوگی

کہ مکران میں جو مسلمانوں کا حکمران ہے وہ فوت ہو چکا ہے اب مکران کے مسلمان کسی نئے والی کے منتظر ہیں تب تک ان علاقوں میں خرم بن عمر ہی سب کچھ ہے۔  
وانگہ یہ خرم بن عمر اس سے پہلے مسکی میں زمیٹ پر ضرب لگا چکا ہے اور اس کی طاقت کو کچل چکا ہے۔ قذابل میں حارث علانی کے کچھ لوگ جمع ہوئے تھے انہیں راجہ داہرنے بھی ایک لشکر مہیا کیا تھا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔ راجہ داہرنے کچھ قاصد مول کی طرف بھی بھجوائے کہ وہ بھی مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، لیکن اس خرم بن عمر نے قذابل شہر کے نواح میں حارث اور راجہ داہرنے کے مشترکہ لشکر کو شکست دی اور ان کی کمر بھی توڑ دی ہے اب وہ قذابل شہر سے نکل کر حملہ آور ہونے کے قابل نہیں رہے۔

اب خرم بن عمر کا ارادہ ہے کہ ایسی ہی ضرب مول پر بھی لگائے یقیناً "مول کے پاس راجہ داہرنے کی طرف سے پیغام پہنچ چکا ہو گا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔" رام رتن کو رک جانا پڑا تھا اس لئے کہ بیچ میں وانگہ بول پڑا تھا کہ "رام رتن تم ٹھیک کہتے ہو راجہ داہرنے کے قاصد مول کے پاس پہنچ چکے ہیں اور راجہ داہرنے مول کو انگلیخت کیا ہے کہ وہ اپنی گھات سے نکل کر مسلمانوں کی سلطنت پر حملہ آور ہوتے ہوئے دور تک تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلے۔ اس سلسلے میں مول نے مجھے بھی بلایا تھا۔ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے میری اور مول کی طویل گفتگو ہوئی طے یہ پایا تھا کہ جو لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلے اس میں آدھے میرے قبیلے کے ہوں اور آدھے مول کے، رام رتن مجھے بڑی بے چینی سے مسلمانوں کے کسی قاصد کا انتظار تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ مول کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوں۔ دراصل نیرون کا حاکم سندھ داس ذاتی طور پر مسلمانوں کے حق میں ہے انہیں پسند کرتا ہے اور ان کے ساتھ تعاون رکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں سندھ داس اور میرے درمیان قاصدوں کا سلسلہ جاری ہے اور ہم ایک دوسرے کے خیالات سے تعاون کرنے والے ہیں اب تم آگے ہو تو تم سمجھتا ہوں کہ میری ساری مشکلات دور ہو جائیں گی۔ بتاؤ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر مول کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"وانگہ کیا تم ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو" رام رتن نے بتایا کہ وہ ان سے وانگہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔  
وانگہ بدحواس ہو گیا اور کہنے لگا "اس وقت تم مجھے کہاں لے کر جاؤ گے" اس پر رام رتن بول پڑا "میں تمہیں غلط جگہ لے کر نہیں جاؤں گا میں تمہیں خرم بن عمر کے پاس لے کر جاؤں گا" مسکراتے ہوئے رام رتن نے جواب دیا تھا۔  
رام رتن کے اس انکشاف پر وانگہ کی پریشانی میں اور اضافہ ہوا تھا پوچھنے لگا "پہلے یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کا سالار اعلیٰ خرم بن عمر اس وقت کہاں ہے۔"

"وانگہ پریشانی اور فکر مندی کا اظہار نہ کرو مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر یہاں سے صرف پانچ میل پیچھے صحرا کے اندر اونچے اونچے ٹیلوں کی گھات میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہے" اگر تم برانہ مانو تمہیں زحمت نہ ہو تو میرے ساتھ وہاں چلو اس نے تمہیں بلایا ہے وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ یہاں نہیں آیا کہ کہیں مول کو خبر نہ ہو جائے اور اس کے اور تمہارے تعلقات خراب نہ ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ مول سے تمہارے تعلقات پہلے جیسے برقرار رہیں اور مول پر ضرب بھی لگائی جاسکے اس لئے میرے ساتھ خرم بن عمر کے پاس چلو وہ تمہارے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد وہ مول پر ضرب لگائے گا۔"

وانگہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "تم تھوڑی دیر بیٹھو میں کھانے کے لئے کتا ہوں کھانا کھانے کے بعد دونوں یہاں سے کوچ کریں گے۔"  
اس کے ساتھ ہی وانگہ باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد اس کے ایک ملازم نے اسی کمرے میں کھانا چن دیا تھا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا پھر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صحرا کی اس سمت ہو لئے جہاں خرم بن عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ گھات لگا رکھی تھی۔

وانگہ کو لے کر رام رتن اونچے اونچے ٹیلوں کے ایک صحرائی حصے میں داخل



ہوا چاندنی رات گہری ہو رہی تھی صحرا اس سے ایسے لگ رہا تھا جیسے کھکھال۔ دشت میں خوابوں سا کیف اور انمول خزانوں کا تجسس بکھرا پڑا ہو، ہر سو ہر طرف اندھیروں کے سفر سے خاموشی آفاق کے اسرار سی چپ اور تخیل کے نقش و نگار پر سکوت طاری تھا۔

چاندنی رات میں وانگہ رام رتن کے ساتھ خرم بن عمر کے لشکر میں داخل لشکری اپنی جگہ پر سکون تھے اس لئے کہ ان میں سے ہر کوئی رام رتن کو پہچانتا تو ایک جگہ رام رتن نے اپنے گھوڑے کو روکا اور نیچے اتر گیا اس کی طرف دیکھتے ہوئے وانگہ بھی اپنے گھوڑے کو روک کر اتر گیا۔ اب ان کے سامنے خرم بن عمر کھڑا اس موقع پر رام رتن وانگہ کے قریب آیا اور وانگہ سے کہنے لگا ”یہ جو نوجوان سا کھڑا ہے یہی خرم بن عمر ہے اور مکران میں مسلمانوں کے لشکر کا سالار اعلیٰ ہے۔“ وانگہ تھوڑی دیر تک عجیب سے جذبے میں خرم بن عمر کی طرف دیکھتا رہا میں پھیلی چاندنی اور تیز چلتی ہواؤں کے اندر خرم بن عمر وانگہ کو یوں لگا جیسے نظر کو زلوں کر دینے والا کوئی ناظر کائنات اس کے سامنے کھڑا ہو یا بزم ارواح پر مضطرب اور خونبار نغمے بکھیرنے والا کوئی حقائق آشنا وانگہ کا استقبال کرنے کے تیار ہو۔ چھوٹے سے ایک ٹیلے پر وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے ابد کا کوئی مسافر رواں موجوں میں کوہ گراں کی طرح کھڑا ہوتا ہے رام رتن آگے بڑھا اور سرگوشی کے انداز میں اہل نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”میرے محترم یہ جو شخص میرے ساتھ آیا ہے یہی گودیری کا باپ اور نکاح قبیلے کے ایک حصے کا سردار وانگہ ہے۔“

رام رتن کے ان الفاظ پر خرم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی وہ تڑپ بڑھا وانگہ کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر پر جوش مصافحہ کیا اور جس ٹیلے پر بیٹھا تھا اسی ٹیلے کی طرف جاتے ہوئے وانگہ کو اپنے ساتھ بیٹھایا۔

وانگہ تھوڑی دیر تک اطراف کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے دیکھا جس طرح بن عمر تنگی ریت پر بیٹھا ہوا تھا اس طرح اس کے لشکری بھی تنگی ریت پر اپنے اپنے استراحت تھے۔ تھوڑی دیر تک عجیب سے تو صیغی انداز میں وہ کبھی ارد گرد

لشکریوں کی طرف دیکھتا کبھی اس کی نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے خرم بن عمر پر جم جاتی تھی، پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”میں نے زندگی میں پہلی بار ایسے لوگ دیکھے ہیں جو عمدہ قسم کے لڑاکے لشکری بھی ہوں اور اس طرح ریت پر بڑی سادگی سے پڑے شب بسر کرنے کا سامان کرتے ہیں۔ آپ جیسا سالار بھی میں نے پہلی دفعہ دیکھا ہے جو اپنے عام لشکریوں کی طرح ریت پر محواستراحت ہو۔“ اس پر خرم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ وانگہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”وانگہ میں اپنے لشکریوں ہی کی مانند ہوں اللہ اور اس کے جلال کی قسم میرے دل میں کبھی بھی شرف امتیاز نہیں آیا میں نے کبھی بھی اپنے دل میں یہ نہیں سوچا کہ اپنے لشکریوں کے مقابلے میں ان کے سامنے عظمت اور سر بلندی کی معراج پر ہوں۔ میں ان جیسا ہوں وہ ہیں تو میری عزت ہے وہ نہیں تو میں خاک سے بھی بدتر ہوں۔ میں ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر روغن زیتون اور سرکہ میں ڈوبی ترکاریاں اور جو کی روٹی کھاتا ہوں یہ ہیں تو میں سالار اعلیٰ ہوں یہ نہیں ہیں تو میں ایک معمولی گڈریا ہوں۔ بس اس سے زیادہ میری کوئی وقعت کوئی حیثیت کوئی عظمت کوئی سر بلندی نہیں ہے۔“

وانگہ کچھ دیر تک عجیب سے جذبوں میں دیکھتا رہا پھر خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”میں آپ کی عاجزی انکساری اور انسانیت کو سلام کرتا ہوں آپ جیسے لوگ ہی ہیں جو اپنے لشکر کے اندر مساوات رکھتے ہیں ایسے لشکریوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اب بتائیے آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے۔“

خرم بن عمر نے وانگہ کے شانے پر ہاتھ رکھا پھر بڑی یکسوئی سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”وانگہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے سردار اس کے ساتھ بہترین تعلقات میں سردار اس کی بیٹی بھی ان دنوں ہمارے پاس ہی ہے اس لئے کہ مول نے اسے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی پر ہم نے اسے چھڑا لیا۔ تمہاری اپنی بیٹی گودیری بھی ڈنڈ ہے دراصل میں مول پر ضرب لگانا چاہتا ہوں میرے خیال میں رام رتن تمہیں

مرزبوں کے چپے چپے سے واقف ہیں، وہ مول کی بستیوں کی طرف آپ کی راہنمائی کریں گے اور میرے خیال میں ایسی راہنمائی کریں گے کہ آپ کا شب خون بہترین انداز میں کامیاب رہے گا۔“

خریم بن عمر تھوڑی دیر تک مطمئن انداز میں وانگہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے ٹھٹھکیا۔

”محترم وانگہ فی الحال میں آپ کو مول کے ساتھ ملوث نہیں کرنا چاہتا میں نہیں جانتا کہ آنے والا وقت کیا رنگ دکھائے لیکن فی الحال میں چاہتا ہوں کہ میں اکیلا ہی مول پر ضرب لگاؤں آپ غیر جانب دار رہیں تاکہ مول کو آپ پر حملہ آور ہونے کا موقع نہ ملے۔ ہاں آنے والے دنوں میں اگر مول نے آپ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو مجھے امید ہے آپ کے ساتھ مل کر مول پر ہم ایسی ضرب لگائیں گے کہ ان علاقوں میں اسے اور اس کے قبائل کو خشکی پر اترنا مشکل اور محال ہو جائے گا۔ مکران میں میرے پاس کشتیوں کی صورت میں وسائل نہیں ہیں ورنہ میں مول کا کھلے سمندر کے اندر بھی تعاقب کرتا۔“

وانگہ خرم بن عمر کی گفتگو سے مطمئن دکھائی دے رہا تھا جب وہ خاموش ہوا تو وہ بول پڑا۔

”ابن عمر میں آپ کے الفاظ کا شکر گزار ہوں میں جانتا ہوں کہ مول ہم سے کئی گنا طاقت اور قوت رکھتا ہے۔ کرمان سے لے کر کاٹھیاواڑ تک سب قبائل اس کے حامی اور حمایتی ہیں اس کے باوجود میں اس سے خوف زدہ نہیں۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی خدشہ ہے تو صرف یہ کہ ہمیں اپنی عورتوں کی حفاظت کا انتظام کرنا ہو گا اس لئے کہ اگر مول کے ساتھ میرا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ ہماری عورتوں کو اٹھالے جانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ان کا پسندیدہ فعل ہے اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ آنے والے دنوں میں میرا اگر مول سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو میری کوشش یہ ہوگی کہ اپنے قبیلے کی عورتوں کو یا تو آپ کی طرف روانہ کر دوں۔ اگر ایسا نہیں تو دشت مکران کے وسطی حصوں کی طرف عورتوں کو محفوظ کر دوں۔ اس کے بعد آپ کے پہلو بہ پہلو میں مول کے خلاف ضرب لگاؤں گا مجھے امید ہے کہ مول ہم دنوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔“

بتا چکا ہو گا۔ اس سے پہلے نرمیش اور قداہیل میں راجہ داہر کے ایک لشکر کی میں توڑ چکا ہوں میں چاہتا ہوں کہ مول پر بھی ضرب لگاؤں تاکہ آنے والے دور میں جلد کوئی متحدہ کارروائی نہ کر سکیں میں یہ سب کچھ اس لئے کر رہا ہوں کہ اس وقت مکران میں کوئی مسلمان دالی نہیں ہے ساری ذمہ داری مجھ پر اور بنانہ بن حنظلہ آتی ہے۔ نئے والی کے آنے تک میں اس علاقے کو محفوظ کر دینا چاہتا ہوں وہ آ کے بعد جو بھی حکم دے گا میں اور بنانہ اس کا اتباع کرنے کے پابند ہوں گے۔ پر آنے سے پہلے پہلے میں میدان کو کسی حد تک صاف کرنا چاہتا ہوں۔“

”اس سلسلے میں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں“ وانگہ نے بڑے غور سے بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وانگہ اس وقت میں تمہیں اپنے ساتھ ملوث نہیں کرنا چاہتا میں یہ بھی چاہوں گا کہ تم اپنے لشکر کے ساتھ میری مدد کرو تاکہ مول پر حملہ آور ہوں۔ فی الحال میں چاہتا ہوں کہ تمہارے تعلقات مول کے ساتھ پہلے جیسے رہیں مول کو یہ بھی نہیں گزرنا چاہئے کہ تمہارے تعلقات ہمارے ساتھ بہتر ہیں، ورنہ مول داہر کے ساتھ مل کر تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے تمہارے قبیلے کو نقصان بھی پہنچا ہے۔ میں ایسا ہرگز برداشت نہیں کروں گا اس وقت میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی راہنما مہیا کر دو جو مول کی بستیوں تک ہماری راہنمائی کرے، دراصل رتن مول کے علاقوں سے واقف نہیں ہے اگر تم چند پر خلوص اور قابل اعتبار مہیا کر دو تو میں سمجھوں گا کہ یہ تمہارا ہم پر بہت بڑا احسان ہے ان راہنماؤں راہبری میں میں مول کے علاقوں کا رخ کروں گا اور اس پر ایسا شب خون ماروں چند ماہ تک وہ اس شب خون کے زخم چاٹتا رہے گا۔“

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو وانگہ بول پڑا۔

”یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ میں مکمل طور پر آپ کے ساتھ ہوں نیوں؟“

سندر داس ہمارے لئے بڑا قابل احترام ہے اس کے چونکہ آپ کے ساتھ تعلقات ہیں لہذا میرے سارے ذرائع آپ کے لئے وقف ہیں، بہر حال میں جاؤں گا رام رتن کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تین اشخاص ایسے بھجواؤں گا جو

”وانگہ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہو اب میں کتنی دیر تک تمہاری طرف سے راہنماؤں کی امید رکھوں۔“

وانگہ کہنے لگا ”میں اب جاتا ہوں جاتے ہی تین عہدہ قسم کے راہنماؤں کو آپ کی طرف بھجوا دوں گا رام رتن کو میں اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ یہی انہیں ساتھ لے کر آئے گا جانے سے پہلے میری آپ سے ایک گزارش ہے میری بیٹی گودیری جہاں رہتی ہے اس کا خیال رکھے گا اس لئے کہ وہ میری واحد اولاد ہے میری بیٹی بھی اور میرا بیٹا بھی وہی ہے۔“

وانگہ کی بات کاٹتے ہوئے خرم بن عمر بول پڑا۔

”وانگہ گودیری سے متعلق تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہاں میں تم پر گودیری کے متعلق ایک انکشاف بھی کروں۔“

خرم بن عمر نے ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ وانگہ بول پڑا۔

”اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میری بیٹی گودیری بنانہ بن حنظلہ کو پسند کرتا ہے تو یہ خبر مجھے پہلے ہی پہنچ چکی ہے میں اپنی بیٹی کی پسند کا احترام کروں گا۔“

وانگہ کے ان الفاظ پر خرم بن عمر تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر کہنے لگا وانگہ اگر یہ بات ہے تو پھر میرے دل میں یہ ارادہ ہے کہ میں گودیری کو بنانہ بن حنظلہ سے بیاہ دوں۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم وہاں آؤ تمہاری موجودگی میں ہم گودیری اور بنانہ بن حنظلہ کی شادی کا اہتمام کر دیں۔ میں اسے اس طرح بیاہنا چاہتا ہوں جس طرح ایک بھائی اپنی بہن کو بیاہتا ہے۔“

خرم بن عمر کی اس گفتگو سے وانگہ کسی قدر پریشان ہو گیا تھا پھر بول پڑا۔

”ابن عمر میرا وہاں آنا ناممکن ہے اگر میں مکران میں جاتا ہوں تو یاد رکھئے؟ کسی نہ کسی طرح سے مول کو معلوم ہو جائے گا کہ میں مکران گیا ہوں۔ اس طرح مجھ سے دشمنی رکھنے لگے گا اور اگر اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ میں نے اپنی بیٹی گودیری کو مسلمانوں کے نائب سالار بنانہ بن حنظلہ سے بیاہ دیا ہے تو یاد رکھنا وہ میرے ساتھ بدترین دشمنی کا اطوار کرے گا اور مجھ پر حملہ آور ہونے سے نہ ہچکچائے گا نہ۔“

ہئے گا۔ اس لئے میری آپ سے گزارش ہے آپ جس وقت اور جب چاہیں گودیری کو بنانہ بن حنظلہ سے بیاہ دیں میری طرف سے اجازت ہے وہ چونکہ میری بیٹی کی پسند ہے لہذا میری بھی پسند ہے۔ میری بیٹی گودیری سے جا کر کہئے گا کہ میں اس کی پسند کی قدر کرتا ہوں اور آپ کو اور گودیری دونوں کو اجازت دیتا ہوں کہ جب چاہیں شادی کا اہتمام کر لیں۔“ اس کے ساتھ ہی وانگہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا خرم بن عمر کے ساتھ اس نے پر جوش مصافحہ کیا پھر رام رتن کے ساتھ وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔



وانگہ کی طرف سے تین راہنماؤں کو لے کر جلد ہی رام رتن خرم بن عمر کے پاس واپس آ گیا خرم بن عمر نے اپنا پڑاؤ ختم کیا اور آہستہ آہستہ ان راہنماؤں کے ساتھ وہ مول کی بستیوں کی طرف بڑھا تھا۔ راہنماؤں سے اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس رفتار سے سفر کریں کہ آدھی رات کے کچھ بعد وہ مول کی بستی میں داخل ہو کر ٹب خون مارنے کا اہتمام کریں۔ اس طرح اپنے لشکر کے ساتھ خرم بن عمر نکامروہ نیلے کے سردار مول کی بستیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رات کافی گہری ہو چکی تھی ہر شے گہرے ادھام کے ساگر میں ڈوبی ہوئی تھی دشت مکران میں اس وقت ہر سمت لوفان بدوش خزاں کا گمان ہوتا تھا صحرا کے اندر چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیاں غم کی بے نور لوزر گاہوں کی طرح ادھر ادھر خوشبو کی اوس اداس شنرا دیوں کی طرح یوں پھیلی ہوئی تھیں جیسے اجڑی منزلوں شہر شہر نگر نگر سے گزرتی ناؤں میں چلتی جا رہی ہوں۔ چاند کی بے چین کرنیں نہ جانے مرگ کے سکوت میں زمین کے اندر کس شے کی تلاش میں تھیں۔

خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ایک دھنسی ہوئی ندی کے کنارے وانگہ کے میا کردہ راہنما رک گئے۔ پھر ایک خرم بن عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا ”آپ اپنے سامنے دیکھیں میرے خیال میں آپ کو کچھ ہولے دکھائی دے رہے ہوں گے یہیں ہولے مول کی بستیاں ہیں میرے خیال میں آپ اپنے لشکر کو

دشمن کے رد عمل کا جائزہ لے سکے۔



مکران کے والی کی حیثیت سے ایک روز محمد بن ہارون نمری مکران میں داخل ہوا اس کے ساتھ کچھ مسلح جوان بھی تھے جب وہ اس حویلی کے قریب آیا جس میں زیم بن عمر کا قیام تھا۔ اس حویلی سے بنانہ بن حنظلہ بیرویل ہرچند رائے اور دھرم داس کے ساتھ نکلا۔ بہترین انداز میں اس نے محمد بن ہارون نمری کا استقبال کیا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ مکران کے نئے والی محمد بن ہارون نمری ہیں، اس لئے کہ صرف ایک دن پہلے حجاج بن یوسف کی طرف سے ایک قاصد آیا جس نے آپ کے والی ہونے کی ہمیں اطلاع کر دی تھی۔“

بنانہ بن حنظلہ سے بغلگیر ہونے کے بعد محمد بن ہارون دوسرے لوگوں سے ملا پھر وہ دوبارہ بنانہ بن حنظلہ کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا ”میرے خیال میں تم بنانہ بن حنظلہ ہو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت خرم بن عمر کہاں ہے۔“

بنانہ بن حنظلہ محمد بن ہارون نمری کے اس سوال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ساتھ والی حویلی سے ساکرا، گودیری، ساکراہ کی ماں اور ساول سب نکل آئیں تھیں۔ بنانہ بن حنظلہ کے پاس آن کھڑی ہوئیں تھیں۔ بنانہ بن حنظلہ نے پہلے سب کا محمد بن ہارون نمری سے تعارف کروایا پھر وہ محمد بن ہارون نمری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ اندر آئیں میں تفصیل کے ساتھ آپ کو خرم بن عمر کے متعلق بتاتا ہوں، دراصل وہ بحری قزاقوں کے خلاف ایک مہم پر گیا ہوا ہے اسے لوٹنے میں چند دن لگیں گے۔“

بنانہ بن حنظلہ کی اس گفتگو کا محمد بن ہارون نمری جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ چند گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے اور بنانہ بن حنظلہ کے قریب آکر وہ رکے، پھر ان میں سے ایک بول پڑا ”ہم مکران میں مسلمانوں کے لشکریوں کے

یہی سے درست کریں اور حملہ آور ہونے کی تیاری کر لیں۔“

خرم بن عمر نے وانگہ کے راہبروں کا شکریہ ادا کیا پھر انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ ان کے واپس جانے کے بعد تھوڑی دیر تک اپنے لشکر کے ساتھ اسی دھرم ہوئی ندی میں خرم بن عمر کا رہا۔ لشکر کی تیاری مکمل کر لی حملہ آور ہونے کا ارادہ عمل بھی تیار کر لیا اس کے بعد وہ دھنسی ہوئی ندی سے نکلا اور موصل کی بستیوں پر ضدیوں کے پرانے راہبوں کو منقطع کرتے نفرت کے زہر اور جذبوں کے جنگل میں نعرے لگاتی ہواؤں کی یلغار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ موصل کی بستیوں پر حملہ ہوتے ہوئے خرم بن عمر اور اس کے لشکر کی سات سمندروں کے ساحل کے شور و طرح تکبیریں بلند کر رہے تھے جن کے باعث موصل کی بستیوں میں ہر طرف خوف اور دہشت پھیل گئی تھی۔

موصل کے لشکریوں نے اس شب خون کا مقابلہ کرنے کے لئے سنبھلتے ہوئے۔ انت دوریوں میں بکھرتی کالی سازشوں کی طرح سامنا کرنا چاہا لیکن انہیں ناکامی ہوئی اس لئے کہ خرم بن عمر اپنے لشکریوں کے ساتھ لہو کی چمچتی لہروں، چاہت کی ہوس اور ریت کی پیاس کی طرح تیزی سے ان پر چھاتا جا رہا تھا لہجوں کے اندر اس نے موصل کے مسلح جوانوں کی حالت بے افتق بے نشان زمین کی عربانی کالک میں لپٹی بہری ساہواری جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔

موصل اور اس کے مسلح جوانوں نے جب اندازہ لگایا کہ شب خون مارنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ کسی جگہ جم نہیں سکتے تب وہ ساحل پر کھڑی اپنی کشتیوں سوار ہوئے اور گمرے سمندر کی طرف چلے گئے تھے۔ اس شب خون کی تکمیل سپیدہ سحر نمودار نہ ہوا تھا لہذا رات کے وقت خرم بن عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ واپس پڑاؤ کر لیا تھا۔ مشرق سے جب سورج طلوع ہوا تو اس نے جن بستیوں پر حملہ کیا تھا ان کا جائزہ لیا سب لوگ بھاگ چکے تھے۔ بستیوں سے ملنے والی ہر شے کو انہوں نے ایک جگہ ڈھیر کیا کافی جانور بھی اس کے ہاتھ لگے جن میں سے اونٹوں کی تعداد زیادہ تھی۔ بستی کے اندر سے اسے خوراک کے وسیع ذخیرے بھی ملے تھے احتیاطاً طور پر اپنے لشکر کے ساتھ اس نے وہیں پڑاؤ کر لیا تھا تاکہ کچھ دن قیام کرے



سالار اعلیٰ خرم بن عمر سے مل سکتے ہیں۔“

آنے والوں کے انداز سے بنانہ بن حنظلہ چونکا تھا، پھر بنانہ بن حنظلہ نے انہیں مخاطب کیا۔

”تم کون ہو کیا چاہتے ہو میں مسلمانوں کے لشکریوں کا نائب سالار بنانہ بن حنظلہ ہوں۔ سالار اعلیٰ خرم بن عمر ایک انتہائی اہم مہم پر گئے ہوئے ہیں کہو کیا ہوا“ اس پر وہی آنے والا پھر بول پڑا۔

”مہم لوگ آپ کو یہ اطلاع دینے آئے ہیں کہ مجوسیوں کے سردار زمیش نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے بڑی تیزی سے یلغار کرتا ہوا وہ مکران کا رخ کئے ہوئے ہے۔ ان کے لشکریوں کو ہم دیکھ چکے ہیں وہ نعرے لگاتے ہوئے آ رہے ہیں کہ جس طرح شہر مسکی کے باہر خرم بن عمر نے انہیں شکست دی ہے ایسے ہی اسے مکران شہر کے باہر شکست دیں گے۔ میرا خیال میں جس رفتار سے وہ آگے بڑھ رہے ہیں اگر ایسے ہی سفر کرتے رہے تو بہت جلد وہ مکران کے پاس پہنچ جائیں گے۔“

یہ خبر سن کر نیا والی محمد بن ہارون نمری فکر مند اور متفکر ہو گیا اپنے آپ کو اس نے سنبھالا اور بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ لگتا ہے خرم بن عمر کی موجودگی میں قدرت کو ان علاقوں میں تیرا اور میرا امتحان مقصود ہے، گو میں ابھی ابھی وارد ہوا ہوں اور ان علاقوں سے ابھی شناسا نہیں ہوں لیکن تیرے پہلو سے پہلو ملا کر دشمن کے خلاف جنگ کروں گا، جو لشکر یہاں موجود ہے اس کی کمانداری تو ہی کرے گا آج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے مکران کے دفاع میں حصہ لوں گا“ محمد بن ہارون نمری کی اس گفتگو سے بنانہ بن حنظلہ بے حد خوش ہوا۔ تھوڑی دیر تک عجیب سے جذبے میں اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بول اٹھا۔

”ابن ہارون میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں آپ مکران کے والی ہیں آپ کا ہر فیصلہ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے مجوسیوں کے سربراہ زمیش کا مقابلہ کرنے کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے اگر آپ اجازت دیں تو وہ کہوں۔“

ابن ہارون نمری نے جب منہ سے کچھ کہے بغیر اثبات میں گردن ہلا دی تو ابن

حنظلہ بول پڑا۔

”ابن ہارون آپ ان سرزمینوں میں نو وارد ہیں لگاتار سفر کرتے ہوئے تھکان محسوس کر رہے ہوں گے۔ میں یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جو دستے یہاں مکران کی حفاظت کے لئے رہیں گے آپ ان کے ہمراہ مکران ہی میں قیام کریں باقی لشکر کو لے کر میں زمیش کی راہ روکتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں اسے بدترین شکست نہ دے سکا تو اس کو مکران کی طرف بڑھنے بھی نہیں دوں گا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت خرم بن عمر لشکر کے آدھے حصے کو لے کر نکامہ قبائل کے خلاف برسر پیکار ہو گا جو لشکر زمیش لے کر آیا ہو گا اس کی تعداد اس لشکر سے کہیں زیادہ ہو گی جو میں اس کے مقابلے پر لے کر جاؤں گا، لیکن مجھے خداوند قدوس کی رحمت اور مہربانی پر یقین ہے اور اس کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ ہے۔ میں زمیش کی راہ روکوں گا ساتھ ہی ایک قاصد ابھی اور اسی وقت خرم بن عمر کی طرف روانہ کرتا ہوں اسے پورے حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔“

پھر ابن ہارون کے جواب کا انتظار کئے بغیر ابن حنظلہ نے اپنے پہلو میں کھڑے بیرومل کو مخاطب کیا۔

”بیرومل میرے عزیز، ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کر جاؤ سیدھے خرم بن عمر کی طرف جاؤ اور اس کو پورے حالات سے آگاہ کرو کہ کس طرح مجوسیوں کا سربراہ زمیش مکران پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا ہے۔ میرے بھائی دیر نہ کرنا جس قدر جلد جا سکتے ہو خرم بن عمر کو میرا یہ پیغام دینا، مجھے امید ہے یہ پیغام سنتے ہی وہ وقت ضائع کئے بغیر مکران کا رخ کرے گا۔ اگر زمیش سے میرے ٹکراؤ سے پہلے ہی خرم بن عمر یہاں پہنچ جاتا ہے تو مجھے امید ہے کہ زمیش کو ہم دونوں بھائی پیس کر رکھ دیں گے تم جاؤ وقت ضائع مت کرو۔“

اس کے ساتھ ہی بیرومل بھاگتا ہوا حویلی میں داخل ہوا اپنا گھوڑا تیار کیا اور پھر حویلی سے نکلا اور اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ابن ہارون نے بنانہ بن حنظلہ کی تجویز سے اتفاق کیا تھا پھر وہ حویلی میں داخل



ساتھ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوا ہے۔ بنانہ بن حنظلہ اس کے حملے کو روکنے کیلئے مکران سے کوچ کر چکا ہے مکران میں اس نے حفاظت کے لئے چند دستے مقرر کیے ہیں اور مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ اگر آپ مول سے فارغ ہو چکے ہوں تو زمیش کا رخ کریں۔“

خریم بن عمر اس چھپرکھٹ میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ چلا کر کوچ کا حکم دینے لگا تھا۔ آن کی آن میں لشکر کو کوچ کے لئے تیار ہو گیا مول کی بستی سے جو سامان اور جانور ملے تھے ان سب کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے خرم بن عمر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



مکران کے کھلے اور وسیع ریگستانوں میں بنانہ بن حنظلہ نے زمیش کی راہ جا روکی زمیش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر اس کے سامنے نمودار ہوا ہے تو اس نے فوراً وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ شاید اسی جگہ کو وہ میدان جنگ بنانے کا عزم کر چکا تھا اس کے سامنے بنانہ بن حنظلہ نے بھی پڑاؤ کر لیا تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے مجوسیوں کے لشکر سے ایک سوار نکلا اس کا گھوڑا انتہائی توانا قد آور تھا میدان کے وسط میں آکر اس نے مقابلے کے لئے لاکارا تھا۔

اس موقع پر بنانہ بن حنظلہ کے لشکر سے ایک سوار نکلا بنانہ کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ آپ ہمارے لشکر کے سالار ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میدان میں اترنے کے لئے پرتول رہے ہیں لیکن آپ کا جانا ہمارے سب کے لئے باعث ذلت ہے۔ میں میدان میں خود اترنے لگا ہوں آپ کا لشکر میں رہنا انتہائی ضروری اور اہم ہے۔“ اس کے ساتھ ہی اس لشکری نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان کے وسطی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔

وہ لشکری جب مجوسی کے سامنے گیا تو اس مجوسی نے اسے مخاطب کیا۔

”میرا نام بازان ہے اپنا نام کو تاکہ مقابلے کی ابتدا کریں“ مسلمان لشکری کچھ دیر اسے غور سے دیکھتا رہا اس کا گھوڑا اپنی حالت اپنی ہیئت سے خونخوار لگتا تھا خود

ہوا حویلی کے جس حصے میں ابن سعد قیام کرتا تھا اسی حصے میں ابن ہارون نے قیام کیا۔ ہر چند رائے کو ابن ہارون کے پاس چھوڑا گیا تاکہ اگر کوئی ضروری پیغام دینا ہو تو ہر چند رائے کے ذریعے دیا جاسکے جبکہ ابن حنظلہ لشکر کو لے کر زمیش کی راہ روکنے کے لئے مکران کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



مول کی بستیوں پر حملہ آور ہونے کے بعد خرم بن عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ سمندر کے کنارے ہی پڑاؤ کر لیا تھا۔ دراصل چند دن وہ وہاں قیام کر کے مول کے ردعمل کا انتظار کرنا چاہتا تھا جبکہ مول کھلے سمندروں کی طرف چلا گیا تھا۔ خرم بن عمر کا شب خون مول کے لئے خلاف توقع تھا، وہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی اس طرح اس پر شب خون مار سکتا ہے۔ اسے یہ بھی خبر ہو چکی تھی کہ شب خون مارنے والے مسلمان ہیں اس لئے کہ خرم بن عمر نے حملہ آور ہوتے ہوئے تکبیریں بلند کیں تھیں جو مول کی پہچان کے لئے کافی تھی، لہذا مول کھلے سمندروں میں سے ہوتا ہوا کانٹھیاواڑ کے ساحل کی طرف جو نکامرہ قابل پھیلے ہوئے تھے انہیں اس شب خون اور حملے کی اطلاع دینے کے لئے چلا گیا تھا۔

ایک روز خرم بن عمر عشاء کی نماز کے بعد مول کی بستی کے اس چھپرکھٹ میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا جسے اس نے اپنی قیام گاہ بنا رکھا تھا کہ بیرومل اس کے قریب ہی گھوڑے سے اترتا۔ بیرومل کو دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کا ماتھا ٹھنکا فوراً رک گیا اتنی دیر تک بیرومل گھوڑے سے اتر گیا آگے بڑھتے ہوئے بیرومل نے پر جوش مصافحہ کیا پھر کہنے لگا۔

”ابن عمر میں آپ کے لئے ایک انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں یا یوں جانیں آپ کے لئے دو خبریں ہیں پہلی خبر یہ ہے کہ مکران کا نیا مسلمان والی پہنچ چکا ہے اس کا نام محمد بن ہارون نمری ہے وہ شاید آپ ہی کی بستی کا رہنے والا ہے وہ آپ کا پوچھ رہا تھا۔

دوسری خبر جو انتہائی بری ہے وہ یہ ہے کہ زمیش ایک بہت بڑے لشکر کے

بازان بھی لوہے میں غرق تھا لشکری نے دھیمی سی آواز میں کہا ”ناموں میں کیا رکھا ہے  
آؤ مقابلے کی ابتداء کریں“ اس کے ساتھ ہی بازان اس پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

عین اسی وقت دونوں لشکریوں کے سامنے دو سوار اپنے گھوڑوں کو سرزد  
دوڑاتے ہوئے نمودار ہوئے، پھر جہاں مقابلہ ہو رہا تھا اس کے قریب ہی دونوں رک  
گئے وہ خرم بن عمر اور بیرومل تھے۔ خرم بن عمر اپنے گھوڑے پر سوار وہیں کھڑا رہا  
جبکہ بیرومل لشکر کی طرف چلا گیا شاید وہ خرم بن عمر کی طرف سے بنانہ بن حنظلہ کو  
کوئی پیغام دینا چاہتا تھا مقابلہ شروع ہو چکا تھا بیرومل اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا لشکر  
کے سامنے بنانہ بن حنظلہ کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابن حنظلہ فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے خرم بن عمر پہنچ چکا ہے وہ جو  
سامنے جوان کھڑا ہے وہی خرم بن عمر ہے۔ لشکر بھی یہیں قریب ہی گھات لگائے بیٹھا  
ہے اور جو نہی جنگ کی ابتداء ہوگی ایک دوسرا سالار لشکر کو لے کر نکلے گا خرم بن عمر  
بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور پھر خرم بن عمر مجوسیوں کی پشت کی طرف  
سے حملہ آور ہو گا۔“

یہ اطلاع ملتے ہی بنانہ بن حنظلہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی بیرومل کا اس  
نے شکریہ ادا کیا پھر بیرومل لشکر کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا تھا۔

مسلمان لشکری نے بازان پر پے در پے کئی وار کئے مگر بازان پر کوئی اثر نہ ہوا  
اس لئے کہ ایک تو بازان انتہائی چابک چوبند بہترین تیغ زن لگتا تھا دوسرے لوہے میں  
غرق تھا اور اس کے گھوڑا بھی خونخوار تھا۔ کئی بار اس نے مسلمان لشکری کے گھوڑے  
کو کاٹ کھایا تھا اور مسلمان لشکری کا گھوڑا ڈگگا کر رہ گیا تھا۔

یہ ساری صورت حال خرم بن عمر قریب ہی کھڑا بڑی فکر مندی سے دیکھ رہا تھا۔  
ایک موقع پر جب دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو بازان ایک طرح سے  
مسلمان لشکری پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمان لشکری نے اس کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا بین  
اسی لمحہ بازان کا گھوڑا بھی حرکت میں آیا۔ جس ہاتھ میں مسلمان لشکری نے تلوار پکڑ  
رکھی تھی اس بازو کو گھوڑے نے اپنے منہ میں چبایا پھر کھینچتے ہوئے مسلمان لشکری کو  
نیچے گرا دیا تھا۔ ایسا ہونا تھا کہ بازان ایک جست کے ساتھ نیچے اترا اور اس مسلمان

لشکری کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی خرم بن عمر یہ صورت حال دیکھ رہا تھا  
لوہے کے لئے اس کی گردن جھک گئی تھی۔

مسلمان لشکری کا خاتمہ کرنے کے بعد بازان ابھی پوری طرح گھوڑے پر سوار  
نہ ہوا تھا کہ خرم بن عمر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی میدان کے وسطی حصے میں آ  
کر ایک جھٹکے کے ساتھ بازان کے سامنے اس نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ گھوڑا ایسے  
ہوا میں الف ہوا جیسے کوئی طوفان کھڑا کر دے گا بڑی تیزی کے ساتھ ہنسانے لگا تھا  
تھے پھڑپھڑا رہا تھا اور تیزی کے ساتھ کنوئیاں بدل رہا تھا۔ کچھ دیر تک خرم بن عمر  
اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپاتا رہا ایک بار اس کے منہ اور سر پر ہاتھ بھی پھیرا  
جواب میں گھوڑا بھی خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے منہ ہلانے لگا تھا، پھر خرم بن  
عمر بازان کے سامنے آیا۔ بازان نے اسے مخاطب کیا میرا نام ”بازان ہے مجوسی ہوں  
تمہارا جو پہلا لشکری میدان میں اترا تھا۔ اس نے نام نہیں بتایا تھا، کیا تم بھی نام بتانا  
پند نہیں کرو گے۔“

خرم بن عمر کے لبوں پر گہری طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر کہنے لگا ”اپنے  
سامنے کی طرح میں بھی گنہگار ہی رہنا پسند کروں گا۔“

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو بازان بول پڑا۔

”تمہارا سالار جس کا نام میں نہیں جانتا جو لشکر کے سامنے کھڑا ہوا ہے وہ خود  
میرا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں کیوں نہیں اترتا۔“

خرم بن عمر نے کہا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”تمہارا سالار نرمیش بھی تو لشکر کے سامنے کھڑا ہوا ہے وہ مقابلے میں کیوں  
نہیں اترتا۔ کیا وہ میرے ہاتھوں تمہاری موت کے بعد میدان میں آئے گا۔“

بازان نے بڑے خوفناک انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مجھ پر غالب رہو گے، مجھے میدان میں موت سے  
نکلنا کر دو گے۔“

”خرم بن عمر نے اس بار پر غضب آواز میں کہنا شروع کیا۔

”بازان کسی دھوکے فریب میں مت رہنا۔ تیرے جیسے فتنہ انگیز ریاکار موزی

ہتہ آہستہ ہنہنا رہا تھا اور بڑی تیزی سے کنوئیاں بدل رہا تھا۔ کبھی کبھی چاروں پاؤں کھلیں کرنے کے علاوہ اچھل کود کرتا گویا وہ حملہ آور ہونے کے لئے بے تاب تھا۔ جوہنی بازان کا گھوڑا پیچھے ہٹا خرم بن عمر نے ایک سخت ایڑا اپنے گھوڑے کے گائی۔ اس کا گھوڑا آگے بڑھا بازان کے گھوڑے نے اب کانٹے کی کوشش نہیں کی اس لئے کہ اس کے منہ پر جو ضرب لگی تھی اس ضرب کی وجہ سے ابھی تک اس کے منہ سے خون بہ رہا تھا۔ بازان خود بھی پریشان تھا خرم بن عمر نے آگے بڑھ کر بازان پر خوفناک وار کیا جسے بازان نے بڑی مشکل سے اپنی تلوار پر روکا تھا اس موقع پر بازان کو خرم بن عمر نے مخاطب کیا۔

”بازان اگر تیرا گھوڑا میرے مرنے والے ساتھی کا بازو پکڑ کر اسے گھوڑے سے نہ گراتا تو قسم خداوند قدوس کی تجھے وہ اس صحرائے مکران کی ریت میں لہولمان کر دیتا۔ پر میں نے تیرے اور تیرے گھوڑے کی ساری چال بازی کو منجھ کر رکھ دیا ہے۔ دیکھ میری ایک ہی ضرب سے تیرے گھوڑے کے منہ سے ابھی تک خون بہ رہا ہے ایسی ہی ضرب جب تجھ پر پڑے گی تو تیرے منہ سے اس سے زیادہ خون بہے گا زرا محتاط رہنا۔“

کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے حملہ آور ہوتے رہے پھر اچانک خرم بن عمر نے اپنے گھوڑے کی باگ کا بایاں حصہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچا گھوڑا پلٹا گھوما پھر بازان کے گھوڑے کی پشت کی طرف گیا تھا۔ بس خرم بن عمر کے گھوڑے کا بازان کے گھوڑے کی پشت کی جانب جانا تھا کہ خرم بن عمر نے اپنے کام کی ابتداء کی تلوار بلند کی اور اس زور سے گرائی کہ ایک ہی وار میں اس نے بازان کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ کر رکھ دی تھی بازان بڑی بے بسی سے زمین پر گرا تھا۔ اسی لمحہ خرم بن عمر اپنے گھوڑے سے کودا بازان اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ خرم بن عمر نے اپنی تلوار بلند کر کے برسائی اور بازان کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

بازان کا خاتمہ کرنے کے بعد خرم بن عمر نے اپنے گھوڑے کا منہ دشمن کے لشکر کی طرف کیا تلوار فضا میں بلند کی تکبیر کی صورت میں اس نے اپنی فتح کا نعرہ بلند کیا پھر گھوڑے کو موڑا اور ایڑا لگائی وہ اپنے لشکر کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ بنانہ بن

کینہ فطرت سیاہ دل ابلیس میں نے بہت دیکھ رکھے ہیں۔ تیرے جیسے طوفانی طائر جبتیں اور تقاضے کرنے والے ان گنت طالع آزما میرے سامنے خون آلود ہو چکے ہیں ابھی تو جذبات کی طغیانی میں تیری جوانی ہو رہی ہے پر میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تیرے ابدی وجدان کو میں بے لطفی میں تیری بے باکی اور بے اعتنائی کو خوفناک ہولناکی میں بدلوں کا اس وقت تو میرے سامنے زیر اور بے بس پڑا ہو گا اور کوئی چیز کوئی تقاضا کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔“

خرم بن عمر کی اس گفتگو سے بازان کی آنکھیں ایسی ہو گئیں تھیں جیسے؟ خناش کے اندر سے تابکاری پھوٹ پڑی ہو پھر وہ عجیب سے انداز میں خرم بن عمر حملہ آور ہو گیا تھا خرم بن عمر بھی غم انگیز تباہی کی طرح اس پر نزول کرنے لگا تھا۔ خرم بن عمر پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ بازان کا گھوڑا سدھایا ہوا ہے اور باج کے دوران دشمن کو کانٹے میں کمال رکھتا ہے۔ لہذا اس کے گھوڑے کی طرف سے بڑا محتاط تھا ایک موقع پر جب بازان نے خرم بن عمر پر ایک ہولناک وار کیا اور خرم بن عمر نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا تو اچانک بازان نے اپنے گھوڑے کو ایڑا لگا کر گھوڑا خرم بن عمر کے مزید نزدیک ہوا لیکن خرم بن عمر محتاط تھا اس نے اپنے گھوڑے کی باگ کو ایک جھٹکا دیا اس کا اپنا گھوڑا بھی پیچھے دونوں پاؤں پر کھڑا ہوا اس طرح خرم بن عمر تو بازان کے گھوڑے کی پہنچ سے دور ہو گیا تھا لیکن گھوڑا وقت سیخ پا تھا لہذا بازان کے گھوڑے نے خرم بن عمر کے گھوڑے کی گردن اپنے لے لی تھا۔

ابھی بازان کا گھوڑا خرم بن عمر کے گھوڑے کی گردن پر کانٹے ہی لگا تو خرم بن عمر نے اپنی تلوار کا دستہ ایسی طاقت اور قوت سے بازان کے گھوڑے کے منہ پر مارا کہ گھوڑے کے منہ سے خون بہنے لگا اور وہ ہنہناتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اس موقع پر خرم بن عمر کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ تھی اپنے گھوڑے کی گردن اس نے تھپتھپائی اس کے چہرے اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا پھر وہ کہنے لگا۔

”اے رشتی دریغہ اگر جنگ کے دوران تو پیٹیرے بدل بدل کر میری ہانڈ سامان کرتا ہے تو تیری حفاظت کرنا بھی میرا فرض ہے“ جو اب میں خرم بن عمر کا

شہر کے سنگم اور خیر و مر کے سنگم کے اتصال جیسی تازگی اور کشادگی تھی۔ پہلے زبیش کے لشکر بڑے بڑھ کر بنانہ بن حنظلہ پر حملہ آور ہو رہے تھے اب جو اچانک نمودار ہو کر خرم بن عمر نے ان کے پہلو سے حملہ کیا تو زبیش اور اس کے ساتھیوں کے سارے دلوں کے سارے جوصلے اور جذبے ریت پر لکھی تحریروں کی صورت اختیار کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد زبیش شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا اس موقع پر خرم بن عمر اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا بنانہ بن حنظلہ کے پاس آیا اور جلدی جلدی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بنانہ تم اپنے حصے کے لشکر کو لے کر فوراً مکران کی طرف چلے جاؤ، جس سمت میرے لشکر نے گھات لگا رکھی ہے اس سمت بار برداری کے جانور اور ان پر وہ سامان لدا ہوا ہے جو میں نے مول سے حاصل کیے تھے تھوڑی دیر تک وہ جانور یہاں بچ جائیں گے ان جانوروں کو لے کر تم مکران کی طرف چلے جاؤ میں زبیش کا تعاقب کرتا ہوں۔“

اس کا تعاقب اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے علاقے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے تباہی اور بربادی پھیلانی ہوگی میں اس کا تعاقب کروں گا اس کے لشکر کی تعداد کم کروں گا اس کے علاقے تک اس کا پیچھا کروں گا اور وہاں سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے جو ہمارے علاقے میں لوگ تباہ حال ہوئے ہیں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم زبردقت ضائع نہ کرنا نہ مجھ سے کچھ کہنا نہ کوئی جت کرنا نہ کوئی تقاضا کرنا نہ ہی تمہاری کوئی بات سنوں گا“ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر وہاں سے ہٹ گیا تھا اور اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ زبیش کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔



خرم بن عمر نے زبیش کا تعاقب دور تک اس کے علاقوں میں کیا زبیش کو یہ بھی خبر ہو چکی تھی کہ مسلمان آدھے لشکر کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہے ہیں لیکن یہ بھی اس نے مڑ کر حملہ آور ہونے اور قسمت آزمانے کی کوشش نہیں کی اس سلسلے

حنظلہ کے قریب آیا اس کے لشکر سے دیکھتے ہی بلند آواز میں تکبیریں بلند کر لگے تھے بنانہ قریب ہوا اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے ابن عمر میرے بھائی میں آپ کی عظمت آپ کی شجاعت آپ کی ہزا مندی کو سلام کرتا ہوں۔ کاش میرے پاس ایسے الفاظ ہوتے کہ میں آپ کی مبارک تعریف کر سکتا۔۔۔۔۔ کاش۔۔۔۔۔“

خرم بن عمر نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

”میری اتنی تعریف نہ کرو کہ میں اترا نہ لگوں میرا لشکر یہاں سے قریب ہے میرے خیال میں زبیش اب حملہ آور ہو گا۔ میں تمہارے لشکر کے پیچھے ہوتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف جاتا ہوں بے باک اور بالکل نڈر ہو کر زبیش کے نکراؤ جس وقت دونوں لشکر ٹکرائیں گے تو میں اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوں گا زبیش پر ایسا حملہ کروں گا کہ خداوند قدوس نے چاہا تو زبیش کے پاؤ تلو سے نہ کھینچ کر رکھ دوں گا۔ اب تم زبیش کے حملے کا انتظار کرو اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا بنانہ بن حنظلہ کے لشکر کی پشت پر آیا پھر وہاں سے اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس طرف چلا گیا جہاں اس کے لشکر نے گھات لگا رکھا تھی۔“

بازان کے مارے جانے پر زبیش بیخ پا ہو گیا تھا اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور بنانہ بن حنظلہ کے لشکر پر قعرذلت کے سیاہ باطن سے اٹھنے والی آتش عتاب بھرا مہیب شیطانی قوتوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا دوسری طرف بنانہ بن حنظلہ اور اس کے ساتھ بھی اس حملے کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھے، وہ بھی بڑی مہارت کے ساتھ قانون قدرت اور مشیت الہی کے پیروکار کی طرح فرزند ان جلیل بن کر زبیش حملوں کا دفاع کرنے لگے تھے۔

جس وقت جنگ اپنے عروج پر تھی اچانک دونوں لشکریوں کے قریب رستا شروع ہوئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ آتشی عزیمت کی تابناکی و درخشندگی اور ذہنی اور عقلی قوا کو مفلوج کر جانے والے پروردگار اور برہم طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ خرم بن عمر کے اس حملے میں غیب



بچہ سمجھ چکا تھا اور وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قریب ہی کھڑے محمد بن ہارون نے اسے مخاطب کیا۔

”بنانہ میرے بیٹے تم نے خرم بن عمر کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بتائی“ جواب میں انفرادی مقابلے سے لے کر پوری جنگ کے حالات بنانہ بن حنظلہ نے سب کو میل کے ساتھ بتا دیئے تھے پھر دشمن کا تعاقب کرنے کی تفصیل بھی اس سے کہہ گئی تھی اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس نے ساگرہ کی طرف منہ کر کے کہنا شروع کیا۔

”یہ شاندار فتح ہمیں خرم بن عمر ہی کی وجہ سے ہوئی ہے، پریشان اور فکر مند بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ خرم بن عمر چند دن تک یہاں ہو گا دراصل وہ چاہتا تھا کہ زمیں کا تعاقب اس کے علاقوں تک کیا جائے اس کے علاقوں کے اندر یلغار کر کے کچھ سامان حاصل کیا جائے اور یہ سامان ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے جنہیں ہمیشہ کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا۔ میرے خیال میں خرم بن عمر بہت جلد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مکران لوٹے گا۔“

بنانہ بن حنظلہ کی اس گفتگو سے ساگرہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی اپنی بات اس نے بدل لی تھی۔ اس موقع پر بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے محمد بن ہارون نے فرمایا ”اے ابن حنظلہ کیا تم نے خرم بن عمر کو میری آمد کی اطلاع دی ہے۔“

بنانہ بن حنظلہ عجیب سی خجالت میں ابن ہارون کی طرف دیکھنے لگا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے بیرومل بول پڑا۔

”جنگ کچھ اس انداز سے شروع ہوئی تھی کہ بنانہ بن حنظلہ کو خرم بن عمر نے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، تاہم جس وقت میں خرم بن عمر نے طرف ساحل سمندر کی طرف گیا جہاں وہ مول کے علاقوں پر حملہ آور ہوا تھا وہاں خرم بن عمر کو آپ کی آمد سے مطلع کیا تھا۔ آپ کے یہاں والی مقرر ہونے پر اس نے بڑی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔“

بیرومل کے اس انکشاف پر ابن ہارون مطمئن ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سوچتا

کہ اسے خبر ہو چکی تھی کہ مسلمانوں سالار خرم بن عمر اس کے تعاقب میں نہ خرم بن عمر کا نام ہی اس کے لئے خوف اور دہشت کے لئے کافی تھا لہذا بھانپتا تھا تھا۔ اور خرم بن عمر اس کے تعاقب میں تھا۔

زمیں نے جب دیکھا کہ خرم بن عمر اس کے اپنے علاقوں میں بھی اس کا تعاقب ترک نہیں کرتا تب اس نے بائیں جانب رخ موڑا اور پھر وہ بڑی تیزی سے سمندر کی طرف بڑھ گیا تھا یہاں خرم بن عمر نے اس کا تعاقب ترک کر دیا اس علاقوں میں دور تک اس نے خوب یلغار کی مالی غنیمت حاصل کیا پھر مسلمانوں کے علاقوں کی طرف گیا جہاں زمیں نے حملہ آور ہو کر نقصان پہنچایا تھا۔ سارے علاقوں کی اس نے تلافی کی بلکہ جس قدر ان کا نقصان ہوا تھا خرم بن عمر نے اس سے انہیں دیا اور پھر ان کی حوصلہ مندی اور ان کی تسلی کے لئے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ وہیں پڑاؤ کر لیا تھا۔

ادھر بنانہ بن حنظلہ مکران کی طرف روانہ ہوا ایک کان سے دوسرے کان مکران میں یہ خبریں پہنچ گئی تھیں کہ مسلمانوں نے زمیں کو کھلے میدانوں میں شکست دی ہے اور لشکر واپس آ رہا ہے اب مکران کے لوگ دن رات لشکر کی آمد کا انتظار کرنے لگے تھے۔

بنانہ بن حنظلہ جب اپنے لشکر کے ساتھ لوٹا تو اس کا شاندار استقبال کیا استقبال کرنے والوں میں محمد بن ہارون دھرم داس ہر چند رائے ساگرہ اور ان کے ماں روجن گودیری سادل سبھی شامل تھے۔ ساگرہ نے جب دیکھا کہ لشکر لے کر آیا ہے بنانہ بن حنظلہ ہی لوٹا ہے اور خرم بن عمر نہیں آیا تو اس کی پریشانیوں دکھوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب تک لشکر نہ لوٹا تھا وہ بڑی بے چینی سے خرم بن عمر کا انتظار کیا کرتی تھی اور طرح طرح کے لائحہ عمل تیار کیا کرتی تھی کہ وہ اس خرم بن عمر کا استقبال کرے گی، لیکن جب خرم بن عمر نہ آیا اور صرف بنانہ بن حنظلہ ہی لوٹا تب کافی دیر تک اس بیچارہ کی گردن جھکی رہی سارے لوگ حنظلہ کو اس فتح پر مبارک باد دے رہے تھے وہ بھی آگے بڑھی دھبے سے

بنانہ بن حنظلہ کو اس شاندار فتح پر مبارکباد دی۔ بنانہ بن



رہا پھر ہاتھ کے اشارے سے اس نے بنانہ بن حنظلہ کو ایک طرف آنے کا کہا۔  
بن حنظلہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا پھر ابن ہارون نے اس سے سرگوشی کی۔  
”ابن حنظلہ تمہاری غیر موجودگی میں ہر چند رائے نے مجھ پر انکشافات کے  
میں ان کی وضاحت چاہتا ہوں۔“

بنانہ بن حنظلہ ابن ہارون کی اس گفتگو سے کسی قدر متفکر اور پریشان  
تھا۔ ابن ہارون نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”یہ گفتگو کوئی ایسی اہم بھی  
اور اہم ہو بھی سکتی ہے اس لئے کہ اس میں کچھ زندگیوں کا سوال ہے۔ دراصل  
رائے نے مجھ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ وانگہ کی بیٹی گودری تمہیں پسند کرتی ہے  
نیرون کے حاکم سنذر واسی کی بیٹی سانکرہ خرم بن عمر کو پسند کر چکی ہے اور اسے  
جیون ساتھی بنانے پر تلی ہوئی ہے میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ انکشاف  
درست ہیں۔“

جواب میں بنانہ بن حنظلہ کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ نمودار  
تھی۔ منہ سے وہ کچھ نہ بولا تھا تاہم اثبات میں اس نے گردن ہلا دی تھی۔ ابن ہارون  
ایسا خوش ہوا کہ بنانہ بن حنظلہ کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ بنانہ بن حنظلہ کی  
نے پیشانی چومی پھر کہنے لگا۔

”میں گودری، سانکرہ دونوں سے مل چکا ہوں، تم لوگوں کی غیر موجودگی  
میرے پاس وہ بیٹھتی رہی ہیں دونوں میری بیٹیوں کی طرح ہیں مجھے دونوں ہی پسند  
ہیں، لیکن خرم بن عمر کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے سانکرہ دھرم واس کی منگیتر ہے  
صورت میں میرے خیال میں خرم بن عمر کبھی بھی سانکرہ کو اپنانے کی کوشش  
کرے گا۔ میں اس کی طبیعت اس کے مزاج اس کی سرشت سے خوب واقف  
ہوں بڑا سادہ مزاج بڑا پر خلوص انسان ہے وہ کسی بھی صورت دھرم واس کی دل شکنی  
ہونے دے گا۔ وہ ایسا مہربان ہے اپنی محبت اپنی چاہت کا گلہ گھونٹ سکتا ہے پر  
حوصلہ شکنی نہیں کرے گا، بہر حال دیکھو حالات کس سمت کروٹ بدلتے ہیں  
لشکریوں کو آرام کرنے کا کہو اور خود اپنی رہائش گاہ کی طرف چلو۔“

بنانہ بن حنظلہ پیچھے ہٹا لشکریوں کو اس نے آرام کرنے کا حکم دیا سب  
مستقر کی طرف چلے گئے تھے پھر باقی لوگ اپنی اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

ناکامہ قبیلے کے ایک حصے کا سردار وانگہ ایک روز ساحل سمندر پر اپنی رہائش  
گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے قبیلے کا ایک آدمی اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے  
لگا۔  
”سردار مجوسیوں کا سالار نرمیش آپ سے ملنا چاہتا ہے آپ کی رہائش گاہ سے  
باہر اپنے چند محافظوں کے ساتھ وہ کھڑا ہوا ہے۔“

اس پر وانگہ تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا باہر آیا اس نے دیکھا چاندنی رات میں  
نرمیش اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر کھڑا ہوا تھا۔ وانگہ نے آگے بڑھ کر ان کا بہترین  
سہاگ کیا پھر اپنے ساتھ اندر لے گیا سب کو اپنے سامنے بٹھایا پھر نرمیش کو اس نے  
مخاطب کیا۔

”نرمیش خیریت تو ہے تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔“  
نرمیش کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے وانگہ کو مخاطب  
کیا۔

”وانگہ تمہارا اندازہ درست ہے، تم جانتے ہو ماضی میں ہم طرح طرح سے  
مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرتے رہے ہیں، جب اور جس وقت ہم نے چاہا ان کے  
علاقوں پر حملہ کیا اور انہیں جی بھر کے لوٹا اور مسلمانوں کے خلاف ہم ماضی میں کافی  
کامیابیاں بھی حاصل کرتے رہے ہیں، لیکن اب حالات بڑی تیزی سے بدل گئے ہیں۔“

وانگہ تمہیں یہ خبر پہنچ چکی ہو گی کہ کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کا ایک سالار نام  
جس کا خرم بن عمر ہے وہ میرے علاقوں پر حملہ آور ہوا اور میرا اس سے ٹکراؤ  
میرے شہر مسکی میں ہوا۔ میری بد قسمتی کہ اس کے ہاتھوں مجھے ذلت آمیز شکست

اٹھانی پڑی اور میں پسپا ہوا۔

اس شکست کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ اس مسلمانوں کے سالار سے میں یہ بھیانک بدلہ لوں گا۔ میں نے اپنی جنگی تیاریوں کو اپنے پورے عروج پر پہنچایا اس کے بعد میں پھر مسلمانوں کے علاقوں میں داخل ہوا مجھے یہ خبریں ملی ہوئیں تھیں کہ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر ساحل سمندر کی طرف گیا ہوا ہے۔ شاید وہ مول پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اس کی غیر موجودگی سے میں فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لہذا میں مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوا، لیکن مجھے کامیابی نہ ہوئی پہلے مسلمانوں کے دوسرے سالار بنانہ بن حنظلہ نے میری راہ روکی پھر اچانک خرم بن عمر بھی کبیر سے نمودار ہو کر مجھ پر پر حملہ آور ہو گیا اور دوبارہ میری شکست کو میرا مقدر بنا دیا۔ اس خرم بن عمر نے دور تک میرا تعاقب کیا میں نے ساحل سمندر کی طرف جاتے ہوئے بڑی مشکل سے اس کے تعاقب سے جان چھڑائی، اپنے لشکر کو میں نے اپنے شہر اتناں میں مقیم کیا ہے اور خود اپنے چند محافظوں کے ساتھ تمہاری طرف آ ہوں۔ دراصل میں مول سے ملنا چاہتا ہوں لیکن مول سے ملاقات سے پہلے تم سے کچھ معاملات طے کرنا چاہتا تھا اور یہ کہ ہم سب کو مل کر مکران میں مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنا چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا کرنے میں دیر کی تو یاد رکھئے گا کہ مکران نہیں مکران کے علاوہ سارا ساحل سمندر اور آگے اروڑ تک پھیلی ہوئی سرزمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی، اگر ایسا ہوا تو ہمارے پاس ذلت اور خوار کے سوا کچھ نہ رہے گا۔

وانگہ کچھ دیر تک عجیب سی مصنوعی فکر مندی کے انداز میں نرمیش کی طرف دیکھتا رہا پھر بول پڑا۔

”نرمیش ان علاقوں میں بھی ایک بہت بڑا حادثہ نمودار ہوا ہے، جس دن تمہیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر مول پر حملہ آور ہونے کے لئے ساحل سمندر کی طرف گیا ہوا ہے تو آتے ہی اس نے مول کی بستیوں پر بڑا ہولناک اور جان لیوا شب خون مارا، بستیوں کو اس نے تباہ و برباد کر ڈالا مول اپنے جوانوں کو لے کر کشتیوں میں سوار ہوا اور کھلے سمندر کی طرف چلا گیا۔ اس

ذم بن عمر کے ہاتھوں مول کو شکست ہوئی تاہم مول اپنے آپ کو اور اپنے لشکریوں کو بچا کر سمندر کی طرف چلا گیا۔ مول کے کچھ لوگوں نے مجھے بھی اطلاع کر دی تھی کہ مسلمان سالار نے ان پر شب خون مارا ہے اور اس کے بعد شاید ہماری باری آئے، لہذا اس کی آمد سے پہلے ہی پہلے میں نے اپنی عورتوں اور مسلح جوانوں کو کشتیوں پر سوار کر دیا تھا تاکہ اس کے ہاتھوں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ میرے خیال میں اسے ایسا کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی اس دوران اسے خبر ہو چکی ہو گی کہ تم مکران پر حملہ آور ہو رہے ہو، لہذا میرا رخ کرنے کے بجائے وہ تمہاری طرف چلا گیا اور میں اس کی یلغار اور ترکتاز سے بچ گیا۔ مول کئی روز تک کھلے سمندر میں انتظار کرتا رہا گو وہ اب واپس آ چکا ہے لیکن وہ کاٹھیاوار تک گیا اور اپنے دوسرے قبائل کو مطلع کر کے آیا ہے کہ یوں مسلمان اس پر حملہ آور ہو رہے ہیں اب میرے خیال میں کاٹھیاوار تک جو ہمارے قبائل ہیں یکجا ہو کر مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کریں گے۔ مسلمانوں کا جو سالار مول کی بستیوں پر حملہ آور ہوا اس نے حملہ آور ہوتے ہوئے میرے خیال میں صرف ایک نیک کام کیا وہ یہ کہ اس نے مول کی بستیوں کو آگ نہیں لگائی، بستیاں ویسے کی ویسے ہی ہیں مول بھی اپنی بستیوں میں لوٹ آیا ہے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی تیاریوں میں ہے۔“

وانگہ جب خاموش ہوا تو نرمیش نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”وانگہ تمہارے پاس رکنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ تم میرے ساتھ مول کے پاس چلو تاکہ اس موضوع پر اس سے گفتگو کی جا سکے“ وانگہ نے فوراً نرمیش کی بات کاٹنے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”تم یہاں نہ بھی آتے تو میں کل یہاں سے مول کی طرف روانہ ہو جاتا، میں مسلمانوں کے ہاتھوں اس کے نقصان پر افسوس کرنا چاہتا تھا ایک دو روز ہی ہوئے ہیں لاٹھ کر آیا ہے میرا جانا ضروری ہے، آج کی رات تم میرے یہاں مہمان رہو اگلے روز یہاں سے کوچ کریں گے“ نرمیش نے وانگہ کی ضیافت کو قبول کر لیا رات اس نے وہیں بسر کی اگلے روز وہ دونوں مول کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

اگلے روز شام کے قریب وانگہ اور زمیش دونوں مول کی لکڑیوں اور گھاس پھوس سے بنی ہوئی حویلی میں داخل ہوئے۔ دونوں کی آمد سے مول کو پہلے ہی آگاہ دیا گیا تھا لہذا اپنی حویلی سے نکل کر مول نے ان کا بہترین انداز میں استقبال اور سواگت کیا۔ پہلے دونوں سے بخنگیر ہوا پھر دونوں کو اندر لے گیا جب وہ نشستوں پر بیٹھ گئے تب وانگہ نے مول کو مخاطب کیا۔

”مول میرے عزیز بھائی مجھے بے حد افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں اور تمہاری بستیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ جس وقت مسلمان یہاں حملہ آور ہوئے تھے مجھ کو کچھ لوگوں نے مطلع کر دیا تھا کہ مسلمان حملہ آور ہوئے ہیں اور تمہاری بستی کو نقصان پہنچایا ہے اور تم کھلے سمندر کی طرف چلے گئے ہو، میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مول اگر حملہ آور کا مقابلہ نہیں کر سکا تو میں تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں لہذا میں نے پیش بندی کے طور پر لوگوں کو پہلے ہی کشتی پر سوار کرا دیا تھا لیکن بھگوان کی کرپا ہوئی کہ مسلمان حملہ آور میری طرف آئے نہیں اس لئے کہ اس دوران انہیں زمیش سے ٹکرانا پڑ گیا“ مول نے سوالیہ انداز میں پہلے وانگہ پر زمیش کی طرف دیکھا اس پر زمیش بول پڑا۔

”مول دراصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر ایک بار مسکی سے باہر مجھ سے ٹکرایا تھا۔“

مول نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”اس ٹکراؤ کا مجھے علم ہے اور مجھے یہ بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ مسلمانوں کے سردار خرم بن عمر کے ہاتھوں تمہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا“ زمیش پھر بولا۔

”اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے میں کسی اچھے موقع کا منتظر تھا پھر مجھے خبر دی گئی کہ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر تم پر حملہ آور ہونے کے لئے کوچ کر گیا ہے۔ مکران خالی ہے لہذا میں مکران کی طرف بڑھا میں چاہتا تھا کہ مکران پر حملہ آور ہو کر وہاں تباہی و بربادی کا وہ کھیل کھیلوں کہ مسلمان اپنا یہاں سے بوریا بستر لینے پر مجبور جائیں۔“

اس کے بعد زمیش نے کھلے صحرا کے اندر بنانہ بن حنظلہ کی راہ روکنے، جنگ

شروع ہونے انفرادی مقابلے میں اس کے سورما کے مارے جانے اور پھر اچانک ایک طرف سے خرم بن عمر کے حملہ آور ہونے اور اپنی شکست اور بھاگنے کے سارے واقعات تفصیل سے کہہ سنائے تھے۔

زمیش کی داستان سننے کے بعد مول کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھک گئی تھی وہ گہری سوچوں میں کھویا رہا پھر باری باری وانگہ اور زمیش کی طرف دیکھنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

”میرا اندازہ ہے کہ اس سے پہلے مکران شہر میں مسلمانوں کا کوئی ایسا جانناز اور ذخوار سالار نہیں آیا جیسا یہ خرم بن عمر ہے۔ اس کے حملہ آور ہونے کا انداز بھی ناہے بڑی بے باکی سے حملہ آور ہوتا ہے دشمن کے اندر گھسنے میں پیش پیش رہتا ہے اپنے لشکر کے آگے ہوتا ہے بیچ میں نہیں، خود لشکر کی کمانداری کرتا ہے اور ضرب لگانے میں بھی پہل کرتا ہے اس کی بے باکی کو دیکھتے ہوئے اس کے لشکر بھی اس جیسا نمونہ بننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی چیز خرم بن عمر کی فتح کا باعث بن جاتی ہے۔“

زمیش مسلمانوں کا یہ سالار خرم بن عمر میرے خیال میں کچھ زیادہ ہی پر پرزے پھلانے لگا ہے دو بار تمہیں شکست دے چکا ہے۔ میری بستیوں پر حملہ آور ہو کر مجھے بھی شکست سے دوچار کر چکا ہے پھر میرے مخبروں نے یہ بھی اطلاع کر دی تھی کہ راجہ داہر کا ایک لشکر قذائیل میں مقیم ہوا تھا۔ حادثہ علانی کے لوگ بھی اس کے ساتھ تھے دراصل لائحہ عمل یہ تھا کہ قذائیل میں عسکری طاقت کو مستحکم کرنے کے بعد قذائیل کی طرف سے راجہ داہر کا لشکر حملہ آور ہو ادھر سے میں، مشرق کی طرف سے زمیش، اس طرح مسلمانوں سے طرفہ حملے کو روک نہ سکیں گے۔ میرے خیال میں مسلمانوں کے سالار کو اس کارروائی کی اطلاع ہو گئی تھی لہذا اچانک وہ قذائیل پر حملہ آور ہوا شہر سے باہر راجہ داہر کے لشکر کو بدترین شکست دی اور اس کا خوب قتل عام کیا۔ اس وقت قذائیل میں چھوٹی سی ایک قوت ہے مسلمانوں کے سالار نے قذائیل پر حملہ آور ہو کر شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی میرے خیال میں اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ جو قذائیل میں راجہ داہر کی قوت جمع ہوئی ہے بس اس کی کمر

توڑ دی جائے تاکہ آلے دنوں میں وہ مسلمانوں کے لئے کوئی خطرہ نہ بنے اور اس کام میں مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر یقیناً کامیاب رہا ہے۔

مسلمانوں کے سالار کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں پہلے کھلے سمندر کی طرف گیا پھر کاٹھیاوار کے ساحل کی طرف اپنے قبائل کے دوسرے حصوں کی طرف گیا اور انہیں رونما ہونے والے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ قبائل بہت جلد تربیت یافتہ جنگجو میری طرف روانہ کریں گے جن کے ساتھ میں مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آؤں گا، اگر تم دونوں آج یہاں نہ آتے تو شاید میری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی اس لئے کہ کل میں اروڑ جا رہا ہوں اور راجہ داہر سے اسی موضوع پر گفتگو کروں گا۔ اس کے ساتھ مل کر کوئی آخری لائحہ عمل طے کروں گا تاکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت پر ضرب لگا کر انہیں مکران خالی کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔“

مول جب خاموش ہوا تو زمیش بول پڑا۔

”مول کیا ایسا ممکن نہیں کہ داہر کے پاس میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔“

اس پر مول خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا ”یہ تو بہت اچھا ہے تم کل میرے ساتھ چلو۔ میرے خیال میں مسلمان اب جلد ہماری طرف کوئی پیش قدمی نہیں کریں گے وہ میری قوت کو توڑنا چاہتے تھے اور اپنے ارادے کے مطابق وہ ایسا کر پئے ہیں، ہم دونوں کل داہر کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور اس سے معاملات طے کرنے کے بعد پھر کسی کارروائی کی ابتداء کی جائے گی۔“

زمیش اور وانگہ دونوں نے مول کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا تینوں نے مل کر کھانا کھایا پھر رات انہوں نے وہیں بسر کی اور دوسرے روز مول اور زمیش راجہ داہر کی طرف چلے گئے تھے جبکہ وانگہ واپس اپنی بہتی کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



محمد بن ہارون نمری اور بنانہ بن حنظلہ ایک روز فجر کی نماز کے بعد گھوڑ دوڑ سے فارغ ہو کر حویلی میں داخل ہوئے۔ اپنے گھوڑے اصطلیل میں باندھ کر وہ فارغ ہوئے ہی تھے کہ خرم بن عمر اپنے گھوڑے پر سوار اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی محمد بن ہارون نمری اور بنانہ بن حنظلہ دنگ رہ گئے تھے۔ دھرم داس اور ہرند رائے بھی حویلی کے اندرونی حصے سے نکل آئے تھے خرم بن عمر کے پیچھے پیچھے رام رتن بھی حویلی میں داخل ہوا تھا خرم عمر کو دیکھتے ہوئے محمد بن ہارون نمری بے پناہ خوشیوں کا اظہار کر رہا تھا، قریب آ کر جب خرم بن عمر اپنے گھوڑے سے اترا تو ابن ہارون بھاگ کر اس سے بنگلیہ ہو گیا تھا۔

ابن ہارون سے علیحدہ ہونے کے بعد خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ سے ملا پھر دیگر لوگوں سے بنگلیہ ہو رہا تھا ابن ہارون اس کے سامنے آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے فرزند نیک خو! تو کب مکران میں داخل ہوا؟“ اس پر مسکراتے ہوئے

خرم بن عمر کہنے لگا۔

”پہلے تو میں آپ کر مکران کا والی مقرر کئے جانے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں آدھی رات کے وقت اپنے مستقر میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہوا۔ رات میں نے وہیں بسر کی۔“

ابن ہارون نے فوراً اس کی بات کاٹ دی اور بول پڑا ”جس وقت تم مستقر

میں داخل ہوئے تو لشکر کے آرام کے اہتمام کرنے کے بعد تم سیدھے حویلی میں کیوں نہیں آئے۔“

خریم بن عمر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا "دو وجوہات ہیں۔"

اول یہ کہ آدھی رات کے وقت میں یہاں آ کر آپ لوگوں کو بے آرام کرنا چاہتا تھا دوئم یہ کہ میں نے اب مستقل طور پر مستقر کے اندر ہی قیام کرنا ارادہ کر لیا ہے۔ لشکر کا سالار لشکر کے اندر ہی رہتے ہوئے اچھا اور بھلا لگتا ہے۔ خرم بن عمر کی اس گفتگو سے ابن ہارون گہری سوچوں میں کھو گیا تھا باقی لوگوں کو اس نے جانے کی اجازت دے دی جبکہ خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ کو لے کر حویلی کے اس حصے کی طرف گیا جہاں اس کی اپنی رہائش تھی۔ تینوں کمرے میں رہنے والے نشستوں پر بیٹھنے کے بعد ابن ہارون نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

"خرم بن عمر میرے بیٹے میں تجھے بچپن سے جانتا ہوں تیری طبیعت تیرے مزاج سے پوری طرح واقف اور آگاہ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تو کیوں اس حویلی قیام نہیں کرنا چاہتا تیری غیر موجودگی میں یہاں کے پورے حالات سے آگاہی کر رہا ہوں۔ جہاں مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ گودیری بنانہ بن حنظلہ کو پسند کرتی ہے وہاں مجھے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ساکرہ تجھے دل کی گہرائیوں سے پسند کرتی ہے، تمہیں جو ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے اگر ایسا نہ ہوا تو یاد رکھنا ساکرہ زندہ نہ رہ سکے گی۔"

خرم بن عمر میرے بیٹے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جہاں ساکرہ دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہتی ہے وہاں دھرم داس بھی اسے اتنا درجہ کی محبت کرتا ہے اب ایک نکون بن رہی ہے مجھے یقین ہے یہاں رہتے ہوئے نکون کے سارے زاویے:

درست کر دوں گا تم فکر مند مت ہونا، میں جانتا ہوں کہ ساکرہ سے تمہارا معاملہ پیچیدہ ہے اور اسی پیچیدگی سے بچنے کے لئے تم اس حویلی کے بجائے لشکرگاہ میں قیام کرنا چاہتے ہو، لیکن میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میرے بیٹے جہاں اس حویلی میں تمہارا پہلے قیام تھا وہیں رہو گے تم لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہو حویلی میں قیام تمہارا حق بنتا ہے۔

رہا معاملہ دھرم داس اور ساکرہ کا تو مجھے امید ہے کہ میں جلد اس سے کو بھی نبٹا لوں گا۔ میرے بیٹے یہ آخری فیصلہ ہے کہ تم لشکرگاہ میں نہیں رہو، زرمیش اور موئل کو شکست دینے پر میں تمہیں نہ صرف سلام پیش کرتا ہوں بلکہ تمہیں

لکھیہ بھی ادا کرتا ہوں۔ خدائے واحد کی قسم جس وقت تم اپنی بستی سے ان ہرزبینوں کی طرف روانہ ہوئے تھے تو میں نے دل ہی دل میں تم سے بڑی امیدیں وابستہ کیں تھیں، میں تمہارے منہ پر کھتا ہوں تم ان امیدوں سے بھی آگے واقع ہوئے ہو، میں ایک بار پھر تمہاری عظمت اور جرات کو سلام کرتا ہوں۔

بیٹے! جی مت ہلکا کرنا تم ایک کامیاب سالار ہو جرات اور ہمت کا مظاہرہ کرنے والے ہو اس معاملے میں بھی پوری دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا، ہاں میں نہیں یہ بتانا بھول گیا کہ تمہارے ریوڑ میں اب خوب اضافہ ہو چکا ہے۔ میں نے بتی کا ایک خاص آدمی مقرر کیا ہوا ہے جو تمہارے ریوڑ کے جانوروں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ خرم میرے بیٹے! میں تمہارے ساتھ زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو نہیں کروں گا تم تھکے ہوئے ہو تمہارا گھوڑا رام رتن اصطبل کی طرف لے گیا ہے تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو شام کے وقت تمہارے ساتھ زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو گی، اس پر خرم بن عمر اٹھ کھڑا ہوا اور حویلی کے اس حصے کی طرف چلا گیا جہاں اس کا قیام تھا۔ اپنے کمرے میں جانے کے بعد خرم بن عمر نے پہلے غسل کیا لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ مسہری پر بیٹھا ہی تھی کہ دروازے پر کھٹکا ہوا، چونک کر اپنی جگہ پر خرم بن عمر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کون ہے اندر آ جاؤ۔

پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے حسین و پر جمال ساکرہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے دائیں بائیں دونوں ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں تھیں مسہری کے سامنے ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ساکرہ کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے بیٹھنے کے لئے نہیں کہیں گے، نہ ہی کھلے دل اور مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کریں گے، اگر آپ برا نہ مانیں تو یہ جو خالی نشست پڑی ہے میں اس پر بیٹھ جاؤں۔"

اس موقع پر خرم بن عمر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ ساکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں تو سمجھتا تھا تم سادہ اور بھولی بھالی لڑکی ہو، لیکن نہیں تم بڑی تیز طرار اور چالاک ہو باتوں باتوں میں طنز کرنے کا فن خوب جانتی ہو، کبھی تم اس کمرے میں



آئی اور میں نے تمہیں بیٹھنے کے لئے نہ کہا ہو پھر تم شکوہ اور گلہ کر سکتی ہو، زفسر خالی پڑی ہوئی ہے بیٹھو کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔“

سانکرہ وہاں بیٹھی گٹھڑیاں بھی اس نے نشست پر رکھ لیں پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی ”یہ جو آپ نے کہا ہے کہ کہو کیا کہنا چاہتی ہو یہ آپ کے دل کی آواز، آپ کے باطن کی پکار ہے کہ آپ کو میرا آنا بالکل پسند نہیں آیا۔ بلکہ میں یوں کہہ سکتی ہوں ناگوار گزرا ہے اس کے باوجود مجھے یہاں بیٹھنا ہے، یہاں بیٹھنا میری مجبوری ہے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں پھر مجھے اس کمرے میں آنا پڑتا ہے کیونکہ زندہ رہنے کے لئے مجھے ایسا کرنا پڑتا ہے۔“

خرم بن عمر مسہری پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

”ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو پیش لفظ نہ بناؤ دیباچہ بھی قائم نہ کرو جو کہنا چاہتی ہو براہ راست کہو اور یہ تم نے گٹھڑیاں کیا اٹھا رکھیں ہیں۔“

سانکرہ نے غور سے خرم بن عمر کی طرف دیکھا اور پھر بول اٹھی۔

”جس وقت آپ اپنے گھوڑے پر سوار حویلی میں داخل ہوئے تھے تو سوال نے آپ کو حویلی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی میرے پاس گئی اور مجھے آپ کی آمد سے مطلع کیا میں سمجھی آپ ابن ہارون کے پاس بیٹھے ہوں گے۔ میں ان کے پاس گئی انہوں نے مجھے آگاہ کیا اور یہ جو بڑی گٹھڑی ہے اس میں وہ کھجوریں ہیں جو ابن ہارون اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ آپ کو بصرہ کی کھجور بڑی پسند ہے اس لئے کہ آپ بصرہ میں زیر تربیت رہے ہیں وہ کھجوریں تو کالی لے کر آئے سب کو انہوں نے بانٹی لیکن سب سے بڑا حصہ آپ کے لئے رکھا ہے۔ تو وہ کھجوریں ہیں جو ابن ہارون نے مجھے آپ تک پہنچانے کے لئے دی ہیں یہ آپ کا حصہ ہے۔“

آپ کی غیر موجودگی میں کچھ لوگ میرے باپ کی طرف سے آئے تھے اور شہ کے کچھ مرتبان لائے تھے ان میں سے ایک میں نے آپ کے لئے رکھا ہے۔“ اس موقع پر خرم بن عمر بولنے لگا تھا کہ سانکرہ نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی اور کہنے لگی۔

”ابھی میں نے اپنی گفتگو ختم نہیں کی جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں وہ مجھے کہہ لینے دیں اس کے بعد آپ جو کچھ کہیں گے بڑے آرام اور سکون سے سنوں گی۔“

جواب میں خرم بن عمر مسکرا دیا اور خاموش رہا سانکرہ پھر بول پڑی۔

”آپ میری طرف اس طرح حیرت اور غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میں کوئی خلاف توقع خلاف معمول کام تو نہیں کر رہی“ پھر سانکرہ نے تیسری گٹھڑی کھول دی اس کے بعد چوتھی اور پانچویں گٹھڑی بھی اس نے کھول ماری تھی۔ ان گٹھڑیوں میں برتن بندھے ہوئے تھے ان برتنوں کی طرف خرم بن عمر بڑے غور سے دیکھنے لگا تھا۔

سانکرہ بھی اس کے اس انداز سے دیکھنے پر لطف اندوز ہوتی رہی پھر کہنے لگی ”میں جانتی ہوں کہ آپ نے صبح کا کھانا نہ کھایا ہو گا آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی یہ جو ایک برتن ہے اس میں بھنا ہوا گوشت چپاتیاں ہیں۔ دوسری گٹھڑی جو میں نے کھولی ہے اس میں بیٹھا پنیر ہے ایک موقع پر بنانہ بن حنظلہ نے مجھے بتایا تھا کہ پنیر آپ کی

بہندہ غذا ہے یہ پنیر میرے باپ کی طرف سے آیا ہے۔ میں نے کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا سارا کا سارا اٹھا کر آپ کے لئے لے آئی ہوں“ اب سانکرہ نے تیسرا اور چوتھا برتن کھولا اس میں شہد تھا سانکرہ کہنے لگی ”یہ شہد بھی میرے باپ نے بھیجا ہے“ پھر ایک بڑی گٹھڑی جو سانکرہ کے پہلو کے پاس پڑی ہوئی تھی وہ اس نے اٹھائی اور کہنے لگی یہ جو گٹھڑی ہے اسے میں کھولوں گی نہیں اس میں ستو ہیں جس میں شکر ملی ہوئی ہے اسے جب آپ کبھی باہر جائیں تو اپنے گھوڑے کی خرچین میں ڈال لیا کریں یہ آپ کے کام آ سکتی ہے۔ میں جو کہنا چاہتی تھی کہ چکی ہوں اب آپ اگر

کوئی کھانا چاہتے ہیں تو کہیں ورنہ میں چلی جاتی ہوں اس لئے کہ میں جب بھی آتی ہوں آپ نفرت کا اظہار کرتے ہیں بے زاری پٹا ہر کرتے ہیں اس لئے میرا یہاں زیادہ بیٹھنا آپ کی محبت پر اچھا اثر نہیں ڈالے گا۔“

خرم بن عمر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر کہنے لگا ”آج تم خلاف معمول کیا کچھ عجیب سی گفتگو نہیں کر رہی ہو؟ میں نے کبھی تمہارے ساتھ نفرت کا اظہار نہیں کیا اور پھر یہ بھی یاد رکھنا مجھے تم سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے“ سانکرہ جھٹ سے بول پڑی ”یہ بھی کہیں گے کہ مجھے تم سے محبت کرنے کا بھی کوئی



چاہئے تھیں، لیکن میں آج آپ سے فیصلہ کن انداز میں گفتگو کرنے آئی ہوں اور میری ماں میرا موجودہ منگیتر جس سے میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے وہ آپ کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ اگر میں آپ سے محبت کروں آپ کو اپنے جیون کا ساتھی بنانا چاہوں، ان دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو گا تو پھر آپ بتائیں آپ کے کیا خیالات ہوں گے پھر آپ میری محبت سے پہلو تہی کرتے رہیں گے۔“

خریم بن عمر کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھک گئی تھی پھر وہ کہنے لگا۔

”سانکرہ تم اگر اس حد تک دور جا چکی ہو تو پہلے تمہاری ماں اور دھرم داز اس موضوع پر میرے ساتھ گفتگو کریں اگر یہ گفتگو تمہاری موجودگی میں ہو تو یہ علیحدگی میں بھی تم سے گفتگو کرنا چاہوں گا اگر میری تسلی اور تشفی ہو گئی تو یاد رکھو میں تمہاری محبت کا جواب تم سے بڑھ کر محبت سے دوں گا۔“

سانکرہ جھٹ سے کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی ”بس میں یہی چاہتی تھی اب بٹے آپ سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں ہے“ اس کے ساتھ ہی باہر جانے کے لئے سانکرہ مڑی چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ دوبارہ مڑ کر دیکھا اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں بیرومل کو کچھ دن کے لئے اپنے باپ کے ہاں بیرون بھیج دوں میں اسے ایک انتہائی کام کے سلسلے میں وہاں بھیجنا چاہتی ہوں، اب ہے آپ اس کی اجازت دے دیں گے“ ”تم جب چاہو بیرومل کو بیرون بھیج سکتی مجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں“ بڑی فراخ دلی کا مظاہر کرتے ہوئے خرم بن نے کہا تھا جواب میں سانکرہ کے چہرے پر شہد سے میٹھی اور قد سے زیادہ شینا مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر وہ دل موہ لینے والے انداز میں مڑی اور کمرے سے نکل گئی تھی۔

حجاج بن یوسف واسط شہر میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا بیٹا عبداللہ اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے میرے باپ رے شہر سے ایک قاصد آیا ہے وہ فی الفور آپ سے ملنا چاہتا ہے کوئی بری خبر رکھتا ہے۔“

حجاج بن یوسف چونکا اور جس قدر لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہیں اس نے فارغ کر دیا پھر اپنے بیٹے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا ”آنے والے قاصد کو فوراً میرے پاس لاؤ۔“

عبداللہ باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ قاصد کو اپنے ساتھ لے کر آیا حجاج بن یوسف نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا قاصد کی بری حالت تھی چہرہ پریشان تھا لباس گرد سے اٹا ہوا تھا تھوڑی دیر تک بڑی شفقت بڑی رحمتی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے مخاطب کیا۔

”تمہارا چہرہ تمہارا لباس بتاتا ہے کہ تم رے شہر سے لگاتار سفر کرتے ہوئے میری طرف آئے ہو تمہارا لگاتار سفر کرنا بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ تم انتہائی اہم خبر رکھتے ہو۔ کہو کیا خبر لائے ہو“ قاصد منبھلا اور حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے امیر میں واقعی ایک انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں رے اور اس کے گرد نواح میں غیر مسلم کردوں نے بغاوت کر دی ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑا اور ہزار لشکر تیار کر لیا ہے اور جدھر کا رخ کرتے ہیں تباہی اور بربادی کا ایسا کھیل کھیلتے ہیں کہ پیچھے آگ اور تباہی کے سوا کچھ نہیں چھوڑتے، اگر ان کردوں کی سرکوبی نہ کی

شادی کے سلسلے میں دو نام اس نے پیش کئے ایک اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کا اور دوسرا اپنے چچازاد بھائی حاکم بن یعقوب کا، محمد بن قاسم کی عمر اس وقت چھوٹی تھی حجاج بن یوسف کی بہن عمر میں اس سے کافی بڑی تھی لہذا زینب نے اپنی عمر کے لحاظ سے محمد بن قاسم کے بجائے حاکم سے شادی کرنا پسند کی چنانچہ حجاج نے اس کی شادی حاکم سے کر دی تھی۔

محمد بن قاسم حجاج کی طرح طائف میں ہی پیدا ہوا جب حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اپنے خاندان کے ممتاز لوگوں کو مختلف عہدوں پر مقرر کیا۔

انہیں میں محمد بن قاسم کے والد قاسم بھی تھے جنہیں اس نے بصرے کا گورنر مقرر کیا تھا محمد بن قاسم کی دینی اور عسکری تربیت بصرے کے کتب ہی میں ہوئی محمد بن قاسم ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والد نے وفات پائی۔ پانچ سال کی عمر میں اس کی ذہانت اور عقل مندی کے جوہر محسوس کئے جانے لگے تھے اس کا خاندان غرمت کی وجہ سے تعلیم نہ دلا سکا اس لئے بڑا ہونے کے بعد دمشق میں لشکر میں داخل ہو گیا اور قاتل اور تجربہ کار فوجی عہدے داروں کے تحت عسکری تربیت حاصل کی۔ بہر حال محمد بن قاسم غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا اس کی شادی کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حجاج بن یوسف کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی لہذا محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کا داماد بھی تھا دوسرے مورخین اس سے اختلاف کرتے ہیں دیکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کی شادی عربوں کے قبیلے بنو تمیم میں ہوئی تھی پھر یہ قبیلہ محمد بن قاسم کا نھیلی قبیلہ بھی تھا۔ کہتے ہیں اسی سے محمد بن قاسم کے دو بیٹے ہوئے ایک کا نام عمرو اور دوسرے کا نام قاسم تھا عمرو بعد میں سندھ کا گورنر مقرر ہوا اور مشہور شہر منصورہ اس نے آباد کیا تھا دوسرا بھائی قاسم پورے پندرہ سال تک بصرے کا گورنر رہا۔

محمد بن قاسم اور اس کا دوست جہم بن زحر جب حجاج بن یوسف کے سامنے آئے کھڑے ہوئے تو حجاج بن یوسف نے انہیں نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا دونوں نشستوں پر بیٹھ گئے تو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو مخاطب کیا۔

”بیٹے ایک زبردست مہم آن پڑی ہے اور اس مہم کے لئے میری نگاہ تم پر پڑتی

گئی اور ان کی راہ نہ روکی گئی تو یاد رکھئے آگ کا ایسا طوفان ثابت ہوں گے جو بجھا نہ بجھ سکے گا۔“

حجاج بن یوسف کی گردن جھک گئی تھی پھر سوچا فیصلہ کیا پھر قاصد کو اس سے مخاطب کیا۔

”تم میرے بیٹے کے ساتھ جاؤ آرام کرو میں جانتا ہوں کہ تم لگاتار سفر کرنے ہوئے تھکے ہارے ہو تمہیں آرام کی ضرورت ہے“ پھر حجاج بن یوسف نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”عبداللہ ذرا اپنے بھائی ابن قاسم کو فی الفور میری طرف بھیجو اس سے کہنا کہ آتی دفعہ اپنے دوست اور دست راست جہم بن زحر کو بھی اپنے ساتھ لیتا آئے“ اس کے ساتھ ہی حجاج بن یوسف کا بیٹا عبداللہ باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حجاج بن یوسف کا بھتیجا محمد بن قاسم کمرے میں داخل ہوا اس کے ساتھ اس کا دوست جہم بن زحر بھی تھا محمد بن قاسم ایک خوبصورت نوجوان تھا آنکھیں بڑی بڑی پیشانی کشادہ بازو گول چوڑی کلاہیاں بھرا ہوا بدن گلابی رنگ اور ہیبت ناک آواز تھی۔ قدرت نے اسے فولاد کا دل و جگر عطا کیا ہوا تھا قدرت کی طرف سے اسے بلند خیالی مستحکم ارادے اور بہادری کے جوہر عطا ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ”انتہائی رحم ول اور حلیم طبع شیریں زبان اور ہنس کھ چہرہ رکھنے والا نوجوان تھا ہر چھوٹے اور بڑے سے نہایت شیرینی اور محبت سے بات کرتا لشکر میں اس سے بڑی عزت کے لوگ جو اس کے ماتحت ہوا کرتے تھے وہ بھی اس کی بے حد عزت اور احترام کرتے تھے اس کے ساتھ جو اس کا دوست جہم بن زحر تھا وہ بھی اس کی عمر کا اتنا جیسا ایک مستحکم جوان لگتا تھا۔“

محمد بن قاسم کے متعلق مورخین کے مختلف خیالات ہیں کچھ کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے چچا کا لڑکا اور حجاج کا داماد تھا کچھ کہتے ہیں محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کا بھتیجا تھا اس کا داماد نہیں تھا اس لئے کہ حجاج بن یوسف کی کوئی بیٹی نہیں تھی صرف چار بیٹے تھے ہاں حجاج بن یوسف کی ایک بہن تھی نام جس کا زینب تھا جب اس نے اپنی بہن زینب کی شادی کرنی چاہی تو زینب کو اس نے بلایا اور اس



زندانیوں میں ان کا انتہائی پر خلوص جاننے والا آیا اس کے ہاتھ انہوں نے بصرہ میں اپنے بھائی مردان بن مہلب کو پیغام بھیجا کہ ہمارے لئے عمدہ قسم کے گھوڑے مدھانے جائیں اور لوگوں پر یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ گھوڑے فروخت کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں، مگر جب ان گھوڑوں کا گلاب آئے تو ان گھوڑوں کی قیمت اتنی مانگی جائے کہ کوئی خرید ہی نہ سکے۔ یزید بن مہلب نے اپنے بھائی مردان بن مہلب اور حبیب دونوں کو یہ بھی اطلاع کر دی تھی کہ وہ زندان سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور ان ہی گھوڑوں پر بیٹھ کر فلسطین میں عبد الملک کے بیٹے سلیمان بن عبد الملک کی طرف جانے کی کوشش کریں گے۔

مردان اور حبیب دونوں بھائیوں نے یزید کی تجویز پر عمل کیا انہوں نے عمدہ نسل کے گھوڑے خریدے اور ان کی بہترین خدمت کرنا شروع کی۔ یزید کو جب اطلاع مل گئی کہ ان کے بھاگنے کے لئے گھوڑے تیار ہیں تب اس نے زندان سے فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ زندان سے بھاگ کر کشتی کے ذریعے بصرہ کا رخ کرے گا اور وہاں سے گھوڑے پر بیٹھ کر سلیمان بن عبد الملک کے پاس فلسطین چلا جائے گا۔

اپنی اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے ایک روز اس نے زندان کے محافظوں کی دعوت کی۔ زندان میں رہتے ہوئے زندان کے محافظ اس کے جانے والے ہو گئے تھے اور پھر زندان کے محافظ یہ بھی جانتے تھے کہ یزید بن مہلب کبھی خراسان کا والی رہا ہے۔ انہوں نے یزید بن مہلب کی دعوت کو قبول کر لیا یزید اور اس کے بھائیوں نے انہیں خوب کھلایا خوب شراب پلائی یہاں تک کہ لوگ مے نوشی کے مزے اڑاتے رہے جب ان پر نشے کا غلبہ ہو گیا تب یزید نے اپنے باورچی کے کپڑے پہنے اس کے دونوں بھائی مفضل اور عبد الملک نے بھی ایسا ہی کیا یزید بن مہلب کی داڑھی کالی تھی اس نے اس کالی داڑھی کے اوپر سفید رنگ کی جعلی داڑھی لگالی تھی اور قید خانے سے نکلا۔

قید خانے کے باہر جو محافظ ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے وہ بھی چونکے تھے زندان سے نکلے ہوئے یزید بن مہلب کو ایک سپاہی نے دیکھ لیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے

ہے رے میں کردوں نے بغاوت کھڑی کر دی ہے اور اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے میری نظر انتخاب تم پر پڑی ہے کیا تم اس کے لئے تیار ہو۔“

محمد بن قاسم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی پھر اس نے جان بوجھ کر یوسف کو مخاطب کیا۔

”اے امیر آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں کہ میں اس مہم کے لئے تیار ہوں؟ نہیں، آپ حکم دیں پھر دیکھیں میں کیسے روانہ ہوتا ہوں اور اس مہم کو سر کر رہا ہوں۔“

محمد بن قاسم کا جواب سن کر حجاج بن یوسف خوش ہو گیا تھا پھر حجاج بن یوسف نے ابن قاسم کو ایک لشکر مہیا کیا جسے لے کر محمد بن قاسم اپنے ساتھ اور رستم راسم جہم بن زحر کے ساتھ کردوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے رے کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

اس دوران حجاج بن یوسف کے لئے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اس نے یزید بن مہلب اور اس کے دو بھائیوں مفضل اور عبد الملک کو زندان میں ڈال دیا اور ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ حکومت کے مال میں سے لگ بھگ ساٹھ ہزار درہم بھی خورد برد کئے ہیں۔ تینوں بھائیوں کو جیل میں ڈالنے کے بعد حجاج بن یوسف نے قسط وار رقم کی ادائیگی قبول کر لی تھی زندان میں رہتے ہوئے یزید بن مہلب اس کے دونوں بھائی جرمانے کی قسط ادا کرنے لگے تھے تاہم ان کے دو بھائی مردان، مہلب اور حبیب بن مہلب بصرہ میں مقیم تھے اور ان دونوں کو حجاج بن یوسف زندان میں نہ ڈالا تھا۔

یزید بن مہلب پر بغاوت ثابت ہونے اور ساٹھ ہزار درہم کے خورد برد ثابت ہو جانے کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنی بیوی جو یزید بن مہلب کی بہن تھی اور حجاج کا نام ہند بنت مہلب تھا اسے طلاق دے دی تھی۔

زندانیوں میں رہتے ہوئے یزید بن مہلب اور اس کے دونوں بھائی جرمانے کی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ زندان سے بھاگنے کی فکر اور کوشش کرتے رہے ایک مہ



کہنے لگا ”خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ جو شخص جا رہا ہے اس شخص کی چال یزید بن مہلب کی سی ہے“ چونکہ رات کا سماں تھا لہذا اس کے ساتھیوں نے کہا جاؤ دیکھو یہ کون ہے۔

وہ سپاہی بھاگ کر یزید بن مہلب کے قریب گیا یزید بن مہلب کی واڑھی پڑی کالی تھی اور اس نے حلیہ بدلا ہوا تھا لہذا سپاہی نے اس کی سفید واڑھی کو دیکھ ہوئے اسے چھوڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا ”یہ تو کوئی اور ہی بوڑھا ٹھم ہے۔“

جس طرح یزید بن مہلب زندان سے نکلا اس طرح اس کا بھائی مفضل بھی ان کے بعد جیل سے نکل گیا اور اسے کوئی پہچان نہ سکا عبدالملک کو دیر ہو گئی وہ ذرا سے زندان سے نکلا یزید بن مہلب اور مفضل دونوں ان کشتیوں کے پاس پہنچ گئے ان کے ساتھیوں نے ان کے فرار کے لئے تیار کی تھیں۔

یزید بن مہلب اور مفضل دونوں جب کشتیوں کے پاس پہنچ گئے تو عبدالملک نے پہنچنے میں دیر کی تب یزید نے اپنے بھائی مفضل سے کہا ”ہمیں یہاں سے چل دیا چاہئے عبدالملک آ ہی جائے گا“ مگر چونکہ مفضل اور عبدالملک دونوں ایک ہی ماں سے تھے اور سگے بھائی تھے لہذا مفضل کہنے لگا ”جب تک عبدالملک نہیں آئے گا، یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا اگر وہ نہ آیا تو میں واپس زندان کی طرف جاؤں گا اتنے میں عبدالملک بھی پہنچ گیا اور تینوں کشتیوں میں بیٹھ کر چل دیئے۔“

اگلے روز صبح کے وقت پہرے والوں کو یزید بن مہلب اور اس کے بھائی کے بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا تو فوراً اس کی اطلاع حجاج بن یوسف کو دی گئی حجاج یہ سن کر بڑا برہم اور پریشان ہوا اسے خیال پیدا ہوا کہ یزید بن مہلب اور اس کے بھائی ضرور خراسان کی طرف گئے ہوں گے تاکہ خراسان میں اپنے حامیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بار پھر خراسان کی ولایت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ان حالات کے تحت حجاج بن یوسف نے تیز رفتار ہرکارے کر خراسان کے قتیبہ بن مسلم کی طرف روانہ کیے اور اسے زندان سے یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں کے بھاگ جانے کی اطلاع دی، ساتھ ہی اس نے قتیبہ بن مسلم کو حکم دیا

نہ کسی بھی وقت یزید بن مہلب اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔ اس طرح حجاج بن یوسف نے دوسرے اضلاع اور قلعوں کے عاملوں اور قلعداروں کو ان کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال اور روک تھام کے لئے بھی احکامات ارسال کر دیئے تھے، نیز حجاج بن یوسف نے خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کو بھی یزید بن مہلب کے اس طرح بھاگ جانے کی اطلاع کر دی تھی اور لکھا کہ مجھے یقین ہے یہ لوگ خراسان کی طرف گئے ہوں گے۔

اب حجاج بن یوسف بڑی بے چینی اور بڑے بے تابی سے اس انتظار میں تھا کہ یزید بن مہلب اور اس کے بھائی اس کے خلاف کیا کارروائی کرتے ہیں، اکثر وہ اپنے ملنے والوں سے یہ بھی کہتا تھا کہ میرا خیال ہے کہ یزید بن مہلب اور اس کے بھائی وہی کریں گے جو اس سے پہلے ابن اشعث کر چکا ہے اور جو حشر ابن اشعث کا ہوا ہے وہی یزید اور اس کے بھائیوں کا بھی ہو گا۔

زندان سے بھاگنے کے بعد یزید اور اس کے بھائیوں نے کچھ دور تک کشتیوں میں سفر کیا گھوڑے میا کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ جو جگہ مقرر تھی وہاں اسے گھوڑے میا کر دیئے گئے تھے پھر یہ تینوں بھائی ان گھوڑوں پر سوار ہو کر ارض شام کا رخ کر رہے تھے۔

جس وقت تینوں بھائی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے فلسطین کا رخ کر رہے تھے ایک شخص نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھ لیا لہذا اس نے حجاج بن یوسف سے جا کر کہا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے یزید بن مہلب اور اس کے دونوں بھائیوں کی اطلاع اور عبدالملک کو فلسطین کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہے لہذا حجاج بن یوسف نے اس واقعہ کی اطلاع فوراً ولید بن عبدالملک کو کر دی تھی۔

بہرحال یزید اپنے بھائیوں کے ساتھ فلسطین پہنچا اور اپنے ایک جاننے والے شخص ابن عبدالرحمان کے ہاں اس نے قیام کیا۔ ابن عبدالرحمان سلیمان بن عبدالملک کے ممتاز دوستوں میں سے تھا اس نے یزید اور اس کے بھائیوں کو اپنے ایک جاننے والے سفیان بن سلیمان کے ہاں ٹھہرایا۔ ابن سلیمان نے فوراً یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں کی آمد کی اطلاع فلسطین کے والی سلیمان عبدالملک کو کر دی اور اسے یہ



کو معاف کر دے گا، پس طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق یزید اور اس کے بھائی زنجیر ہو کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ دمشق میں داخل ہونے سے پہلے ایوب نے بھی بیڑیاں پہن لیں اس طرح اسی حالت میں ان سب کو ولید کے سامنے پیش کیا۔ ولید نے جب اپنے بھتیجے کو بھی بیڑیاں پہنے دیکھا تو کہنے لگا۔

”میرے بھائی سلیمان نے انتہا کر دی“ اس موقع پر سلیمان نے یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں کے لئے جو سفارشی خط لکھا تھا ایوب نے وہ خط ولید بن عبد الملک کو پیش کیا اور کہنے لگا۔

”اے امیر المومنین میں آپ پر قربان ہو جاؤں کہ آپ اس عہد کی حفاظت کریں جو میرے باپ نے یزید بن مہلب کے ساتھ کیا ہے آپ اس شخص کی امید کو خاک میں نہ ملائیں جس نے صرف ہمارے اور آپ کے تعلقات ہی کی وجہ سے ہماری پناہ لی اور نہ آپ اس شخص کو ذلیل و رسوا کریں جو محض اس وجہ سے کہ آپ ہماری عزت کرتے ہیں باقی سب دنیا کو چھوڑ کر ہمارے پاس اپنی عزت اور آبد بچانے کی امید لے کر آیا۔“

اس کے بعد ایوب نے خود ہی اپنے باپ سلیمان بن عبد الملک کا خط پڑھ کر سنایا جو اس نے اپنے بھائی ولید بن عبد الملک کے نام لکھا تھا خط میں لکھا تھا۔ حمد و ثنا کے بعد امیر المومنین میرا خیال تھا کہ اگر میں عام سے شخص کو بھی جس نے آپ کے خلاف سرکشی اور بغاوت کی ہو پناہ اور وعدہ امان دے دوں گا تو آپ میرے اس وعدہ امان اور ذمہ حفاظت کو کالعدم کر کے رسوا نہ کریں گے حالانکہ اس وقت تو میں نے ایسے شخص کو پناہ دی ہے جو ہمیشہ فرمان بردار اور احکامات کا اجرا کرنے والا رہا ہے۔

اس نے اور اس کے باپ اور اس کے تمام خاندان نے اسلام کی خدمت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جنہیں سب جانتے ہیں، میں نے اسے آپ کی خدمت میں بھیج دیا ہے چاہے تو جو کچھ وعدہ امان اور ذمہ حفاظت میں نے اپنے ذمہ ہے اسے توڑ ڈالیں اور مجھے اس طرح سخت رنج پہنچائیں اور تعلقات کو منقطع کر دیں مگر میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض بردار ہوں کہ آپ ہرگز تعلقات منقطع

کریں۔ میرے حال پر جو آپ کی مہربانیاں اور عنایات ہیں انہیں بھی ترک نہ کیجئے کیوں کہ نہ میں جانتا ہوں نہ آپ کو علم ہے کہ میں اور آپ کب تک زندہ رہتے ہیں اور کب موت آکر مجھے اور آپ کو جدا کر دیتی ہے۔ اس لئے یہ میری دلی تمنا اور خواہش ہے کہ جب تک میں اور آپ زندہ ہیں اس وقت تک آپ کی مہربانی اور عنایات میں میرے ساتھ کوئی کمی نہ ہو۔

اور میں امیر المومنین کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کی خوشنودی کے بعد دنیا کی کوئی اور شے مجھے اس قدر عزیز نہیں ہے نہ میرے لئے باعث خوشی ہو سکتی ہے جس قدر کہ آپ جیسے بھائی کی خوشنودی ہے، کیونکہ آپ کی خوشنودی کے لئے تو میں اللہ کی خوشنودی کا خواستگار ہوں۔ لہذا میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں اگر آپ تمام زمانے میں سے صرف ایک دن اپنی انتہائی عنایت اور کرم سے کام لے کر مجھے خوشی پہنچانا چاہتے ہیں اور میرے حقوق کی عزت کرنا چاہتے ہیں تو آپ میری خاطر یزید کو معاف کر دیجئے اور جو کچھ اس پر مطالبہ ہے اسے میں ادا کروں گا۔

یہ خط سن کر ولید بن عبد الملک بڑا متاثر ہوا تھا کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا گردن جھکی رہی پھر کہنے لگا۔

”اچھا ہم نے اپنے بھائی سلیمان پر مہربانی اور عنایت کی، پھر اپنے بھتیجے کو اپنے پاس بٹھایا۔ یزید بن مہلب نے جب دیکھا کہ سلیمان کا خط پڑھ کر ولید متاثر ہوا ہے اور اسے یہ بھی یقین ہو گیا کہ اب اس کی معافی کے آثار نظر آتے ہیں تب اس نے ولید بن عبد الملک کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”امیر المومنین ہم پر آپ کے احسانات بہت زیادہ ہیں، چاہے انہیں کوئی اور بھول جائے مگر ہم نہیں بھول سکتے چاہے کوئی اور انہیں نہ مانے لیکن ہم ہمیشہ معترف رہیں گے۔ ہمارے خاندان نے آپ کی اطاعت میں مغرب اور مشرق میں آپ کے دشمن کے خلاف جو نمایاں خدمات انجام دیں ہیں وہ ظاہر ہیں مگر پھر بھی آپ ہی کے احسانات ہم پر بہت زیادہ ہیں جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔“

یزید بن مہلب کے یہ الفاظ سن کر ولید بڑا خوش اور مطمئن ہوا پھر اس نے یزید

کو بیٹھ جانے کے لئے کہا یزید بیٹھ گیا ولید نے اسے معافی دے دی اس کی بیڑیاں کھلو  
 دیں اس کے بھائیوں کی بیڑیاں بھی کھلو کر اس طرح اس نے یزید اور اس کے  
 بھائیوں کو معاف کر دیا اور انہیں واپس سلیمان کے پاس چلے جانے کا حکم دے دیا۔  
 حجاج بن یوسف نے یزید اور اس کے بھائیوں پر جو ہرجانہ عائد کیا تھا ولید نے اسے  
 بھی معاف کر دیا۔ ساتھ ہی ولید نے حجاج کو لکھ دیا چونکہ یزید اور اس کے خاندان  
 والے سلیمان کے پاس ہیں اس لئے میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تم  
 بھی انہیں چھوڑ دو اور آئندہ کبھی ان کے بارے میں مجھے کوئی خط وغیرہ نہ لکھنا۔  
 حجاج کو جب ولید کا یہ پیغام پہنچا تو وہ بھی خاموش رہا یزید کے بھائی جو بصرہ میں  
 قیام کئے ہوئے تھے ان سے بھی اس نے درگزر کیا اس طرح سے وہ یزید بن مہلب  
 اور اس کے بھائیوں کو فراموش کر گیا تھا۔

معافی ملنے کے بعد یزید اور اس کے بھائی سلیمان عبد الملک کے پاس ٹھہر گئے۔  
 یزید بڑا سیانا اور عقلمند انسان تھا وہ سلیمان کو لباس کے اوضاع اور تراس سکھاتا تھا اور  
 اس کے لئے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرواتا تھا اور بیش قیمت تحائف بھیجتا جس کے  
 جواب میں سلیمان بھی یزید کی عزت اور منزلت کرنے لگا تھا۔

اب سلیمان عبد الملک یزید بن مہلب کے اس قدر قریب ہو گیا کہ اس کا یہ  
 حال ہوا کہ جو کوئی تحفہ اور عمدہ چیز اس کے پاس آتی اس میں سے آدھی ضرور یزید کو  
 بھیجتا بلکہ جو لونڈی اسے بھلی معلوم ہوتی اسے یزید کے پاس بھیج دیتا اس غیر معمولی  
 مراسم کی اطلاع مخبروں اور قاصدوں نے ولید کو پہنچا دی۔

ولید نے سلیمان اور یزید کے اس قدر قریبی تعلقات کو ناپسند کیا اس نے ایک  
 شخص حارث بن مالک کو بھیجا اور اس سے کہا ”کہ سلیمان کو میرا یہ پیغام پہنچاؤں کہ  
 اسے اپنے خاندان کی رسم و رواج کی مخالفت کرنے والے امیر المؤمنین کی اس بات کا  
 علم ہوا کہ کوئی تحفہ یا عمدہ چیز تمہارے پاس آتی ہے تو تم آدھی یزید کے پاس بھیج  
 دیتے ہو اور تمہاری لونڈیوں میں سے بھی کوئی لونڈی تمہارے پاس آتی ہے اور اس  
 کے طہر کا زمانہ ابھی پورا بھی نہیں ہوتا کہ تم اسے یزید کے پاس بھیج دیتے ہو۔ دیکھو  
 وہاں جا کر ان افعال پر میرے بھائی سلیمان بن عبد الملک کو برا بھلا کہنا اور لعنت

دینا کرنا اور جو حکم تمہیں دیا گیا ہے اسے لفظ بہ لفظ پہنچانا۔“  
 بہر حال ولید بن عبد الملک کا پیغام حارث سلیمان بن عبد الملک کے پاس اس  
 پہنچا جس وقت سلیمان قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا تھا۔ حارث نے سامنے پہنچ  
 سلام کیا سلیمان نے جواب نہیں دیا تلاوت سے فارغ ہو کر سلام کا جواب دیا اور  
 اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ حارث نے وہ تمام باتیں اس سے کہہ دیں جو ولید  
 نے اس سے کہنے کے لئے کہیں تھیں۔ وہ باتیں سن کر سلیمان کا چہرہ غصے سے بگڑ گیا  
 کہنے لگا اگر تم پر کبھی میرا بس چلا تو تمہارے ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔ حارث کہنے لگا  
 ہر ایک تصور میں تو صرف پیغامبر ہوں جو حکم مجھے ملا ہے اس کی میں نے تعمیل کر دی  
 ہے۔“

اس طرح حارث بیچارہ ناکام لوٹ گیا اور واپس جا کر اس نے جو سلوک سلیمان  
 نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کا اظہار اس نے ولید بن عبد الملک سے نہ کیا۔ وہ ایسا  
 احتیاط کے تحت کر رہا تھا کہ کہیں اس کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں بگاڑ نہ پیدا  
 ہو۔

تذرو خوشی ہے اس کا بیان میں الفاظ میں کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جو تھیلی میں نے تمہاری گود میں رکھی ہے یہ مختلف جنگوں میں مالِ غنیمت سے میرا حصہ ہے، اس میں کچھ زیورات بھی ہیں نقدی بھی ہے اب یہ تمہارا حق ہے اس لئے کہ تم میری زندگی کا ساتھی ہونے کی حامی بھر چکی ہو یہ اپنے پاس محفوظ کر لو۔“

بنانہ بن حنظلہ یہیں تک کہ پایا تھا کہ ایک بار پھر گودیری نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

”میں انہیں کہاں سنبھالتی پھروں گی بہتر نہیں کہ آپ انہیں اپنے پاس ہی رکھیں، مجھے اگر کبھی ضرورت ہوئی تو میں آپ سے مانگ لیا کروں گی۔“

بنانہ بن حنظلہ نے ہلکا سا تقبہ لگایا پھر بول پڑا۔  
”نہیں یہ تم اپنے پاس رکھو تمہاری حویلی میں کوئی چور ڈاکو نہیں آتے یہ چیزیں وہاں بھی محفوظ ہیں ہاں مجھے اگر کسی شے کی ضرورت ہوئی تو میں تم سے مانگ لیا کروں گا۔“

بنانہ بن حنظلہ کے ان الفاظ پر گودیری کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی، تاہم اپنے منہ پر پلو کا آنچل رکھتے ہوئے اس نے چہرہ چھپا لیا تھا پھر وہ کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی ”کیا میں اب جاؤں؟“

جواب میں بنانہ بن حنظلہ منہ سے کچھ نہ بولا اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی جس پر گودیری مڑی پھر اس کمرے سے نکل گئی تھی۔

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گودیری جب اپنی حویلی کے دروازے پر گئی تو ٹھٹھک کر گئی۔ دروازے پر سانکرہ کھڑی تھی گودیری کو دیکھتے ہی اس نے پوچھ لیا ”کہاں گئی تھی اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔“

گودیری مسکرا دی پھر مزاحیہ سے انداز میں سانکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی ”تم تو اس طرح میری باز پرس کر رہی ہو جیسے میں چوری کر کے آ رہی ہوں، مجھے بنانہ نے بلایا تھا یہ جو تھیلی میرے ہاتھ میں ہے انہوں نے ہی دی ہے اس میں نقدی زیورات اور کچھ قیمتی اشیاء ہیں جو انہیں مالِ غنیمت میں ان کے حصے میں ملتی رہیں ہیں یہ مجھے انہوں نے ہی دی ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ اپنے پاس رکھو اور اس میں سے انہیں کسی

بنانہ بن حنظلہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا کہ دروازے پر گودیری نمودار ہوئی وہ شرما رہی تھی چوکھٹ پر آ کر کھڑی ہو گئی آنچل کا پلو اس نے منہ میں دے لیا تھا بنانہ بن حنظلہ مسکراتے ہوئے اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا پھر بنانہ کو گودیری کی دھیمی آواز سنائی دی۔

”ابھی ابھی ساؤل میرے پاس گئی تھی اس نے مجھے آپ کا پیغام دیا ہے کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟“

بنانہ بن حنظلہ کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر کہنے لگا ”کیا بے گفتگو کرنے کا طریقہ ہے کہ تم چوکھٹ پر کھڑی ہوئی ہو اور میں یہاں بیٹھا ہوں یہاں نشست پر آ کر بیٹھو پھر سنو میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔“

گودیری آہستہ آہستہ آگے بڑھی جس نشست کی طرف بنانہ بن حنظلہ نے اشارہ کیا تھا وہاں وہ بیٹھ گئی، گردن جھکی ہوئی تھی بنانہ بن حنظلہ برابر اسے دیکھ باندھے دیکھ رہا تھا کبھی کبھی چور نگاہوں سے گودیری بھی اسے دیکھ لیتی تھی۔ بنانہ بن حنظلہ نے اپنے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا سفید رنگ کے کپڑے کی ایک تھیلی نکالی اور جگہ سے اٹھا تھیلی اس نے گودیری کی گود میں رکھ دی۔ بنانہ بن حنظلہ کی اس حرکت پر گودیری پریشان ہو گئی تھی سوالیہ سے انداز میں وہ بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھنے لگی تھی بنانہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اس نے گودیری کو مخاطب کیا۔

”گودیری حالات وقت اور تمہارے باپ نے مجھے اور تجھے دونوں کو ایک راہ کا مسافر بنا دیا ہے ہم دونوں کی منزل ایک ہے ہم دونوں کے جینے کا مقصد بھی ایک ہے۔ تم نے میرے ساتھ رشتہ جوڑنے کے لئے جو حامی بھری ہے اس کی مجھے



چیز کی ضرورت ہوئی تو وہ مجھ سے مانگ لیا کریں گے۔“

گودیری کی اس گفتگو کے جواب میں ساگرہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ گودیری بول پڑی۔

”ساگرہ ابھی سورج غروب ہو گیا ہے کل صبح تم میرے ساتھ بازار جانا میں بنانہ بن حنظلہ کے لئے کچھ کپڑے خریدنا چاہتی ہوں“ گودیری کی اس گفتگو کے جواب ساگرہ دینا ہی چاہتی تھی کہ عین دروازے کے سامنے خرم بن عمر نمودار ہوا۔ گودیری چونکہ دروازے کی اوٹ میں تھی دروازے کے سامنے ساگرہ کھڑی ہوئی تھی لہذا خرم بن عمر نے ساگرہ ہی کو مخاطب کیا۔

”میں گودیری سے ملنا چاہتا ہوں اس سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کیا تم اسے تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیج دو گی۔“

ساگرہ نے تیز نگاہوں سے خرم بن عمر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی ”جوہلی کے اندر آپ کے دشمن تو نہیں رہتے جو میں گودیری کو باہر بھیج دوں آپ اندر آئیں دیوان خانے میں بیٹھیں اور جو کچھ کہنا چاہتے ہیں آرام سے گودیری سے کہیں۔“

اتنی دیر تک گودیری بھی دروازے کے سامنے آگئی اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی ”بھائی آپ اندر آئیں نا“ باہر کھڑے ہو کر اجنبیوں کی طرح کیوں گفتگو کرتے ہیں“ اس پر خرم بن عمر جوہلی میں داخل ہوا ساگرہ اور گودیری دونوں اسے دیوان خانے کی طرف لے گئی تھیں دونوں کے ساتھ وہ بیٹھ گیا پھر ساگرہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”گودیری ابھی ابھی بنانہ بن حنظلہ کے پاس سے لوٹ کر آ رہی ہے“ پھر سفید کپڑے کی جو تھیلی گودیری نے اٹھا رکھی تھی وہ ساگرہ نے اٹھائی اور فضا میں لہرائے ہوئے کہنے لگی ”اس تھیلی میں نقدی زبورات اور دوسری اشیاء ہیں یہ گودیری کو بنانہ بن حنظلہ نے دی ہیں تاکہ یہ اپنے پاس حفاظت سے رکھے یہ مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ہے۔“

ساگرہ کی اس حرکت پر گودیری نے احتجاجی سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا پھر ساگرہ دوبارہ بول پڑی۔

”اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے کیا تم کوئی چوری کر رہی ہو۔ سب جانتے ہیں کہ بنانہ بن حنظلہ تمہیں پسند کرتا ہے اور تم اس سے محبت کرتی ہو ایک طرح سے تم دونوں کو منسوب بھی کیا جا چکا ہے، پھر بنانہ تمہیں کوئی چیز دیتا ہے تو اس میں چھپانے کی کیا ضرورت ہے تم تو خوش قسمت ہو مجھے دیکھو میں نے جہاں محبت کی ہے وہاں مجھے دھونس دھمکی اور دھکوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔“

ساگرہ کی گفتگو میں ایک مزاح چھپا ہوا تھا لہذا خرم بن عمر نے اس کی ان باتوں کو محسوس نہیں کیا بلکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ گودیری نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”تمہیں شرم نہیں آتی خرم بھائی کے سامنے اس طرح کی گفتگو کرتی ہو، یاد رکھنا بنانہ بن حنظلہ نے مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ خرم بھائی تم سے نفرت نہیں کرتے نہیں چاہتے ضرور ہیں لیکن دور اس لئے رہتے ہیں کہ دھرم داس کے ساتھ تمہاری لگائی ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں میں خود بنانہ بن حنظلہ سے ملاقات کے بعد خرم بھائی سے بھی ملی یہ ملاقات آج دوپہر کے وقت ہوئی اور میرے سامنے بھی خرم بھائی نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ تم سے نفرت نہیں محبت کرتے ہیں، لیکن یہ محبت اس وقت تک اپنے انجام کو نہیں پہنچ سکتی جب تک تم دو کشتیوں میں سوار ہو، وہ یہ بھی کہ رہے تھے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس سے محبت کی جائے وہی جیون کا ساتھی بنے مجھے انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ اگر دھرم داس کے ساتھ ساگرہ کی شادی ہو جاتی ہے تو یہ دھرم داس کا اس پر حق ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر میں ساگرہ کو چاہتا ہوں تو ساگرہ کی شادی میرے ہی ساتھ ہونی چاہئے۔“

گودیری یہیں تک کہنے پائی تھی کہ ساگرہ اپنا منہ گودیری کے کان کی طرف لے گئی اور کہنے لگی۔

”تمہیں شرم نہیں آتی دوپہر کے وقت تمہاری گفتگو خرم بن عمر کے ساتھ ہوئی اور تم نے ابھی تک مجھے بتایا نہیں۔ یاد رکھنا اگر تم مجھ پر یہ انکشاف کر دیتیں کہ خرم بن عمر نے خود تمہارے سامنے یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو اب تک میرے خون میں کئی گناہ اضافہ ہو چکا ہوتا۔“

پوچھ رہے ہیں تو اپنی مرضی بتاؤ چپ رہو گی تو پچھتاؤ گی مجھے دیکھو بولتی ہوں تب ہی مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتا اور تم چپ رہتی ہو تب بھی تمہاری اتنی اہمیت ہے۔ اس موقع پر چپ رہو گی تو نقصان اٹھاؤ گی“ ایک بار پھر ساکمرہ نے کسنی ماری اور کہنے لگی ”اب گردن اٹھاؤ اور بولو جو وہ پوچھ رہے ہیں اس کا جواب دو۔“

گودیری نے آہستہ آہستہ اپنی گردن سیدھی کی خرم بن عمر کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”خرم بھائی آپ مجھے بہن کہہ کر پکار چکے ہیں جب آپ مجھے بہن سمجھتے ہیں تو بھائی اپنی بہن کے متعلق جو فیصلہ کرے گا مجھے منظور ہو گا میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔ اگر میرا باپ چاہتا ہے کہ چپ چاپ طریقے ہی سے یہ شادی ہو جائے تو اپنے باپ کی غیر موجودگی میں ایک بھائی کی حیثیت سے آپ کا فیصلہ میرے لئے آخری ہو گا جو کچھ بھی آپ کریں گے میں اعتراض نہیں کروں گی بخوشی قبول کر لوں گی۔“

گودیری کے ان الفاظ سے ساکمرہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی اس نے دونوں بازو پھیلا کر گودیری کو اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر کہنے لگی ”یہ بات ہوئی نہ اب آئی ہو راہ راست پر بس یوں جانو تمہارا تو کام ہو گیا“ پھر ساکمرہ گودیری کے کان کے قریب منہ لے گئی اور کہنے لگی ”میرے لئے بھی دعا کرو کے بھگوان کرے میرا بھی کام اسی طریقے سے ہو جائے۔“

جواب میں گودیری نے بھی سرگوشی کی۔

”آج ہی تو خرم بھائی آئے ہیں اور صبح صبح تم نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ تم اپنی ماں اور دھرم داس کو منانے کی کوشش کرو گی کہ دھرم داس اس سگائی سے دست بردار ہو جائے اگر وہ دست بردار ہو جاتا ہے تو پھر تمہارا بھی راستہ صاف ہے خرم بن عمر تمہیں اپنا لیں گے“ ساکمرہ کہنے لگی۔

اس سلسلے میں نے اپنی ماں سے بات کی ہے میری ماں تو تیار ہے اب ماں ہی اس سلسلے میں دھرم داس سے بات کرے گی، میرے خیال میں چند روز تک کوئی نہ کوئی فیصلہ سامنے آجائے گا پھر میں فخریہ انداز میں خرم بن عمر کو اس فیصلے سے آگاہ کروں گی، شاید اس روز میں کھلے عام یہ کہہ سکوں گی کہ میں خرم بن عمر کی ہوں اور

”اچھا اب اس گفتگو کو چھوڑ پہلے خرم بھائی سے پوچھو مجھ سے کیا کہنے کے ہیں“ گودیری نے ساکمرہ سے سرگوشی کی تھی اس پر ساکمرہ سنبھل کر بیٹھی خرم بن عمر کی طرف دیکھا اور پھر کمرے میں اس کی آواز گونجی۔

”دروازے پر کھڑے ہو کر آپ کہہ رہے تھے کہ آپ گودیری سے کچھ کہنا چاہتے ہیں جبکہ گودیری آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے آپ کیسے کیا کہنا چاہتے ہیں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ گفتگو آپ علیحدگی میں کرنا چاہتے ہیں تو میں چلی جاتی ہوں۔“

خرم بن عمر نے تیز نگاہوں سے ساکمرہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا ”ایک تو تم بولے جاتی ہو کسی دوسرے کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتیں۔ میں نے کب تم سے کہا ہے کہ میں علیحدگی میں گودیری سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں تم یہاں بیٹھو جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں تمہاری موجودگی میں کہوں گا۔“

سنو گودیری! اگر شہتہ مہم میں موئل پر حملہ آور ہونے سے پہلے میں نے تمہارے باپ سے ملاقات کی تھی تمہارے متعلق میں نے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی۔ تمہارا باپ تمہارے متعلق فکر مند تھا تمہاری خیریت دریافت کرتا تھا جب میں نے اس سے کہا کہ وہ یہاں بہت خوش ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میں نے بناو سے تمہاری محبت اور چاہت کا اظہار بھی کیا اور تمہارے باپ نے یہاں تک اجازت دے دی کہ اگر بنانہ بن حنظلہ کے ساتھ تمہاری شادی کر دی جائے تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں نے اس سے یہ بھی پوچھا کیا تم اس شادی میں شرکت نہیں کرو گے تو وہ کہنے لگا اگر میں شادی میں شرکت کرتا ہوں تو راجہ داہر نہیں بلکہ نکالو قبیلے کا بڑا سردار موئل بھی اس کے خلاف ہو جائے گا، لہذا اگر گودیری کی شادی یہاں رہتے ہوئے چپ چاپ ہو جائے تو اس میں زیادہ بہتری ہے اب تم کو میری بہن کہنا چاہتی ہو۔“

گودیری چپ چاپ بیٹھی رہی اس کی گردن جھک گئی تھی منہ سے اس نے نہ بولا تھا۔ اس موقع پر ساکمرہ تھوڑی دیر تک اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہی پھر اس کی پسلیوں کے قریب اس نے کسنی ماری اور کہنے لگی۔

”کیا بھڑکی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی ہو ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے، جب وہ

اس کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔“

خریم بن عمر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور گودیری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”گودیری میں تمہارا شکر گزار ہوں اس لحاظ سے بھی ممنون ہوں کہ تم سارا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا ہے اور اس لحاظ سے بھی تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم مجھے بھائی خیال کرتی ہو اور اپنے باپ کے بعد ساری ذمہ داری مجھ پر چھوڑتی ہو۔ گودیری یہاں تمہاری حیثیت خرم بن عمر کی بہن کی سی ہے اس سلسلے میں بنانہ بن حنظلہ سے بھی گفتگو کروں گا پھر مناسب موقع دیکھ کر تمہاری شادی کا اہتمام بھی کر دیا جائے؛ اب میں جاتا ہوں تم دونوں بہنیں بیٹھ کر باتیں کرو۔“

خریم بن عمر کے ان الفاظ پر سانکرہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی دیوان خانے کے دروازے پر آئی خرم بن عمر کو روکنے کے لئے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے پھر خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ تھوڑی دیر بیٹھیں اور چلے جائیں، بیٹھیں میں ماں کو آپ کے آنے کی اطلاع کرتی ہوں کھانا آپ یہیں کھائیں گے اس کے بعد آپ کو جانے دوں گی ابھی آپ نے جانے کی کوشش کی تو یاد رکھئے گا لڑائی ہو جائے گی۔“

سانکرہ کی اس گفتگو کے جواب میں خرم بن عمر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ گودیری بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی ”بھائی آپ بیٹھیں کھانا آپ ہمارے ساتھ کھا کر جائیں گے۔“

اس پر خرم بن عمر کہنے لگا ”اگر میں نے کھانا تم دونوں کے ساتھ کھانا ہے تو بنانہ بن حنظلہ نے کیا خطا کی ہے میرے خیال میں اسے بھی بلا کر لاتے ہیں چاروں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں تم دونوں بیٹھو میں بنانہ بن حنظلہ کو بلا کر لاتا ہوں۔“

سانکرہ وہیں بازو پکڑی رہی اور کہنے لگی ”نہیں ہرگز نہیں آپ اگر چلے گئے تو واپس نہیں لوٹیں گے میں ساؤل کو بھیجتی ہوں وہ بنانہ بن حنظلہ کو بلا کر لاتا ہے آپ چپ چاپ اسی نشست پر بیٹھ جائیں جہاں سے آپ اٹھیں ہیں“ سانکرہ کی بات مانتے ہوئے خرم بن عمر وہاں بیٹھ گیا گودیری دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگی ”خریم بھائی میں یہ تھیلی رکھ آؤں پھر آتی ہوں“ اس پر سانکرہ گودیری سے

کہنے لگی۔

”تھیلی رکھنے کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی اطلاع کر دینا کہ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کھانا یہیں کھائیں گے۔ ساتھ ہی ساؤل کو بھیج دو کہ وہ بنانہ بن حنظلہ کو بلا لائے میں یہیں بیٹھتی ہوں یہ نہ ہو ہم دونوں چلی جائیں اور یہ چپکے سے کھسک جائیں۔“

سانکرہ کی گفتگو سے خرم بن عمر ہنس دیا تھا سانکرہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور گودیری وہاں سے چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ساؤل حویلی سے نکلی تاکہ بنانہ بن حنظلہ کو بلا کر لائے اسی کے پیچھے پیچھے سانکرہ کی ماں گودیری کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے خرم بن عمر نے اس کا استقبال کیا سانکرہ کی ماں روجن نے آگے بڑھ کر خرم بن عمر کی پشت پر پیار سے ہاتھ پیرا پیرا سانکرہ کے پہلو میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

”خریم میرے بیٹے تم نے اچھا کیا کہ گودیری اور بنانہ بن حنظلہ کو ایک رشتے میں جوڑ دیا۔ بنانہ نے یہ تھیلی گودیری کو دی ہے اور اس نے میرے حوالے کر دی ہے تاکہ میں سنبھال کر رکھوں۔ گودیری بہت اچھی لڑکی ہے سانکرہ ذرا شرارتی ہے باتیں بہت کرتی ہے میرے خیال میں یہ آپ کو تنگ بھی کرتی ہو گی“ سانکرہ نے ماں کی بات کٹائی اور کہنے لگی ”میں انہیں کیا تنگ کروں گی الٹا یہ مجھے تنگ کرتے ہیں“ روجن کسی قدر سنجیدہ ہو گئی تھی کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”خریم میرے بیٹے آج صبح جو سانکرہ کے ساتھ تمہاری گفتگو ہوئی ہے اس سے سانکرہ نے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ سانکرہ تمہیں چاہتی ہے اور تم سے محبت کرتی ہے اور تم نے بھی اس کی بات مانتے ہوئے کہلایا ہے کہ اگر دھرم داس اس سے دست بردار ہو جائے تو تم اسے اپنانے میں رضامند ہو جاؤ گے۔ بیٹے میں اسی پر تمہاری شکر گزار ہوں اس سلسلے میں ایک دو روز تک دھرم داس سے بات کروں گی مجھے امید ہے کہ میں دھرم داس کو اس پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی کہ وہ سانکرہ سے دست بردار ہو جائے۔ جس روز ایسا ہوا میں تمہاری اور

سانکرہ کی شاندار طریقے سے سگائی کروں گی میں سمجھوں گی میری زندگی میں وہ میرے لئے خوشیوں کا سب سے بڑا دن ہو گا۔“

تیز اور شرارت آمیز باتیں کرنے والی سانکرہ اس موقع پر بالکل چپ تھی مگر باعث اس کی گردن جھک گئی تھی تاہم کبھی کبھی چور نگاہوں سے وہ خرم بن عمر کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ روجن مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی وقت دیوان خانے میں بنانہ بن حنظلہ داخل ہوا اور خرم بن عمر کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

بنانہ جب اپنی جگہ بیٹھ گیا تو روجن نے اسے مخاطب کیا۔

”بنانہ میرے بیٹے میں بے حد خوش ہوں کہ تم گودیری کا اس قدر خیال رکھتے ہو“ روجن نے ابھی اپنی بات مکمل نہ کی تھی وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بیچ میں بنانہ بول پڑا۔

”خاتون محترم‘ خدا کے فضل سے میرا معاملہ تو سیدھا ہے گودیری کے باپ نے بھی اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا ہے کہ میں گودیری کو اور گودیری مجھے اپنا سکتی ہے لیکن خاتون محترم اب معاملہ سارا آپ کے سر پر ہے کیا آپ سانکرہ اور میرے بھائی خرم بن عمر کی راہ صاف نہیں کر سکتیں۔“ بنانہ بن حنظلہ یہاں تک کہنے پایا تھا کہ خرم بن عمر نے اسے کہنی مارتے ہوئے چپ رہنے کے لئے کہا۔ جس پر بنانہ خاموش ہو گیا کہنی مارتے ہوئے سانکرہ گودیری اور روجن نے بھی دیکھ لیا تھا لہذا مسکراتے ہوئے روجن بول پڑی۔

”بنانہ میرے بیٹے تمہیں اور خرم بن عمر کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سانکرہ سے متعلق میں تم سے زیادہ فکر مند ہوں اس میں کوئی شک نہیں۔ سانکرہ دھرم داس کو نہ چاہتی تھی نہ کبھی اس کے ساتھ اپنی پسند کا اظہار کیا ہے، اس کے باپ کا وہ عزیز ہے، عزیز جانتے ہوئے اس کی سگائی اس کے باپ سندرانہ نے اس کے ساتھ کر دی تھی۔ اس وقت حالات کچھ پیچیدہ تھے راجہ داہر کا بیٹا نے سینہ سانکرہ کو حاصل کرنے کے درپے تھا ادھر ناکارہ قبیلے کا سردار مول بھی ہاتھ دھ کر سانکرہ کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور دونوں میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ سانکرہ کو اپنا لیں۔ میرے شوہر ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی سانکرہ کو بیانا نہ

چاہتا تھے لہذا دھرم داس کے ساتھ جو سگائی اور معنی کا معاملہ تھا یہ ایک طرح سے بکلت میں ہوا اس میں یوں جانو سانکرہ کی مرضی اور منشا شامل نہ تھی۔ اب جبکہ سانکرہ زرم کو پسند کرتی ہے تو اس کی مرضی اس کی رضا مندی کو سب پر فوقیت دی جائے گی۔ مجھے امید ہے میں چند روز تک حالات کو سنوار لوں گی اور دھرم داس کو اس بات پر آمادہ کر لوں گی کہ وہ سانکرہ سے دست بردار ہو جائے تاکہ خرم بن عمر اور سانکرہ ایک دوسرے کے ہو سکیں۔ ان کے ایک ہونے ہی میں میری خوشی میرا سکون اور میرا روشن مستقبل ہے۔ میں آپ لوگوں پر یہ بھی واضح کر دوں کہ اس سلسلے میں بیول کو ہم نے نیون کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اس موضوع پر وہ سانکرہ کے باپ ندر داس سے بات کرے گا پھر اس کا عندیہ لے کر لوٹے گا اس کے بعد یہ معاملہ اپنی اتنا کو پہنچے گا میرے خیال میں تم سب لوگ بیٹھو میں اور ساؤل کھانا تیار کرتے ہیں پھر یہیں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی روجن ساؤل کو لے کر مطبخ کی طرف چلی گئی تھی دونوں نے مل کر کھانا تیار کروایا اتنی دیر تک دیوان خانے میں بیٹھ کر سانکرہ گودیری بنانہ بن حنظلہ اور خرم بن عمر باتیں کرتے رہے، سب نے مل کر اسی دیوان خانے میں کھانا کھایا پھر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے گئے تھے۔



ناک دی کہنے لگا۔

”اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مسلمانوں کے سالار خرم بن عمر نے تمہارے شر کے باہر ہمیں بدترین شکست دی ہے تو یہ خبر پہلے ہی میرے پاس پہنچ چکی ہے اگر تم یہ انکشاف کرنا چاہتے ہو کہ قذائف شہر کے نواح میں اس نے میرے اور حارث علانی کے مشترکہ لشکر کو بھی شکست دی ہے تو یہ افسوس ناک خبر بھی میں دل پر پتھر رکھ کر سن چکا ہوں اور ان خبروں کے جواب میں اس سے انتقام لینے کا لائحہ عمل بھی تیار کر چکا ہوں اب تم مزید کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

زرمیش دوبارہ بول پڑا۔

”راجہ اس خرم بن عمر نے ہمیں پر اکتفا نہیں کیا شاید اس نے اندازہ لگا لیا ہے کہ آپ، میں اور مومل تین اطراف سے کبھی نہ کبھی اس پر حملہ ہو کر اس کی قوت کو توڑنے کی کوشش کریں گے لہذا وہ ایک ایک پر ضرب لگا کر ہماری قوت کو زائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

اس نے اپنی ابتداء مومل سے کی چند دن پہلے ساحل سمندر پر مومل پر ایسا جان لیوا شب خون مارا کہ مومل کے ان گنت مسلح جوانوں کو اس نے قتل کر دیا مومل بڑی مشکل سے کشتی پر سوار ہو کر کھلے سمندر کی طرف جا کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو سکا۔

میرے خبرنے یہ اطلاع دی تھی کہ خرم بن عمر مومل کی طرف گیا ہے لہذا میں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی میں ایک لشکر لے کر کرمان کی طرف بڑھا لیکن یہ خرم بن عمر بڑا مکار اور عیار شخص ہے یہ مجھ پر وارد ہوا مجھے بھی اس نے شکست دی اب یکے بعد دیگرے اس نے چند دنوں میں مومل اور میری دونوں کی قوت کو ایک طرح سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہم اسی سلسلے میں آپ کے پاس آئے ہیں کہ اگر اس خرم بن عمر کے خلاف کوئی جلد کارروائی نہ کی گئی تو یاد رکھنا کہ وہ دشت کرمان سے نکل کر ایسا پھیلے گا ایسی طوفانی شکل اختیار کرے گا جس کی راہ روکنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گا۔“

زرمیش کی ساری گفتگو سن کر فکر مندی میں راجہ داہر کی گردن جھک گئی تھی

ایک روز راجہ داہر اپنے دارالحکومت اروڑھ یعنی انور کے راج محل میں اپنی رانی لاڈی اپنی دوسری رانی بسن اور بسوں مائیں، اپنے بیٹے جے سینہ اور دوسرے بیٹے گوپی کے ساتھ بیٹھا آنے والے کسی قاصد کے ساتھ بڑی راز دارانہ گفتگو کر رہا تھا کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا جب قاصد نکل گیا تب اس کمرے میں مومل اور زرمیش دونوں داخل ہوئے۔

راجہ داہر اس کے بیٹے جے سینہ اور گوپی نے تینوں نے اٹھ کر مومل کا بہترین استقبال اور سواگت کیا دونوں کو نشستوں پر بیٹھنے کے لئے کہا جب وہ نشستوں پر بیٹھ گئے تب راجہ داہر نے انہیں مخاطب کیا۔

”مجھے افسوس ہے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے باہر انتظار کرنا پڑا دراصل میرا قاصد ایک بڑی اچھی اور خوش کن خبر لے کر آیا تھا میں اس سے تفصیل سن رہا تھا اس لئے تمہیں اندر بلانے میں دیر ہوئی جو خبر مجھے دی گئی ہے مومل اگر تم اس پر عمل کرو تو ہم بے حد فوائد حاصل کر سکتے ہیں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ تو میں بعد میں کہوں گا پھر تم دونوں کو تمہارا یہاں آنے کا کیا مقصد اور مدعا ہے۔“

راجہ داہر کے خاموش ہونے پر مومل نے عجیب سے انداز میں زرمیش کی طرف دیکھا جس پر زرمیش نے راجہ داہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”راجہ ہم گذشتہ کئی ہفتوں سے بڑے تکلیف دہ حالات سے گزر رہے ہیں کرمان میں مسلمانوں کا نیا سالار خرم بن عمر ہمارے لئے وبال جان اور ابتلا کا ایک طوفان بنا ہوا ہے۔“

زرمیش یہیں تک کہنے پایا تھا کہ بیچ میں راجہ داہر نے بولتے ہوئے اس کی بات



اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

”زمیش جو کچھ تم نے کہا ہے یہ ہمارے لئے واقعی لمحہ فکریہ کی بات ہے۔ مسلمانوں کے نئے سالار کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ تمہارے آس پاس پہلے مسلمانوں کے سالار سے بننے کے لئے جو لائحہ عمل میں نے تیار کیا تھا وہ کچھ طرح تھا کہ میں اپنے قاصد بھیجے والا تھا۔ پہلے میرا قاصد یہاں سے نیون جاتا میرا نیون کے والی سنذر داس کو پہنچاتا اس کے بعد وہی قاصد دیہل چلا جاتا اور دیہل گورنر کو بھی میرا پیغام دیتا۔ میں دونوں کو یہ پیغام دینے والا تھا کہ وہ اپنے اپنے تیار کر کے متحدہ طور پر ایک بڑا لشکر تیار کریں ساتھ ہی زمیش اور مول کی قوت بھی ساتھ ملائیں اور ایک جرار لشکر لے کر کرمان کی طرف بڑھیں اور ہر صورت اس خرم بن عمر کو شکست دیں اور کرمان کے اندر گھتے چلے جائیں۔“

اب جبکہ مول اور زمیش تم دونوں میرے پاس آئے ہو تو میں تمہارے اس منصوبے کو آخری شکل دیتا ہوں۔ میں ابھی اپنا قاصد سنذر داس اور دیہل گورنر کی طرف بھجواتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے حصے کے لشکر ہنجکود کی طرف روانہ کریں۔ حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹے پہلے سے وہ بھی اس لشکر میں شامل ہوں گے ان کے ساتھی بھی ان کا ساتھ دیں گے، تم بھی اپنا لشکر لے کر ہنجکود چلے جانا اور اس لشکر میں شامل ہو جانا کوشش کرنا بذات خود اپنے لشکر میں شامل رہو اس طرح تین قوتوں پر مشتمل یہ لشکر ہنجکود نکل کر کرمان کا رخ کرے گا۔ زمیش تمہارا کام یہ ہو گا کہ تم یہاں سے سیدھے علاقوں کی طرف جانا اور اپنے لشکر کو لیکر نکلتا اور مغرب کا رخ کرنا جس وقت داس دیہل کا گورنر اور مول حارث علانی کے ساتھ مل کر ہنجکود سے کرمان کی طرف بڑھیں گے تم اپنے شہر سے مشرق کا رخ کرتے ہوئے کرمان کی طرف بڑھنا وقت مسلمانوں کا سالار ان سے نکلے تم پشت کی طرف سے حملہ آور ہو جانا تم ایسا کر گزرو تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ تم کرمان میں مسلمانوں کو تباہ نہ کر کے رکھ دو گے۔ یہ آخری لائحہ عمل ہے اور اس پر فی الفور عمل کیا جائے گا۔ مسلمانوں کے سالار کو مزید پھیلنے کا موقع نہ ملے۔ اس لائحہ عمل کیلئے تیار

دلت ملے کرنا تم لوگوں کا کام ہے۔“

راجہ داہرر کا کچھ سوچا اس کے بعد پھر بول پڑا۔

”کیا تم دونوں میرے اس لائحہ عمل سے اتفاق کرتے ہو؟“ جواب میں مول اور زمیش نے مطمئن انداز میں اپنے سر اثبات میں ہلا دیئے تھے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے راجہ داہرر بول پڑا۔

”اب میں تم سے وہ اچھی خبر کہتا ہوں جو مجھے میرا قاصد تمہارے آنے سے پہلے بتا رہا تھا وہ اچھی خبر کچھ اس طرح ہے کہ۔“

مسلمانوں کی فتوحات کی دھاک دور دور تک پھیل گئی ہے اس لئے سرانديپ کا فرمانروا اور راجہ بھی مسلمانوں سے اچھے اور بہتر تعلقات رکھنے کا خواہش مند ہے۔ وہ گزشتہ کئی ماہ سے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے خلیفہ ولید بن عبد الملک سے دوستی پیدا کرنے کی فکر میں تھا۔ سنا ہے اب حج کا زمانہ آ رہا ہے تو اس کے ہاں جو مسلمان آباد ہیں وہ اپنے مذہب کے مقدس مقامات کے علاوہ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں، انہی کے ساتھ سرانديپ کا راجہ ولید بن عبد الملک کے لئے کچھ تحائف بھیجنا چاہتا ہے، جو قاصد میرے پاس آیا اس نے تحائف کی بھی تفصیل بتائی ہے اس نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ سرانديپ کا راجہ تقریباً ”آٹھ جہازوں کے ذریعے حجاج بن یوسف اور ولید بن عبد الملک کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اسے تحائف بھیج رہا ہے جس میں انواع اقسام کے موتی اور جواہر، حبشی غلام اور کنیریں اور دوسرے نہایت نادر تحائف شامل ہیں۔ یہ ساری چیزیں اس نے جمع کر رکھی ہیں اور جو نئی مسلمان حج اور اپنے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے نکلیں گے آٹھ جہازوں پر مشتمل وہ تحائف روانہ کرے گا۔“

مول یہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے ایک سنہری موقع ہے، اگر تم کوشش کرو تو تحائف کے ان جہازوں کے علاوہ جو غلام کنیریں اور لونڈیاں حجاج بن یوسف، ولید بن عبد الملک کے لئے بھجوانے کا انتظام کروایا جا رہا ہے ان سب پر تم قبضہ کر سکتے ہو اگر تم ایسا کرو تو ہم بھی بالا مال ہو جائیں گے۔ اب بولو اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو۔“

تھی کہ حجاج بن یوسف نے ان کی سرکوبی کے لئے اپنے بھتیجے کو روانہ کیا ہے جو ابھی نوجوان اور نابالغ ہے، وہ خوش تھے کہ ان کے مقابلے میں ایک ایسا بچہ سپہ سالار بن کر آ رہا ہے جس کا اس سے پہلے لشکر کی کمانداری کا کوئی تجربہ نہیں، لیکن کرد نہ جانتے تھے کہ وہ بچہ جس کی ابھی مہینے تک نہ بھیگی تھیں مٹی سے کیما، یعنی سے چیتا، مولے سے شاہین اور بگولے سے ایک خونخوار اور ہلا دینے والا طوفان بن کر ان کا مقابلہ کرے گا۔

غیر مسلم کرد خوش تھے بڑی تیزی سے انہوں نے پیش قدمی کی وہ بہت آگے جا کر محمد بن قاسم کا راستہ روک لینا چاہتے تھے لہذا رے کے بجائے اصطخر شہر کے باہر ریلے میدانوں میں انہوں نے محمد بن قاسم اور اس کے لشکر کی راہ روک دی تھی۔

جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے کرد اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے ان کی آن میں مسلمانوں نے بھی اپنی صفیں درست کر لیں۔ محمد بن قاسم نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک حصہ اپنے پاس رکھا دوسرا اپنے دست راست اور اپنے بچپن کے دوست جہم بن زحر کے حوالے کیا تھا۔ جب صفیں درست ہو رہی تھیں تو اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے محمد بن قاسم قبلہ رو ہوا لمحہ بھر کے لئے اس نے آسمان کی طرف دیکھا پھر گھوڑے کی زین کے سینے پر اس کی پشانی جھک گئی اور وہ احتمالی عاجزی سے کہہ رہا تھا۔

”اے رب کریم اصطخر شہر کے باہر ان صحراؤں کے اندر میرے لئے تیری ذات کے سوا نہ کوئی سائبان ہے نا سایہ و شجر۔۔۔۔۔ میرے خداوند یہ کاروانوں کی پھینک یہ جس کی صدائیں۔۔۔۔۔ چلکتی دھوپ یہ ساعتوں اور فاصلوں کو ناپتی چاندنی یہ خواہشوں کو بے صبر کرتے سلسلے میرے اللہ سب تیری ہی گرفت میں ہیں تو اگر پہلے تو ان غیر مسلم کردوں کے سامنے میں تیری نصرت کے سارے خاک کے ذروں کو کیا کر دوں۔“

اے شام کے بادلوں صبح کی روشنیوں کے خداوند اے موت و نیستی، ہست و بے ہستی کے ناظم دشمن میرے سامنے جنہی ناگوں کی پھینک اور زندگی کو ویران اور بے

راجہ داہر کے اس انکشاف پر مول کے چہرے پر بڑی کمزور مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”راجہ آپ فکر نہ کریں ہم پیشہ ور بحری قزاق ہیں جو بھی جہاز سرانہ پہنچے سرزمین سے حجاج یا ولید بن عبد الملک کے لئے روانہ ہوں گے ہم ان کو منزل پر پہنچانے میں دیں گے، راستے میں ان کی ایسی لوٹ مار کریں گے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوگی کہ جہاز کدھر گئے۔ میں یہاں سے سیدھا اپنے ٹھکانے کی طرف جاؤں گا۔ تاکہ جہاز لوٹنے کی تیاری کروں۔ نرمیش ہنجگوو کی طرف جائے حارث یا اس کے بیٹوں کو لیکر میرے پاس آئے۔ پھر مسلمانوں پر حملے کا وقت اور تاریخ طے کریں گے۔“

مول کا یہ جواب سن کر راجہ داہر بڑا مطمئن اور خوش ہوا پھر ان دونوں مخاطب کر کے کہنا لگا۔

”میں نے جو تمہارے ساتھ لائحہ عمل طے کرنا تھا طے کر لیا اب تم دونوں کم از کم دو روز تک میرے معزز سہمان کی حیثیت سے اروڑہ میں قیام کرو اس کے بعد اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا“ مول اور نرمیش دونوں نے راجہ داہر کی اس دعوت کو قبول کیا، دو روز تک انہوں نے وہاں قیام کیا۔ وہاں سے نکل کر وہ راجہ داہر کے قاصدوں کے ساتھ پہلے نیروں گئے، نیروں کے حاکم سندر داس سے انہوں نے ملاقات کی جو راجہ داہر نے لائحہ عمل طے کیا تھا اس سے اسے آگاہ کیا پھر قاصدوں کے ساتھ ہی انہوں نے دیہل کا رخ کیا۔ وہاں جو راجہ داہر کا سپاہ سالار تھا اس سے بھی مرتب ہونے والے منصوبے کے متعلق گفتگو کی پھر مول اور نرمیش تو اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے تھے جبکہ راجہ داہر کے قاصد دیہل سے واپس اپنے مرکزی شہر اروڑہ کی طرف چلے گئے تھے۔ نرمیش نے وہاں سے ہنجگوو اور مول نے اپنے ٹھکانے کا رخ کیا تھا۔



ادھر محمد بن قاسم ایک لشکر کے ساتھ باغی اور غیر مسلم کردوں کی بغاوت اور شورش فرو کرنے کے لئے رے شہر کی طرف روانہ ہوا، لیکن کردوں کو بھی خبر ہو چکی

عمر بن قاسم نے کردوں کے اس لشکر کا تقریباً "صفایا کر کے رکھ دیا تھا بہت کم غیر مسلم کردوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے کا موقع ملا تھا۔

کھلے میدانوں میں کردوں کو شکست دینے کے بعد محمد بن قاسم کو خوراک اور ہتھیاروں کی صورت میں بہت کچھ ملا پھر اس کے مخبروں نے اطلاع دی کے کردوں کا ایک اور لشکر جرجان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے صحرا کے اندر جمع ہو رہا ہے۔ عمر بن قاسم نے وقت ضائع نہیں کیا بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے جرجان کی طرف کوچ کیا اور جرجان کے باہر بھی اس نے ایسے ہی کردوں کو بزدل شکست دی جس طرح اس نے اصطخر شہر سے باہر دی تھی، اور وہاں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر لیا تھا۔ ادھر حجاج بن یوسف کو اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کی ان فتوحات کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے اس نابالغ بھتیجے کو ان علاقوں کا والی مقرر کر دیا وہاں قیام کے دوران محمد بن قاسم نے ایک خاص نقشے کے مطابق شیراز شہر کی بنیاد ڈالی ورنہ اس سے پہلے شیراز ایک معمولی سی چھاؤنی اور قصبہ تھا۔

ان علاقوں کا والی مقرر ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے نہایت ہی عمدگی اور انصاف سے حکومت کی۔ تنخواہ سے جو کچھ بچ پاتا اسے تبلیغ اسلام پر صرف کر دیتا اپنی فرصت کے اوقات میں لوگوں کے سامنے تقریریں کرتا جنہیں عوام بڑے ذوق و شوق سے سنتے اس کے خلوص اور ایمانی قوت کی اس دور کے جید علماء اور اکابر بھی تعریف کرتے تھے۔

کردوں کی مکمل طور پر سرکوبی کرنے کے بعد ان کے ساتھ جنگوں میں جو مال قیمت ہاتھ لگا وہ محمد بن قاسم نے اپنے دوست جہم بن زحر کی سرکردگی میں چند دستوں کی حفاظت میں حجاج بن یوسف کی طرف بھجوا دیا تھا، خود اس نے ان علاقوں کے والی کے طور پر شیراز ہی میں قیام کیا اور شیراز کو اپنا مرکزی شہر قرار دیا کیونکہ یہ شہر اس نے خود ہی آباد کیا تھا۔

کیف کرتی بدکاریوں کی طرح کھڑا ہے مجھے توفیق دے کہ میں ان کے لئے بھروسہ دھوپ کو زہر بنا کر رکھ دوں اور ان کے ہر سبب کے ساتھ ان کے جھوٹے سبب زائل کرتا چلا جاؤں۔"

دعا مانگنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنا چہرہ اٹھایا سر کے اوپر رکھے فودے اس نے سفید رنگ کا جو عمامہ باندھ رکھا تھا اس کے پلو سے اس نے اپنی آنکھوں نمی صاف کی پھر دشمن کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑا ہو گیا تھا جیسے لاہوتی سا کا کوئی عالم بے ہمتا یا نیل کے کنارے کوئی خاموش مجسمہ کھڑا ہو۔ اس وقت بھر عربی کتب کا وہ تعلیم یافتہ نابالغ بچہ اپنی شعلہ قلن آنکھوں سے دشمن کے لشکر کو سے انداز میں گھور رہا تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے کردوں کا لشکر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا، قاسم اور اس کا ساتھی جہم بن زحر اپنی جگہ پر بالکل ستون کی طرح کھڑے رہے دشمن جب مزید کچھ آگے بڑھا تب ایک عجیب سے انداز میں محمد بن قاسم نے تلوار فضا میں بلند کی، تلوار کا بلند ہونا تھا کہ اس کے پیچھے کھڑے لشکریوں نے فضا کے پھٹنے کی سی آوازوں میں اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کیں، اس کے ساتھ ہی بن قاسم اور جہم بن زحر کی سرکردگی میں آگے بڑھتے ہوئے وہ دشمن پر اس حملہ آور ہوئے جیسے طلسماتی وطن کی تمنائیوں میں درد ناک اضطراب نے انگڑائی یا دود دراز کے خونئی خیالات کی پرچھائیاں قبر کی طرح خاموش طلسم زاروں میں اٹھیں ہوں۔ کرد بھی محمد بن قاسم کے لشکر پر بری طرح حملہ آور ہو گئے تھے تیزی کے ساتھ وہ رزم گاہ میں راحت اور اضطراب سوزش و اطمینان ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو چکے تھے کرد یہ کوشش کر رہے تھے کہ بہت جلد اپنے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں لیکن انہیں مایوسی ہوئی اس لئے کہ روح کی گہرائی اسرار حیات کی ترجمانی کرنے والے وہ مسلمان مجاہد غیر مسلم کردوں پر بے قوت اور ماوراء طوفانوں کی آتش ناک کی طرح ٹوٹ پڑے تھے جس سمت کا بھی کرتے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے صفوں کی صفیں الٹتے چلے جاتے تھے دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے اس جنگ کی ابتداء ہوئی تھی اور شام سے پہلے

وائے کے پاس سے ہو کر واپس اپنے مسکی شمر کی طرف جائے گا۔ وانگہ نے آپ کے پیغام بھجوایا ہے کہ کوشش یہ کی جائے کہ زمیش کو واپس نہ جانے دیا جائے رات ہی میں اس کا کام تمام کر دیا جائے، اگر زمیش کو قتل کر دیا جاتا ہے تو پھر مسلمانوں کے لئے کمان کی طرف سے کوئی بڑا خطرہ نہ اٹھے گا اس لئے کہ کمان کے اندر پہلی مجوسیوں کی قوت کو کجا کرنے والا یہ زمیش ہی ہے۔ جب یہ مارا جائے گا تو رات آپ سے آپ کمان کے صحراؤں کے اندر خشک پتوں کی طرح منتشر ہو کر رہے گی۔ اب آپ بولنے کیا کہتے ہیں تاکہ آپ کا پیغام واپس جا کر وانگہ کو دوں۔“

یہ خبر سن کر خرم بن عمر کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ نئے والے قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تمہارے سردار وانگہ کے نام تمہیں کوئی پیغام نہیں دوں گا میں تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کروں گا پہلے بتاؤ وانگہ نے تمہیں کچھ تفصیل بھی بتائی ہے کہ زمیش کے ساتھ اس کے کتنے محافظ ہیں“ اس پر آنے والا قاصد بول پڑا۔

”زمیش پہلے ہمارے سردار کے پاس ملنے کے لئے آیا تھا اس سے ملنے کے بعد مول کی طرف گیا اور مول کو ساتھ لے کر وہ راجہ داہر کی طرف گیا۔ اس کے ساتھ آٹھ دس سے زیادہ محافظ نہیں ہیں انہیں کے ساتھ وہ واپس اپنے شمر مسکی کی طرف جائے گا۔“

خرم بن عمر نے اس بار اپنے پہلو میں بیٹھے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا۔

”بنانہ میرے بھائی تم قاصد اور سب لوگوں کے کھانے کا اہتمام کرو میں اپنے گھوڑے پر زین ڈالتا ہوں اسے ضروری سامان سے آراستہ کرتا ہوں پھر میں اس قاصد کے ساتھ مستقر کی طرف جاؤں گا اور وہاں سے اپنے آٹھ دس جوانوں کو لے کر وانگہ کا رخ کروں گا۔“

بنانہ بن حنظلہ فوراً وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ حویلی کے صحن میں آ کر اس نے کھانا کھا پھر تیز تیز قدم چلتا ہوا ساتھ والی حویلی میں داخل ہوا۔ گودیری اور سانگہ کو فلم بن عمر کے جانے کی اطلاع کی۔ ساتھ ہی انہیں کچھ لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنے کے لئے کہا دوبارہ واپس آیا اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں کمران کے نواح میں اپنی لشکرگاہ مستقر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رام رتن بھاگتا ہوا آیا اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ فی الفور حویلی کی طرف چلئے ناکارہ قبیلے کا سردار وانگہ کی طرف سے اٹھنا آیا ہے وہ آپ سے کوئی انتہائی اہم خبر کہنا چاہتا ہے، میں اسے اپنے ساتھ لے آتا لیکن ابن ہارون نمری نے اسے اپنے پاس روک لیا ہے لہذا آپ دونوں فوراً واپس چلئے۔“

اس پر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی آواز کے ساتھ وہ رام رتن کے ساتھ ہو لئے تھے۔

جب وہ حویلی میں داخل ہوئے تو وہاں پہلے سے ابن ہارون کے پاس ہر رات دھرم داس اور وانگہ کی طرف سے آنے والا مخبر بیٹھا ہوا تھا۔ خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ ابن ہارون کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے پھر ابن ہارون نے آنے والا قاصد کو مخاطب کیا۔

”اب تم کو کیا کہنا چاہتے ہو اس لئے کہ یہ جو دو جوان آئے ہیں ان میں دائیں طرف والا خرم بن عمر بائیں والا بنانہ بن حنظلہ ہے“ قاصد نے اٹھ کر سے باری باری مصافحہ کیا پھر وہ خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں آپ کے نام اپنے سردار وانگہ کا انتہائی اہم پیغام لے کر آیا ہوں نے آپ کے نام یہ پیغام بھیجا ہے کہ مجوسیوں کا سردار اور سالار زمیش ناکارہ کے سردار مول کے ساتھ راجہ داہر کی طرف گیا ہوا تھا اور اب وہ واپس آ رہا ہے۔“

”مگر میں نے اپنی بہن سانکرہ کو آپ کے جانے کی اطلاع نہ دی ہوتی تو بھلے نہ چلے جاتے لیکن اب آپ کھانا کھائے بغیر چلے گئے تو وہ برا مانے گی اور میں ایسا نہیں چاہتا۔“

بنانہ بن حنظلہ پیچھے ہٹ گیا خرم بن عمر چپ چاپ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ توڑی دیر بعد حویلی کے صحن میں ساول، گودیری اور سانکرہ نمودار ہوئیں تھیں۔ گودیری اور سانکرہ تو اصطبل کی طرف چلی گئیں تھی ساول اس کمرے کے سامنے نمودار ہوئی جس کے اندر سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

”کسی کو بھیجیں کھانا تیار ہے، اگر آپ لوگ کھانا وہاں جا کر کھانا چاہتے ہیں تب ہی میں دوسری حویلی کے دیوان خانے میں کھانا لگاتی ہوں۔“

ابن ہارون، بنانہ بن حنظلہ، خرم بن عمر اور سب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے پھر بنانہ بن حنظلہ کہنے لگا ”یہاں برتن لانے کا کوئی فائدہ نہیں، دوسری حویلی میں جا کر کھانا کھاتے ہیں“ پھر دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ نکل گئے۔ ساول کی راہنمائی میں وہ دوسری حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔ سانکرہ اور گودیری کو کسی نے شاید اصطبل کی طرف جاتے ہوئے نہ دیکھا تھا لہذا کسی نے ان کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔

سانکرہ اور گودیری کچھ چیزیں تیار کر کے لائیں تھیں وہ انہوں نے خرم بن عمر کے گھوڑے کی خرچین میں ڈال دیں، پھر سب کے پیچھے پیچھے وہ بھی حویلی میں داخل ہوئے کھانا دیوان خانے میں لگا گیا اور پھر سب کھانا کھانے لگے تھے۔

جب سب کھانا کھا چکے تو دیوان خانے کے دروازے پر گودیری نمودار ہوئی، ہاتھ کے اشارے سے اس نے بنانہ بن حنظلہ کو بلایا۔ بنانہ بن حنظلہ دروازے کی طرف بڑھا، گودیری پیچھے ہٹ گئی تھی۔ بنانہ بن حنظلہ اس کے سامنے آیا اور کہنے لگا ”کیا بات ہے خیریت تو ہے۔“

اس پر گودیری مسکراتے ہوئے کہنے لگی ”خرم بھائی جا رہے ہیں ساتھ والے کمرے میں سانکرہ ہے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے خرم بھائی سے کہیں کہ وہ ساتھ والے

”آپ بیٹھیں میں خود آپ کے گھوڑے کو تیار کرتا ہوں۔“ اس پر خرم بن عمر نے بڑی تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”بنانہ آئندہ یہ الفاظ مت کہنا تمہاری حقیقت یہاں ان سرزمینوں میں میری جیسی ہے، تم میرے گھوڑے پر زین ڈالنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے لشکریوں کی ممانداری کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ جس طرح خرم بن عمر یہاں لشکریوں کا سالار ہے ایسے تم بھی ہو، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ آئندہ میں تمہارے گھوڑے پر زین ڈالوں اور تمہارے گھوڑے کا تنگ کسوں تو جاؤ تم میرے گھوڑے پر زین ڈالو۔“

بنانہ بن حنظلہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا پھر خرم بن عمر اپنی جگہ سے اٹھا اور گھوڑے کی طرف گیا۔ گھوڑے پر زین ڈالی تنگ کسا دانہ قریب ہی رکھ دیا۔ گھوڑے کو پانی پلایا اور اس کے سامنے تازہ چارہ ڈالا پھر وہ دوبارہ وہاں آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

”بنانہ کیا تم نے کھانا لانے کے لئے کسی کو بھیجا ہے۔“ بنانہ کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔ ”نہیں میرے بھائی میں نے لشکرگاہ کی طرف کسی کو نہیں بھیجا میں تو اپنی سانکرہ کی طرف گیا تھا گودیری بھی وہیں تھی، دونوں سے میں کہہ آیا ہوں کہ کھانا کریں ساتھ ہی آپ کی روانگی کی بھی اطلاع کر آیا ہوں۔“

خرم بن عمر نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا ”کیا ایسا ضروری تھا تم لشکرگاہ کی طرف کسی کو بھیجے وہاں سے کھانا منگوا لیتے اور میں کونسا جاتا، یا یوں کروں میں رام رتن کے ساتھ کوچ کرتا ہوں لشکرگاہ میں جا کر کھانا کھاؤ گا وہیں سے آٹھ دس مسلح جوانوں کو لے کر چلا جاؤں گا۔ جو کھانا تیار ہو کر آئے؟ تم سب کھا لینا“ اس پر بنانہ بن حنظلہ آگے بڑھا خرم بن عمر کا بازو پکڑ لیا اور لگا۔

”نہیں میرے بھائی کھانا آپ ہمارے ساتھ کھا کر جائیں گے اس طرح ایک طرح سے اطمینان اور آسودگی ہوگی“ پھر بنانہ بن حنظلہ اپنا منہ خرم بن عمر کان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔



”ساکرہ مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے یاد رکھنا میں پتھر کا کوئی بت نہیں  
جس پر ہوا میں یا جذبات اثر انداز نہ ہوں۔ میں کھانے کے لئے رکا ہوا تھا کھانا کھا چکا  
ہوں اب یہاں سے سیدھا رام رتن کے ساتھ میں مستقر کی طرف جاؤں گا وہاں سے  
کچھ مسلح جوانوں کو اپنے ساتھ لوں گا اور وائگہ کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“  
خریم بن عمر کی اس گفتگو سے ساکرہ بیچاری مزید اداس اور افسردہ ہو گئی تھی  
خریم بن عمر باہر نکلا دیوان خانے کے دروازے کے پاس آیا اور محمد بن ہارون نمری کی  
طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں اب کوچ کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں آپ لوگ یہاں بیٹھنا چاہتے  
ہیں تو بیٹھیں۔“

خریم بن عمر نے اسی قدر کہا تھا کہ ابن ہارون نمری اٹھ کھڑا ہوا، اس کی طرف  
دیکھتے ہوئے سب اٹھ کھڑے ہوئے، سب دیوان خانے سے باہر آئے پھر ہارون نمری  
نے اپنا ہاتھ خرم بن عمر کے شانے پر رکھا اور کہنے لگا۔

”میرے بیٹے میں مستقر تک تمہارے ساتھ جاؤں گا تمہیں خود وہاں سے  
رضعت کر کے آؤں گا۔“

اس حویلی سے نکل کر سب ساتھ والی حویلی میں داخل ہوئے۔ محمد بن ہارون  
نمری، خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور رام رتن کو لے مستقر کی طرف گئے وہاں سے  
خریم بن عمر نے اپنے ساتھ جانے کے لئے آٹھ دس مسلح جوانوں کو لیا پھر وہ رام رتن  
اور دس جوانوں کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



کمرے میں آئیں۔“

گودیری دوسری سمت چل گئی تھی۔ بنانہ بن حنظلہ واپس دیوان خانے پر  
داخل ہوا اور بڑی رازداری میں خرم بن عمر کو کہنے لگا ”میرے عزیز بھائی اس وقت  
ساتھ والے کمرے میں ساکرہ کھڑی ہے وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ بحث نہ  
کرتا چپ چاپ ساتھ والے کمرے میں جائیں جو کچھ وہ کہنا چاہتی ہے اسے سننے پر  
کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ جائیں اور دیکھیں ساکرہ کیا کہتی ہے۔“

خرم بن عمر چپ چاپ اٹھا دیوان خانے سے نکل کر وہ ساتھ والے کمرے پر  
داخل ہوا۔ ساکرہ وہاں بڑی بے چین اور فکر مند سی کھڑی تھی۔ شاید اسے یہ فکر  
مندی لاحق تھی کہ اس کمرے میں خرم بن عمر اسے ملنے کے لئے نہیں آئے گا لیکن  
جب خرم بن عمر اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی  
پھر اسے کہنے لگی۔

”میں نے آپ کو علیحدہ اس کمرے میں بلایا ہے برا نہ مانئے گا، میں نے آپ  
کے گھوڑے کی خرچین میں ضروریات کی چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء بھی رکھ  
دیں ہیں۔ آپ ایک ایسی مہم پر جا رہے ہیں جس کے لئے آپ کو کئی دن بھی لگ سکتے  
ہیں آپ کو مزید کسی شے کی ضرورت ہو تو بتائیں میں تیار کر دیتی ہوں“ اس کے بعد  
ساکرہ وہ چیزیں گنوانے لگی تھی جو اس نے خرم بن عمر کے گھوڑے کی خرچین میں  
ڈالی تھیں، اس پر خرم بن عمر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو چیزیں تم نے گنوانی ہیں ساکرہ وہ پہلے ہی میری ضرورت سے زیادہ ہیں میں  
ایک بڑا بے ضرورت سا انسان ہوں تم مجھے خواخوہ مخلفات میں ڈالتی ہو۔ بہر حال تم  
نے میرے لئے اس قدر اہتمام کیا اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار اور ممنون  
ہوں۔“

خرم بن عمر خاموش ہوا تو ساکرہ بول پڑی۔

”آپ کب تک یہاں سے کوچ کریں گے“ اس بار ساکرہ کی آواز میں ایک  
دکھ ایک فکر مند اور پریشانی گھلی ہوئی تھی۔ اس تاثر کو خرم بن عمر نے بھی محسوس  
کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بیچارہ عجیب سے جذبے میں ساکرہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

زہجگو کا رخ کیا ہنچگو میں حارث علانی اور اس کے دونوں بیٹے محمد اور معاویہ  
 نام کئے ہوئے ہیں۔ زمیش ان سے ملے گا، پھر میرے مخبروں کا کہنا ہے کہ وہاں  
 ملاقات کرنے کے بعد زمیش حارث علانی کے بیٹے محمد اور معاویہ کو لے کر موصل کی  
 طرف جائے گا اور موصل سے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق گفتگو ہوگی سفر کو آخری  
 نکل دی جائے گی اس کے بعد اس کی ابتداء کی جائے گی۔

میرے مخبروں نے یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ جو معاویہ اور محمد دونوں موصل کی  
 طرف جا رہے ہیں تو موصل شاید معاویہ اور محمد سے مشورہ بھی کرے گا کہ سراندرپ  
 سے آنے والے جہاز جن میں تحائف لدے ہوئے ہیں جن پر مکہ کی زیارت کو جانے  
 والے مسلمان بھی سوار ہیں ان پر حملہ کیا جائے یا انہیں لوٹ لیا جائے، تو کوئی بڑا  
 رد عمل تو ظاہر نہ ہو گا اور وہ ان سے راہنمائی بھی حاصل کرے گا کہ کس طرح  
 جہازوں پر حملہ آور ہو کر ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔“

وانگہ کے اس انکشاف پر خرم بن عمر کے چہرے پر خوشی کی مسکراہٹ نمودار  
 ہوئی تھی پھر وہ وانگہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”وانگہ تو نے میرا سارا کام آسان کر دیا ہے، جس وقت میں مکران سے تمہاری  
 طرف کوچ کر رہا تھا اس وقت میں نے اپنے دل میں یہ ٹھانی تھی کہ زمیش کا خاتمہ  
 کرنے کے بعد واپس مکران جاؤں گا، وہاں سے اپنے لشکر کا ایک حصہ لوں گا اور  
 ہنچگو پر حملہ آور ہو کر معاویہ محمد اور ان دونوں کے باپ حارث کو ٹھکانے لگانے کی  
 کوشش کروں گا۔ اس طرح مجھے امید تھی کہ ہمارے خلاف جو اتحاد بن رہا ہے وہ نہ  
 بنے پائے گا۔ اب زمیش معاویہ اور محمد کو لے کر موصل کی طرف جانے والا ہے تو میں  
 راستے ہی میں ان تینوں کا خاتمہ کر دوں گا اس طرح بھی میں راجہ داہر کے منصوبہ  
 بندی کو ناکام بنا دوں گا۔

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو وانگہ نے اسے مخاطب کیا۔

”ابن عمر تمہارے ساتھ کس قدر مسلح جوان ہیں۔“

”میں رام رتن اور ہمارے دس مزید مسلح جوان ہیں جنہیں میں تمہاری بستی

کے قریب ہی ریت کے ٹیلوں کی گھات میں بٹھا کر آیا ہوں۔“

رات اس وقت کافی ڈھل چکی تھی جب خرم بن عمر وانگہ کے قبیلے میں داخل  
 ہوا، باقی لوگوں کو اس نے وانگہ کے قبیلے سے باہر ریت کے ٹیلوں کی گھات میں بٹھا دیا  
 تھا جبکہ رام رتن اس کے ساتھ تھا۔ جب وہ وانگہ کی حویلی کے دروازے پر گئے  
 دستک دی تو دروازہ کھولنے والا وانگہ ہی تھا۔ اپنی حویلی کے دروازے پر خرم بن عمر  
 اور اس کے ساتھ رام رتن کو دیکھتے ہوئے وانگہ نے کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں  
 کیا وہ خرم بن عمر کی آمد کی توقع رکھتا تھا خرم بن عمر سے وہ گلے ملا ہاتھ پکڑ کر اندر  
 لے گیا تینوں نشستوں پر بیٹھ گئے تھے پھر وانگہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا ”ابن عمر  
 اچھا کیا تم آگئے ورنہ میں کل ایک اور قاصد آپ کی طرف روانہ کرنے والا تھا اس  
 لئے کہ حالات میں ایک بڑی تبدیلی ہوئی ہے اور اس سے آگاہ کرنا بڑا ضروری تھا۔  
 دراصل راجہ داہر سے ملاقات کرنے کے بعد موصل اور زمیش دونوں نے پہلے موصل  
 کی بستی کی طرف آنا تھا، میرے مخبروں نے ایسی اطلاع دی تھی، اب جو گذشتہ دن  
 میرے قاصد آئے ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ موصل تو سیدھا اپنے قبیلے کی  
 طرف چلا گیا ہے اس لئے کہ راجہ داہر نے اس پر انکشاف کیا ہے کہ سراندرپ کے  
 راجہ کے کچھ جہاز جس میں بے شمار مال و دولت اور تحائف ہیں وہ عراق کی طرف  
 جائیں گے۔ راجہ داہر نے موصل کو ترغیب دی ہے کہ وہ ان جہازوں کو لوٹ لے۔  
 موصل تو اپنی بستیوں کی طرف چلا گیا ہے تاکہ کھلے سمندر کے اندر اپنے مسلح جوانوں  
 کے ساتھ جہازوں پر نگاہ رکھے اور جب وہ گزریں تو ان پر قبضہ کر لے۔

اب راجہ داہر موصل اور زمیش کے درمیان جو آپ پر حملہ آور ہونے کا  
 منصوبہ بنایا گیا ہے اسے زمیش آگے بڑھائے گا۔ کہتے ہیں زمیش نے دیہل سے نکل

اب اس نے خرم بن عمر کو دس مسلح جوان میا کئے تیروں سے بھرے ترکش بھی لے لیے اس کے بعد خرم بن عمر وہاں سے نکلا اپنے جوانوں کو جہاں گھات میں بیٹھا رکھا وہاں آیا اور سب کو لے کر وہ سمندر کے کنارے شمال مشرق کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

صحرا کے اندر خرم بن عمر نے اس صحرائی شاہراہ کے کنارے گھات لگائی جو ہنجدو سے موصل کی بستیوں کی طرف ساحل سمندر تک جاتی تھی، تاہم وانگہ کے کچھ آدمیوں کو اس نے ہنجدو کی طرف روانہ کیا تھا کہ وہ بروقت اسے زمیش معاویہ اور محمد کی نقل و حرکت اور ہنجدو سے ان کی روانگی کی اطلاع کرتے رہیں۔

صحرا کے اندر خرم بن عمر کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ لگا بھگ تین سے چار دن تک انتظار کرنا پڑا اور یہ انتظار بڑا کرب خیز اور تکلیف دہ تھا۔ خرم بن عمر نے صحرا کے اندر اپنی مہم کو کامیاب کرنے کے لئے اپنے کچھ آدمیوں کے ذمہ پانی میا کرنے اور خوراک صحرا تک لانے کا کام لگایا تھا۔ یوں تین دن انہوں نے کسی نہ کسی طرح گزارے۔ تیسرے روز رات کے پچھلے حصے میں وانگہ کے آدمی اس جگہ آئے جہاں خرم بن عمر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھات لگا رکھی تھی اور خرم بن عمر کو باطنی دن کہ آنے والی صبح کو زمیش معاویہ اور محمد یہاں سے گزریں گے اور موصل کی طرف جائیں گے۔

اس خبر پر خرم بن عمر نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا اس لئے کہ اس کے کرب خیز انتظار کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پہلے اس نے آنے والوں کا استقبال کرنے کے لئے تیاریاں کر لیں تھیں وانگہ کے آدمی خرم بن عمر کو یہ نمانا سکے تھے کہ زمیش اور معاویہ اور محمد جب ان کے پاس سے گزریں گے تو ان کے پاس کس قدر مسلح جوان ہوں گے۔

سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد خرم بن عمر اپنے سارے ساتھیوں کو اپنا دائرہ عمل سمجھاتا رہا یہاں تک کہ شمال کی طرف سے صحرا کے اندر دھول اڑنے کے

اس پر وانگہ نے تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ”جس روز ہنجدو سے موصل کی طرف جانے کے لئے زمیش، معاویہ اور محمد کوچ کرتے ہیں ان کے ساتھ محافظ دستوں کی صورت میں زیادہ انفرادی قوت ہوئی تو تم کیا کرو گے“ خرم بن عمر کی چھاتی تن گئی اور وہ کہنے لگا ”وانگہ تم فکر نہ کرو میں ان سے خوب بنوں گا۔ بس تم ایک کام کرو مجھے اپنے تین چار ایسے جوان میا کرو جو مجھے ہنجدو سے موصل کی طرف جانے والی شاہراہ کی طرف راہنمائی کر سکیں۔ وہاں میں ان کی راہ روکوں گا۔ اگر میں ان تینوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گیا تو تینوں کے کئے ہوئے سرموئل کی طرف روانہ کر دوں گا۔ اس طرح یاد رکھنا راجہ داہرنے جو منصوبہ بندی کی ہے وہ اپنے آپ خاک میں مل جائے گی۔“

خرم بن عمر کے ان الفاظ سے وانگہ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا پھر کہنے لگا ”میں تمہیں تین چار نہیں دس کے لگ بھگ مسلح جوان میا کرتا ہوں جو بہتر تیر انداز ہیں، میں تمہیں ایک مشورہ دوں گا جب زمیش معاویہ اور محمد ہنجدو سے نکل کر موصل کا رخ کرتے ہیں تو جس راستے پر وہ سفر کریں گے وہ صحرائی ہے جگہ جگہ ریت کے نیلے ہیں اگر ان کے ساتھ محافظ دستوں کی صورت میں زیادہ انفرادی قوت ہوئی تو ریت کے ٹیلوں میں رہ کر ان پر تیر اندازی کرنا اس طرح میرے خیال میں تم ان پر قابو پا لو گے۔“

جواب میں خرم بن عمر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”وانگہ جو جوان تم مجھے میا کرنا چاہتے وہ کرو، ایک تو وہ ان تینوں پر قابو پانے میں میری مدد کریں گے دوسرے جن راستوں پر میں نے ان کی راہ روکنی ہے وہاں تک میری راہنمائی کریں گے“ اس پر وانگہ جھٹ سے کہنے لگا۔

”میں آپ کے کچھ کھانے پینے کا اہتمام کرتا ہوں اس کے بعد یہاں سے کوچ کرتا۔“

”نہیں وانگہ کھانا ہم کھا چکے ہیں، تم بس مسلح جوان میا کرو کچھ تیروں بھرے ترکش بھی ہمیں دے دو پھر دیکھو میں ان کا کیا حشر کرتا ہوں۔ وانگہ اس پر تیار ہو

آثار دکھائی دیئے۔ خرم بن عمر سمجھ گیا کہ جن شیطانوں کا اسے انتظار ہے وہ اسے  
ہیں لہذا وہ سنبھل گیا۔ تھوڑی دیر بعد زمیث، معاویہ اور محمد اپنے محافظ دستوں  
ساتھ وہاں نمودار ہوئے ان کے ساتھ لگ بھگ تیس پینتیس کے قریب مسلح  
تھے خرم بن عمر محتاط اور چونکا تھا جب وہ قریب آئے تب اپنے ان ساتھیوں کو  
وہ ریت کے ٹیلوں سے نمودار ہوا جنہیں وہ مکران سے لے کر آیا تھا باقی ساتھی  
وانگہ نے میا کئے تھے وہ گھات ہی میں رہے تھے۔

خرم بن عمر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب راہ روکی تو آنے والے  
گئے پھر ان میں سے ایک نے مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

”تم کون ہو اور ان صحراؤں کے اندر تم نے کیوں ہماری راہ روکی ہے  
روکنے سے پہلے تم نے اپنی حیثیت دیکھی ہوتی۔ ہم تم سے پینتیس اشخاص  
زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہو گے کیا تم ایسا کر کے جان بوجھ کر اور دانستہ اپنی  
دعوت نہیں دے رہے۔“

اس پر خرم بن عمر نے انہیں مخاطب کیا۔

”پہلے یہ بتاؤ تم میں سے زمیث معاویہ اور محمد کون ہیں اس پر تم  
نے اپنے گھوڑوں کو ذرا آگے بڑھایا پھر ان میں سے ایک بول پڑا۔  
”میں زمیث ہوں میرے دائیں جانب معاویہ بائیں جانب محمد ہے کو تم  
چاہتے ہو، تم کون ہو۔“

خرم بن عمر نے اس موقع پر انہیں کھولتے ہوئے لہجے میں مخاطب کیا۔  
”عنقریب تمہیں بتا چل جائے گا کہ میں کون ہوں؟ جہاں تک تم تینوں کا  
ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ تمہاری خباثیوں اور مکاریوں کی داستانیں تمہارے  
ہنگامے مکران کے علاقوں میں دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ اور  
جلال کی قسم اس صحرا کے اندر میں تم تینوں کو تمہارے ساتھیوں سمیت  
جگر اور شکم گرسنہ کروں گا۔ سنو ہوس کے سوداگرو تم کیا سمجھتے ہو کہ کوئی  
شرارتوں کوئی تمہاری بدی کا جواب دینے والا نہیں، اس صحرا کے اندر ریت  
میں اور میرے ساتھی تمہیں وہ روح فرسا سزا دیں گے کہ تمہاری

گی۔

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو زمیث نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔  
”تم صرف ان دس بارہ ساتھیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ عناد و عداوت کا برتاؤ  
کرنے لگے ہو، لہجوں کے اندر ہم تو اس صحرا میں تمہاری خوش کلامی تمہارے  
ملاست بیان کا خاتمہ کرتے چلے جائیں گے۔“  
خرم بن عمر نے بھی تلوار لہراتے ہوئے بڑے خوفناک انداز میں انہیں مخاطب  
کر کے کہنا شروع کیا۔

”اے گناہ گار انسانو آؤ اس دشت اس صحرا میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں  
پھر دیکھتے ہیں انجام کس کا برا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمیث معاویہ محمد اور ان  
کے ساتھی تیرہ شبی میں عیصاں کے انبار کی طرح خرم بن عمر اور اس کے ساتھیوں پر  
ٹوٹ پڑے تھے جبکہ خرم بن عمر بھی اپنے جان نثاروں کے ساتھ برق شکن جذبوں کی  
طرح ان پر نزول کرنے لگا تھا۔

زمیث، معاویہ، محمد کا خیال تھا کہ ان کے سامنے راہ روکنے والوں کی تعداد  
بہت کم ہے لہذا وہ بہت جلد ان پر قابو پالیں گے، لیکن خرم بن عمر اور اس کے  
ساتھی جھلسا دینے والی آگ کی طرح ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی تعداد کم کرنے  
لگے تھے۔ عین اس وقت جبکہ صحرا کے اندر اس نکلراؤ کا شور مچا ہوا تھا پشت کی  
جانب سے ایک ٹیلے کی اوٹ سے وہ مسلح جوان نمودار ہوئے جو وانگہ نے خرم بن عمر  
کو میا کئے تھے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمیث معاویہ اور محمد کی پشت کی جانب سے اس  
طرح حملہ آور ہوئے جیسے سیاہ اعمال کے اندر طوفانی عفریت ٹھس آتے ہیں۔ اس دو  
خزفہ حملے سے ان کی حالت اتنی دگرگوں ہوئی کہ یہ نکلراؤ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ  
سکا۔ زمیث معاویہ اور محمد سمیت ان کے تقریباً سبھی ساتھیوں کا صفایا کر دیا گیا ان  
میں سے تین کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

دشمن کا صفایا کرنے کے بعد خرم بن عمر نے زمیث معاویہ اور محمد کی لاشوں کو  
ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا، جب تینوں کی لاشوں کو اس کے سامنے لایا گیا تو تینوں  
لاشوں کی اس نے گردنیں کاٹ دیں تھیں پھر جس قدر ان کے ہاتھوں ہلاک ہوئے

ہشترہ ادا کرنا اور اسے بتانا کہ جس مہم کے لئے ہم نے صحرا کے ان حصوں کا رخ کیا تھا اسے ہم کامیاب بنا چکے ہیں میرے خیال میں تم اب یہاں سے کوچ کر جاؤ۔“  
خریم بن عمر کے کہنے پر وانگہ کے مسلح جوان اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے اور پھر تھوڑی دیر بعد خرم بن عمر بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا کے اس حصے سے مکران کا رخ کر رہا تھا۔



تھے انہیں دبانے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں اس کے ساتھیوں نے صحرا کے اندر مزے والوں کو دفن کر دیا، جو تین آدمی زندہ پکڑے گئے تھے انہیں خرم بن عمر نے اپنے پاس بلایا جب وہ اس کے سامنے گئے تو خرم بن عمر نے انہیں مخاطب کیا۔

”میں نے تمہارے سامنے کمان کے زمیش ہنچکورو کے معاویہ اور محمد کے برکائے ہیں پہلے تم تینوں اپنے گھوڑے لے کر میرے پاس آؤ پھر میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہوں گا۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا، جانے دوں گا خوفزدہ مت ہو۔“

اس پر تینوں حرکت میں آئے اپنے گھوڑوں کو پکڑ کر خرم بن عمر کے پاس لائے پھر خرم بن عمر نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ تینوں کئے ہوئے سر اٹھاؤ ایک ایک اپنے اپنے گھوڑے کی خرچین میں ڈالو اور کئے ہوئے سر لے کر نکامہ قبیلے کے سردار مول کی طرف روانہ ہو جاؤ، مول سے جا کر کہنا کہ راجہ داہرنے تمہارے زمیش اور حارث علانی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جو سازش تیار کی تھی وہ ناکام ہو گئی ہے۔ اسے کہنا کہ یہ تین سریش تمہیں تحفے کے طور بھیج رہا ہوں، اگر تم ان علاقوں میں اپنی سازشوں سے باز نہ آئے تو چوتھا کٹنے والا سر تمہارا ہو گا۔“

خریم بن عمر کے ان الفاظ پر وہ تینوں خوفزدہ ہو گئے تھے خرم بن عمر نے پھر

انہیں مخاطب کیا۔

”میں تمہیں عہد دے چکا ہوں کہ تمہیں مارا نہیں جائے گا لہذا کئے ہوئے سر اٹھاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے ویسا ہی کرو۔ اس پر وہ تینوں حرکت میں آئے ایک ایک کٹا ہوا سر اٹھا کر اپنے گھوڑوں کے ساتھ بندھی ہوئی خرچینوں میں ڈال دیا، پھر خرم بن عمر کے کہنے پر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور مول کی بستیوں کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

ان کی روانگی کے بعد خرم بن عمر نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کیا پھر

مسلح جوان اسے وانگہ نے مہیا کئے تھے انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیوں! تم اپنے قبیلے کی طرف لوٹ جاؤ ہم جس مہم کی طرف آئے اسے کامیاب کر چکے ہیں، واپس جا کر وانگہ کو میری طرف سے سلام کہنا اور



لطف دیکھے جا رہا تھا۔ بیرومل کے ساتھ آنے والے جوان اپنی جگہ مطمئن بیٹھے ہوئے تھے۔ بیرومل بنانہ بن حنظلہ کے سوال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ بنانہ ایک بار پھر بول پڑا۔

”تم نے ساتھ آنے والے جوانوں کے متعلق تفصیل نہیں بتائی یہ کون ہیں اور کس مقصد کے لئے تم انہیں ساتھ لائے ہو“ بیرومل اس بار دھیمے سے لہجے میں بول پڑا۔

”آپ جانتے ہیں مجھے چھوٹی ماکن ساگرہ نے اپنے باپ سندر داس کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس نے صاف الفاظ میں مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ وہ دھرم داس سے شادی نہیں کرنا چاہتی اس سے اپنا ہر رشتہ ہر تعلق منقطع کرنا چاہتی ہے اور خرم بن عمر کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔“

میں نے یہ پیغام سندر داس تک پہنچایا۔ سندر داس نے سارے حالات بڑے غور سے سنے پھر اس نے اپنا فیصلہ دیا کہ دھرم داس سے ساگرہ کی سگائی کو منقطع کر دیا جائے اور جب اور جس وقت بھی ساگرہ چاہے اسے خرم بن عمر کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ اسی بنا پر میں نے آپ کو کہا کہ دھرم داس کو اس کے کمرے کی طرف بھیج دیجئے میں یہ بات دھرم داس کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا وہ کسی برے ردعمل کا اظہار بھی کر سکتا تھا۔“

بیرومل جب خاموش ہوا تو دو مسلح جوان جو اس کے ساتھ تھے ان میں سے ایک بول پڑا ”اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سندر داس نے ہمیں بیرومل کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ سندر داس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر فیصلے کو دھرم داس خاموشی سے قبول کر لے تب بھی اور اگر وہ شور اور واویلہ کرے تب بھی اسے پکڑ کر نیرن میں سب رو داس کے پاس پہنچا دیا جائے اور اگر وہ حد سے بڑھنے کی کوشش کرے تو پھر اس کے خلاف مناسب کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ کیا آپ لوگ بتا سکیں گے کہ خرم بن عمر جسے ساگرہ کی زندگی کا ساتھی بنایا جا رہا ہے وہ اس وقت کہا ہے۔“

بنانہ بن حنظلہ یا ابن ہارون نمری میں سے کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ بیرومل پہلے ہی بول پڑا۔

رات آدھی کے قریب جا چکی تھی چاروں طرف ایسی خاموشی اور سکون انسانوں کی صدائیں منجمد ہو گئی ہوں۔ ایسے میں بنانہ بن حنظلہ چونک کر اپنے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اس لئے کہ حویلی میں اسے کچھ ایسی آوازیں سنائی دی تھیں حویلی میں کچھ لوگ داخل ہوئے ہوں وہ اٹھ کر حویلی کے صحن میں آیا تو اس سے ہی صحن میں محمد بن ہارون نمری کھڑا تھا، پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہر چند رائے داس بھی باہر نکل آئے تھے حویلی میں تین سوار داخل ہوئے تھے ایک تو بیرومل تھا دو مسلح جوان تھے۔ بیرومل نے سب سے مصافحہ کیا جو دو مسلح جوان تھے وہ اگھوڑوں کو بیرومل کی نشان دہی پر اصطبل میں باندھنے گئے تھے، پھر بیرومل نے بنانہ حنظلہ کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر بنانہ بن حنظلہ نے اپنے پیچھے کھڑے داس اور ہر چند رائے کو مخاطب کر کے کہا ”تم دونوں جا کر اب آرام کرو میرے ذمے میں یہ بیرومل آیا ہے اس سلسلے میں صبح ہی بات ہوگی“ بنانہ بن حنظلہ کے ان باتوں کے ساتھ ہی دھرم داس اور ہر چند رائے واپس چلے گئے تھے۔

بیرومل اپنے آنے والے دو ساتھیوں کے ساتھ ابن ہارون نمری کے کمرے کی طرف بڑھا، بنانہ بن حنظلہ بھی ان کے ساتھ تھا سب نشستوں پر بیٹھ گئے، پھر بنانہ حنظلہ نے بیرومل کو مخاطب کر کے کہا ”بیرومل اب کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو تمہارے کان میں نے دھرم داس اور ہر چند رائے کو ان کے کمروں کی طرف بھجوا دیا ہے۔ کیا کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہو جس میں کوئی خطرہ ہے یا کوئی بہت ہی بری خبر ہے جو تعلق دھرم داس یا ساگرہ سے ہے۔“

اس موقع پر ہارون نمری بھی ایک تجسس اور سوالیہ سے انداز میں بیرومل

طے کئے۔ اس نے بخوشی انہیں قبول کر لیا پر دھرم داس کے ساتھ اس کے پھرے نہیں ہوئے اور ایک دن پہلے ہی وہ اغوا ہو کر آپ کے پاس پہنچ گئی اس میں بھی بھوان کی مرضی تھی۔

میری بیٹی اگر خرم بن عمر کو اپنے جیون کا ساتھی بنانا چاہتی ہے اور اس سے بت کرتی ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں محبت جب وارد ہوتی ہے تو من کے ہاتھ تک کو تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے جو اس پر پوری طرح چھا جاتی ہے پھر ساتھ ہی بت کے یہ جذبہ اجل کے سیاہ خانوں میں روشنی کے ڈوبے چاند مایوسی کے جنگل میں زندگی کی تڑپ بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ میں اپنی بیٹی کی محبت کے آڑے نہیں آؤں گا نہ ہی یہ کہوں گا کہ اسے زبردستی دھرم داس سے بیاہ دیا جائے اس لئے کہ میں ایسا کون تو میری بیٹی دھرم داس ہی نہیں مجھ سے بھی نفرت کرنے لگے گی اور نفرت اس عظمت کی طرح ہے جسے دیکھتے ہی ذہن منجمد ہو جائے۔

میری بیٹی کا خرم بن عمر سے محبت کرنا میرے لئے ایک حسین اور دلکش حقیقت ہے۔ میں اس حقیقت کو قبول کرتا ہوں۔ میری بیٹی نے اپنے لئے اپنے جیون کا جو پریم چنا ہے اسے بھی میں دل سے قبول کرتا ہوں اپنی بیٹی کے جذبات کی نفی کرتے ہوئے میں اس کی محبت کو الم بھری داستان نہیں بنانا چاہتا اس لئے کہ میری یہ بیٹی میرے لئے فہم و ادراک کی شبنم اور مسکراتی ہوئی نئی سحر ہے میں اسے اندھی فیلد کے کالے نشتروں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔ میرے لئے یہی سب سے بڑھ کر فحش کا امر ہے کہ میری بیٹی آپ لوگوں کے ہاں خوش اور مطمئن ہے۔

اے مسلمانوں کے امیر میں جانتا ہوں کہ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ میں آپ کے پاس نہیں آ سکتا اگر ممکن ہو تو کچھ انتظار کیا جائے ہو سکتا حالات ایسی کوٹ لیں کہ میں اپنی بیٹی کو نیون میں بلا کر پورے شاہی لوازمات کے ساتھ اس کی شہلی خرم بن عمر کے ساتھ کدوں، اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حالات اور وقت کا تقاضا ایسا ہے کہ خرم بن عمر اور سانکرہ کو میاں بیوی کے بندھن میں فوراً باندھ دینا چاہئے تو آپ ایسا کر گزریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں نے جو اپنی خوشیوں کا انتظام کرنا ہے وہ بعد میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر کر لوں گا۔

”میرے ساتھیو! میں راستے میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ خرم بن عمر ان علاقوں میں مسلمانوں کی عسکری قوت کا سالار اعلیٰ ہے اس وقت اگر وہ یہاں نہیں ہے تو ضرور کسی مہم پر گیا ہو گا۔“

بیرومل یہیں تک کہنے پایا تھا کہ بنانہ بن حنظلہ بول پڑا اور خرم بن عمر کی درپیش مہم کے متعلق اس نے تفصیل بتادی تھی۔

بیرومل کے ساتھ آنے والوں میں سے جو پہلے بولا تھا وہی دوبارہ بول پڑا۔

”ابن ہارون نمری آپ ان علاقوں میں مسلمانوں کے والی ہیں بیرومل نے یہاں کے حالات کی ساری تفصیل سندر داس سے کسی تھی سندر داس نے اپنی بیٹی سانکرہ سے متعلق ایک خط بھی ہمارے حوالے کیا ہے وہ خط آپ کے نام ہے“ اس کے ساتھ ہی اپنے لباس کے اندر سے تہہ کیا ہوا ایک کانڈ نکال کر اس نے ابن ہارون نمری کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اس موقع پر قریب ہی جلتی ہوئی مشعل بنانہ بن حنظلہ نے اٹھائی اور ابن ہارون کے قریب کر دی تھی۔ ابن ہارون نے خط کو کھولا تو ٹھوڑی دیر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر بیرومل کو تھماتے ہوئے کہا تم ہی اسے پڑھ کر مجھے سناؤ اس پر بیرومل نے نیون کے راجہ سندر داس کا وہ خط پڑھ کر سنا دیا تھا جس میں لکھا تھا۔

مکران میں مسلمانوں کے امیر میں آپ کی سلامتی آپ کی بھلائی کا خیر خواہ ہوں میں آپ سب کا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ میری بیٹی اور میری بیوی کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور جس طرح بیرومل نے مجھے بتایا ہے اس کے مطابق وہ وہاں امن اور خوشیوں سے بھری ہوئی زندگی بسر کر رہی ہیں یہ میرے لئے بڑی اہمیت کا معاملہ ہے۔ مسلمانوں کے امیر میں صدقوں کا احترام کرنے والا انسان ہوں اپنی بیٹی کے لئے ہلاکتوں کا نشان اور اس کیلئے ماحول کا زہر نہیں بننا چاہتا، مجھے بتایا گیا ہے کہ میری بیٹی مکران میں مسلمانوں کے سالار اعلیٰ خرم بن عمر کو پسند کرتی ہے اسے اپنی زندگی اپنے جیون کا ساتھی بنانا چاہتی ہے میرے لئے خوشی اور اطمینان کا باعث ہے کہ میری بیٹی کسی کو پسند کرتی ہے۔ دھرم داس سے اس نے کبھی نہ گفتگو کی نہ اپنی پسند کا اظہار کیا بن ماحول کے کڑے پن کو دیکھتے ہوئے ہم نے دھرم داس کے ساتھ اس کے پھرے

گودیری کی اس آہ پکار کو بیرومل اور ہرچند رائے نے بھی سن لیا تھا وہ بھی بھاگتے ہوئے باہر آگئے تھے۔ بیرومل کے ساتھ سندر داس کے جو مسلح جوان آئے تھے وہ بھی باہر نکل آئے تھے اس موقع پر گودیری پھر بول پڑی۔

”دیر نہ کیجئے جلدی کیجئے دھرم داس نے ساگرہ کی ماں کو بری طرح مارا پیٹا ہے یہ وہ ساگرہ کو بالوں سے پکڑ کر حویلی کے صحن میں گھسیٹتا ہوا لا رہا ہے، وہ اسے پس لے جانا چاہتا ہے۔“

گودیری کے یہ الفاظ سننا تھے کہ بنانہ بن حنظلہ اور سندر داس کے دونوں مسلح ان سب سے پہلے دوسری حویلی کی طرف بھاگے ان کے پیچھے پیچھے بیرومل ہرچند لے اور ابن ہارون بھی جا رہے تھے۔ بنانہ بن حنظلہ جس وقت دوسری حویلی کے دوازے پر گیا تو اس نے دیکھا دھرم داس بالوں سے پکڑ کر ساگرہ کو باہر لا رہا تھا اور رزور سے چلاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

”اگر تو میری نہیں بن سکی تو کسی کی بھی نہ بن کر رہ سکے گی میں پہلے خود تجھے بہاؤں گا اور پھر خود تجھے مول کے حوالے کر کے آؤں گا تاکہ تو ساری عمر ہمیں آگ کی طرح زندگی بسر کرتی رہے، اب میں تجھے چین نہیں لینے دوں گا۔“

ساگرہ کے ساتھ دھرم داس کا یہ رویہ بنانہ بن حنظلہ کے لئے یقیناً ناقابل برداشت تھا وہ کسی رد عمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ سندر داس کے دونوں مسلح جوان لہتے ہوئے آگے بڑھے ایک نے زور دار طمانچہ دھرم داس کے منہ پر مارا، دھرم داس ایک طرف گر گیا پھر اس جوان نے دھرم داس کو مخاطب کیا۔

”کتے کی اولاد تیری یہ مجال کہ تو ہماری چھوٹی ماکن کو یوں بالوں سے پکڑ کر پھینکے تو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے“ سندر داس کا دوسرا آدمی آگے بڑھا اور اس نے بڑی بڑی طرح زمین پر گرے ہوئے دھرم داس کو اپنے پاؤں کی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ دونوں انتہائی غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے دھرم داس پر ضربیں لگا رہے تھے اس وقت ساگرہ بیچارگی اٹھ کھڑی ہوئی بھاگ کر وہ بنانہ بن حنظلہ کے پہلو میں آن کھڑی کی اور بڑی بیچارگی اور بڑی بے بسی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بنانہ میرے بھائی مجھے اس دھرم داس کے شر اس کے جبر سے بچاؤ یہ مجھے بے

مجھے امید ہے کہ اگر خزیم بن عمر اور ساگرہ کو میاں بیوی کے بندھن میں باندھا جاتا ہے تو دھرم داس کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا میں جو مسلح جوان بھجوا رہا ہوں وہ دھرم داس کو سمجھادیں گے اگر وہ نہ سمجھا اس نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا یا کسی کا ناشائستہ فعل کا مرتکب ہوا تو اس کے ساتھ کیا کرنا ہے یہ میں نے مسلح جوانوں کو پوری طرح سمجھا دیا ہے سارے معاملے سے یہ اچھی طرح نبرد لیں گے۔ میری دعائیں آپ لوگوں کے ساتھ ہیں میری دلی خواہش ہے کہ بھگوان کرے آپ لوگوں کے ساتھ ساتھ میری بیوی اور بیٹی مکران میں خوش اور آسودہ رہیں۔

اس کے نیچے سندر داس کا نام لکھا ہوا تھا اور اس کی مرثیت تھی۔ سندر داس کا خط سن کر ابن ہارون نمری مطمئن اور آسودہ سا ہو گیا تھا۔ بنانہ بن حنظلہ کی بھی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی، پھر بنانہ بن حنظلہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور بیرومل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیرومل آنے والے دونوں معزز مہمانوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ، رات کافی چکی ہے اب تم جا کر آرام کرو میں بھی اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوں“ اس پر بنانہ بن حنظلہ وہاں سے اٹھ گیا تھا بیرومل اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر حویلی کے اتر حصے کی طرف چلا گیا تھا جس میں اس کا قیام تھا۔



اگلے روز سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے بنانہ بن حنظلہ اور ابن ہارون نمری نماز کے بعد گھوڑ دوڑ کے لئے نکلنے والے تھے کہ تقریباً بھاگی ہوئی گودیری حویلی میں داخل ہوئی اور بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کرتے ہوئے زور زور سے چلانے لگی۔

”بھگوان کے لئے ساگرہ کو بچائیے بھگوان کے لئے ساگرہ کو بچائیے ورنہ وہ دھرم داس سے اور اس کی ماں کو مار دے گا۔“

گودیری کی اس پکار پر بنانہ بن حنظلہ اور ابن ہارون متحس اور دنگ رہ گئے۔

نے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔  
 ”مہاراج آپ کو کسی ردعمل کے اظہار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس دھرم  
 داس کے متعلق ہمارے مالک سندر داس نے بڑے واضح احکامات دئے تھے۔ اب اس  
 ہاتھ ضروری ہو گیا ہے“ پھر ایک ساتھ دونوں نے اپنی تلواریں برساتیں دھرم  
 داس کا انہوں نے خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔  
 شام تک ساکرہ کی ماں روجن کا کریا کرم کر دیا گیا جبکہ دھرم داس کی لاش کو  
 کول اور گدھوں کی خوراک بننے کے لئے باہر پھینک دیا گیا تھا۔



آبرو کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے اور کہہ رہا تھا کہ میں تجھے مومل کے پاس لے  
 جاؤں گا۔“

بنانہ بن حنظلہ تڑپ کر آگے بڑھا ساکرہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔  
 ”میری بہن ابھی تیرے محافظ زندہ ہیں اس دھرم داس کی کیا مجال کہ  
 یہاں سے اٹھا کر بے آبرو کرے اور مومل کے پاس لے جائے۔“

سندر داس کے آدمیوں نے جب ساکرہ کی یہ آہ و پکار سنی تو انہوں نے  
 داس کو اٹھایا اور زور دار انداز میں اس کے منہ پر طمانچے مارنے لگے تھے۔ اتر  
 تک حویلی کے اندرونی حصے سے ساؤل بھی بھاگتی ہوئی آئی اور بنانہ بن حنظلہ  
 مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”خدا کے لئے ساکرہ کی ماں کو دیکھئے وہ بے حس ہو چکی ہے اس دھرم  
 نے اسے بڑا مارا ہے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ بری طرح دیوار سے ٹکرائی اس  
 پھٹ چکا ہے وہ بے ہوش پڑی ہے اسے دیکھئے۔“

بنانہ بن حنظلہ گودیری اور ساکرہ بھاگتے ہوئے حویلی کے اندرونی حصے  
 طرف گئے تھے۔ ابن ہارون اپنی جگہ کھڑ رہا اور سندر داس کے دونوں جوانوں  
 مخاطب کر کے کہنے لگا ”تم دونوں اس دھرم داس کو پکڑے رکھو اس نے انتہائی  
 اور گری ہوئی حرکت کی ہے یہ واقعی سزا کے قابل ہے۔“

تھوڑی دیر بعد حویلی کے اندرونی حصے سے ساکرہ گودیری اور ساؤل کی  
 پکار کی آواز سنائی دی وہ بری طرح رو رہی تھیں، پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے بنانہ  
 حنظلہ اپنی تلوار بے نیام کرتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے سے نمودار ہوا  
 دروازے کی طرف آیا اور سندر داس کے دونوں آدمیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا  
 ”اس دھرم داس نے ساکرہ کی ماں کو اس قدر مارا ہے کہ وہ مر چکی ہے  
 زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے یہ قابل ہے۔“

اس انکشاف پر ابن ہارون کا چہرہ غصے اور غضبناکی میں تانبا ہو کر رہا  
 سندر داس کے دونوں آدمیوں کی حالت ناقابل بیان تھی دونوں نے ایک دوسرے  
 طرف دیکھتے ہوئے ایک جھٹکے سے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں، پھر ان میں سے

”نہیں خرم بن عمر ابھی چلتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ پہلے جو کھانا کھاتے تھے وہ لشکر گاہ ہی سے جاتا تھا لیکن اب سائکرہ، گودیری اور ساول نے ہمیں ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر آپ نے لشکر گاہ ہی سے کھانا کھانا ہے تو ہم تینوں کا وہاں رہنے کا کیا فائدہ۔ میں اور ابن ہارون نمری نے بھی ان کی بات کو تسلیم کر لیا ہے اب وہ تینوں ہمارے کھانے کا اہتمام کرتی ہیں، کھانے کی تمام اشیاء انہیں بہم پہنچائی جاتی ہیں لہذا چلو چلیں کھانا سب مل کر وہیں کھائیں گے پہلے سائکرہ سے ملو اسے تمہاری طرف سے تسلی اور تشفی کی بڑی ضرورت ہے۔“

بنانہ بن حنظلہ تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر کھانا چلا گیا۔

”اب عمر میرے بھائی سندر داس نے جو ابن ہارون نمری کے نام خط لکھا تھا جس میں نے سائکرہ کا دھرم داس سے ناطہ توڑنے اور تم سے تعلق جوڑنے کا مشورہ دیا تھا وہ خط بھی ہم نے سائکرہ کو دے دیا ہے اس کے پاس وہ خط ہے۔ چلو چلتے ہیں پہلے تم سائکرہ کی حویلی میں اس سے جا کر ملو اس کے بعد اگھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔“

خرم بن عمر نے بنانہ بن حنظلہ کی تجویز کو پسند کیا پھر تینوں لشکر گاہ سے حویلی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خرم بن عمر نے اس حویلی کے دروازے پر دستک دی جس میں سائکرہ، گودیری اور ساول کی رہائش تھی، تھوڑی دیر بعد جب دروازہ کھلا دروازہ کھولنے والی گودیری تھی۔ گودیری کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر بول پڑا۔

”گودیری میری بہن کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔“

گودیری نے دروازہ کھول دیا ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی پھر خرم بن عمر کو ٹالپ کر کے کہنے لگی۔

”ابن عمر میرے بھائی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ اندر آنے کے لئے مجھ سے ایسے اجازت مانگ رہے ہیں جیسے آپ اجنبی ہیں، پہلے آپ کا یہاں آنا نہیں ہوا پھر اجازت بلا جھجک اس حویلی میں داخل ہو سکتے ہیں۔“

ایک روز مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر پہلے خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ مستقر میں داخل ہوا۔ ابن ہارون نمری بنانہ بن حنظلہ کو بھی اس کی آمد کی خبر ہو گئی تھی لہذا وہ بھی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت تک مکران اور اس کے نواح میں مغرب کی اذانیں ہو رہیں تھیں خرم بن عمر کے ساتھ ہی انہوں نے مغرب کی نماز مستقر میں ادا کی۔ نماز کے بعد خرم بن عمر کو لے کر ابن ہارون اور بنانہ بن حنظلہ ایک طرف کھڑے ہو گئے پھر ابن ہارون نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”خرم میرے بیٹے تمہارے بعد ایک بہت بڑا حادثہ ہوا ہے اور تمہیں آتے ہی اس کی تفصیل بتانا ضروری ہے دھرم داس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے سائکرہ کی ماں مر چکی ہے۔“

یہ خبر سن کر خرم بن عمر چونک اٹھا تھا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ابن ہارون نمری بول پڑا اور تفصیل کے ساتھ اس نے بتا دیا کہ کیسے بیرومل سندر داس کے آدمیوں کے ساتھ لوٹا اور سندر داس کا خط پیش کیا۔ خط کا متن بھی اس پر ظاہر کر دیا گیا پھر اگلے روز دھرم داس کا روجن کو مارنا اس کا فوت ہو جانا اور سائکرہ کے ساتھ زیادتی کرنا، پھر سندر داس کے آدمیوں کے ہاتھوں اس کے مارے جانے کے سارے واقعات تفصیل سے کہہ دیئے تھے۔

یہ سارے واقعات سن کر دکھ اور غم میں خرم بن عمر کی گردن جھک گئی پھر کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر وہ ہارون نمری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”لشکر گاہ میں کھانا تیار ہو رہا ہے کھانا کھا کر چلتے ہیں، میں سائکرہ سے ملوں گا اس کی ماں کے مرنے کا اس سے اظہار افسوس کروں گا“ اس پر بنانہ بن حنظلہ فوراً



خریم بن عمر اندر داخل ہوا گودیری نے دروازہ بند کر دیا خرم بن عمر نے ہا گودیری کو مخاطب کیا۔

”گودیری میری بہن! ساکرہ اس وقت کہاں ہے۔“

گودیری نے سامنے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”خریم بھائی آپ کے آنے کی اطلاع ہو چکی ہے جس وقت بنانہ بن حنظلہ اور ابن ہارون نمری لشکر گاہ کی طرف گئے تھے تو ہمیں بتا کر گئے تھے کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ لوٹ آئے ہیں۔ میں ساول اور ساکرہ بڑی بے چینی سے آپ ہی کی آمد انتظار کر رہی تھیں۔ ساکرہ اس وقت دیوان خانے میں ہے یوں جانو وہ اس وقت آپ کے انتظار ہی میں دیوان خانے میں بیٹھی ہے۔ اسے امید تھی کہ لشکر گاہ سے اور آتے ہی آپ اس سے ملنے ضرور آئیں گے لہذا وہ دیوان خانے میں آپ کی منتظر بن جائیں وہاں اس سے مل لیں۔“

خریم بن عمر آہستہ آہستہ دیوان خانے کی طرف بڑھا راستے میں ساول دیوان خانے سے نکلتی ہوئی دکھائی دی۔ خرم بن عمر نے اسے مخاطب کر کے پوچھا ”ساول! کیسی ہے“ ساول مسکرا دی اور کہنے لگی ”میں تو ٹھیک ہوں آپ اندر جائیں ساکرہ آپ کا انتظار کر رہی ہے“ اس پر خرم بن عمر دیوان خانے میں داخل ہوا اندر ساکرہ بیٹھی ہوئی تھی خرم بن عمر کو دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

دکھ اور غم میں خرم بن عمر آگے بڑھا ساکرہ کے سامنے ایک نشست پر بیٹھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے ساکرہ بھی بیٹھ گئی پھر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”ساکرہ مجھے تمہاری ماں کے مرنے کا انتہائی دکھ اور افسوس ہے کاش یہ یہاں ہوتا تو اس حادثے کو روکنے کی پوری کوشش کرتا۔“

یہاں تک کہتے ہوئے خرم بن عمر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ ساکرہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے۔ اس کے بعد اس کی ہچکیاں اور سسکیاں کمرے سے بلند ہونے لگیں تھیں۔ خرم بن عمر بیچارہ اپنی جگہ پر بیٹھا بڑی ہمدردی سے اس کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ ساکرہ کچھ سنبھلی تب پھر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”مجھے اس بات کا سخت افسوس اور صدمہ ہے کہ تمہارے باپ کے بھیجے ہوئے صلح جوانوں کے ہاتھوں تمہارا منگیتر مارا جا چکا ہے تمہاری ماں اور تمہارے منگیتر کا یہ مادہ میری وجہ سے ہوا اور میں اتنا درجہ نادم ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں یہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔“

خریم بن عمر کے ان الفاظ پر ساکرہ چونکی اپنے آنسو اس نے پونچھ لئے اور خرم بن عمر کی طرف احتجاجی انداز میں دیکھتے ہوئے بول پڑی۔

”یہ حادثہ آپ کی وجہ سے کیسے پیش آیا آپ کا اس میں کیا دوش اور قصور یہ تو دھرم داس حد سے زیادہ بے غیرت ہو گیا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ آپ یہاں نہیں ہیں تو اس نے میرے اور میری ماں کے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کی۔ پہلے میری ماں پر دباؤ ڈالتا رہا کہ ساکرہ کو خرم بن عمر سے نہ ملنے دیا جائے میری ماں جب نہ مانی تو اس نے اس بات پر زور ڈالا کہ ساکرہ کے ساتھ میرے پھیرے کرا دیئے جائیں۔ میری ماں نے اسے صاف بتا دیا کہ ساکرہ تمہیں نہیں خرم بن عمر کو پسند کرتی ہے لہذا اس کی شادی تمہارے ساتھ نہیں خرم بن عمر کے ساتھ ہوگی اگر تم اس سلسلے کو ناپسند کرتے ہو تو واپس نیون چلے جاؤ۔“

دھرم داس نے صلح صفائی سے کام لینے کی بجائے میری ماں پر ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا میں اور گودیری نے آگے بڑھ کر چھڑانا چاہا تو اس نے زوردار انداز میں میری ماں کو دھکا دیا میری ماں بری طرح دیوار سے ٹکرائی میں اپنی ماں کی طرف بھاگنا چاہتی تھی کہ دھرم داس نے مجھے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹا ہوا صحن میں لے گیا۔ اس دوران گودیری نے بھاگ کر بنانہ بن حنظلہ کو بتا دیا تب سب لوگ آئے۔ جب وہ حویلی میں آئے تو وہ اس وقت مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا لیکن بھلا ہو بنانہ بن حنظلہ کا اور اس کے ساتھ آنے والے بیروٹل اور میرے باپ کے بھیجے ہوئے دونوں صلح جوانوں کا کہ انہوں نے میری جان چھڑائی پھر جب انہیں پتا چلا کہ میری ماں دھرم داس کی وجہ سے مر گئی ہے تو جو دو جوان میرے باپ کی طرف سے آئے تھے انہوں نے دھرم داس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، اگر آپ اس سارے حادثے کو اپنے ذمے لیتے ہیں تو میں اس کو تسلیم نہیں کرتی اس میں آپ کا کیا دوش جب میری ماں

نے صاف دھرم داس کو بتا دیا تھا کہ سانکرہ تمہیں نہیں خرم بن عمر کو پسند کرتی ہے اسے چاہئے تھا کہ راستے سے ہٹ جاتا، میرے راستے کی دیوار بننے کی کوشش نہ کرتا۔ میں اسے کئی بار بتا چکی تھی کہ دھرم داس میں تمہارے لئے نہیں خرم بن عمر کے لئے پیدا ہوئی ہوں لہذا میرے آڑے آنے کی کوشش نہ کرنا۔ جب میں اس سے یہ الفاظ کہتی تو وہ خاموش رہتا، اگر کچھ بولتا تب میں اسے پوری طرح سمجھاتی اور اسے میاں سے نیون بھجوا دیتی لیکن لگتا تھا اسے کسی مناسب وقت کا انتظار تھا اس نے جب دیکھا کہ آپ یہاں نہیں ہیں تو یہ ہنگامہ کھڑا کر دیا۔“

خرم بن عمر کی گردن جھکی رہی سانکرہ جب خاموش ہوئی تو وہ پھر بول پڑا۔  
”لیکن سننے والے تو مجھے اس معاملے میں ملوث کریں گے جب بھی کسی کو پتہ چلے گا کہ دھرم داس نے اس وجہ سے تمہاری ماں کو مارا اور پھر اس بنا پر قتل ہوا تو لوگ یہی کہیں گے کہ اگر سانکرہ خرم بن عمر کی طرف متوجہ تھی تو خرم بن عمر نے بھی اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ میں تمہیں پہلے بھی سمجھایا کرتا تھا کہ تمہاری منگنی تمہاری سگائی دھرم داس کے ساتھ ہو چکی ہے لہذا مجھ سے ملنا جلنا تمہارا اچھا نہیں لیکن وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ اب جب تمہارے باپ کو خبر ہو گی کہ دھرم داس کے ہاتھوں اس کی بیوی ماری گئی ہے اور اس کے بیٹھے ہوئے مسلح جوانوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا ہے تو کیا وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے گا کیا وہ اس حادثے کا ذمہ دار مجھے نہ ٹھہرائے گا۔“

خرم بن عمر کے خاموش ہونے پر سانکرہ فوراً بول پڑی کہنے لگی آپ کو قصور وار کیوں ٹھہرایا جائے گا۔ بیروں کو جب میں نے اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا تھا تو میں نے اپنے باپ کو صاف کہلویا تھا کہ میں دھرم داس کو پسند نہیں کرتی اور نہ ہی اسے اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے باقاعدہ آپ کا نام لے کر بتا دیا تھا کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں آپ کی زندگی کا ساتھی بننا چاہتی ہوں۔ میرے خیال میں میرے اس پیغام کے جواب میں جو خط میرے باپ نے لکھا تھا وہ آپ نے نہیں پڑھا اگر آپ اس خط کو پڑھ لیں تو آپ کی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ میں آپ کو وشواس دلاتی ہوں کہ میرے پتا کبھی بھی آپ کو قصور وار نہیں ٹھہرائیں گے“ اس

کے ساتھ ہی اپنے لباس کے اندر سے سانکرہ نے اپنے باپ کا خط نکالا اپنی جگہ سے اٹھی اور خط خرم بن عمر کی گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگی ”آپ اسے پڑھیں اس کے بعد کسی بات کا فیصلہ کریں“ دوبارہ سانکرہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھی خرم بن عمر خط پڑھنے لگا تھا۔

خط پڑھنے کے بعد خرم بن عمر نے کاغذ تہہ کر لیا تھوری دیر تک اس کی گردن جھکی رہی سانکرہ برابر ٹھنکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی پھر سانکرہ نے اسے مخاطب کیا۔  
”کیا اب بھی آپ اس سلسلے میں خود کو قصور وار تصور کرتے ہیں۔ جو مسلح

جوان میرے باپ نے بھیجے تھے وہ واپس چلے گئے ہیں اگر وہ یہاں ہوتے میں انہیں آپ کے روہرو کرتی میرے باپ نے صاف طور پر انہیں حکم دے رکھا تھا کہ دھرم داس کو بتا دیا جائے کہ اس کے ساتھ سانکرہ کی منگنی اور سگائی ختم کی جاتی ہے۔ آنے والے ان دو جوانوں کو میرے باپ نے صاف احکامات جاری کر دیئے تھے کہ اس سلسلے میں اگر دھرم داس حد سے بڑھنے کی کوشش کرے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے یہ ساری باتیں میرے باپ کی طرف سے آنے والے جوانوں نے بتائی تھیں۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہ ہو تو اس سلسلے میں آپ میرے بھائی بنانہ بن حنظلہ اور ابن ہارون نمری سے بھی پوچھ سکتے ہیں یہ ساری باتیں ان جوانوں نے ان دونوں سے بھی کہیں تھیں مجھے امید ہے آپ میری باتوں کا اعتبار کر لیں گے اور جو حادثہ پیش آیا اس کا ذمہ دار اپنے آپ کو نہ ٹھہرائیں گے۔“

سانکرہ کی باتوں کے جواب میں خرم بن عمر تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس کی گردن جھکی رہی کچھ سوچتا رہا پھر اس نے سانکرہ کی طرف دیکھا اور کہنا شروع کیا۔  
”سانکرہ یہ کوئی چھوٹا یا معمولی حادثہ نہیں ہے بہت بڑا المیہ ہے۔ جب تمہارے باپ کو اپنی بیوی کے مرنے کی خبر ہوگی تو سوچو اس کی کیا حالت ہوگی اور پھر جب تمہاری سگائی دھرم داس سے ہو چکی تھی تو تمہیں اسی سمت رہنا چاہئے تھا میری طرف نہیں بڑھنا چاہئے تھا۔“

سانکرہ شروع شروع میں محبت و حشی جذبوں کی طرح اٹھتی ہے خوابوں کے سنساری حسین لگتی ہے پھر جب حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے تو سیاہ بختیوں کے

سایے اور جان کو سلگا دینے والی آتش غم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ میرے پاس نہ کوئی خاندانی توقیر ہے نہ سنہری تقدیر۔ میں معمولی سا گڈریا ہوں بالکل اکیلا ہوں نہ کوئی بھائی نہ بہن نہ ماں نہ باپ اب تک میں بے نشان فاصلوں اور بے انت رابطوں میں وحشتوں کے غبار اور شام الم کی طرح زندگی بسر کرتا رہا ہوں میرے مقدر میں گاتے چاند کے گیت نہ ہنتے ستاروں کے نغمے تھے۔

تم نے مجھ سے جو محبت کی ہے یاد رکھنا شروع شروع میں یہ تمہیں فضاؤں میں نکلنے نکلنے نیشے خوابوں اور بستی بستی خوشبو جیسی لگے گی، لیکن جب عملی طور پر تم میری اصلیت میری حقیقی زندگی سے گزرو گی تب تمہیں اپنی یہی محبت کڑی دھوپ کی اذیت اور گھور سی مایوسی دکھائی دے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے بعد تمہاری گھٹی چھاؤں سی خواہشیں خون میں نہا جائیں اور تمہاری دلفریب مسکرائیں آنسوؤں میں ڈوب جائیں۔

سانکرہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ جو مجھے کران میں لفکریوں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے یوں جانو یہ بھی وقت کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے یہ حادثہ پلٹ بھی سکتا ہے، اگر مجھے میری کسی ادا کی وجہ سے سالار بنایا جا سکتا ہے تو میری کسی خطا کی وجہ سے واپس اپنی اصلیت کی طرف بھی لوٹایا جا سکتا ہے۔ میں کوفہ کے فواح کی ایک چھوٹی سی بستی کا گڈریا ہوں میرے پاس چھوٹا سا مکان ہے اس گھر میں ایک چھوٹے سے ریوڑ کے ساتھ اکیلا رہتا ہوں۔ کیا تم اس کچے مکان میں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رہنا پسند کرو گی۔

خریم بن عمر کے ان سوالات کا جواب سانکرہ دینا ہی چاہتی تھی کہ اچانک کمرے میں ابن ہارون نمری داخل ہوا۔ پیچھے بنانہ بن حنظلہ تھا۔ ابن ہارون فوراً بول پڑا ”خریم بن عمر میرے بیٹے تم جھوٹ کہتے ہو تم کسی بستی کے معمولی گڈریے نہیں ہو یاد رکھنا جس منصب پر تم فائز ہو اگر تمہیں اس منصب سے ہٹا دیا جاتا ہے اور تم واپس اپنی بستی کی طرف جاتے ہو تو اس بستی میں تمہاری حیثیت ایک معمول گڈریے کی سی نہیں بلکہ ہارون نمری کے بیٹے کی سی ہو گی۔ میں جانتا ہوں سانکرہ

نہیں دل کی گھرائیوں سے چاہتی ہے تمہیں پسند کرتی ہے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بننے کا تہیہ کئے ہوئے ہے تم کیوں اسے اپنے سے دور ہٹاتے ہو۔ یاد رکھنا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اندر ہی اندر سانکرہ کو چاہتے ہو اس سے محبت کرتے ہو اور اس کے نذر نہ رہ سکو گے، پھر تم کیوں اسے اپنے آپ سے جدا کرتے ہو یہ تمہاری زندگی ہمارے جسم کا ایک حصہ ہے۔

خریم بن عمر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور سانکرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں اب جاتا ہوں اس لئے کہ۔۔۔۔۔“

خریم بن عمر یہیں تک کہنے پایا تھا کہ سانکرہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی راہ روکتے ہوئے کہنے لگی ”آپ نے جانا کہاں ہے میں کھانا لگانے لگی ہوں میں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے“ اتنی دیر تک ابن ہارون نمری بنانہ بن حنظلہ بھی آگے بڑھے۔ ابن ہارون نمری نے خریم بن عمر کو اس کے بازو سے پکڑ کر نشست پر بٹھایا خود بھی وہاں بیٹھ گیا۔ دوسری جانب بنانہ بن حنظلہ بیٹھ گیا تھا۔ سانکرہ باہر نکل گئی قہقہے تھوڑی دیر بعد سانکرہ گودیری اور سادل کھانا لے آئیں سب وہاں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد ابن ہارون تھوڑی دیر تک خریم بن عمر کے ساتھ بڑی راز دارانہ گفتگو کرتا رہا کبھی اس کے کان میں کھسر پھسر کرتا کبھی دھیمے لہجے میں گفتگو کرتا اس دوران کبھی خریم بن عمر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتی کبھی ابن ہارون نمری ہنس دیتا، پھر ابن ہارون نمری اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور سانکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سانکرہ میری بیٹی، تم ذرا میرے ساتھ آؤ“ سانکرہ گودیری اور سادل کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی فوراً ”ابھی ابن ہارون نمری کے ساتھ ہو لی۔ ابن ہارون نمری اسے باہر برآمدے میں لے گیا ایک جگہ ستون کے پاس رکا اور سانکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سانکرہ میری بیٹی میری بیٹی اگر خریم بن عمر کی حیثیت میرے ہاں ایک بیٹے ایک فرزند کی سی ہے تو تیری حیثیت میرے ہاں ایک بیٹی سے کم نہیں ہے۔ میری بیٹی

لطف چلی جائے اس طرح تمہیں اس دیوان خانے میں تھوڑی دیر کے لئے خرم بن کر کے ساتھ بیٹھنے کا موقع دیتے ہیں تاکہ تم دونوں کے درمیان ابھی تھوڑا بہت جو باپ ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔“

ابن ہارون کے کہنے پر ساگرہ اندر چلی گئی جس نشست سے اٹھی تھی اس پر بیٹھ گئی پھر ہاتھ کے اشارے سے بنانہ بن حنظلہ کو ابن ہارون نے باہر بلایا بنانہ جب اس کے پاس آیا تو ابن ہارون نے اسے مخاطب کیا۔

”بنانہ میرے بیٹے واپس جاؤ گودیری کو کہو وہ ساؤل کو لے کر حویلی کے دوسرے حصے کی طرف جائے اور میں تم اپنی حویلی کی طرف جاتے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر کے لئے خرم بن عمر اور ساگرہ کو تنائی میں بیٹھنے دو تاکہ دونوں کے درمیان جو غلط فہمیاں بن رہی ہو جائیں۔ میں نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھا دیا ہے مجھے امید ہے جب یہ نئی نئی گفتگو کریں گے تو ایک دوسرے کے بالکل قریب آجائیں گے۔“

بنانہ بن حنظلہ اندر داخل ہوا گودیری سے اس نے تھوڑی دیر کے لئے سرگوشی کی جس پر گودیری مسکرائی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی ساؤل کا ہاتھ اس نے پکڑا اور کہنے لگی آؤ ساؤل اس کے ساتھ ہی گودیری اسے لے کر حویلی کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی جبکہ ابن ہارون اور بنانہ بن حنظلہ اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

دیوان خانے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خرم بن عمر نے ساگرہ کو مخاطب کیا۔

”یہ ابن ہارون تمہیں علیحدگی میں لے جا کر کیا کہہ رہے تھے“ ساگرہ کے ہنس پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر کہنے لگی ”پہلے آپ یہ بتائیں آپ سے وہ کیا کہہ رہے تھے اس لئے کہ وہ کمرے میں بیٹھ کر آپ سے بھی سرگوشی کر رہے تھے۔“

خرم بن عمر ہنس دیا اور کہنے لگا ”اچھا پہلے تم یہ بتاؤ کہ ابن ہارون نے تمہیں اور تم نے ان سے کیا کہا“ اس پر ساگرہ تیز نگاہوں سے خرم بن عمر کی طرف دیکھتی رہی پھر بول پڑی۔

”میں نے انہیں کیا کہنا تھا بس ان کے سامنے میں نے آپ سے اپنی محبت کا

یہ مت خیال کرنا کہ یہاں تو اکیلی ہے یہاں تیرا کوئی پرسان حال نہیں۔ میں یہاں تیرے باپ کی جگہ ہوں سن کھانا کھانے کے بعد میں نے تفصیل کے ساتھ خرم بن عمر کے ساتھ رازدارانہ گفتگو کی ہے اور اس گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ وہ تمہیں پزیر کرتا ہے بس بے چارہ اپنا بھرم رکھے ہوئے ہے۔ دراصل یہ بڑا حقیقت پسند انسان ہے سچ بولنے والا ہے کسی کو اندھیرے میں رکھنے والا نہیں ہے۔ بے شک میں اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں لیکن اس نے کبھی مجھ پر بوجھ بننے کی کوشش نہیں کی، اگر بستی میں میں نے اسے کچھ دینا چاہا تب بھی اس نے انکار کر دیا بس بیچارہ چھوٹا سا ریوڑ چرا کر اپنی گزر بسر کرتا رہا ہے جو باتیں اس نے تم سے کہیں وہ سچ اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ بیٹی اگر کبھی اسے اس منصب سے ہٹا دیا جاتا ہے تو تم اس کے ساتھ رہتے ہوئے پچھتاؤ گی تو نہیں کہ تمہیں ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے جو ایک گڈ ریا ایک چر دہا ہے۔“

ابن ہارون نمری کے اس سوال پر ساگرہ کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی پھر وہ کہنے لگی۔

”آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں، میں نے خرم بن عمر کو چاہا ہے اس سے محبت کی ہے بھیڑ بکریاں چرانا تو ایک بڑا برکت والا پیشہ ہے۔ بھگوان نے چاہا تو میں کبھی انہیں دکھ اور تکلیف نہ دوں گی اگرچہ اپنے اس منصب سے ہٹا دیئے جاتے ہیں تب بھی میری محبت میں کوئی فرق نہیں آئے گا کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ میں ان کے ساتھ رہتے ہوئے کوفہ کی نواحی بستی میں ان کے ساتھ مل کر بھیڑ بکریاں چراتے ہوئے بھی فخر محسوس کروں گی۔“

تھوڑی دیر تک ابن ہارون نمری بڑے غور سے ساگرہ کی طرف دیکھتا رہا اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی گئی پھر اس کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔

”میری بیٹی تو نے میرا دل خوش کر دیا ہے تو صبح معنوں میں اس قاتل ہے کہ تجھے خرم بن عمر کی زندگی کا ساتھی اور اس کے جیون کا رفیق بنایا جائے، تو جاننا نہ کہہ کر بیٹھ بیٹھ بنانہ بن حنظلہ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ بنانہ بن حنظلہ کو میں سمجھا دیتا ہوں کہ وہ گودیری سے کہے گا کہ وہ ساؤل کو لے کر حویلی کے دوسرے حصے کی



مانگہ خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے آمادہ ہوں گی۔“

سانکرہ کے ان الفاظ پر خرم بن عمر خوش ہو گیا تھا تھوڑی دیر تک وہ اس کی کمر ہاتھ پھیرتا رہا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا۔  
”سانکرہ آج سے میں تمہارا پاسبان ہوں تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم مجھ سے مانگنا اب مجھے اجازت دو میں جاتا ہوں“ سانکرہ علیحدہ ہوئی اور مسکراتے ہوئے گئے۔

”جائیں گے کہاں آپ کے کمرے کی چابیاں تو میرے پاس ہیں چلیں میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں آپ کے کمرے کی صفائی تو میں نے کر دی ہے“ اس پر خرم بن عمر جنت سے بول دیا ”ہاں چلو میں تمہیں خود کہنے لگا تھا کہ میرے ساتھ کمرے میں چلو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں“ پھر دونوں دیوان خانے سے باہر آئے حویلی کے دروازے کے سامنے گودیری اور ساؤل کھڑی تھیں انہیں مخاطب کر کے سانکرہ نے کہا۔

”گودیری میں تھوڑی دیر تک آ رہی ہوں ان کے ساتھ ان کے کمرے تک جا رہی ہوں“ اس موقع پر ہاتھ بلند کرتے ہوئے خرم بن عمر نے بھی گودیری کو مخاطب کیا۔

”گودیری میری بہن میرے اور سانکرہ کے درمیان جو دھند تھی وہ چھٹ چکی ہے تم فکر مند نہ ہونا آج کے بعد سانکرہ میری محبت میری امانت ہے۔“

خرم بن عمر کے ان الفاظ پر گودیری اور ساؤل دونوں خوشی میں جھوم گئیں۔  
”بس بھائی ہوئی آگے بڑھیں پھر ایک ساتھ دونوں سانکرہ سے لپٹ گئیں اور گودیری سانکرہ سے کہنے لگی۔

”سانکرہ اس موقع پر میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں“ پھر گودیری نے خرم بن عمر کی طرف دیکھا ”ابن عمر میرے عزیز بھائی میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے سانکرہ کو وہ اہمیت دی جس کی یہ حقدار اور جس کی یہ طلب گار تھی۔

سانکرہ کو آپ نے اپنے کمرے میں لے جا کر کوئی رازداری کی بات کرنی ہے تو میں اور ساؤل یہیں رہتے ہیں، اگر ایسی بات نہیں تو ہم دونوں بھی ساتھ چلتے

اظہار کیا ہے ویسے بھی اب اس پردیس میں آپ ہی میرے لئے برسریت کے اندھیروں اور جذبوں کے جنگل میں روشنی اور تحفظ کا میثار ہیں آپ بتائیں آپ کے میرے متعلق کیا جذبے کیا خیالات ہیں۔“  
خرم بن عمر تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا سانکرہ کی طرف دیکھتا رہا اس کے بعد بھی بول پڑا۔

”سانکرہ اب حالات اس موڑ اس دورا ہے پر آن کھڑے ہوئے ہیں کہ مجھے اپنا باطن تجھے صاف صاف دکھانا پڑے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تم سے متعلق کرتا رہا ہوں لیکن دھرم داس کی وجہ سے چپ تھا چاہت کا اظہار نہیں کر سکتا تھا اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں تو میں تمہیں صاف طور پر کہہ سکتا ہوں کہ آج کے بعد تم میرے لئے خوش الحان موسیقی کی ترنم ریزی کی طرح ہو اور عقل و شعور کے افق پر پرندوں کی چچماہٹ اور چرواہوں کی بانسریوں کا گیت ہو۔ تمہاری طرف غلط انداز میں بڑھنے والا ہر ہاتھ کاٹ دوں گا ہر اس آنکھ کو پھوڑ دوں گا جو بدی کے ارادے سے تمہیں دیکھنے کی کوشش کرے گی اب کہو تم کیا کہتی ہو۔“

خرم بن عمر کے اس طرح اظہار محبت کرنے پر خوشی اور مسرت میں سانکرہ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ کچھ دیر تک وہ جواب دینے کے لئے مناسب الفاظ ہی تلاش نہ کر سکی اس کی گردن جھک رہی تھی اور عجیب سے لطف میں وہ مسکرا رہی تھی اس موقع پر خرم بن عمر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اگر تم میرے ان جذبوں کوئی جواب نہیں دینا چاہتی تو پھر میں چلتا ہوں۔

خرم بن عمر کے ان الفاظ پر سانکرہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی بڑی تیزی سے آگے بڑھی اس بار ذرا بے باکی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے خرم بن عمر کے دونوں ہاتھ اپنے نرم گداز اور خوبصورت ہاتھوں میں لئے پھر اپنا سر اس کی چھاتی پر رکھا اور بڑی سپردگی اور چاہت میں کہنے لگی۔

”میرے لئے یہی سب سے بڑا انعام اور خوشی ہے کہ آپ میرے ہیں بس اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہئے، اگر آپ مجھے کسی چھپر کسی کو مستانی کھوہ میں رکھیں گے تو قسم بھگوان کی اور قسم آپ کے خداوند قدوس کی ہر جگہ میں آپ



ہیں“ اس پر خرم بن عمر کہنے لگا ”ہاں تم دونوں بھی ساتھ چلو“ پھر وہ تینوں خرم بن عمر کے ساتھ اس حویلی سے نکل گئیں تھیں۔

حویلی کے صدر دروازے کے پاس آ کر گودیری نے ساول سے نہ جانے کیا گفتگو کی کہ ساول لوٹ گئی۔ دوسری حویلی میں داخل ہونے کے بعد خرم بن عمر اور ساکرہ کے ساتھ جانے کے بجائے گودیری کہنے لگی ”آپ ذرا چلیں میں بیٹا بن حنظلہ سے مل کر آتی ہوں“ پھر گودیری مڑی اور بیٹا بن حنظلہ کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

ساکرہ اور خرم بن عمر آگے بڑھے ساکرہ نے مقفل دروازہ کھولا دونوں اندر داخل ہوئے اپنے دونوں کمروں کا خرم بن عمر نے جائزہ لیا پھر کہنے لگا۔  
”ساکرہ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری رہائش کو اس قدر صاف ستھرا رکھا ہے اس پر ساکرہ جھٹ سے بول پڑی۔

”آج تو آپ نے میرا شکریہ ادا کر دیا ہے آج کے بعد کبھی میرے لئے ایسے الفاظ نہ استعمال کیجئے گا اس لئے کہ آپ کی خدمت اور آپ کے کام کاج کرنا صرف میری اخلاقیات میں شامل نہیں بلکہ اب یہ میرا فرض بنتا ہے۔“

خرم بن عمر کو کچھ یاد آ گیا پھر وہ ساکرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”ساکرہ تم بیٹھو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں“ ساکرہ تڑپ کر خرم بن عمر کے سامنے آئی اور کہنے لگی ”آپ کہاں جا رہے ہیں“ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خرم بن عمر نے بڑے پیار سے کہنا شروع کیا ”فکر مند نہ ہو میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر تو نہیں جا رہا ہوں ذرا بیرومل کو بلاتا ہوں میرے گھوڑے کو اصطبل میں لے گیا تھا میرے گھوڑے کے ساتھ خرجمین تھی وہ میں منگوانا چاہتا ہوں۔“

یہاں تک کہتے کہتے خرم بن عمر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ عین اس لمحہ بیرومل دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ خرم بن عمر کے گھوڑے کی چرمی خرجمین اٹھائے ہوئے تھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیرومل میں تمہاری ہی طرف جانے والا تھا مجھے اپنے گھوڑے کی خرجمین چاہئے تھی اس میں میرا کچھ سامان ہے“ دروازے پر کھڑے ہی کھڑے بیرومل بول پڑا۔

”آپ کو خرجمین دینے کے ساتھ ساتھ میں آپ کو اور چھوٹی ماکن ساکرہ کو مبارکباد دینے آیا ہوں۔ میرے رام رتن اور ہرچند رائے کے لئے آج کا دن انتہائی ذہنی اور شہ گھڑی کا دن ہے کہ آپ اور ساکرہ کے درمیان جو دوریاں اور غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہو گئی ہیں اور آپ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔“

بیرومل کی اس گفتگو سے خرم بن عمر اور ساکرہ دونوں مسکرا دیئے تھے پھر بیرومل کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کہنے لگا ”تم دروازے پر کیوں کھڑے ہو زہن مجھے دو اور یہاں مسہری پر آ کر بیٹھو“ بیرومل نے آگے بڑھ کر چرمی خرجمین زہن بن عمر کو تھما دی اور خود آگے بڑھتے ہوئے ایک مسہری پر بیٹھ گیا تھا۔ خرم بن عمر نے ساکرہ کو اشارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا اور خود دوسرے کمرے کی طرف گیا ساکرہ اس کے پیچھے پیچھے دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی خرم بن عمر نے ہنی خرجمین کے اندر سے کچھ نقدی نکالی اور ساکرہ کو دیتے ہوئے کہا۔

”ساکرہ اس نقدی کے تین حصے کرو ایک حصہ بیرومل کو دے دو باقی دونوں حصے ہی اس کے حوالے کر دو یہ دونوں حصے بیرومل رام رتن اور ہرچند رائے کو دے دے گا۔ اس نے ہمارے تعلقات کی بحالی پر مبارکباد دی ہے اور یہ انعام کا حقدار ہے۔“

خرم بن عمر کے ایسا کرنے پر ساکرہ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی پہلے اگے بڑھ کر اس نے خرم بن عمر کے ہاتھ کو بوسہ دیا پھر کہنے لگی ”آپ اس قابل ہیں کہ آپ کی پرستش کی جائے۔“

ساکرہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ خرم بن عمر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہنے لگا ”یہ کفر کے الفاظ ہیں آئندہ کبھی ایسا نہ کہنا۔ پرستش کے قابل صرف میرے والدند مقدس کی ذات ہے اس کے علاوہ سب اس کے بندے اس کے غلام ہیں اور منگی اور غلامی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے آقا جو سارے جہاں کا رب اور پالنے والا ہے اس کے سامنے ہی دست طلب دراز کرے۔ اب تم میرے ساتھ آؤ۔“

ساکرہ چپ چاپ خرم بن عمر کے ساتھ ہوئی پھر اس نے اس رقم کے تین

حصے کیے بیروں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”یہ جو تین حصوں میں منقسم رقم ہے اس میں ایک حصے کے بیروں تم حقدار ہو باقی دو حصے رام رتن اور ہرچند رائے کو ہماری طرف سے دے دینا۔ تم نے ہمیں مبارکباد دی ہے تم اس کے حقدار ہو۔ رام رتن اور ہرچند رائے کو بھی آگاہ کر دینا کہ اب میرے اور خرم بن عمر کے درمیان کوئی غلط فہمی کوئی دھند نہیں ہے۔“

بیروں نے خرم بن عمر اور سانکرہ کا شکر یہ ادا کیا پھر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔ خرم بن عمر نے خرمین سانکرہ کو تھمائی اور کہنے لگا۔

”سانکرہ اس خرمین میں ایک چابی ہو گی وہ نکالو اور وہ جو سامنے لکڑی کا چھوڑا سا بکس رکھا ہے اس کا قفل کھولو۔“

سانکرہ نے خرمین کے اندر سے چابی نکالی لکڑی کے صندوق کا قفل کھولا۔ صندوق کے اندر پہلے سے کچھ نقدی پڑی ہوئی تھی اس موقع پر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”اس خرمین کے اندر جو نقدی ہے وہ بھی لکڑی کے اس صندوق میں رکھ دو اور اس کی چابی اپنے پاس رکھو“ سانکرہ نے گھورنے کے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھا پھر سوالیہ سے انداز میں پوچھنے لگی۔

”لکڑی کے صندوق کی چابی تو میں اپنے پاس رکھ لیتی ہوں اس میں آپ کا سارا جمع خزانہ بھی ہے۔ پہلے یہ بتائیں کہ میری حیثیت کیا ہو گی کیا میں ان چیزوں کی امانت دار یا محافظ ہوں گی یا۔۔۔۔۔“

سانکرہ کہتے کہتے رک گئی شاید وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی تھی یا اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا جواب میں خرم بن عمر بول پڑا۔

”تمہاری حیثیت امانت دار کی نہیں ہاں تم اپنے آپ کو مالک زیادہ محافظ خیال کر سکتی ہو۔ اب میرے کمرے کی ہر شے کی نگرانی تمہارے ذمے ہے میں کل یہاں سے کوچ کروں گا اس لئے ہر چیز تمہاری حفاظت میں ہو گی۔“

خرم بن عمر کے ان الفاظ پر سانکرہ چونکی تھی کچھ متفکر ہو گئی تھی پھر پوچھنے لگی

”آپ آج تو آئے ہیں کل آپ کہاں اور کدھر کا رخ کریں گے۔“

خرم بن عمر سانکرہ کے اس سوال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی لمحے کے دروازے پر ابن ہارون نمری بنانہ بن حنظلہ اور گودیری نمودار ہوئے تھے۔ زیادہ چپ رہا تینوں آگے بڑھے خرم بن عمر اور سانکرہ نے اپنی جگہوں پر کھڑے ہو کر ان تینوں کا استقبال کیا سب نشستوں پر بیٹھ گئے تو گفتگو کا آغاز ابن ہارون نمری نے کیا۔

”خرم بن عمر میرے بیٹے سانکرہ میری بچی میں بے حد خوش ہوں کہ تم دونوں کے درمیان جو غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہو چکی ہیں۔ میں گودیری کا بھی شکر گزار اور ممنون ہوں کہ اس نے یہ خبر دی کہ تم دونوں اس کمرے میں آئے ہو بہر حال بچے بڑے لئے یہ انتہائی خوشی کا معاملہ ہے کہ تم دونوں آپس میں راضی ہو گئے ہو۔ اب برا ارادہ ہے کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر تمہاری اور سانکرہ و بنانہ بن حنظلہ گودیری کی شادی کا اہتمام کر دوں گا۔ میری کوشش یہ ہو گی کہ اس شادی میں سانکرہ اور گودیری کے باپ اور اہل خانہ بھی شامل ہوں۔ میں کسی نہ کسی طرح ایسی ترکیب لانے کی کوشش کروں گا اس لئے میں تم لوگوں کی شادی میں کچھ تاخیر کروں گا ہو سکتا ہے حالات ایسے ہوں جائیں کہ سانکرہ اور گودیری کے اہل خانہ ان کی شادیوں میں نیک ہو سکیں۔“

ابن ہارون یہاں تک کہنے کے بعد رک گیا اس لئے کہ گودیری آگے بڑھی سانکرہ کے کان میں کوئی کھسر پھر کرنے لگی تھی اس پر سانکرہ اور گودیری نے ایک نمٹہ لگایا۔ خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ اور ہارون نمری بھی مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے پھر ابن ہارون نمری نے پوچھ لیا۔

”میری بچیوں کیا معاملہ ہے کیا تمہاری خوشی تمہاری مسکراہٹ میں ہم تینوں نال نہیں ہو سکتے۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سانکرہ نے مسکراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”دراصل معاملہ یہ ہے کہ یہ جو لکڑی کا صندوق کھلا ہے اس پر گودیری کی نظر پڑی اور یہ مجھ سے پوچھنے لگی کہ لکڑی کا صندوق کیوں کھلا ہوا ہے، کیا خرم بن عمر کے خزانے کی چابیاں تمہارے پاس آگئی ہیں اور میں اسے بتا رہی تھی کہ ہاں اس

صندوق کی چابیاں میرے پاس آگئیں ہیں۔“

ابن ہارون نے اس بار گفتگو کا رخ موڑا اور خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”خرم میرے بیٹے یہ تو ایک موضوع ہے اور اس موضوع کے لحاظ سے میرے بے حد خوش ہوں کہ تم اور بنانہ بن حنظلہ نے ساکنہ اور گودیری کو اپنی زندگی کے ساتھ چن لیا ہے اب میں دوسرے موضوع کی طرف آتا ہوں وہ کچھ اس طرح ہے کہ اب تمہارا کیا لائحہ عمل ہے۔“

میرے بیٹے زمیش کا تم خاتمہ کر چکے ہو معاویہ اور محمد بھی ٹھکانے لگ چکے ہیں۔ اب ہمارے سامنے حارث علانی ہے جب تک اس کا خاتمہ نہیں ہوتا وہ راہِ داہر کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف سازشیں تیار کرتا رہے گا، سب سے بڑھ کر ابھی ناکامہ قبیلے کا سردار مول زندہ ہے وہ بھی سازشوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ جب تک مول اور حارث علانی کا خاتمہ نہیں ہوتا اس وقت تک مکران کے اندر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ بند نہیں ہو گا اب تم بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

خرم بن عمر نے کچھ سوچا پھر ابن ہارون نمری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔  
”آپ تینوں کی آمد سے پہلے میں ساکنہ کے ساتھ اسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ میں کل یہاں سے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کمان کا رخ کروں گا اس میں شک نہیں کہ زمیش کا میں نے خاتمہ کر دیا ہے لیکن اکیلے زمیش کے ختم ہونے سے کمان کے اندر مجوسیوں کی جو قوت ہے وہ ختم نہیں ہو جائے گی۔ وہ پھر کسی کو اپنا سردار سربراہ چن لیں گے اور ہمارے خلاف ریشہ دوانی میں مصروف ہو جائیں گے اس طرح ایک سانپ کے مرنے سے اس کی جگہ دوسرا سانپ لے لے گا۔ میں ان سانپوں کے ٹھکانے ہی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔“

کل میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کمان کا رخ کروں گا کمان کے نین شہروں مسکی، ماہان اور اناس میں اس دقت مجوسیوں کی قوت ہے میں ان تینوں شہروں میں موجود مجوسیوں کی ساری طاقت اور عسکری قوت کو تھم نہس کر کے رکھ دوں گا جب میں ایسا کر چکوں گا تو خداوند قدوس نے چاہا تو مغرب کی طرف سے مکران کے

مسلمانوں کو بالکل عافیت نصیب ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہمارے سامنے صرف دو دشمن ہوں گے مول اور راجہ داہر اس لئے کہ حارث علانی بھی راجہ داہر کا ایک موہ ہے اور ان دو قوتوں سے ہم نبرد آزما ہوتے رہیں گے، اگر راجہ داہر نے پرزے ٹکانے کی کوشش کی تو اس سلسلے میں تیز رفتار قاصد حجاج بن یوسف کی طرف بھجائیں گے اور راجہ داہر کی شکایت کی جائے گی کہ اس کے خلاف بڑی کارروائی کی ابتداء کی جائے۔ مجھے امید ہے کہ اگر مسلمانوں کو مکران کے اندر کوئی بھی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تو حجاج بن یوسف یا ولید بن عبد الملک راجہ داہر کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کرنے سے ہچکچائیں گے نہیں، بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ کل میں اپنے لشکر کے ساتھ کمان کا رخ کروں گا۔“

جب تک خرم بن عمر بولتا رہا ابن ہارون نمری اور بنانہ بن حنظلہ بالکل چپ بنے رہے جب خرم بن عمر کہہ چکا تو بنانہ بن حنظلہ بول پڑا۔

”خرم بن عمر میرے عزیز بھائی ہر بار کی مہموں میں تم ہی دقت اور تکلیف اٹھاتے ہو۔ اس طرح لوگ یہ نہ کہیں گے کہ بنانہ بن حنظلہ تو مکران کے اندر آرام کر رہا ہے اور بیرونی دشمنوں کے خلاف خرم بن عمر نبرد آزما ہے اور تکلیفیں اٹھا رہا ہے۔ میرے عزیز بھائی اب تم یہاں رہو یہاں ساکنہ کو بھی تمہاری ضرورت ہے اس بار مجھے کمان کا رخ کرنے دو۔ میں مجوسیوں کے خلاف حرکت میں آؤں گا اور مجھے امید ہے کہ تمہاری خواہش کے مطابق نتائج برآمد کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

بنانہ بن حنظلہ کی اس گفتگو کے جواب میں خرم بن عمر کے چہرے پر مگر اہٹ نمودار ہوئی پھر کہنے لگا۔

”بنانہ میرے بھائی اس موضوع پر پہلے بھی میری تمہاری گفتگو ہو چکی ہے تم فارغ نہیں ہو تم مکران میں مسلمانوں کی عزت و ناموس کے محافظ ہو اگر میری غیر موجودگی میں کوئی مکران کا رخ کرتا ہے تو تم اس قوت کو روک سکتے ہو۔ جہاں تک میرا داہر کی مہموں میں جانے کا تعلق ہے جو لشکر میں اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوں اسے میں لے ان مہموں کے لئے پوری طرح تربیت یافتہ کر رکھا ہے۔ میرے اشاروں پر وہ چلتے ہیں اور ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ دشمن کو اٹھنے کا موقع نہیں دیتے۔ میرے بھائی پہلے

کی طرح تم یہاں مکران میں ایک محافظ ایک پاسبان کی حیثیت سے رہو گے جبکہ میں کمران کا رخ کروں گا میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں بیرونی قوتوں سے نہیں رہوں گا بس تم مکران کی حفاظت کے ذمہ دار ہو اب اس سے آگے مزید کوئی گفتگو نہ کرنا۔“

ابن ہارون اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”بیٹے اگر تم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے تو آرام کرو میں بنانہ بن حنظلہ اور گودیری جاتے ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ بیٹوں اٹھے اور کمرے سے نکل گئے تھے ساگرہ بھی اپنی جگہ سے اٹھی اور کہنے لگی ”آپ تھکے ہارے آئے ہیں آرام کریں میں اب جاتی ہوں کل میں آؤں گی اور خود آپ کے کوچ کی تیاری کراؤں گی“ جواب میں خرم بن عمر نے اثبات میں گردن ہلا دی تب ساگرہ بھی باہر نکل گئی تھی اگلے روز خرم بن عمر مکران سے کمران کی طرف کوچ کر چکا تھا۔



PDF

نکارہ قبیلے کے سردار مول کو سراندیپ کے راجہ کی طرف سے آنے والے بحری جہازوں کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا جن کے اندر حجاج بن یوسف اور ولید بن عبدالملک کے لئے تحائف تھے اور کچھ مسلمان تھے جو سراندیپ میں آباد تھے اور حج کی غرض سے خانہ کعبہ کا رخ کئے ہوئے تھے۔ جب جہازوں کا یہ بیڑہ دبیل کے سامنے کھلے سمندر میں پہنچا تو مخالف ہواؤں کے طوفانوں نے ان جہازوں کو بے قابو کر کے ساحل دبیل پر پہنچا دیا۔ اس وقت دبیل سندھ کی بندرگاہ اور راجہ داہر کے علاقے کا مشہور شہر تھا یہاں راجہ داہر کی طرف سے گورنر اور سپہ سالار رہا کرتا تھا۔ کہتے ہیں دبیل کبھی مغربی سندھ کا مشہور شہر تھا اور قدیم بندرگاہ بھی، ایران عراق افریقہ کے جہاز یہاں آکر ٹھہرتے تھے اب اس شہر کا کہیں نام و نشان نہیں اور نہ اس کا محل وقوع ابھی تک صحیح طور پر متعین ہو سکا ہے۔ اس شہر کی قدامت کے متعلق مورخین سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ دبیل چھٹی صدی عیسوی میں رائے گھرانہ کے عہد حکومت تک موجود تھا۔

دبیل کے متعلق پہلا تاریخی حوالہ ہمیں بلا ذری کی فتوح البلدان میں ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بحری پندرہ میں عثمان بن ابی العاص کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا تو انہوں نے اپنے بھائی مغیرہ کو خلیج دبیل روانہ کیا جنہوں نے ہندوستان کی تین بندرگاہوں دبیل، بدوچ اور تھانے پر حملہ کیا۔

پھر ہمیں دبیل کا تذکرہ محمد بن قاسم کی سن سات سو بارہ میں اس کی فتح اور اس کے بعد سندھ میں عربوں کے دور حکومت میں مسلسل حوالے ملتے ہیں، عرب کے سیاح اور جغرافیہ دان سعودی، اصطخری، ابن حوقل اور آخر میں مقدسی خود دبیل

آتے تھے جنہوں نے اس شہر کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور سفر ناموں میں دیبل کا تذکرہ ملتا ہے ان تمام شواہد سے مورخین اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تیرہویں صدی کے نصف تک دیبل اچھی یا خراب حالت میں موجود تھا۔ گنگا غالب یہ ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں جب عرب حکومت کمزور پڑی تو اس وقت دیبل کی اہمیت کم ہونے لگی۔

دوسری طرف مقامی حالت کی تبدیلی کی وجہ سے دریائے سندھ کی ختم ہونے والی شاخ میں رو بدل کے سبب خود دریائے سندھ کی ایک شاخ پر ایک نئی بندرگاہ کی سہولت پیدا ہوئی جسے لوہارانی بندر کہا جاتا تھا۔

گیارہویں صدی عیسوی کے شروع دور کا محقق البیرونی دیبل کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بندرگاہ لوہارانی کا بھی تذکرہ کرتا رہا ہے غالباً اس بندرگاہ کی سہولت نے دیبل کی اہمیت کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا اس کے دو سال بعد دیبل بالکل ختم ہو گیا۔ چنانچہ سن تیرہ سو تینتیس (1333) میں ابن بطوطہ لاہری بندر کے قریب چھ سات میل پر ایک شہر کے خرابے کا تذکرہ کرتا ہے شاید جس شہر کا اس نے ذکر کیا ہے وہ پرانا شہر دیبل ہی ہو گا۔

بہر حال بندرگاہ دیبل تقریباً چھ سو برس تک سندھ کی ایک اہم بندرگاہ رہی اور اس عرصے میں سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ اسی دیبل سے وابستہ تھی، اسی وجہ سے دیبل کی تباہی کے بعد سندھ کے لوگ نئی بندرگاہ کو بھی دیبل ہی کا نام دیتے تھے۔

گویا بندرگاہ کے ساتھ دیبل کا نام لازم طرہم تھا آخری دور کی تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے سولہویں صدی کے پریگیمیری مصنفین نے لاہری بندر کو لاہوری بندر لکھا ہے اس کے بعد انگریز مورخین بھی اس کو سٹی دیول اور لاہری بندر لکھتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ دیول بندر اور لاہری بندر دونوں علیحدہ علیحدہ تھے، لیکن اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آخر دیبل کہاں تھا۔

قیاس اور قرآن سے کام لیتے ہوئے مورخین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ داگھور مضمبور ہاڑی مرڈ اور تھنب والی مسجد، ان مقامات میں سے کسی ایک مقام کو دیبل

ارہا جا سکتا ہے لیکن تاریخی روشنی اور محکمہ آثار قدیمہ کی اس تحقیق کی بناء پر جو نے اب تک کہیں ہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مضمبور کے کھنڈرات کا دیبل ہونا زیادہ فرین قیاس ہے۔

دیبل ان دونوں بحری قزاق نکامرہ قبائل کا مرکز تھا یہی نکامرہ قبائل مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ آور ہوئے ان پر قبضہ کر لیا جمازوں کو انہوں نے لوٹا اور مردوں کے رتوں کو گرفتار کر کے سارے سامان اور جوہرات پر قبضہ کر لیا۔ کہتے ہیں جس قدر لوگ کو قیدی بنایا گیا انہیں اروڑ یعنی راجہ داہر کے مرکزی شہر الور کی طرف روانہ کر لیا تھا اور کچھ کو دیبل میں بھی رکھا گیا۔

سراندیپ کے راجہ کے آدمیوں اور عورتوں نے بہت کہا کہ ہم یہ سامان ملانوں کے خلیفہ ولید بن عبدالملک اور حجاج بن یوسف کے لئے لے جا رہے ہیں انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور سب کو قیدی بنا کر کہا گیا کہ تمہارا اگر سرپرست تو اس کے توسط سے تم خود کو پھر خرید کر آزادی حاصل کر سکتے ہو۔

جس وقت مسلمانوں کو گرفتار کر کے قیدی اور اسیر بنایا جا رہا تھا اس وقت ایک رات جس کا تعلق عربوں کے قبیلہ بنی عزیز سے تھا اس نے جہاز پر کھڑے ہی کھڑے آسمان کی طرف دیکھا اپنے خداداد قدوس کو اپنی مدد اپنی حمایت کے لئے پکارا اس کے بعد اس نے اپنا رخ عراق کی طرف کیا اور زور زور سے پکارنے لگی یا حجاج یا ابن افضل (یعنی اے حجاج میری مدد کو پہنچ)۔

جس وقت نکامرہ قبیلے کے لوگ مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ آور ہوئے تو کچھ سالوں کی نہ کسی طرح چھوٹی کشتیوں میں بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ان سالوں نے عراق کا رخ کیا تاکہ مسلمانوں کی حالت زار جا کر حجاج بن یوسف سے بیان کریں۔



ایک روز حجاج بن یوسف کے بیٹے عبداللہ نے خراسان کے اس قاصد کو اس کے سامنے پیش کیا جو اس سے پہلے بھی قتیبہ بن مسلم کے متعلق خبریں حجاج بن



یوسف کو پہنچاتا رہا تھا۔

جب وہ قاصد حجاج بن یوسف کے سامنے گیا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بن یوسف تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر اسے مخاطب کیا۔  
 ”تمہارا چہرہ تمہاری چمکتی ہوئی آنکھیں مجھے بتاتی ہیں کہ تم میرے لئے قتیبہ مسلم کی طرف سے کوئی اچھا پیغام لے کر آئے ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے یا۔ تاکہ میں اس سے باخبر ہوں“ اس پر قاصد بول پڑا۔

”امیر محترم آپ جانتے ہیں کہ چین کے بادشاہ کی ہمیشہ کے بیٹے نے دو ایک لشکر جمع کیا تھا اور قتیبہ بن مسلم کے خلاف لشکر کشی کی تھی لیکن قتیبہ بن نے ان سب کو مار بھگا گیا۔ اس کاروائی کے بعد قتیبہ بن مسلم اپنے مرکزی شہر مرو آیا پھر اسے مرو میں زیادہ دن رہنا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے کہ بخارا، کاشی، سندھ کے حکمرانوں اور بڑے بڑے سرداروں نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف با کھڑی کر دی قتیبہ ایک بار پھر اپنے لشکر کے ساتھ مرو سے نکلا اور باغیوں پر حملہ ہو کر ان سب کو بدترین شکست دی اور اپنی فرمان برداری پر مجبور کیا اور دوبارہ لوٹ آیا۔

خراسان کا یہ علاقہ ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں بار بار نافرمانی اور بغاوتیں کھڑی ہوتی ہیں قتیبہ بن مسلم پھر مرو میں چند ہفتے ٹھہرا کہ اس دوران بخارا اور حکمرانوں نے اردگرد پھیلے غیر مسلم ترکوں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کھڑی کر دی بارغیس کا غیر مسلم حکمران نیزک قتیبہ بن مسلم کا فرماں بردار رہا اور اس نے بن مسلم کو پیشکش کی کہ وہ اس کے ساتھ مل کر باغیوں کی بغاوت فرد کرنے کے تیار ہے۔

قتیبہ بن مسلم نے نیزک کی اس پیشکش کو قبول کیا نیزک کو اس نے ساتھ لیا اور بخارا کی طرف بڑھا غیر مسلم ترکوں نے زور دار حملہ کیا اور اپنے حملے میں قتیبہ بن مسلم کے مقدمتہ الیش کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا، لیکن قتیبہ بن مسلم اپنے پورے لشکر کے ساتھ اس انداز اور اس قوت کے ساتھ حملہ ہوا کہ دشمن کے لشکر کے ایک بڑے حصے کو اس نے تھس تھس کر کے رکھ دیا۔

مسلم حکمران اس جنگ میں زخمی ہو کر بھاگے اور مسلمانوں کو عظیم فتح نصیب ہوئی۔ اس فتح کے نتیجے میں بخارا اور مغد کے حکمرانوں نے جزیہ دینے اور آئندہ قتیبہ بن مسلم کا فرماں بردار رہنے کا عہد کیا جس پر قتیبہ بن مسلم لوٹ کر مرو کی طرف چلا گیا۔ پھر نجانبہ بارغیس کے حکمران نیزک کو جو اس سے پہلے قتیبہ بن مسلم کے ساتھ فرماں برداری کا اظہار کرتا رہا تھا کیا ہوا اس کے دماغ میں کوئی خرابی آئی کہ اس نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی۔ اردگرد کے حکمرانوں نے دیکھا کہ نیزک نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف بغاوت کر دی ہے تو اس بغاوت کو دیکھتے ہوئے ’لخ‘، ’بازان‘، ’طالقان‘، ’جوزجان‘ اور کچھ دوسرے علاقوں کے حکمرانوں اور عاملوں نے بھی پر پزے نکالے بغاوت کھڑی کی اور نیزک کے ساتھ مل گئے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے قتیبہ بن مسلم نکلا لشکر کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ اس نے اپنے بھائی عبدالرحمان بن مسلم کو دیا اور اسے یوقان کی طرف روانہ کیا۔ خود لشکر کا دوسرا حصہ لے کر نیشاپور کی طرف روانہ ہوا دراصل وہ دشمن کے لئے دو بڑے محاذ کھولنا چاہتا تھا اور اسے دو حصوں میں بانٹ کر قرار واقعی سزا دینا چاہتا تھا۔

قتیبہ بن مسلم کا یہ منصوبہ کامیاب رہا باغیوں پر دو طرف سے جان لیوا حملے کئے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ سب کو قرار واقعی سزا دی گئی سب نے عجز اور فرماں برداری کا اقرار اور ادا جزیہ کا وعدہ کیا اس جنگ میں بارغیس کا حکمران نیزک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا وہ قاصد رکادم لیا پھر دوبارہ اس نے حجاج بن یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”امیر محترم خراسان کے متعلق ابھی تک یہی خبریں ہیں اور یہی خبریں قتیبہ بن مسلم کے بننے پر میں آپ تک پہنچانے آیا تھا اگر آپ اجازت دیں تو دو دن یہاں عراق میں قیام کروں اس کے بعد واپس خراسان کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“  
 حجاج بن یوسف قاصد کی اس گفتگو سے بے حد خوش ہوا انعام کے طور پر اسے ایک بھاری رقم دی اور اسے دو دن عراق میں قیام کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ یہاں

تک کہ وہ قاصد اس کے پاس سے چلا گیا تھا۔

قاصد کو گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حجاج بن یوسف کا بیٹا پھر اندر آیا اور حجاج بن یوسف کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے میرے محترم باپ جو لٹے پٹے لوگ جو فریادی بن کر آئے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں وہ کچھ بتاتے نہیں کہتے ہیں ہم نے جو کچھ کہنا ہے حجاج بن یوسف سے کہیں گے۔“

حجاج بن یوسف نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے بیٹے کو کہا کہ وہ انہیں اندر لائے۔ عبداللہ باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آئے جو نکامہ قبیلے کے سردار مول کے آدمیوں کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان کی حالت بری ہو رہی تھی جب وہ حجاج بن یوسف کے سامنے آئے تو ان کی حالت دیکھتے ہوئے حجاج بن یوسف تڑپ اٹھا انہوں نے حجاج بن یوسف کو بتایا کہ کس طرح سراندرپ کے راجہ نے اس کے لئے اوپر ولید بن عبدالملک کے لئے تحائف بھیجے تھے اور اس میں کچھ مسلمان بھی مکہ کا رخ کر رہے تھے اور کیسے سندھ کے راجہ داہر نے اپنے شہر دیبل کے قریب اپنے بحری قزاقوں کے ذریعے ان پر حملہ کروایا اور انہیں لوٹ لیا اور کیسے وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر اس کے سامنے آئے۔

یہ ساری داستان سن کر حجاج بن یوسف کی آنکھیں دوپہر کی جھلساتی دھوپ میں لاؤ کی دھکتی آگ اور چہرہ غصے اور انتقام میں فنا کے آنچل کی طرح ہو گیا تھا وہ کچھ بولا نہیں غصے اور غضبناکی میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا پھر جب آنے والوں میں سے ایک نے کہا کہ جس وقت قزاق مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے تھے اور ایک جہاز کے تختے پر ایک لڑکی کھڑی ہو کر اپنے خداوند قدوس کے علاوہ حجاج بن یوسف کو بھی پکار رہی تھی تب زخمی اور ڈس لینے والے سنا۔ کی طرح حجاج بن یوسف اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور زور دار آواز میں کہنے لگا۔

”لبیک یا بنت قومی لبیک“ تین بار یہ فقرہ اس نے دہرایا یعنی اے میری قوم کی بیٹی میں حاضر ہوں۔ اس موقع پر حجاج کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی تاہم اس کی آنکھوں کے اندر قہرمانیت اور انتقام کے جذبے جوش مار رہے تھے چہرہ غصے اور

غضبناکی میں تپ کر تانناک ہو چکا تھا۔ کچھ دیر وہ عجیب سے جذبے میں کھڑا رہا پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا ”لاریب میں شر کے خلاف خاموشی اختیار کرنے والا انسان نہیں ہوں“ میں ان کے جسموں کو شل احساس کو مردہ دل کو لہو لہو کر دوں گا۔ گو اس کائنات کی ہر شے صحرا میں قدموں کے نشانات کی طرح عارضی ہے پھر میرے خداوند نے چاہا تو حملہ آوروں پر میں ایسی ضرب لگاؤں گا کہ ان کے مقدر میں نہ کوئی نوحہ نہ کوئی چشم نم ہو گی اور وہ بے کفن اور بے گور رزق کرگساں کی طرح ہمارے سامنے بے بس ہوں گے۔

دشمنوں نے ہمارے لوگوں پر حملہ آور ہو کر نفرتوں کی آگ کو ہوا دی ہے، اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لٹنے والے اپنے ہمدردوں اپنے قربت داروں سے دور تھے تو یہ ان کا دھوکہ ان کا فریب ہے ہم تو ان کی نیٹوں کے فساد کو بھیا تک کالک کی طرح مل دیں گے۔

کچھ دیر حجاج کے جذبات ایسے رہے پھر اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ آنے والے ان لٹے پٹے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائے ان کی بہتر خاطر مدارت کی جائے اور انہیں ہر قسم کی مالی امداد مہیا کی جائے۔ حجاج بن یوسف کا بیٹا ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے راجہ داہر کے نام ایک خط مکران کے والی محمد بن ہارون کی طرف بھجوایا اور محمد بن ہارون کو یہ ہدایت پکی کہ یہ خط میں اپنے ایک خصوصی قاصد کے ذریعے بھیج رہا ہوں جب یہ ہمد تمہارے پاس پہنچے تو تم اپنے کسی معتبر سالار کو اس قاصد کے ساتھ داہر کے پاس بھیجو جو اس سے کہے کہ وہ تحائف جو خلیفہ کے لئے لٹکا کے راجہ نے بھیجے تھے لٹاڑے اور ان بیواؤں یتیموں اور حاجیوں کو آزاد کر دے جنہیں دیبل کی بندرگاہ کے قریب سے لوٹ لیا گیا ہے۔

جو خط حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کے نام لکھا تھا اس کا متن کچھ اس طرح

”سندھ کے راجہ داہر کو خبر ہو کہ ہمارے ملک کے لوگ جو تمہارے علاقے ملنا قید کر لئے گئے ہیں انہیں باعزت طریقے سے واپس کرو اور مال و اسباب کا جو

محمد بن ہارون ان دنوں عجیب سے شش و پنج میں تھا اس لئے کہ آدھا لشکر لے کر  
زمیم بن عمر مکران کی طرف جا چکا تھا جبکہ آدھا اس کے پاس تھا بہر حال حجاج کا حکم  
ذہبی بدیل مکران پہنچا محمد بن ہارون نے جو لشکر مکران میں تھا اس کے حوالے کر

نقصان ہوا ہے اس کا تاوان ادا کرو۔“

اس قدر خط لکھنے کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنی مرثیت کی اور دستخط کیے۔

بدیل اس سارے لشکر کو لے کر دیبل کی طرف روانہ ہوا دیبل والوں کو جیسے  
اس کے آنے کی اطلاع ملی فوراً ہی داہر کے پاس الور قاصد بھیجے اور بدیل کے  
نے کی اطلاع دی۔

راجہ داہر نے جلدی سے اپنے لڑکے بے سینہ کو اور چار ہزار سواروں کو جو  
ڈن گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار تھے دیبل روانہ کیا۔

لیکن راجہ داہر کے بیٹے کی آمد سے پہلے ہی بدیل اپنے لشکر کے ساتھ دیبل  
آچکا تھا۔ دیبل کے نواح میں اس کا ٹکراؤ دیبل کے سپہ سالار سے ہوا اور اس  
میں بدیل نے دیبل کے سپہ سالار کو بدترین شکست دی اور وہ شکست کھا کر شہر  
مقصور ہو گیا۔

اتنی دیر تک راجہ داہر کا بیٹا بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا دیبل میں جو  
مقصور تھا وہ بھی نکل آیا ایک بار پھر دیبل کے نواح میں گھسان کی لڑائی شروع  
ہی یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی طرفین بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے ابھی  
لڑ فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ بدیل کا گھوڑا ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑکا اور بدیل گھوڑے  
سے زمین پر گر پڑا۔ راجہ داہر کے کچھ لشکریوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا سالار اپنے  
گھوڑے سے گر گیا ہے تو انہوں نے گھیر کر بدیل کو قتل کر دیا۔

حجاج بن یوسف کو جب بدیل کی شہادت کی خبر ہوئی تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔  
اس کے صدمے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے موذن سے کہا کہ جب تم  
ان دیکھو تو ہر اذان کے بعد مجھے بدیل کا نام یاد دلاتے رہا کرو تاکہ میں اس کے لئے  
ک وقت تک دعا کرتا رہوں جب تک اس کا بدلہ نہیں لے لیتا۔

مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے نیرون کا راجہ سندر داس بڑا فکر مند ہوا وہ  
کچھ گیا تھا کہ یہ جو بدیل شہید ہوا ہے تو مسلمان اس کا انتقام ضرور لیں گے لہذا اس

حجاج بن یوسف نے یہ خط جس قدر معقول اور شریفانہ انداز میں لکھا تھا اس کا  
جواب بھی اس قدر معقول ہونا چاہئے تھا لیکن راجہ داہر نے اس خط کا جواب نہایت  
بے پروائی اور فریب سے دیا۔ لکھا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں  
چلتا۔

داہر کا یہ جواب جب حجاج کو ملا تو اس نے ولید بن عبد الملک کے پاس ایک  
عرضداشت بھیجی اور تمام حالات لکھ کر سندھ پر حملے کی اجازت طلب کی، لیکن ولید  
نے اس کی اجازت نہ دی۔ حجاج نے چند دن کے بعد بارگاہ خلافت میں دوسری  
عرضداشت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ میرا خیال ہے امیر المومنین نے کثیر اخراجات کی  
وجہ سے سندھ پر حملے کی اجازت نہیں دی لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس مہم میں  
رقم شاہی خزانے سے خرچ ہوگی میں اس سے دو گنی رقم شاہی خزانے میں جمع کروا دوں  
گا ولید نے یہ سوچتے ہوئے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے حجاج کو سندھ پر حملہ  
آور ہونے کی اجازت دے دی تھی۔

جس وقت یہ سارے واقعات پیش آ رہے تھے اس وقت خرم بن عمر مکران کی  
طرف اپنی کاروائی میں مصروف تھا۔

ولید بن عبد الملک کی اجازت ملنے ہی حجاج بن یوسف نے عبد اللہ بن نھان  
سپہ سالاری میں ایک لشکر دیبل کی طرف روانہ کیا راجہ داہر کے لشکر اور عبد اللہ بن  
نھان کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی بد قسمتی سے اس جنگ کے دوران عبد اللہ بن  
شجاعت اور دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوا اور مسلمان اپنا مقصد نہ حاصل کر سکے۔

عبد اللہ بن نھان کی شہادت کے بعد حجاج نے فوراً "بدیل بن طہفہ کے نام لکھا  
بھیجے کہ وہ دیبل پر حملہ آور ہو بدیل اس وقت عمان میں تھا اور اس کے ساتھ  
نے مکران کے والی محمد بن ہارون کے نام فرمان جاری کیا کہ جیسے ہی بدیل پہنچے اس  
امداد کے لئے فوراً "تین ہزار لشکر کا انتظام کرو۔"

نے اپنے مشیروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ یقیناً ”عرب اس کا انتقام لیں گے اور ان کے حملے کا پہلا نشانہ ہم لوگ ہوں گے اگر اس وقت ان کی اطاعت قبول کر لی جائے تو ہمارا شہر بربادی سے محفوظ رہے گا۔“

یہ سند ردا اس کا بہترین فیصلہ تھا اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد راجہ داہر کو اطلاع دیے بغیر اس نے ایک وفد حجاج بن یوسف کی طرف بھیجوا یا اور جزیرہ قبول کرتے ہوئے امن کا طالب ہوا۔ حجاج نے اس وفد کی عرضداشت قبول کر لی اور ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ جب ہم تمہاری سرزمینوں پر حملہ آور ہوں گے تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔

بدیل کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف کا ایک جاننے والا شخص جس کا نام عامر بن عبداللہ تھا وہ حجاج بن یوسف سے ملنے آیا اور حجاج بن یوسف سے اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اسے ہندو سندھ کے محاذ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا جائے اس کی خواہش کے مطابق نتائج نکالے گا۔

لگتا تھا حجاج بن یوسف پہلے ہی اس سے متعلق کوئی فیصلہ کر چکا تھا لہذا عامر بن عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا تھا تمہاری یہ التجا فضول ہے میں نے خود بھی قرعہ ڈالا ہے مجھے جہاں تک انداز ہے وہ یہ کہ سندھ عماد الدین محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو گا۔

بدیل کی شہادت کے بعد جب حجاج بن یوسف نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سندھ پر ایک زوردار حملہ کرے گا، ساتھ ہی اس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ جو لشکر سندھ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کرے گا اس کا سالار اعلیٰ محمد بن قاسم کو بنائے گا اس وقت محمد بن قاسم فارس میں تھا اور اس فیصلے سے چند دن پہلے حجاج بن یوسف اسے کدوں کے خلاف شہر پر لشکر کشی کرنے کا حکم دے چکا تھا۔ محمد بن قاسم رے جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ اچانک حجاج کا خط اس کے نام پہنچا کہ رے کے بجائے سندھ جاؤ اور اس کا انتظار کرو جو میں تمہارے لئے خشکی کی راہ سے بھیج رہا ہوں۔

اس حکم کے ملتے ہی محمد بن قاسم نے اپنا ارادہ بدل دیا اور وہ شیراز شہر میں لشکر کا انتظار کرنے لگا جس کا فیصلہ حجاج بن یوسف نے کیا تھا۔ حجاج نے سندھ پر

حملہ آور ہونے کے لئے پوری تیاری کی تھی اس زمانے میں جبکہ وہ سندھ کے لئے لشکر تیار کر رہا تھا اس نے ایک جمعہ کو عوام کے سامنے خطبہ دیا اس خطبے سے ظاہر ہوا ہے کہ اس جنگ کے متعلق اس کے جذبات اور احساسات کیا تھے اس نے عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

”میں تم لوگوں کو واقف کر دینا چاہتا ہوں کہ وقت بدلنے والا ہے اور وہ دو دھاری تلوار کی طرح ہے کہ کبھی ہمارے موافق ہے اور کبھی ہمارے خلاف ہے۔ جب وہ ہمارے موافق ہو تو ہمیں اپنے لشکروں کو ترتیب دینی چاہئے اور جب وہ ہمارے خلاف ہو تو ہمیں مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے اور ان مصائب کو مٹانا چاہئے۔ ہمیں خدائے تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کی فیضانہ عنایتوں پر بھروسہ کرنا چاہئے تاکہ وہ ہم پر مزید نوازشات فرمائے اور ہم پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہ کرے اور ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔“

لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حجاج بن یوسف نے مزید کہا کہ ”مجھے بدیل جیسے سپہ سالار کی شہادت کا بے حد غم ہے ہر لمحہ اس کے انتقام کی آوازیں میرے دل کے کالوں میں آتی رہتی ہیں اور میں فوراً ان کو جواب دیتا رہتا ہوں کہ خدا کی قسم عراق کی جو دولت میرے قبضے میں ہے میں اسے اس مہم پر خرچ کرنے کے لئے پورے طور پر تیار ہوں۔ بدیل کے انتقام کی آگ کا شعلہ کبھی نہیں بجھے گا جب تک میں اس کا بدلہ نہ لے لوں اور یہ وجہ اپنے نام سے دھونہ ڈالوں۔“

حجاج بن یوسف نے سندھ پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک خوب تربیت یافتہ لشکر کا انتخاب کیا اس نے چھ ہزار دلیر اور بہادر شامی لشکر میں سے منتخب کئے اور کھرت جو ان مرد دوسرے لشکروں سے چنے، چھ ہزار تیز رفتار گھوڑے ان بہادروں کی سواری کے لئے دیئے اس کے علاوہ بوجھ لانے والے کئی ہزار اونٹ ساتھ کئے۔ اس اہتمام سے اس لشکر کا سروسامان کیا کہ اہل لشکر کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی تھی مہیا کر دیں یہاں تک کہ سوئی دھاگہ تک بھی ان کے ساتھ روانہ کیا۔ فوج کے آرام اور اس کی خوراک کا اس حد تک انتظام کیا کہ عرب سرکہ بہت شوق سے کھاتے تھے اس نے روٹی سرکہ میں بھگو کر سائے میں خشک کی پھر اس روٹی کے گٹھے

مسلمانوں سے چھینا گیا ہے اسے بازیاب کرایا جائے۔ سمندر اور خشکی کے اندر  
 ذم بن عمر کئی ہفتوں تک بحری قزاقوں سے الجھتا رہا لیکن نہ ہی اسے مسلمان قیدیوں  
 کا کوئی سراغ ملا نہ ہی وہ مسلمانوں کا لوٹا ہوا سامان بازیاب کرانے میں کامیاب ہوا  
 نہ مول کے بحری قزاقوں کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران ہی ایک قاصد محمد بن ہارون  
 نری کے ہاں سے وانگہ کے قبائل میں پہنچا وانگہ نے خرم بن عمر سے رابطہ قائم کیا  
 اور اسے یہ اطلاع دی کہ عراق سے ایک لشکر محمد بن قاسم کی سرکردگی میں مکران پہنچا  
 ہوا ہے۔ وہ لشکر اس کا منتظر ہے اور محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے یہ خبر  
 ملنے ہی مول کے بحری قزاقوں کے ساتھ خرم بن عمر نے ٹکراؤ ختم کر دیا اور اپنے  
 لشکر کو لے کر اس نے مکران کا رخ کیا تھا۔



ہوا کر جہازوں میں روانہ کئے تاکہ جب لشکر کو سرکے کی ضرورت ہو تو روٹی ترکر کے  
 اس کو چھان لیا جائے اور لشکریوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو عام سامان رسد کے  
 ساتھ تیس ہزار دینار بھی ساتھ دیئے تاکہ فوج کو اخراجات کی تکلیف نہ ہو۔  
 اس کے علاوہ عسکری قوتوں کا تمام سامان جہازوں پر لاد کر سمندری راستے سے  
 دیہل کی طرف بھیجا جس میں کئی منجنیقیں تھیں جن سے دشمن کے قلعے پر پتھر پھینکے  
 جاسکتے تھے ان سے ایک کا نام عروس تھا یہ اتنی بڑی منجنیق تھی کہ بیک وقت سو آدمی  
 اسے حرکت میں لاتے تھے۔

محمد بن قاسم کا دوست اور دست راست جہم بن زحر جس نے ان دنوں واسط  
 ہی میں قیام کر رکھا تھا یہ لشکر لے کر شیراز پہنچا پھر محمد بن قاسم کی سرکردگی میں یہ لشکر  
 شیراز سے روانہ ہو کر خشکی کے راستے سے مکران پہنچا مکران میں محمد بن ہارون نری  
 اور بنانہ بن حنظلہ نے محمد بن قاسم اور اس کے لشکریوں کا شاندار استقبال کیا۔

اس دوران میں کئی ماہ تک خرم بن عمر مکران میں مجوسی لشکریوں کے ساتھ الجھا  
 رہا کبھی وہ مسکی کا رخ کرتا تو مجوسی مہمان اور اناس شہروں میں اپنی قوت جمع کرتے اور  
 اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے جب وہ ان دونوں شہروں کا رخ کرتا تو وہ  
 مسکی کو اپنا مرکز بنا لیتے۔ اس طرح خرم بن عمر کئی ماہ تک ان مجوسیوں کے ساتھ  
 الجھا رہا تاہم متواتر ان کے ساتھ شب خون کا کھیل کھیلتے ہوئے اس نے مسکی مہمان  
 اور اناس شہروں میں جس قدر مجوسیوں کی قوت تھی اس کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

مجوسیوں کے ساتھ اس ٹکراؤ کے دوران ہی خرم بن عمر کو اطلاع ملی کہ نکامرا  
 قبیلے کے سردار مول نے مسلمانوں کے ان جہازوں پر حملہ کیا جو سراندیپ سے عراق  
 کی طرف جا رہے تھے۔ مسلمانوں کو لوٹا اور قیدی بنا لیا یہ خبر ملتے ہی خرم بن عمر نے  
 اپنے لشکر کے ساتھ وانگہ کے قبیلے کا رخ کیا اس سلسلے میں اس نے وانگہ کے ساتھ  
 صلاح مشورہ کیا وانگہ نے اسے کشتیاں مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک لشکر بھی دیا  
 جس کے ساتھ خرم بن عمر خشکی اور سمندر کے اندر مول کے بحری قزاقوں کے ساتھ  
 ٹکراتا رہا۔

اس ٹکراؤ کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان مسلمان قیدیوں کو تلاش کیا جائے اور



خریم بن عمر کے ان الفاظ پر سانکرہ بیچاری رونے لگی تھی اس کی آنکھوں سے ہنوبہ نکلے تھے۔ خرم بن عمر اپنی پیٹھ پر اپنا بستر باندھے مہمن کے اس حصے کی طرف ہل دیا جہاں وہ اپنا گھوڑا کھڑا کر کے آیا تھا۔ روتی بین کرتی ہوئی سانکرہ اس کے پیچھے پیچھے ہولی ساتھ ہی وہ اسے کہتی بھی جا رہی تھی ”میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں اگر آپ واپس جانے کا تہیہ ہی کر چکے ہیں تو میں آپ کا ساتھ آپ کا سنگ کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی آپ کے ساتھ مل کر آپ کا ریوڑ چرایا کوں گی۔“

خریم بن عمر جب اپنے گھوڑے کے پاس آیا تو چونک پڑا۔ اسی لمحہ محمد بن قاسم، ابن ہارون نمری، بنانہ بن حنظلہ اور نئے آنے والے سالار حویلی میں داخل ہوئے تھے۔ بنانہ بن حنظلہ بھاگ کر خرم بن عمر کے پاس آیا اس کی حالت دیکھتے ہوئے وہ حیران رہ گیا تھا، پھر محمد بن قاسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کروایا۔ سانکرہ ابھی تک پیچھے کھڑی رو رہی تھی۔ محمد بن قاسم جب قریب آیا تو اسے گلے ملنے کے بجائے خرم بن عمر نے اپنی تلوار بے نیام کی اپنے دونوں ہاتھوں میں تلوار تھامی، پھر تلوار کو اس نے محمد بن قاسم کے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”میری پیٹھ پر بندھا ہوا بستر میری گل کائنات ہے یہی لے کر میں عراق سے آیا تھا میں کئی ہفتے سمندر میں سرگرداں رہا لیکن میں نہ مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ کرنے والوں کو تلاش کر سکا نہ مسلمان قیدیوں کا سراغ لگا سکا، یہاں میری حیثیت ایک سالار کی سی تھی میں ناکام رہا ہوں لہذا میں واپس جاؤں گا مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں یہاں رہ کر لشکریوں کی کمانداری کروں۔“

محمد بن قاسم نے اسے اس کے دونوں شانوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اسے گلے سے لگا لیا علیحدہ ہونے کے بعد خرم بن عمر نے پھر محمد بن قاسم کو مخاطب کیا۔

”میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے ظلمت کی گہرائیوں میں نور کی تلاش کے لئے نکلا تھا، میں ان کے غم کو خوشی ان کی بدبختی کو خوش بختی میں تبدیل نہ کر سکا افسوس میں خونریز راتوں کی پرچھائیوں میں امن و صداقت کا پرچم بلند نہ کر سکا اور دشمن کے ناروا جبر کے سامنے نہ میں حملہ آوروں کو تلاش کر سکا نہ اسیروں کو

خریم بن عمر نے اپنے لشکر کو لشکرگاہ کی طرف بھجوا دیا اور خود اپنی قیام گاہ کی طرف گیا دوسری جانب محمد بن قاسم بنانہ بن حنظلہ ابن ہارون نمری نئے آنے والے سالاروں کے ساتھ مستقر میں خرم بن عمر کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھا۔

خریم بن عمر کو حویلی کی طرف آئے ہوئے سانکرہ نے دیکھ لیا چاہی اس کے پاس تھی بھاگتی ہوئی وہ گئی خرم بن عمر کے کمرے کھولے خرم بن عمر نے حویلی کے مہمن میں اپنے گھوڑے کو کھڑا کیا اس کی زین نہیں اتاری اپنے کمروں کی طرف گیا اس نے سانکرہ سے بھی کوئی بات نہ کی اس کی اس حرکت اس لوک پر سانکرہ پریشان اور افسردہ تھی کمرے میں داخل ہو کر خرم بن عمر نے اپنا بستر پلینا رسی باندھی اور اپنی پیٹھ پر باندھ لیا پھر سانکرہ کو مخاطب کیا۔

”سانکرہ میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے بحری قزاقوں کو تلاش کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ جن مسلمانوں کو قیدی بنایا گیا ہے میں انہیں بھی ڈھونڈ سکا یہ میری بدترین ناکامی ہے میں اب یہاں لشکروں کا سالار رہنے کے قابل نہیں نہ میں اس قابل ہوں کہ یہاں قیام کروں۔ میں واپس جاؤں گا میں ایک ناکام سالار ہوں مجھے کمانداری کرنے کا کوئی حق نہیں۔ واپس جا کر اپنی بستی میں اپنے ریوڑ کو چرا کر پہلے کی طرح زندگی کے دن گزاروں گا، اگر ان حالات میں تم میرے ساتھ جانے کو تیار ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتی تو میرا گھوڑا مہمن میں کھڑا ہے میں اس پر سوار ہوتا ہوں اور کوچ کر جاتا ہوں۔ میں اپنی اس ناکامی کی وجہ سے ابن ہارون نمری محمد بن قاسم اور دیگر سالاروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا چپکے سے انہیں بتائے بغیر اپنی بستی کی طرف چلا جانا چاہتا ہوں۔“

جہم بن زحر تھا وہ اس وقت یہاں موجود ہے میں اس کاں تمہارے ساتھ تعارف کروانا ہوں۔ جہم بن زحر کے ہاتھ جو خط حجاج بن یوسف نے مجھے بھجوایا تھا اس میں جو تمہارے متعلق لکھا تھا اسے پڑھ کر کسی اور کو تعجب ہوتا، لیکن میں ہرگز پریشان نہیں ہوا۔ حجاج یوسف نے تمہاری اس انداز میں تعریف کی تھی کہ اگر وہ الفاظ میں تمہیں سنا دوں تو یقیناً تم اپنی ذات پر فخر کرنے لگو۔ خرم بن عمر تمہارا نام میرے لئے بنا نہیں ہے حجاج بن یوسف نے جہم بن زحر کے ہاتھ جو پیغام بھجوایا اس میں لکھا تھا کہ تم بصرہ کے حربی کتب کے تعلیم یافتہ ہو میں بھی اسی کتب میں پڑھتا رہا ہوں۔ قسم خداوند قدوس کی اس کتب میں سب سے اچھے بہترین انداز میں کامیابی حاصل کرنے والے اور حربی اور دینی جوہر میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے طالب علموں میں تمہارا نام میں نے سرفہرست دیکھا تھا۔ شیراز سے ہی مجھے تمہارے ساتھ ایک عقیدت ہو گئی تھی اور میں تم سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ اب تم جو اپنی پیٹھ پر بستر باندھ کر میرے سامنے آ گئے ہو تو قسم خدا کے پاک کی تمہاری عزت تمہاری عظمت میری نگاہوں میں اور نمایاں ہو گئی ہے۔ تم تو چھوٹی سی ایک ناکامی پر اتنے بڑے منصب سے دستبردار ہو رہے ہو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میں تم پر یہ بھی واضح کر دوں کہ جو خط حجاج بن یوسف نے مجھے لکھا تھا اس میں اس نے تمہیں میرا نائب مقرر کیا ہے لشکریوں میں میرے بعد تمہاری حیثیت سب سے اعلیٰ اور ارفع ہو گی اور تمہارے ہر حکم کا اتباع کیا جائے گا۔ جنگوں کے اندر بھی تمہارا مشورہ اولین طور پر زیر غور ہو گا۔ میں تو جہاز کے عرشے پر کھڑا ہو کر اپنے خداوند قدوس کے بعد حجاج بن یوسف کو پکارنے والی عورت کی پکار کے جواب میں ان سرزمینوں کی طرف آیا ہوں اور تم اپنا بستر باندھ کر واپس جانے کی تیاریاں کر رہے ہو، گو تمہاری یہ ادا بہت اچھی ہے لیکن اصولوں کے خلاف ہے تم میرے ساتھ رہو گے لشکر میں تم میرے نائب ہو گے تمہارے صلاح مشورے سے ہی حملوں کو آخری شکل دی جائے گی اپنی پیٹھ سے بستر اتارو۔ تم معمولی گڈریے نہیں ایک اعلیٰ پائے کے سالار بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو بستر اتارو تاکہ اپنے ساتھ آنے والے دوسرے سالاروں سے میں تمہارا تعارف کراؤں۔“

ڈھونڈ سکا۔ سمندر کے اندر مجھے ہر سو مرنے والے اور اسیر ہونے والے مسلمانوں کی آہیں اور ہر سوان کی چیخیں سنائی دیتی رہیں نہ جانے انہیں زمین کا بطن نکل گیا یا آسمان کی رفعتوں نے اٹھا لیا آنے والے مہربان سالار میں واپس جاؤں گا میں اپنی پوری تیاری کر چکا ہوں یہ جو لڑکی جو میرے پیچھے کھڑی ہے اس کا نام ساگرہ ہے یہ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے یہ بھی میرے ساتھ جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔“

خرم بن عمر جب تک بولتا رہا محمد بن قاسم سنتا رہا اس کی آنکھوں سے اس دوران ایک لطیف روشنی پھوٹتی رہی اور اس کے لرزیدہ ہونٹ ملے رہے، پھر وہ کچھ اس طرح مخاطب ہوا کہ شفقت اس کے الفاظ سے نکلتی تھی اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”میری قوم کے مہربان سالار ابھی تو نہ میں تمہاری ملاقات کے فرض سے لطف اندوز ہوا ہوں نہ تمہاری محبت کی تاثیر کا مزہ چکھا ہے، میرے مہربان ساتھی انسان کی زبان سے زیادہ فصیح اور عورت کی آنکھوں سے گرتے آنسو سے زیادہ کارگر کوئی شے نہیں ہوتی۔ ایک عورت کی پکار ہی پر ہم یہاں آئے ہیں تم فکر مند کیوں ہوتے ہو تم واپس نہیں جاؤ گے۔ یاد رکھنا تمہارے ساتھ میں دشمن پر پھرے ہوئے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہوں گا، ظالموں کے ظلم و جبر اور سنگ دلی اور ان کے فولادی چنگل سے اپنے اسیر بھائیوں کو ہم نجات ضرور دلائیں گے۔ سورج ہمیشہ تاریکی میں سے طلوع ہوتا ہے اس کے بعد چار سو روشنی پھیلا کر ہر شے کو منور کر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دشمن ہماری دل آزاری اور خرابی کا باعث بنا ہے لیکن قسم اس خدا کے بزرگ کی جس نے سورج کو زندگی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے، ہم تو ان دشمنوں کا شور مچاتے صحراؤں میں ایسا تعاقب کریں گے کہ انہیں کہیں بھی جائے پناہ نہ ملے گی۔ سن خرم بن عمر مجھے تم سے ایسے رویے کی ہرگز توقع نہیں تھی تم مجھے امید افزا کرنے کے بجائے مایوس اور خوفزدہ کر رہے ہو۔“

میں شیراز میں مقیم تھا کہ حجاج بن یوسف نے لشکر میری طرف روانہ کیا جس کے ساتھ میں نے سندھ پر حملہ آور ہونا ہے۔ اس لشکر کا کماندار میرا عزیز دوست

خریم بن عمر حرکت کرنا ہی چاہتا تھا کہ بنانہ بن حنظلہ فوراً آگے بڑھا اور خرم بن عمر کی پیٹھ سے بستر کھول کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ ساکرہ جو پیچھے کھڑی ابھی تک رو رہی تھی۔ جب خرم بن عمر کی پیٹھ سے بستر اتار دیا گیا تو اپنے آنسو پونچھے ہوئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اب ہلکی ہلکی سی دلفریب مسکراہٹ اس کے چہرے پر کھیل رہی تھی، پھر محمد بن قاسم نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”ابن عمر میں جانتا ہوں کہ ساکرہ نام کی یہ لڑکی تمہیں پسند کرتی ہے۔ یاد رکھو میں ایک ماہ سے یہاں قیام کئے ہوئے ہوں اور تمہارا انتظار کر رہا ہوں میں یہاں کے حالات سے پوری طرح واقف ہوں۔ گودیری بنانہ بن حنظلہ کو پسند کرتی ہے میں اس سے بھی واقف ہوں پہلے پیچھے مڑو ساکرہ کو تسلی دو اسے بھیجو اس کے بعد میں تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔“

خریم بن عمر مڑا ساکرہ کے سامنے آن کھڑا ہوا اب اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو اب میں ساکرہ بھی مسکرا رہی تھی پھر خرم بن عمر نے ساکرہ کو مخاطب کیا۔

”ساکرہ سب سے پہلے میں تمہارا شکر گزار اور ممنون ہوں کہ تم نے میرے ساتھ یہاں سے میری بستی کی طرف جانے کا راستہ اختیار کیا، میں جانتا ہوں کہ تم میرے لئے کس قدر پر خلوص اور جانثار ہو۔ جاؤ اپنی حویلی کی طرف چلی جاؤ میں اب واپس نہیں جاؤں گا لشکر میں موجود رہوں گا۔“

خریم بن عمر کے ان الفاظ پر ساکرہ نے بڑے دلفریب انداز میں ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر اسے مخاطب کیا۔

”میرا دل کہتا تھا آپ واپس نہیں جائیں گے“ پھر ساکرہ مڑی اور ساتھ والی حویلی کی طرف چلی گئی تھی۔ خرم بن عمر پھر محمد بن قاسم کے سامنے آن کھڑا ہوا محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنے سالاروں کا تعارف کروانا شروع کیا۔

”یہ جو میرے بائیں جانب قطار میں جوان کھڑے ہیں یہ سارے میرے لشکر کے چھوٹے بڑے سالار ہیں۔ جو شخص پہلے نمبر پر ہے یہ میرا بہترین دوست ہے بہرہ کے مکتب میں میرے ساتھ پڑھتا بھی رہا ہے نام اس کا جہم بن زحر ہے۔ اس کے

ماٹھ ذکوان بن علوان ہے، تیسرے نمبر پر عطا بن ملاک قلبی ہے، چوتھے نمبر پر صارم بن صارم ہے، یہ سارے نایاب قسم کے سالار ہیں مجھے امید ہے آنے والی جنگوں میں یہ میرے اور تمہارے ماتحت بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔“

جب تک محمد بن قاسم بولتا رہا خرم بن عمر مسکراتا رہا اس کے خاموش ہونے کے بعد وہ آگے بڑھا باری باری اس نے سب سے پر جوش مصافحہ کیا۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے محمد بن ہارون نمری کو مخاطب کیا۔

”ابن نمری آپ گزشتہ کئی دن سے بخار میں مبتلا ہیں کمزور ہیں آپ جا کے آرام کریں“ اس پر ابن ہارون نمری کہنے لگا۔

”آپ میری تکلیف کی کوئی پرواہ نہ کیجئے، بخار کی حالت میں بھی میں آپ کا ماٹھ دے سکتا ہوں“ پھر سب حویلی کے اس حصے کی طرف بڑھے جو حصہ ابن ہارون نمری کی قیام گاہ تھا۔ ایک کمرے میں سارے بیٹھ گئے اس کے بعد محمد بن قاسم نے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”ابن عمر تم کمران میں لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہو۔ اب جبکہ میں بھی ایک لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گیا ہوں تو تمہاری حیثیت پورے لشکر میں میرے نائب کی سی ہو گی۔ تمہارے بعد بنانہ بن حنظلہ کی اہمیت ہو گی اس کے بعد باقی سالاروں کا نمبر آتا ہے تم یہاں پہلے سے رہ رہے ہو لہذا میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہمیں کب اور کس سمت سے اپنے کام کی ابتداء کرنی چاہئے۔“

کمران کے اندر ہمیں یہاں کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات کرنے چاہئے۔“ محمد بن قاسم کے خاموش ہونے پر خرم بن عمر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر شاید فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا محمد بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”یہاں سے نکل کر ہمیں قنزبور (ہنجکوں) کا رخ کرنا چاہئے ہنجکوں میں شہر کی حفاظت کے لئے خاصا بڑا لشکر ہے اس شہر پر قبضہ کرنے کے بعد مزید پیش قدمی کرتے ہوئے ہمیں ارمن بیلہ کا رخ کرنا ہو گا۔ ان دونوں شہروں کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کے بعد ہمارا ہدف سمندر کے کنارے دبیل شہر ہو گا۔“

جہاں تک کمران کی حفاظت کا تعلق ہے تو اگر محمد بن ہارون نمری مان جائیں تو

یہ ہمیں قیام کریں ان کے ساتھ چند دستے مکران کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے باقی سارے لشکر کو لے کر یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔“

خریم بن عمر یہیں تک کہہ پایا تھا کہ محمد بن ہارون نمری فوراً بول پڑا۔

”ابن عمر میں تمہاری تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ بیٹے اب تک تم صرف ایک ہی مختلف جنگوں اور مہموں میں حصہ لیتے رہے ہو اور میں خوش ہوں کہ تم ہر مہم میں کامیاب لوٹے ہو، میں اور بنانہ بن حنظلہ ایک طرح سے بے کار ہی مکران میں پڑے رہے ہیں اب وقت آ گیا ہے کہ میں بذات خود جنگوں میں حصہ لوں، لہذا میں مکران میں قیام نہیں کروں گا۔ مکران میں چند دستے حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے جائیں ان پر کسی کو کماندار مقرر کر دیا جائے مکران کے لئے یہی کافی ہے۔ اب مکران پر کسی سے حملے کا خدشہ بھی نہیں ہے مجوسیوں کی قوت کو تم نے بالکل تھس تھس کر کے رکھ دیا ہے مول ساحل سمندر کو چھوڑ کر کاٹھیاوار کی طرف بھاگ چکا ہے۔ سمندر کے کنارے صرف وانگہ ہے جو ہمارا بہترین دوست ہے وہ اپنے قبائل کے لوگوں کے ساتھ ساحل سمندر پر اپنی بستیوں میں پہلے کی طرح رہ رہا ہے، اگر مکران کو کسی قسم کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ نہ صرف مکران کی حفاظت میں ہمارا ہاتھ بنا سکتا ہے بلکہ دشمن کی پیش قدمی سے پہلے بھی ہمیں اطلاع کر سکتا ہے، لہذا مکران کو کوئی خطرہ نہیں جو میں یہاں قیام کروں میں آپ کے ساتھ روانہ ہوں گا اور باقاعدہ جنگوں میں حصہ لوں گا۔ خرم بن عمر اب میرے موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی بیٹے میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ پہلے قنزہ بود اس کے بعد ارمن بیلہ کا رخ کرنا چاہئے اور تم نے یہ واضح نہیں کیا سانکرہ اور گودیری کو کیا کرنا چاہئے۔“

جواب میں خرم بن عمر نے کچھ سوچا اور پھر وہ بول پڑا۔

”سانکرہ گودیری اور ساوول کو ہم ساتھ رکھیں گے دیبل کے بعد ہمارا رخ نیرون شہر کی طرف ہو گا ان تینوں کو نیرون شہر میں چھوڑ دیا جائے گا نیرون کا حکمران سمندر اس ہمارا حلیف ہے۔“

خریم بن عمر مزید کہتا کہ بیچ میں محمد بن قاسم بول پڑا۔

”ابن عمر تم نے سمندر اس کا نام لیا تو مجھے خوب یاد آیا حجاج بن یوسف نے

مجھے جو خط لکھا تھا اس میں اس نے مجھے اس علاقے کے متعلق اطلاعات فراہم کی تھی ان اطلاعات کے مطابق سمندر اس نے اپنے کچھ قاصد تحائف کے ساتھ حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کئے تھے اور نہ صرف امان طلب کی تھی بلکہ ان علاقوں میں راجہ داہر کے خلاف اس نے ہماری مدد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لہذا میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ دیبل سے نکل کر نیرون کا رخ کیا جائے گا اور سانکرہ اور گودیری دونوں کو وہاں چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا فی الحال یہ بہتر نہیں ہو گا کہ گودیری اپنے باپ کی طرف روانہ ہو جائے“ اس پر ہارون نمری فوراً بول پڑا۔

”میری تجویز ہے کہ گودیری سانکرہ کے ساتھ نیرون کی طرف جائے اور ہمیں کچھ ستانے کا موقع مل جائے تو اس دوران گودیری اور سانکرہ کی شادی سمندر اس کے شہر نیرون میں کر دی جائے گی۔ میرے خیال میں اگر گودیری سے مشورہ کیا جائے تو وہ بھی اپنے باپ وانگہ کے پاس جانے کے بجائے سانکرہ کے ساتھ نیرون کا رخ کرنا پسند کرے گی۔ اس سلسلے میں اس سے بات بھی کر لوں گا۔ ویسے اگر دونوں لشکر میں فائرمان چاہیں تب بھی کوئی حرج نہیں کہ آپ کے لشکر میں لشکریوں کے اہل خانہ بھی ہیں۔“

محمد بن قاسم نے ہارون نمری کی ان ساری تجاویز سے اتفاق کیا تھا۔ دو روز تک پورے لشکر نے وہیں قیام رکھا اپنے کوچ کی تیاریاں مکمل کیں اس کے بعد چند دستے مکران کی حفاظت کے لئے چھوڑے گئے باقی لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف روانگی ہوئی۔ سب سے پہلے ہنجگور کا رخ کیا گیا ہنجگور کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے چند یوم تک وہیں قیام رکھا اس کے بعد ارمن بیلہ یعنی ارماتیل کا رخ کیا یہ شہر بھی بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہو گیا۔ ابن ہارون چونکہ جنگوں میں حصہ لینا چاہتا تھا اور لشکر میں شامل ہوا تھا، لشکر میں جو طبیب تھے انہوں نے ابن ہارون کا بڑا علاج کیا لیکن وہ جانبر نہ ہوا۔ ارمن بیلہ ہی میں اس نے وفات پائی وہیں اسے دفن کر دیا گیا۔

ارمن بیلہ میں محمد بن قاسم نے چند دن قیام کیا۔ قیام کے دوران محمد بن قاسم نے اپنے سارے سالاروں کو جمع کیا۔ دراصل دیبل کا رخ کرنے سے پہلے ہی وہ اپنے لشکر کی ترتیب کو درست کر لینا چاہتا تھا۔ جب سارے سالار اس کے سامنے آ گئے



تب اپنے پہلو میں بیٹھے خرم بن عمر کو اس نے مخاطب کیا۔

”ابن عمر میرے عزیز ہم نے ابھی تک دو چھوٹے چھوٹے شہر فتح کیے ہیں ان میں کوئی مزاحمت کرنے والی قوت نہیں تھی بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے ان دونوں شہروں کو فتح کر لیا ہے۔ اب ہمارا رخ دیبل شہر کی طرف ہو گا دیبل شہر کی طرف جانے سے پہلے میرے بھائی میں اپنے لشکر کی ترتیب درست کر لینا چاہتا ہوں اس لئے میں نے سارے سالاروں کو بلا لیا ہے جو ترتیب آج طے کی جائے گی وہ سب جنگوں میں چلتی رہے گی۔“

اپنے ذہن میں میں نے ایک ترتیب سوچ رکھی ہے وہ میں تم سب کے سامنے لکھتا ہوں اس سلسلے میں اگر کوئی اعتراض ہو تو بولے۔

”لشکر کو تین حصوں میں رکھا جائے گا قلب مہمنا اور میرہ قلب میرے پاس رہے گا جہم بن زحر اور صارم بن صارم دونوں میرے نائب کی حیثیت سے قلب میں کام کریں گے۔ لشکر کے دوسرے حصے کا کماندار خرم بن عمر ہو گا پہلے کی طرح بنانہ بن حنظلہ اس کا نائب ہو گا۔ لشکر کے تیسرے حصے کی کمانداری ذکوان بن علوان کے ذمہ ہو گی اور عطاء بن مالک اس کے نائب کی حیثیت سے ہو گا۔ بس آنے والے دنوں میں لشکر کی ترتیب یہی رہے گی اس سلسلے میں تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو یا کسی تبدیلی کا خواہش مند ہو تو کہے۔“

سب خاموش رہے اس پر محمد بن قاسم کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا ”تم سب کی خاموشی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ تم میری تجویز سے متفق ہو، لہذا آج کے بعد لشکر کے تین حصے ہوں گے اور تینوں حصوں کی کمانداری اسی طرح ہو گی جس طرح طے کی گئی ہے۔ اب تم سب لوگ میرے ساتھ آؤ تاکہ لشکر کو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے جو لشکر پہلے سے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے ساتھ کام کرتا رہا ہے وہ ان ہی کے پاس ہو گا، جو لشکر میں لے کر آیا ہوں اس میں سے اگر تعداد کے لحاظ سے ان کو مزید لشکر طے تو ان کو دیئے جائیں گے بقیہ لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا“ اس کے ساتھ ہی محمد بن قاسم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے سارے سالاروں کے ساتھ لشکر کی تقسیم کے لئے وہ نکل کھڑا

بہانہ۔  
لشکر کی تقسیم کے بعد چند دن مزید محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ ارمن پہلے میں قیام کیا یہیں قیام کے دوران حجاج بن یوسف کی طرف سے ایک خط محمد بن عمر کو آیا جس میں اس نے لشکر کو جنگ کے متعلق ضروری ہدایات دیتے ہوئے لکھا تھا۔

”جب تم ان منزلوں تک پہنچو جو کہ سندھ کی حدود کے اندر ہیں اور تمہیں پہل نظر آنے لگے تو تم اپنی قیام گاہوں کے متعلق بہت احتیاط برتو پھر جہاں کہیں ازراہ قیام گاہ کے گرد خندق کھودو تاکہ وہ خندق تمہاری حفاظت اور سلامتی کا کام بنام دے۔“

رات کا زیادہ حصہ جاگتے رہو جو لوگ قرآن پڑھ سکتے ہیں وہ قرآن کی تلاوت کی مصروف رہیں باقی لوگ دعائیں اور لشکر کی حفاظت میں چوکے ہو کر گزاریں۔  
خدا کا ذکر ہر وقت زبان پر جاری رکھو خدا کی نصرت اور مدد ہر وقت طلب لے رہو تاکہ خدائے تعالیٰ تمہیں فتح نصیب فرمائے اور زیادہ تر لاجول و لا قوت الا باللہ العلیٰ العظیم پڑھ کر خدا سے مدد چاہو۔

جب تم دیبل کے گرد نواح میں پہنچو تو ایک خندق بارہ گز اور چھ گز گہری کھودو جب تک دشمن کے مقابل ہو تو خاموش رہو خواہ دشمن تم کو گالیاں دے اور ٹوڑو غوغا کرے اور اس وقت تک جنگ نہ شروع کرو جب تک میں تمہیں مزید ہدایات نہ لکھوں اور وہ ہدایات جو میں تمہیں دوں ان پر حرف بہ حرف عمل کرو اگر اُنے ان پر عمل کیا تو انشاء اللہ فتح تمہاری یقینی ہو گی۔“

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ارمن پہلے سے کوچ کیا اور دیبل کا رخ کیا۔ جمعہ کے روز محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ دیبل پہنچا۔ جمعہ کا خطبہ خود محمد بن قاسم نے نکل سے باہر دیا اور باجماعت نماز کی امامت کی، اتفاق سے اسی دن وہ جہاز بھی سازو سامان لے کر پہنچ گئے جو حجاج بن یوسف نے لشکر کے لئے روانہ کئے تھے۔ ان ناکھانوں میں سامان رسد کے علاوہ قلعہ کشائی کے آلات اور منجنیقیں بھی تھیں ان ناکھانوں میں نام کی وہ بڑی منجنیق بھی تھی جسے پانچ سو جوان کھینچتے تھے اس منجنیق کو



ہونے کی اجازت دے دی ہے جس جگہ ہم لوگ اس وقت بیٹھے ہیں یہاں میں  
رجہم بن زحر صارم بن صارم اپنے لشکر کے ساتھ رہیں گے ہمارے دائیں جانب  
ہم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ ہوں گے بائیں جانب ذکوان بن علوان اور عطاء بن  
ہم اپنے لشکر کے ساتھ موجود ہوں گے۔

شہر کی تفصیل کا صدر دروازہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اگر دشمن صدر  
درازے سے نکلتا ہے تو وہ پہلے میرے ساتھ نکلے گا۔ خرم بن عمر تم اور ذکوان  
ہم دونوں اپنے لشکریوں کے ساتھ انتظار کرو گے۔

اپنے دائیں بائیں نگاہ رکھنا اپنے مجبور کو بھی پھیلا کر رکھنا باہر نکلنے کے لئے  
میں یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر اپنی پشت کو محفوظ کرنے کے بعد تم بھی دائیں  
میں سے دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ اس طرح لحوں کے اندر ہم دشمن کا صفایا کر کے رکھ  
یا گے۔

اور اگر دشمن شہر کے مختلف دروازوں سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہونے کی  
امش کرتا ہے تو سامنے والے دروازے کو میں ہنبھال لوں گا، جو لوگ دائیں طرف  
سے نکل کر آئیں گے خرم بن عمر تم ان پر حملہ آور ہو جانا بائیں جانب والوں کو  
ہاں بن علوان ہنبھال لے گا۔

محمد بن قاسم ابھی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اسے رک جانا پڑا اس لئے کہ اس  
کا محافظ دستوں کا سالار بھاگا بھاگا آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے امیر! دبیل شہر سے ایک برہمن نکلا ہے وہ فی الفور آپ کی خدمت میں  
ہم ہو کر کچھ کہنا چاہتا ہے میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ بتاتا  
نہیں۔ اس نے صرف یہ الفاظ کہے ہیں کہ مسلمان اس وقت شہر پر حملہ آور ہونے  
کا شش و پنج سے کام لے رہے ہیں میں بتا سکتا ہوں کہ شہر کیسے فتح ہو سکتا ہے۔“

یہ الفاظ سن کر محمد بن قاسم کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور اپنے  
سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”برہمن کو بلاؤ تاکہ میں جانوں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔“

وہ سالار پیچھے ہٹ گیا تھوڑی دیر بعد وہ برہمن کو لے کر آیا برہمن نے محمد بن  
ام کو تعظیم دی محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔

چلانے والا ایک شامی جوان تھا جس کا نام جعونہ تھا کہتے تھے اس کا نشانہ بڑا بے فطرت  
تھا۔

دبیل پہنچ کر محمد بن قاسم اور خرم بن عمر نے شہر کا جائزہ لیا اس نے دیکھ  
دبیل شہر کی آبادی بہت بڑی تھی شہر میں ایک عالی شان دیول یعنی مندر تھا۔ اس دیول  
کی نسبت سے اس شہر کا نام دبیل پڑا۔ مندر کا گنبد بہت بڑا اور بلند تھا جو بہت دور  
سے نظر آتا تھا اس گنبد کی چوٹی پر ایک بہت لمبے بانس پر ریشم کا ایک بزرگ  
آویزاں تھا اور اس گنبد سے بھی چالیس گز اونچا تھا۔

اس جھنڈے کے متعلق شہر والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک یہ جھنڈا ہوا  
ہرا رہا ہے شہر کو کوئی فوج فتح نہیں کر سکتی۔ مندر میں سات سو پجاری تھے اور شہر  
گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔

محمد بن قاسم جیسے ہی دبیل پہنچا دبیل کی فوجیں اس کی آمد کی خبر سن کر شہر  
دروازے بند کر کے بیٹھ گئیں محمد بن قاسم نے یہ دیکھ کر کہ دبیل کے لشکری شہر  
کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ اپنے لشکر کو حکم دیا کہ جا بجا مورچے قائم  
جائیں بالکل اسی طرح جس طرح حجاج بن یوسف نے ہدایات جاری کیں تھیں۔

تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے چنانچہ شہر کے چاروں طرف خندقیں کھود  
اور مورچے قائم کر کے اسلامی لشکر نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ دبیل

لشکری کبھی کبھی شہر پناہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور پھر شہر پناہ کے دروازے بند  
لیتے، لیکن چونکہ ابھی تک حجاج بن یوسف کی طرف سے جنگ کی اجازت نہیں ملی  
اس لئے اسلامی لشکر ان حملوں کو جھیل رہا تھا۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا یہاں  
کہ آٹھویں روز حجاج کا حکم پہنچا کہ جنگ شروع کر دی جائے یہ حکم نامہ ملتے ہی محمد  
قاسم نے اپنے سارے سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا تاکہ ان سے مشورہ کرنے کے  
جنگ کی ابتداء کی جاسکے۔

سارے سالاروں کے جمع ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے انہیں مخاطب کر  
ہوئے کہنا شروع کیا۔

”عزیزد حجاج بن یوسف کا حکم نامہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے اس نے شہر

حجاج بن یوسف کو اس جنگ سے اس قدر دلچسپی تھی کہ اس نے محمد بن قاسم کے ہندھ کی لڑائی کے حالات جاننے کے لئے خط کتابت کا اس قدر عمدہ انتظام کیا تھا کہ ہندھ کا ہر خط ساتویں دن عراق میں اسے مل جاتا اور ایک ہی ہفتے میں اس کا جواب ہندھ پہنچ جاتا تھا۔

حجاج کو جب یہ خط ملا تو اس نے جواب میں لکھا کہ ہمیں وہ شرائط منظور ہیں جو ہندھ سے کی گئی ہیں اس نے مزید جنگ کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے محمد بن قاسم کو لکھا کہ جب تم جنگ شروع کرو تو لشکر کو اس طرح ترتیب دینا کہ سورج تمہاری پشت پر رہے تاکہ تم دشمن کی نکل و حرکت کو اچھی طرح دیکھ سکو۔

دن کے ابتدائی حصے میں جنگ شروع کر دو، جنگ شروع کرنے سے پہلے خدائے تعالیٰ سے نصرت اور مدد طلب کرو اگر ہندھ کا کوئی شخص رحم اور پناہ کے لئے درخواست کرے تو اس کو امن دو لیکن دیہل والوں کو کبھی پناہ نہ دینا اس لئے کہ اس نے سرانديپ سے آنے والے مسلمانوں پر مظالم کئے ہیں اور ہمارے جہازوں کو لوٹا۔

حجاج بن یوسف نے یہ بھی لکھا تھا کہ عروس نامی منہیق کو مشرق کی سمت گاڑ کر بائیں پارہ کم کر کے مندر کے گنبد کو نشانہ لے کر سنگ باری کرے پھر یقیناً فتح تمہاری آئیگی۔

بس محمد بن قاسم نے حجاج کی ہدایت کے مطابق دیہل پہنچنے کے نوے روز جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا منہیق کو نصب کرنے کا حکم دیا کہ مندر پر سنگ باری کی جائے۔

سب سے پہلا پتھر عروس نے پھینکا پھر دوسری منہیقوں سے پتھروں کی بارش ہوئی، عروس کے اس پتھر سے گنبد ٹوٹ گیا جھنڈا گر پڑا جھنڈے اور گنبد کے گرتے ہی آسمان پھیل چلا گیا اور شہر کے مختلف دروازوں سے دیہل کے لشکری مسلمانوں پر حملہ ہونے کے لئے پیش قدمی کرنے لگے تھے۔

لشکر کے جس حصے کی کمانداری محمد بن قاسم کر رہا تھا اس کے سامنے دیہل کی لاکھوں کے اندر جو دروازہ تھا اس کے اندر سے دیہل کے لشکری کچھ اس طرح نکلے

”میرے سالار نے کہا کہ تم دیہل شہر کی فتح کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہو، تمہارے پاس کہنے کو کیا ہے۔“

”محمد بن قاسم کو وہ تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں دیکھتا رہا پھر کہنے لگا ”اگر مجھے جان کی امان دی جائے تو میں وہ راز بتا سکتا ہوں جس کے تحت شہر کو فتح کیا جاسکتا ہے“ اس پر محمد بن قاسم نے اسے امان دی تب برہمن پھر بولا۔

”جنگوان امیر کی عمر دراز کرے ہمیں ہمارے نجوم کی کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ہندھ کا ملک فتح کر لیں گے لیکن جب تک یہ بت خانہ برقرار ہے اس شہر کو فتح کرنا ممکن نہیں، آپ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ بت خانہ مسمار ہو اس پر جو جھنڈا لہرا رہا ہے وہ کسی طرح پارہ پارہ ہو جائے اسی میں شہر کی فتح کا راز ہے جس روز یہ جھنڈا گر گیا یوں جانیں یہ شہر اسی روز فتح ہو جائے گا۔“

برہمن یہ کہہ کر خاموش ہوا پھر کہنے لگا ”مجھے اجازت دیں اب میں جاتا ہوں، راز تھا وہ میں نے آپ سے کہہ دیا ہے“ اس پر جب محمد بن قاسم نے اسے جانے کی اجازت دی تو وہ برہمن چلا گیا۔

”محمد بن قاسم کو جب شہر والوں کے اس عقیدے کا حال معلوم ہوا تو اس نے عروس منہیق چلانے والے جھونڈے کو بلایا جو نشانے بازی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔

”اگر تم اس جھنڈے اور مندر کے گنبد کو منہیق کے ذریعے پتھروں سے گرا دو تو میں تمہیں دس ہزار درہم انعام دوں گا۔“

جھونڈے کہنے لگا ”عروس نامی منہیق لائی جائے میں تین پتھروں سے جھنڈے اور گنبد کو گرا دوں گا“ محمد بن قاسم نے کہا ”اگر تو ایسا نہ کر سکتا تب اور اگر منہیق کو نقصان پہنچا تب تمہاری کیا سزا ہونی چاہئے۔“

جھونڈے مسکرایا اور کہنے لگا ”اگر میرا نشانہ خطا ہو جائے تو میرے ہاتھ کاٹ دینے چاہئیں۔“

جھونڈے سے یہ گفتگو کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اس ساری صورت حال کی تحریری طور پر حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کیا۔

جیسے کالے کوسوں کی پرھول رات میں خزاں کے نشانوں پر سوار جھکڑ اور گھرے اوبار کے ساگر سے طوفان بدوش بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، وہ محمد بن قاسم پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے محمد بن قاسم اس موقع پر ساکت پانی میں عکس اور برف سے لدے کوہستانوں کی طرح پر سکون تھا، تاہم اس کی آنکھوں میں اس موقع پر جلال بھرا تبسم اور چہرے پر جذبات کی طغیانی تھی حملہ آور جب نزدیک آئے تب اپنے آپ کو مخاطب کر کے محمد بن قاسم کہنے لگا۔

”لاکھ لات و منات اپنا روپ بدلیں پر ہمیں تو ہر حال میں اس نگار خانہ کن میں بدی کو اپنا رنگ دکھانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن قاسم نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور پھر عجیب سے انداز میں اس نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ بس یہ نعرہ بلند کرنا تھا کہ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے لشکریوں کو حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم ملتے ہی محمد بن قاسم اور اس کے لشکری پر غیض و برہم امواج کی یورش اور جملائے رنج و غم کر دینے والے دشت ویران کے گولوں کی طرح دیہیل کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

اتنی دیر تک دائیں جانب سے دوسرے دروازے سے نکل کر دیہیل کے لشکری فتنہ دہر ستم بالائے ستم ذہاتی مہیب شیطانی قوتوں کی طرح لشکر کے اسی حصے کی طرف بڑھے جس کی کمانداری خرم بن عمر کر رہا تھا اور بنانہ بن حنظلہ اس کا نائب تھا۔ جونہی دیہیل کے لشکری قریب آئے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ بھی زور دار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے قوی بازوؤں والے بدوں کے ذوق و میلان اور بت حکم حوصلوں کی طرح اپنے لشکریوں کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ عین اسی وقت بائیں جانب سے بھی نسلی تعصب کے عفریت اور طبقاتی نفرت کی آگ کی طرح دیہیل کے لشکری نمودار ہوئے۔ ان پر ذکوان بن علوان او عطاء بن مالک قانون قدرت کے طالع رہنے والے بے غرض اور جفاکش مجاہدوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

اس طرح دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے دیہیل کے نواح میں زندگی کی اموان اخلاقی زوال سے گلے ملنے لگی تھی اتنی تا اتنی ایک عجیب سی خون آلود اضطراب انگیزیاں پھیلنے لگیں تھیں۔

تھوڑی دیر تک جنگ کے بعد ہی دیہیل کے لشکریوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر انہوں نے کچھ دیر مزید مسلمانوں کے سامنے ٹھہرنے کی کوشش کی تو مسلمان مکمل طور پر ان کا قتل عام کرتے ہوئے ان کا خاتمہ کرتے چلے جائیں گے۔ لہذا دیہیل شہر میں راجہ داہر کا جو گورنر تھا وہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ قاسم کو اس شہر کے لوگوں کو امن دینے کی اجازت نہیں۔

تین روز تک فتنہ برپا کرنے والوں کا قتل عام کیا گیا شہر کے فتح ہوتے ہی دیہیل کا گورنر بھاگ نکلا بہر حال شہر میں امن قائم ہونے کے بعد محمد بن قاسم کے حکم پر پائس کرنے کے بعد زمین کے قطعات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔

بحری قزاقوں نے جن مسلمانوں کو لوٹا تھا ان کا مال اور جن مسلمانوں کو اسیر بنایا گیا تھا ان میں سے کچھ کو دیہیل میں رکھا گیا تھا اور کچھ راجہ داہر کے مرکزی شہر ارڈھ یعنی اور بھیج دیا گیا تھا۔

محمد بن قاسم نے جب دیہیل کو فتح کیا تو دیہیل کے زندان میں سے سرانديپ کے ۱۱ مسلمان قیدی بھی نکلے جن کی آزادی کے متعلق حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کو لکھا تھا اور راجہ داہر نے فریب سے جواب دیا تھا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں چلتا۔

دیہیل کے فتح ہوتے ہی راجہ داہر کے فریب کا پردہ اس طرح چاک ہوا کہ محمد بن قاسم نے جیل کے داروغہ جس کا نام قبلہ تھا بلوا کر حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ قبلہ نہایت عقل مند و ہوشیار اور ہندوستان کا مشہور ادیب ماہر انشاء پرداز اور صاحب علم انسان تھا۔

اس نے محمد بن قاسم سے کہا ”کہ قبل اس کے آپ مجھے سزا دیں آپ مسلمان قیدیوں کو بلوا کر پوچھئے کہ میرا سلوک ان کے ساتھ کیسا رہا ہے اور میں نے ان کے آرام اور سزا کے ہلکا کرنے میں کس قدر کوشش اور جدوجہد کی ہے جب تک آپ یہ معلوم نہ کر لیں مجھے قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔“

محمد بن قاسم نے داروغہ قبلہ کی یہ بات سن کر حکم دیا کہ جیل خانے سے مسلمان قیدیوں کو لایا جائے۔ مسلمان قیدی لائے گئے محمد بن قاسم نے بڑے پرتپاک

دہری کی بھی اطلاع مل چکی تھی۔ اس کے باوجود اس نے ایک خط محمد بن قاسم کو لکھا یہ خط محمد بن قاسم کو اس وقت ملا جب وہ دبیل کے انتظامات درست کرنے میں مصروف تھا اس خط میں راجہ داہرنے لکھا تھا۔

”یہ خط داہرچ کے بیٹے کی طرف سے ہے جو سندھ کا بادشاہ اور ہندوستان کا راجہ ہے جس کا حکم دریا اور جنگل پر چلتا ہے محمد بن قاسم کا نام ہے جو انسانوں کے دل کرنے میں حوصلہ اور بے رحم ہے اس نے یوقونی سے اپنے لشکر کو تباہی اور ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔“

راجہ داہرنے مزید یہ لکھا۔

”تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں کے دماغ میں یہ خط سما یا کہ وہ سندھ اور ہند کو فتح کریں لیکن اس شہر دبیل میں ہم نے ان کو بری طرح شکست دی۔ اب یہ سودا ہارے دماغ میں سما ہے۔ دبیل کی فتح پر آج تم پھولے نہیں سماتے دبیل کی فتح پر نہیں فخر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دبیل ایک معمولی قصبہ ہے جہاں پر بیوپاری اور ادباری لوگ رہتے ہیں جنہیں بیوپار اور کاروبار کے سوا جنگ سے کوئی واسطہ نہیں، دبیل میں کوئی مضبوط قلعہ ہے اور نہ وہ ہماری فوجوں کا مرکز ہے۔“

ان حالات میں شکست دینا کوئی بڑی بات نہیں اگر ہمارا وہاں ایک بھی بہادر ہارسلاز ہوتا تو تمہیں ناکوں پنے چبوا دیتا اور تمہارے لشکر میں سے ایک بھی زندہ نہ بٹا اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھو ابھی تمہیں میرے اٹکے بے سینہ سے واسطہ ہی نہیں پڑا جس کے قبر سے بڑے بڑے بادشاہ ہناہ مانگتے تھے ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ اس کے سامنے پیشانی رگڑتے ہیں۔

میرے بیٹے بے سینہ کے پاس ایک سو مست ہاتھی ہیں اور خود سفید ہاتھی پر سوار ہوتا ہے جس کا مقابلہ نہ گھوڑے کر سکتے ہیں نہ کوئی بڑے سے برا بہادر۔ غرور کٹا ہوا ہے کہ تمہارا بھی وہی انجام ہو گا جو اس سے پہلے تمہارے مسلمان جرنیلوں کو ہوا تھا۔“

محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے خط کا جواب دینے میں تاخیر نہیں کی جس روز راجہ داہر کا جو قاصد خط لے کر آیا تھا محمد بن قاسم نے اسی وقت اس خط کا جواب

انداز میں ان کا خیر مقدم کیا بڑی نرمی سے ان سے پیش آیا ان کی حوصلہ افزائی کی بھر نہیں اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا ”کہ زندان کے اس داروغہ کا تمہارے ساتھ کیا سلوک تھا۔“

جس قدر قیدی دبیل کے زندان سے ملے تھے ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا ”ہم لوگ قبلہ کے شکر گزار ہیں اس نے ہماری تسلی اور تفسی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کا برتاؤ اس کا سلوک ہمارے ساتھ نہایت مشفقانہ اور رواداری کا تھا یہ ہمیں ہمیشہ یقین دلاتا رہا کہ گھبرائے نہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں وہ وقت ضرور آئے گا جب اسلامی لشکر یہاں آئے گا اور تمہیں اس مصیبت اور اسیری سے نجات دلائے گا۔“

محمد بن قاسم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ زندان کے داروغہ کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آیا بڑا عمدہ سلوک اس کے ساتھ کیا اور پھر داروغہ کو محمد بن قاسم نے اسلام کی دعوت دی۔ داروغہ زندان نے بخوشی اسلام قبول کر لیا محمد بن قاسم نے دبیل میں اپنا ایک والی مقرر کیا اور زندان کے داروغہ کو اس والی کے حوالے کرتے ہوئے کہا ”وہ تمام معاملات میں اس داروغہ زندان سے مشورہ کر لیا کرے اور آمد و خرچ کے حسابات کی توثیق اس سے کرایا کرے دبیل کا والی محمد بن قاسم ایک شخص حمید بن وداع ہخندی کو مقرر کیا تھا۔ اس والی نے محمد بن قاسم کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اس داروغہ زندان سے بہترین اور عمدہ قسم کا سلوک کرے گا اس کے بعد شہر کا نظم نسق درست کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے شہر کے اندر مسجد تعمیر کروائی یہ سندھ میں پہلی مسجد تھی جو تعمیر ہوئی۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے غنیمت کے سارے مال کو جمع کیا جو اسے ہنچکوں کے علاوہ ارمن ہیلہ اور دبیل سے حاصل ہوا تھا۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ خزانے میں جمع کروا دیا گیا اس کے علاوہ جو مال بچا وہ لشکریوں میں ان کی قابلیت اور عہدوں کے مطابق تقسیم کیا گیا گھوڑ سوار کو شتر سوار اور پیادے سے دو گنا حصہ ملا۔

دبیل کے فتح ہونے کی خبر راجہ داہر کو ہو چکی تھی اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ دبیل کا حاکم فرار ہو کر نیرون پہنچ چکا ہے اسے اسلامی لشکریوں کی جرات مندی

ہن کر عراق بھجوا دوں گا یا اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ یہ جماد اللہ  
نیل کے حکم سے ہے کفار اور منافقین کے خلاف یہ جماد میں نے خود اپنے اوپر واجب  
سمجھ کر خدائے پاک کی رضا مندی کے لئے قبول کیا ہے اور اس کے احسان کا  
ابدوار ہوں کہ ہمیں فتح اور کامیابی عطا فرمائے گا۔“



لکھا اور اس کے قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو مخاطب کر کے  
لکھا تھا۔

”یہ خط محمد بن قاسم کی طرف سے ہے جو سرکشوں اور مغروروں سے مسلمانوں  
کا انتقام لینے والا ہے کافر جاہل اور منکر داہر بن سچ برہمن غدار کے نام جو بے وفا  
زمانے کے ردوبدل اور ظالم وقت کے گھمنڈ پر مغرور ہے۔

اس کے بعد داہر کو معلوم ہو کہ تم نے اپنی جہالت اور بیوقوفی سے جو کچھ لکھا  
ہے تم اپنی ریک رائے پر جس طرح مغرور ہو وہ خط مجھے پہنچا تم نے جو کچھ لکھا ہے  
اس کے مضمون سے واقفیت ہوئی طاقت حشمت ہتھیار سامان ہاتھیوں اور لشکر کے  
متعلق تم نے جو کچھ بھی لکھا ہے مجھے ہر ایک بات معلوم ہوئی اور میں نے اسے  
سمجھا۔

سن داہر ہماری ساری قوت اور مدد کا مدار خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے۔  
اے بد بخت انسان ہاتھیوں اور لشکر پر کیا فخر، گھمنڈ کرتا ہے ہاتھی تو ایک عاجز ترین  
شے ہے جو مچھر جیسے جانور کو بھی اپنے جسم سے نہیں ہٹا سکتا اور تم جن گھوڑوں اور  
سواروں کو دیکھ کر حیران ہو گئے ہو وہ اللہ کے سپاہی ہیں۔

داہر تمہاری بری عادتوں اور تکبر کی وجہ سے ہمیں تم پر لشکر کشی کا خیال پیدا  
ہو کیونکہ تم نے سرانڈپ کے جہاز روک کر مسلمانوں کو قید کیا حالانکہ دنیا کے تمام  
ممالک مسلمانوں کے خلیفہ کی برتری اور حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ صرف تم ہی سرکش  
اور عناد اختیار کیے ہوئے ہو بیت المال کے خزانے کا وہ مال یعنی خراج جو کہ تم سے  
پہلے کے بادشاہ اور حاکم خود پر لازم اور واجب سمجھ کر ادا کرتے تھے وہ بھی تم نے  
روک لیا ہے۔

اور جب تم نے اپنے آپ کو ناپسندیدہ حرکات میں ملوث کر کے خدمت سے  
انکار کیا اور ان بری باتوں کو جائز سمجھا اس وقت دار الخلافہ سے فرمان جاری ہوا کہ  
تیرے ان کرتوتوں کا بدلہ لینے کے لئے تجھ سے جنگ کرنے کے لئے رخ کروں۔

مجھے یقین ہے میرا اور تمہارا مقابلہ جہاں کہیں ہو گا میں خدائے تعالیٰ کی مدد  
سے جو ظالموں کو مغلوب کرنے والا ہے تمہیں مغلوب اور ذلیل کروں گا اور تمہارا



خریم بن عمر تھوڑی دیر تک آنے والے قاصد کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا ”کیا تم سندر داس کی بیٹی سانکرہ کو جانتے ہو اور سانکرہ تمہیں پہچان لے گی“ اس پر آنے والا قاصد جھٹ سے بول پڑا۔

”میں سندر داس کا چوہدار ہوں بڑی مالکن روجن اور چھوٹی مالکن سانکرہ دونوں ہی مجھے خوب اچھی طرح جانتی ہیں۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلیں میں خود ہی ان سے گفتگو کر لوں گا۔“

اس پر خرم بن عمر ایک طرف چل دیا قاصد کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا اس جگہ جہاں خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے خیمے تھے ان دونوں کے خیموں کے درمیان ایک بڑا خیمہ تھا اس کے سامنے خرم بن عمر کھڑا ہوا اور آواز دی۔

”سانکرہ اور گودیری میں خرم بن عمر ہوں میرے ساتھ بنانہ بن حنظلہ ہے اور ایک قاصد سانکرہ کے باپ سندر داس کی طرف سے آیا ہے ہم تینوں اندر آ سکتے ہیں۔“

خرم بن عمر کا یہیں تک کہنا تھا کہ دوسرے ہی لمحے سانکرہ خیمے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ ایک نگاہ اس نے خوش کن انداز میں خرم بن عمر پر ڈالی پھر قاصد کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی ”تم کس وقت آئے ہو“ آنے والے قاصد نے بڑی عاجز مندی میں سانکرہ کو تعظیم دی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خرم بن عمر نے پھر سانکرہ کو مخاطب کیا۔

”سانکرہ تم ہمیں یہاں دروازے پر ہی کھڑا رکھو گی یا اندر آنے کے لئے بھی کوئی“ سانکرہ بیچاری شرمندہ سی ہو گئی ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور کہنے لگی ”آپ اندر آئیں میں نے کبھی آپ کو روکا ہے“ اس پر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ قاصد کو لے کر اندر داخل ہوئے، تینوں ایک لمبی نشست پر بیٹھ گئے گودیری اور سانکرہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئی تھیں پھر قاصد نے سانکرہ کو مخاطب کیا۔

”چھوٹی مالکن بڑی مالکن اس وقت کہاں ہیں میں ان سے بھی گفتگو کرنا پسند کروں گا“ جواب میں سانکرہ کا چہرہ اتر گیا آنکھوں میں نمی آگئی پھر اس نے وہ سارے حالات سنا ڈالے تھے جتنے تحت اس کی ماں ماری گئی تھی، پھر اس نے آنے والے

محمد بن قاسم راجہ داہر کو خط روانہ کرنے کے بعد فارغ ہوا ہی تھا کہ خرم بن عمر اس کے پاس سے اٹھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تھوڑی دیر تک لوٹا ہوں ذرا زخموں کی دیکھ بھال کر لوں“ محمد بن قاسم نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی وہاں سے ہٹ کر خرم بن عمر چند قدم ہی گیا تھا کہ بنانہ بن حنظلہ بھی اس سے آنے والے دونوں آگے بڑھنے لگے ابھی وہ اپنے لشکر کے زخموں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ ان کے لشکر کا ایک سپاہی قریب آیا اور خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا ”ایک نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے وہ ابھی ابھی لشکر میں داخل ہوا ہے وہ نیون کے حاکم سندر داس کی طرف سے آیا ہے۔“

خرم بن عمر چونکا اور آنے والے اس لشکر سے کہا کہ اس آنے والے قاصد کو بلا کر لاؤ، تھوڑی دیر بعد وہ لشکر سندر داس کے قاصد کو لے کر آیا اور خرم بن عمر کے سامنے لا کھڑا کیا خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے اس سے پرچوش مصافحہ کیا پھر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

”کیا تم حاکم نیون سندر داس کی طرف سے آئے ہو۔“

”آنے والے قاصد نے بڑے احترام میں جب اپنی گردن کو خم کیا تو خرم بن عمر بول پڑا۔

”کیا اس کی طرف سے تم کوئی پیغام لے کر آئے ہو، یہ پیغام کس کے لئے ہے میرے نام یا محمد بن قاسم کے لئے“ اس پر قاصد کہنے لگا۔

”اس نے مجھے کوئی تحریری پیغام نہیں دیا صرف اتنا کہا ہے کہ میں خرم بن عمر سے ملوں اور اس سے اس کی بیٹی اور بیوی کا احوال جان کر واپس آؤں۔“

ہمارا لشکر یہاں سے کوچ کرے گا ہمارا رخ نیون کی طرف ہو گا تم ہمارے ساتھ جانا میرے خیال میں یہاں سے کوچ کرنے میں زیادہ دن نہیں لیں گے تم تھکے ہارے ہو اٹھو پہلے کھانا کھاؤ اس کے بعد آرام کرو" اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا بنانہ بن حنظلہ اور قاصد بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ قاصد کو لے کر وہاں سے چلے گئے تھے۔



دیبیل کی فتح اور وہاں کے انتظامات درست کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا۔ منجنیقیں اور دیگر عسکری سامان کشتیوں میں لاد کر نالہ ساگر کے ذریعے روانہ کیا گیا۔ ساگر کو بگھیاں کا نام بھی دیا گیا ہے سندھ میں آج بھی میرپور ساگر موجود ہے یعنی وہ میرپور جو خط ساگر میں ہے دیبیل سے کوچ کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ میں قیام کیا۔

ہمت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جس وقت محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہوا اس وقت ٹھٹھہ آباد نہ ہوا تھا لیکن یہ درست نہیں۔ سندھ کے قدیم اور تاریخی شہروں میں جو اہمیت دیبیل اور ٹھٹھہ کو حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ عمد حاضر کے مورخوں نے دونوں شہروں میں جس قدر دلچسپی لی ہے اتنی تاریخی نکتہ نظر سے کئی باتیں ان دونوں شہروں کے متعلق ایسی ہیں کہ وہ ابھی تک ایک حل طلب مسئلہ بنی ہوئی ہیں وہ مسائل جو ان دونوں شہروں کے متعلق ابھی تک دھند میں پڑے ہوئے ہیں ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ دیبیل کی آبادی کے متعلق ہم آج تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے کہ وہ کس جگہ آباد تھا۔ دوسری بات جو دیبیل کے متعلق آج تک عیاں نہیں ہو گئی وہ یہ کہ شہر کب آباد ہوا اسی کے ساتھ سندھ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے طالب علم کے ذہن میں ٹھٹھہ کے متعلق جو سوالات ابھرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھٹھہ کب آباد ہوا اور شہر کا بانی کون تھا؟ کیا ٹھٹھہ اس جگہ آباد ہوا جہاں دیبیل آباد تھا یا کسی علیحدہ جگہ آباد ہوا کیا۔ ٹھٹھہ اور دیبیل دونوں ایک وقت میں آباد تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے ٹھٹھہ اور دیبیل ایک ہی شہر کے نام ہیں لیکن یہ درست

قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے حیران کن انداز میں پوچھا۔  
"میرے باپ نے جو مسلح جوان ہماری طرف بھجوائے تھے انہوں نے ہی دھرم داس کو قتل کر دیا تھا اور ان کی موجودگی ہی میں میری ماں کا کرایا کرم ہوا تھا کیا انہوں نے واپس جا کر میرے باپ سے میری ماں کے مرنے کے اطلاع نہیں کی۔"  
قاصد کی گردن تھوڑی دیر کے لئے جھکی رہی پھر وہ کہنے لگا۔

"ان دونوں نے یہ سارے حالات ضرورت سنائے تھے دھرم داس کے ناروا سلوک کا ذکر بھی کیا تھا جسے سن کر مالک بڑے خفا اور برہم ہوئے تھے۔ جب ان جوانوں نے انکشاف کیا کہ کس طرح بالوں سے پکڑ کر دھرم داس نے آپ کو گھسیٹا تو مالک نے کہا کہ دھرم داس کو قتل کر دینا چاہئے تھا تو ان جوانوں نے کہا ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ پر حیرت ہے انہوں نے بڑی مالکن کے مرنے کا ذکر نہیں کیا۔"  
کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد ساگر نے آنے والے قاصد کو مخاطب کیا۔  
"یہ بتاؤ میرا باپ کیا ہے" قاصد نے ایک رحم انگیز نگاہ ساگر پر ڈالی اس کے بعد وہ بول پڑا۔

"مالک ٹھیک ہیں جس روز میں نیون سے ادھر آنے کے لئے روانہ ہوا اسی روز وہ اروڑھ کی طرف چلے گئے تھے۔ راجہ داہرنے انہیں طلب کیا شاید وہ کسی اہم موضوع پر ان سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ راجہ داہر کو خبر ہو چکی ہے کہ مسلمانوں نے دیبیل پر حملہ آور ہو کر دیبیل پر قبضہ کر لیا ہے۔ راجہ داہر شاید یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ دیبیل کے بعد مسلمان نیون کا رخ کریں گے، لہذا نیون کے دفاع اور استحکام کے لئے وہ ہمارے مالک سے گفتگو کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ راجہ داہر کی طرف گئے ہیں میرے خیال میں چند روز تک وہ واپس آ جائیں گے وہ آپ کی خیریت سے متعلق پریشان تھے اور پوچھ رہے تھے کہ آپ کب تک نیون کا رخ کریں گی۔"

اس موقع پر ساگر نے عجیب سے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی "آپ اسے جواب دیں کہ اب ہمارا آئندہ لائحہ عمل کیا ہے" خرم بن عمر نے فوراً قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔  
"جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم دیبیل پر قابض ہو چکے ہیں، بس کچھ ہی دن تک

نہیں ہے۔ یہ ہیں چند سوالات جن کی وجہ سے دور حاضر کی تاریخ کو خوردبین سے دیکھا جا رہا ہے اور آثار اور تاریخ کے چھپے ہوئے گوشوں کو بے نقاب کیا جا رہا ہے آج بھی سندھ کی تاریخ کے ان مساکل پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ ٹھٹھہ اور دبیل دونوں ایک ہی وقت میں موجود تھے دبیل کیونکہ کاروباری شہر تھا لہذا اس کے مقابلے میں ٹھٹھہ کو کچھ زیادہ اہمیت اور شہرت حاصل نہ ہوئی۔ ٹھٹھہ اس وقت منظر عام پر آتا ہے جب ہجری چھ سو اٹھاون میں دبیل گم ہو گیا۔ اس کے گم ہو جانے کے بعد ٹھٹھہ کو اہمیت حاصل ہوئی اور ہجری چھ سو اکتھر سے کچھ پہلے یہ اس علاقے کا بڑا شہر بن کر ابھرا اور دبیل کا قائم مقام کہلایا۔ بہر حال ٹھٹھہ میں مختصر قیام کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ پھر کوچ کیا اور سیم کے مقام پر جا کر پڑاؤ کیا۔ سیم کے مقام پر محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کی طرف سے ایک خط ملاحظہ میں لکھا تھا۔

”حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو یہ جاننا چاہئے کہ ہمارے دل ارادوں اور ہمت کا رونا یہ ہے کہ ہر حال میں کامیابی حاصل ہو انشاء اللہ تم کامیاب اور فتح مند ہو گے اور اہل عزوجل کے احسان سے دشمن دنیا کی سزا اور عاقبت کے عذاب میں ہمیشہ گرفتار اور مغلوب رہو گے۔“

بیٹے تمہیں ہرگز یہ خیال نہ ہو کہ بھی دل میں نہ لانا چاہئے کہ تمام ہاتھی گھوڑے دولت اور دشمن کا تمام مال و اسباب تمہاری ملکیت ہو جائے گا بلکہ تم اپنے رفیقوں کے ساتھ ایک پر مسرت زندگی بسر کرو اور ہر ایک کے ساتھ احترام اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ انہیں یہ یقین دلاؤ کہ یہ ملک تمہارا ہے۔

جب تم کوئی قلعہ فتح کرو تو اس میں لشکر کی ضروریات کی کوئی چیز بھی تمہارے ہاتھ آئے تو لشکر اور لشکر کی تیاریوں پر خرچ کرو۔

اشیاء کی قیمتوں کی شرح مقرر کرنا تاکہ تمہارے لشکر میں غلہ سستا ملے جو پہلے دبیل میں رہ گیا ہے وہ لشکر کی رسد کی فراہمی پر خرچ کرو بجائے اس کے کہ وہ دبیل میں ذخیرے کی صورت میں پڑا رہے۔ جب تم ان علاقوں کو فتح کرو ان علاقوں کے لوگ تمہارے ساتھ مطمئن زندگی بسر کریں مفتوحہ علاقے کے لوگوں کو دجوئی کرنا تاکہ

کسان پیشہ ور اور تاجر خوش حال اور آسودہ ہوں اور ملک سرسبز اور شاداب رہے۔“ اس خط پر بیس رجب ہجری تیرانوے کی مہر تھی سیم سے کوچ کرنے کے بعد محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ نیرون کوٹ کی طرف بڑھا جو دبیل سے پچیس فرلانگ پر تھا اور ساتویں دن نیرون کوٹ کے باہر کے مقام پر محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ گرمی کا موسم تھا اور پانی کا میلوں پتا نہ تھا لشکر کو پانی کی سخت تکلیف ہوئی لشکر کو پانی کی تکلیف دیکھ کر محمد بن قاسم نے کہا کہ نماز استسقاء ادا کی جائے سب نے مل کر نماز استسقاء ادا کی اور نہایت ہی گزرگرا کر دعائیں مانگی گئیں محمد بن قاسم نے نماز کی خود ہی امامت کی اور اس کی دعا کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔

”اے گمراہوں اور پریشانیوں کے راہبر اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے وسیلے سے میری دعا کو سن۔“

خدا نے مجاہدین کی دعا کو کچھ اس طرح قبول فرمایا کہ خوب بارش ہوئی چاروں طرف پانی ہی پانی ہو کر رہ گیا ہر چیز جل تھل ہو کر رہ گئی اور مسلمان لشکر کی جو پانی کی طلب محسوس کر رہے تھے وہ ختم ہوئی۔

سیم سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم جب نیرون پہنچا تو نیرون کا راجہ سندرداس اس وقت راجہ داہر کے پاس گیا ہوا تھا، گو اس نے حجاج بن یوسف کو خط لکھ کر پہلے امان طلب کر لی تھی لیکن اس امان کا اس نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا اس لئے کہ اگر راجہ داہر کو سندرداس کی اس حرکت کا پتا چل جاتا تو وہ سندرداس کو ایسی سزا دے گا جو تاریخ میں عبرت بن کر رہ جاتی۔

سندرداس نے اپنے لشکریوں اپنے مشیروں اور شہر کے لوگوں تک کو یہ خبر نہ لکھی کہ خفیہ ہی خفیہ قاصد بھیج کر حجاج بن یوسف سے پہلے ہی امان طلب کر رکھی ہے اس لئے محمد بن قاسم جب اپنے لشکر کے ساتھ نیرون پہنچا تو سندرداس کی غیر معمولی میں شہر والوں نے جب محمد بن قاسم کی آمد کی خبر سنی تو وہ شہر کے دروازے پر لڑنے کے بیٹھ گئے۔

محمد بن قاسم نے بھی نیرون کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ نیرون شہر سے اہل اس کے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا وہ جانتا تھا کہ سندرداس راجہ داہر سے ملاقات

ہا تھا۔

”میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری غیر موجودگی میں میرے شہر پر حملہ نہیں کیا گو شہر کے محافظوں نے دروازے بند کر دیئے تھے ایسا انہوں نے میرے یہاں نہ ہونے کی وجہ سے کیا تھا۔“

سندر داس یہیں تک کہنے پایا تھا کہ محمد بن قاسم بول پڑا۔

”سندر داس تم نے جو قاصد حجاج بن یوسف کی طرف بھجوائے تھے ان کے

ذریعے اس شہر کو امان دی جا چکی ہے اور جسے امان دی جاتی ہے اس کا ہم احترام کرتے ہیں۔ جب تک تم نہ لوٹتے ہم شہر والوں سے کوئی تعرض نہ کرتے اب جبکہ تم آگے ہو تو شہر والوں کو بتا دو کہ ہم ان پر حملہ آور نہ ہوں گے سب کو امان دی جا چکی ہے۔“

سندر داس تھوڑی دیر مسکراتا رہا پھر اس کی آواز خیمے میں گونجی تھی۔

”اب شہر والوں کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں میں انہیں سب کچھ سمجھا چکا ہوں۔ پہلے میں نے اس امان کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا میں جانتا تھا کہ کسی کے بھی کان میں یہ بھنک پڑ گئی تو وہ راجہ داہر سے جا کر کہے گا اور راجہ داہر میرے لئے عذاب بن کر نازل ہو گا۔ اب میں نے شہر میں مناوی کرا دی ہے کہ شہر کو امان دے دی گئی ہے آپ جا کر دیکھ سکتے ہیں میں نے شہر کے سارے دروازے کھلوا دیئے ہیں آپ جس دروازے سے چاہیں شہر میں داخل ہو سکتے ہیں نیرون اب آپ کا شہر ہے اس کا انتظام بھی میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔“

کچھ دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد محمد بن قاسم نے کہنا شروع کیا۔

”سندر داس میں یہیں خیمہ زن رہوں گا نیرون میں داخل نہیں ہوں گا نیرون کی حاکمت پر تم برقرار رہو گے۔“

سندر داس اس گفتگو کے جواب میں جھٹ سے بول پڑا۔

”میرے محترم کیا آپ بتائیں گے کہ نیرون کے بعد آپ کدھر کا رخ کریں گے اس لئے کہ آپ کا سامنا کرنے کے لئے راجہ داہر نے جنگ کی پورے زور و شور سے تیاریاں کر رکھی ہیں وہ اور اس کا بیٹا بے سینا ان دنوں جنگی تیاریوں کو عروج پر لے جا

کرنے کے لئے اروڑھ گیا ہوا ہے اور محمد بن قاسم یہ بھی جانتا تھا کہ حجاج بن یوسف حاکم نیرون سندر داس اور شہر والوں کو پہلے ہی امان دے چکا ہے۔ لہذا شہر والوں نے جب اس پر دروازے بند کئے تو اس نے کوئی اعتراض کیا نہ بلکہ چپ چاپ پڑاؤ کر لیا دراصل اسے اروڑھ سے سندر داس کی واپسی کا انتظار تھا۔

○

ایک روز محمد بن قاسم خرم بن عمر زکوان بن علوان اور بنانہ بن حنظلہ دیکر سالاروں کے ساتھ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے خیموں کی طرف جا رہے تھے کہ ایک لشکری بھاگا بھاگا آیا اور محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یا امیر نیرون کا حاکم سندر داس جو راجہ داہر سے ملاقات کرنے کے لئے اروڑھ گیا ہوا تھا واپس آچکا ہے وہ ہمارے لشکر میں داخل ہوا ہے، اسے خیمہ گاہ میں بٹھایا ہے وہ آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔“

اس خبر پر ایک بار مسکراتے ہوئے محمد بن قاسم نے خرم بن عمر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا ”آؤ سندر داس سے ملاقات کرتے ہیں دیکھیں وہ کیا کہتا ہے“ اس پر سب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے محمد بن قاسم کے خیمے کی طرف ہو لئے تھے۔

جب خیمے میں داخل ہوئے تو اندر اپنے چند محافظوں اور ساتھیوں کے ساتھ سندر داس بیٹھا ہوا تھا۔ محمد بن قاسم جب اپنے سالاروں کے ساتھ اندر داخل ہوا تو سندر داس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر استقبال کیا۔ پہلے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کروایا بعد میں محمد بن قاسم نے سب سے مصافحہ کیا۔ جس وقت سب سے مصافحہ کیا وہ

رہا تھا تو سندر داس بڑی خوش دلی کا مظاہرہ کر رہا تھا جب خرم بن عمر کی باری آئی تو مصافحہ کرنے کے ساتھ اس نے خرم بن عمر کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور کہنے لگا ”تمہارے ساتھ تو ایک رشتہ ہے میں اپنی بیٹی کے انتخاب کی داد دیتا ہوں میں تمہیں ان

سرزمینوں میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

سندر داس کے ان الفاظ پر خرم بن عمر مسکرا دیا تھا پھر سب نشستوں پر بیٹھے گئے اس کے بعد سندر داس نے گفتگو کا آغاز کیا وہ محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہ

اور اس کے نواح کے بدھ مت کے لوگ میری وجہ سے ضرور آپ کا ساتھ دیں گے اور سیون کو فتح کرنے میں میرے خیال میں کوئی زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

میری دوسری التجا آپ سے یہ ہے کہ آپ چند روز تک نیرون میں قیام کریں اور مجھے مہمان نوازی کا موقع دیں۔“

”سندر داس میں تمہاری تجویز کو پسند کرتا ہوں تمہارے کہنے پر میں لشکر کے ساتھ چند روز تک یہاں قیام کروں گا۔ میں جانتا ہوں باطنی طور پر تم اپنی بیٹی ساگرہ سے ملنے کے لئے بے چین ہو گے لہذا تم سے یہاں قیام کے دوران ملاقات ہوتی رہے گی خرم بن عمر کے ساتھ جاؤ اور ساگرہ سے ملاقات کرو۔“

اس پر سندر داس اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور خرم بن عمر کی طرف دیکھنے لگا اس موقع پر محمد بن قاسم نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

”ابن عمر میرے بھائی سندر داس کے ساتھ جاؤ اور اس کی بیٹی ساگرہ سے اس کی ملاقات کراؤ“ خرم بن عمر فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس موقع پر سندر داس نے محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”امیر محترم اپنی بیٹی اور گودیری سے ملاقات کرنے کے بعد میں ان دونوں کو شہر لے جاؤں گا میں آپ سے یہ بھی گزارش کروں کہ آج شام آپ کی اور آپ کے ملازموں کی میرے ہاں ضیافت ہوگی، ساگرہ اور گودیری اس ضیافت کا اہتمام کریں گی لہذا میں ان کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔“

محمد بن قاسم نے مسکراتے ہوئے جب اثبات میں سر ہلایا تب سندر داس خرم بن عمر کے ساتھ باہر نکلا، سندر داس کے ساتھ جو مسلح جوان تھے انہیں سندر داس نے ایک جگہ رکنے کے لئے کہا خود وہ خرم بن عمر کے ساتھ چل دیا۔ ساگرہ کے خیمے کی طرف جاتے ہوئے اچانک سندر داس مزید خرم بن عمر کے قریب ہوا اور بڑی راز داری سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سن بیٹے مجھے ساگرہ اور تم لوگوں کا بڑی بے چینی سے ان علاقوں کی طرف سنا کا انتظار تھا اب جبکہ تم پہنچ گئے ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ یہاں قیام کے

پکے ہیں۔ یہ سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں لہذا آپ کو بتانا میرا فرض ہے کہ انکا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ وقت آپ کو تیار رہنا چاہئے۔“

”سندر داس تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے راجہ داہر لاکھ تیاری کر لے جب وہ ہمارے سامنے آئے گا تب پتا چلے گا کہ اس کی تیاریاں کہاں تک اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ بڑے اعتماد کے ساتھ سندر داس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن قاسم نے کہنا شروع کیا تھا۔ سندر داس میں یہاں سے راجہ داہر کے مرکزی شہر کا رخ نہیں کروں گا سندر داس دیبل شہر کو فتح کرنے کے بعد میں نے وہاں قیام کیا اور میری تبلیغ کے جواب میں کچھ لوگوں نے وہاں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک شخص جس نے اپنا نام ہی مولانا اسلامی رکھ لیا ہے وہ اس وقت میرے لشکر میں شامل ہے اور وہی ان جنگوں میں میری راہنمائی کرے گا۔ تمہاری آمد سے پہلے میں اس سے مشورہ کر چکا ہوں میں تمہیں اس سے ملاؤں گا بھی اس کا کہنا ہے کہ نیرون کے بعد ہمیں راجہ داہر کا سامنا نہیں کرنا چاہئے نہ ہی اس کے مرکزی شہر کی طرف جانا چاہئے بلکہ ہمیں سیون کا رخ کرنا چاہئے سیون اور ملحقہ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مولانا اسلامی کا دعویٰ ہے کہ راجہ داہر خود اپنی کمین گاہ سے نکلے گا اور ہمارے مقابل آئے گا“ اس طرح اسے بھی اپنے مرکزی شہر سے دور ہونا پڑے گا اور اس پر قابو پانا ہمارے لئے آسان ہو گا جائے گا۔

مولانا اسلامی کی اس تجویز کو میں نے پسند کیا ہے۔ مجھے تمہاری آمد کا انتظار تھا اب میں یہاں سے سیون کا رخ کروں گا اس کے بعد دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے کے بعد مجھے امید ہے کہ ہمارا نکر او راجہ داہر سے براہ راست ہو گا۔“

سندر داس کچھ دیر تک مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔

”میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ جب آپ یہاں سے کوچ کریں گے تو نیرون کے لئے اپنا کوئی ناظم مقرر کر دیجئے گا کہ میں آپ کے ساتھ آپکے لشکر میں رہوں گا اس واسطے کہ تینوں شہروں اور اس کے نواح میں سب بدھ مت کے لوگ آباد ہیں گو سیون کا حاکم جس کا نام بجے رائے ہے وہ ہند ہے اور راجہ داہر کا بھتیجا ہے مجھے امید ہے اگر میں آپ کے ساتھ ہوں گا تو سیون



کے بعد پھر بول پڑا ”اچھا ایسا کرو تم دروازے پر آؤ میری بات سنو اس کے بعد میں نے جب میں داخل ہوں گا“ ساتھ ہی خرم بن عمر سندرداس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ خرم بن عمر کا کہا مانتے ہوئے ساکمرہ دروازے پر آئی سندرداس چونکہ خرم بن عمر کے پیچھے تھا لہذا ساکمرہ اسے نہ دیکھ سکی۔ ساکمرہ نے بڑے غور سے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے گلے شکوؤں سے بھرپور آواز میں اسے مخاطب کیا۔

”آپ یہ کیا اجنبیوں نا آشناؤں کی طرح خیمے کے دروازے کے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ اندر آئیں پھر میں آپ سے بات کرتی ہوں“ اس کے ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر ساکمرہ نے خرم بن عمر کا بازو پکڑ لیا اسے خیمے کی طرف کھینچا۔ خرم بن عمر نے خرم بن عمر کو آگے کھینچا اسے اپنا باپ نظر آیا۔ اس موقع پر مسکراتے ہوئے خرم بن عمر نے ساکمرہ کو مخاطب کیا۔ ”ان سے ملو یہ وہ مہمان ہیں جو تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“

اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے ساکمرہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ تھی خرم بن عمر کا بازو چھوڑتے ہوئے وہ بھاگی اور سندرداس سے لپٹ گئی تھی۔ سندرداس نے اس کی پٹائی اور سر چوما پھر تینوں خیمے میں داخل ہوئے۔ گودیری نے بھی سندرداس کا ہاتھ کیا سندرداس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا۔

”گودیری میری بیٹی میں خوش ہوں کہ تم بھی یہاں ساکمرہ کے ساتھ ہو“ پھر گودیری کے کہنے پر سندرداس ایک نشست پر بیٹھ گیا تاہم خرم بن عمر کھڑا رہا گودیری نے تیز نگاہوں سے خرم بن عمر کی طرف دیکھا اور کہا ”آپ بھی بیٹھ جائیے۔“

خرم بن عمر نے اس بار سندرداس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”آپ ساکمرہ سے بات چیت کریں میں جاتا ہوں تھوڑی دیر بعد میں آؤں گا۔“ سندرداس نے ہاتھ بڑھا کر خرم بن عمر کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ ٹھالتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن عمر میرے بیٹے تم کیسی اجنبیوں والی گفتگو کرتے ہو، میرے لئے اب تم اور ساکمرہ ایک جیسے ہو وہ کون سی گفتگو ہے جو میں ساکمرہ کے ساتھ تمہاری غیر

دوران تمہاری ساکمرہ اور گودیری اور بنانہ بن حنظلہ کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے“ اس پر چلتے چلتے خرم بن عمر رک گیا اور سندرداس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس سے پہلے محمد بن قاسم کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے اس سلسلے میں ساکمرہ اور گودیری سے بھی مشورہ کیا تھا اور سب نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ راجہ داہر کسی وقت ہم سے ٹکرا سکتا ہے میری اور بنانہ بن حنظلہ کی شادی ساکمرہ اور گودیری کے ساتھ راجہ داہر کے ٹکراؤ کے بعد ہوگی میرے خیال میں آپ کو بھی اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

سندرداس کچھ دیر تک مسکراتا رہا اس کے بعد اس نے خرم بن عمر کی طرف دیکھا۔

”دیکھو بیٹے اگر تم لوگ یہ فیصلہ کر چکے ہو تو میں اس سے مکمل اتفاق کرتا ہوں“ سندرداس کہتے کہتے رک گیا اس لئے کہ خرم بن عمر ایک خیمے کے سامنے رک گیا تھا وہ خیمہ ساکمرہ اور گودیری کا تھا پھر خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر خرم بن عمر نے ساکمرہ کو آواز دی۔

ساکمرہ نے شاید خرم بن عمر کی آواز پہچان لی تھی لہذا باہر آنے کے بجائے وہ خیمے کے اندر سے ہی بولی۔

”اجنبیوں کی طرح باہر سے کیوں پکار رہے ہیں اندر آجائیں“ اس پر خرم بن عمر نے مسکراتے ہوئے سندرداس کی طرف دیکھا، سندرداس خیمے میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ہاتھ کے اشارے سے خرم بن عمر نے اسے روک دیا۔ اس کے بعد اس نے باہر کھڑے ہی کھڑے ساکمرہ کو مخاطب کیا۔

”ساکمرہ ذرا باہر آؤ نیرون شہر سے ایک صاحب آئے ہیں وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں“ خیمے کے اندر ہی رہتے ہوئے ساکمرہ نے پھر جواب دیا۔

”آپ خود پہلے اندر آئیں جب تک میرے باپ اروڑھ سے نہیں لوٹنے اس وقت تک میں نیرون کے کسی شخص سے ملنا پسند نہیں کروں گی آپ اندر آئیں باہر کیوں کھڑے ہیں۔“ تھوڑی دیر تک خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر خرم بن عمر مسکراتا رہا اس

نیرون میں قیام کے دوران محمد بن قاسم نے وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی اور مسجد کے لئے امام اور موذن مقرر کر کے حکم دیا کہ پانچوں وقت اذان دی جائے اور امت کروائی جائے اور باجماعت نماز کا بہترین اہتمام کیا جائے۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے بصرہ کے رہنے والے ایک شخص کو نیرون شہر کا ناظم مقرر کیا اس لئے کہ سندس واس نے اس کے ساتھ ہی وہاں سے کوچ کرنا تھا۔ نیرون کے سارے انتظامات درست کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ محمد بن قاسم نے نیرون سے کوچ کیا اب اس کا رخ سیون کی طرف تھا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ سیون کی طرف جاتے ہوئے محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ راستے میں موج کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہ جگہ سیون کے راستے میں تھی لغت کے اعتبار سے موج کے معنی لہریا تیز بہتے پانی کے ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کسی برساتی ندی کے قریب پہنچا تھا اور وہیں اس نے قیام کیا تھا۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نیرون میں محمد بن قاسم نے دعا مانگی تھی جس کے بعد سخت بارش ہوئی تھی اس سے پتا چلتا ہے کہ بارش کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ موج سے متعلق مختلف مورخین نے مختلف لکھا ہے مشہور مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم نے دریا مہران کے اس طرف ایک نہر کو عبور کیا جبکہ مورخ یعقوبی کہتا ہے کہ محمد بن قاسم نے مہران کے اس طرف سندھ کی ایک نہر پار کی اور وہاں سے سیون کا رخ کیا۔

بلاذری اور یعقوبی کے ان حوالوں کا لفظ موج لکھنے والوں کی عبارت میں پوری مطابقت ہے ظاہر ہے جس جگہ بھی مورخ نے موج لکھا ہے تو دوسروں نے اسے نہر

موجودگی میں کرنا پسند کروں گا، ہرگز نہیں تم یہاں میرے پاس رہو گے“ خرم بن عمر بیٹھ گیا سانکرہ بھی خرم بن عمر کے پاس بیٹھی پھر گودیری اور سانکرہ کو مخاطب کرتے ہوئے سندس واس کہنے لگا۔

”میری بیٹیو! تمہاری طرف آنے سے پہلے میں تفصیل کے ساتھ محمد بن قاسم سے گفتگو کر چکا ہوں۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ بھی وہیں تھے تم ابھی میرے ساتھ نیرون جاؤ گی۔ میں محمد بن قاسم اور اس کے سارے سالاروں کی شام کے وقت ضیافت کرنا چاہتا ہوں اور تم دونوں بہنیں مل کر اس ضیافت کا اہتمام کرو گی، میرے خیال میں میں زیادہ دیر تک تمہارے خیمے میں نہیں رہوں گا تیاری کرو اور میرے ساتھ چلو تاکہ ضیافت کے انتظامات کو آخری شکل دیں“ اس پر سانکرہ اور گودیری دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں جلدی جلدی انہوں نے اپنا سامان سمیٹا پھر وہ سندس واس کے ساتھی چلی گئیں تھیں جبکہ خرم بن عمر محمد بن قاسم کے خیمے کا رخ کر رہا تھا۔



پداؤ کئے ہوئے ہے لہذا ہمیں کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس طرح موج کے حاکم نے بدھ مت کے سرکردہ لوگوں اور ششٹی یعنی راہبوں سے مشورے شروع کئے۔ آخر یہ طے پایا کہ سیون کے حاکم کو جو ہندو ہے قاصد بھیجا جائے اور اسے لکھا جائے کہ ہمانہ حرام ہے یوں بھی آپ تو ایک محفوظ مقام پر ہیں اور ہم غیر محفوظ جگہ پر ہیں۔ ہمیں حالات کے لحاظ سے خوف ہے کہ اگر مسلمانوں کے ساتھ ہماری لڑائی شروع ہو گئی تو ہمیں نقصان پہنچے گا۔ ہم نے مسلمانوں کے متعلق یہ بھی سنا ہے کہ جو ان سے امن چاہتا ہے اسے وہ نہیں لوٹتے اپنے وعدے کے نہایت پابند ہیں اپنے مفتوح شہر کی حفاظت کرتے ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہمارا مشورہ قبول کریں تو ہم آپ کیلئے اور اپنے لئے ان سے امان طلب کریں۔

بدھ مت کے اکابر اور راہبوں یعنی ششٹیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس مضمون کا ایک خط لکھ کر تیز رفتار قاصد کے ذریعے موج کے حاکم نے سیون کی طرف راجہ داہر کے بھتیجے کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

بدھ مت کے اکابر اور ششٹیوں پر مشتمل موج کے حاکم نے جو مجلس بلائی تھی وہ مجلس ابھی جاری تھی کہ اس میں نیرون کا حاکم سندرداس داخل ہوا اور سندرداس کو سب جانتے اور پہچانتے تھے۔ جونہی وہ اس مجلس میں داخل ہوا اس کے احترام میں سب کھڑے ہوئے۔ موج کے حاکم نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ پر جوش مصافحہ کیا اور اپنے قریب نشست پر بیٹھایا۔

سندرداس کو دیکھ کر سب ایک دم سے حیران اور پریشان تھے پھر گفتگو کا آغاز موج کے حکمران نے کیا تھا اور جس مقصد کیلئے اس نے مجلس طلب کی تھی وہ مقصد اس نے سندرداس سے بیان کیا۔ جواب میں سندرداس نے اسے مخاطب کیا۔

میں تمہاری اس مجلس کی نوعیت کو سمجھتا ہوں تم نے جو قاصد بھجوایا ہے وہ بھی اچھا کیا ہے۔ میں تمہیں ایک ہی مشورہ دوں گا کہ مسلمانوں کی اطاعت کر لو ورنہ بلا رکھو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ اس کے بعد سندرداس نے خود مسلمانوں کی اطاعت کرنے اور اپنی بیٹی سانکرہ کو مسلمانوں کے سالار خریم بن عمر سے شادی کرنے کا اظہار

لکھا ہے دونوں مورخ اسے ممالک اسلامیہ سے مغرب کی طرف لکھتے ہیں۔ ان کا بیان یہ ہے کہ وہ مہران کے اس طرف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نمر مہران کے مغرب میں تھی سندھ کے جغرافیہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر آباد اور سیون کے درمیان مغرب کی طرف کوستانی علاقے میں دریائے سندھ کی کسی بھی شاخ کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ محمد بن قاسم سے پہلے یا بعد کی تاریخ سے بھی اس خطے میں کسی مغربی شاخ کا پتا نہیں چلتا اگر مہران کے مغرب کی جانب کوئی نمر ہو سکتی ہے تو وہ کوئی برساتی ندی نالہ ہی ہو سکتا ہے جسے موج یا نمر کا نام دیا گیا ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ وہ کون سا نالہ ہے جسے نیرون سے سیون کی طرف جاتے ہوئے محمد بن قاسم نے پار کیا کیونکہ اس خطے میں صرف نٹن سن نام کا ایک قدیمی نام ہے لہذا کہا جاسکتا ہے کہ یہی نالہ ہے جسے سندھ کے مورخوں نے موج اور عرب تاریخوں میں اسے نمر کا نام دیا گیا ہے۔

اگر ہم اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ جس نہریا نالے کو محمد بن قاسم نے عبر کہا وہ یہی نالہ ہے تو اس نالے کے مغرب میں عامری کے قریب قدیمی ٹیلے اور کھنڈرات ملتے ہیں اس طرح مقام کئی بھی بہت پرانا ہے جو اپنے قریب کے پہاڑوں اور پانی کے چشمے کی وجہ سے بدھ مذہب کے راہبوں کے رہنے کے لئے ایک موزوں مقام ہو سکتا ہے لہذا مورخین کا خیال ہے کہ نالہ مذکورہ کے قریب ہی وہ جگہ تھی جہاں محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ پداؤ کیا تھا۔



موج کے لوگ بدھ مت کے پیروکار تھے۔ یہ علاقہ اس وقت سیون کے ماتحت تھا۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سیون کا حاکم بجے رائے راجہ داہر کا بھتیجا تھا جسے ہی محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ موج پہنچا موج کے حاکم نے شہر کے لوگوں کو بلا کر مشورہ کیا کہ اب کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔ مسلمانوں کا لشکر ان کے شہر سے باہر پداؤ کئے ہوئے ہے اور کسی بھی وقت ہم پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔

موج کے حاکم نے بدھ مت کے راہبوں کو بھی طلب کیا جنہیں اس زمانے میں ششٹی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ انہیں بھی بتایا گیا کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے قریب

ہمارے خط کا جواب ہی نہیں دیتا تو پھر کیا کریں۔  
سندر داس کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے اس راہب کی طرف دیکھتے ہوئے کتا شروع کیا۔

یہ بات قبل از وقت ہے جو تم نے کہی ہے پہلے اپنے قاصد کو لوٹنے دو۔ بچے رائے کے جواب کا انتظار کرو اگر بچے رائے جنگ نہیں کرنا چاہتا مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنا چاہتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر تم بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لینا اگر وہ جنگ پر کمر بستہ ہوتا ہے، تو اس کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مل جانا بس دونوں طرف سے تمہاری بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اس کے ساتھ ہی سندر داس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور موج کے حاکم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میں اب جاتا ہوں جب تک سیون کی طرف بھیجا ہوا تمہارا قاصد نہیں لوٹتا مسلمان تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ میں ابھی جا کر ان کے سپہ سالار اعلیٰ محمد بن قاسم سے بات کر لیتا ہوں پر ایک بات یاد رکھا جو نبی وہ قاصد لوٹتا ہے تم اس وقت سیون کے حاکم بچے رائے کے جواب سے ہمیں مطلع کرو گے تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے۔

موج کے حاکم ہی نے نہیں بلکہ سارے بدھ مت کے بڑوں اور راہبوں نے بھی سندر داس کی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر سندر داس وہاں سے چلا گیا تھا۔



چند یوم کے بعد موج کے حاکم نے جو قاصد بچے رائے کی طرف بھیجا تھا لوٹ آیا۔ بچے رائے نے موج کے حاکم کے خط کا کوئی جواب نہ دیا تھا اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ یہ ساری خبریں قاصد نے موج کے حاکم سے آ کر کہہ دیں تھیں۔ موج کے حاکم نے یہی خبریں محمد بن قاسم کے لشکر میں سندر داس کو پہنچا دی تھیں۔ بس ان خبروں کا پہنچنا تھا کہ موج کے لوگوں نے فیصلہ کیا اور وہ ایک گروہ کی شکل میں محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح موج پر بھی محمد بن

نیون کے حاکم سندر داس کے اس انکشاف پر جہاں سارے لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا وہاں ایک طرح سے وہ مطمئن بھی ہوئے کم از کم سندر داس بھی ان کے ساتھ ہے پھر موج کے حاکم نے سندر داس کو مخاطب کیا۔

محترم سندر داس یہ تو ہم جانتے ہیں ہمارے قریب ہی مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ کر چکا ہے اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے جو قاصد سیون کے حاکم بچے رائے کی طرف بھجوایا ہے ہمیں اس کا جواب آنے تک مسلمانوں کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ جاری نہیں رکھنا چاہیے اس پر مشورہ دیتے ہوئے سندر داس بول پڑا۔

تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں جب تک میں یہاں ہوں مسلمان تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ پر ایک بات یاد رکھنا اگر حاکم سیون بچے رائے مسلمانوں سے نکرانے اور جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو تم ہرگز اس کا ساتھ نہ دینا، اگر ایسا کرو گے تو بچ جاؤ گے اور خوش حال زندگی بسر کرو گے اور اگر تم لوگوں نے بچے رائے کی حمایت کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ بچے رائے تو بڑا معمولی سا حاکم ہے میں مسلمانوں کے جوش ان کے دلوں اور ایمانی قوت کا اندازہ لگانے کے بعد یہ تک کہہ سکتا ہوں کہ راجہ داہر بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس لئے میں تمہیں تمہاری فلاح، تمہاری بہبود اور بھلائی کیلئے یہی مشورہ دوں گا کہ کبھی کسی موقع پر بھی مسلمانوں کے ساتھ نکرانے کی کوشش نہ کرنا۔

جب تک سندر داس بولتا رہا بدھ مت کے سارے اکابر اور موج کا حاکم بھی بڑے انہماک سے اسے سنتے رہے جب وہ خاموش ہوا تو ایک راہب اٹھا اور سندر داس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سندر داس آپ ہمارے لئے بڑے عظیم اور محترم ہیں ہم آپ کے اس ارادے کی بھی داد دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے شہر کو مسلمانوں سے بچایا اور اب آپ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہیں۔ اب میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ جو قاصد ہم نے خط دے کر بچے رائے کی طرف بھجوایا ہے اگر بچے رائے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر تو ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے اور اگر بچے رائے

قاسم کا قبضہ ہو گیا تھا۔

امیر محترم سیون کے شہریوں کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے اس کے پاس  
لڑیوں کی طرف سے ایک پیغام ہے وہ آپ سے کہنا چاہتا ہے۔

محمد بن قاسم نے اپنے سالار کو فوراً قاصد کو اندر لانے کیلئے کہا۔ تھوڑی ہی دیر  
بعد قاصد اندر داخل ہوا تو محمد بن قاسم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پہلے یہ بتاؤ تمہیں کس نے بھیجا ہے اور کیا پیغام لے کر آئے ہو۔ اس پر قاصد  
محمد بن قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے بول اٹھا۔

مسلمانوں کے امیر مجھے سیون شہر کے سرکردہ لوگوں نے روانہ کیا ہے۔ آپ کی  
لڑی بھیجنے سے پہلے ان لوگوں نے سیون کے حاکم بجے رائے سے التماس کی تھی کہ

سلطانوں سے جنگ نہ کی جائے اور ان کی اطاعت قبول کر لی جائے، لیکن بجے رائے  
میں مانا آخر شہریوں نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا۔ شہریوں کی طرف سے آپ کے

پیغام یہ ہے کہ سیون کے اکثر لوگ غریب کسان، بیوپاری، کاریگر اور دوسرے پیشہ  
رلوگ ہیں جن کا لڑائی سے کوئی تعلق نہیں۔ سیون کے لوگ حاکم شہر بجے رائے

سے تفریق ہیں۔ اس کے علاوہ آپ یقین کیجئے کہ اس کے پاس اتنا بڑا لشکر نہیں کہ آپ  
مقابلہ کر سکیں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ قلعہ بند ہو کر آپ کا مقابلہ کرتا رہے۔ جنگ

کو طول دے ساتھ ہی اس نے کچھ قاصد راجہ داہر کی طرف روانہ کئے ہوئے ہیں  
ان کا ارادہ ہے کہ راجہ داہر اس کی مدد کیلئے ضرور ایک لشکر روانہ کرے گا اور اتنی

یر تک وہ آپ کو روکے رکھے گا۔ اس طرح وہ آپ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔

آنے والا قاصد جب خاموش ہوا تو لمحہ بھر کیلئے محمد بن قاسم کے چہرے پر بڑی  
دلگوشی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر اپنا منہ وہ اپنے پلوں میں بیٹھے خرم بن عمر کی

لڑی لے گیا۔ تھوڑی دیر تک بڑی رازداری کے ساتھ وہ خرم بن عمر سے مشورہ  
کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

تم واپس چلے جاؤ ہماری طرف سے شہریوں کو پیغام پہنچانا کہ بجے رائے کو ہم  
بایدھا کریں گے کہ زندگی بھر یاد رکھے گا اور شہریوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا

ہائے گا نہ شہر میں قتل و غارت کی جائے گی نہ لوٹ مار سے کام لیا جائے گا۔ شہریوں  
کو میری طرف سے یقین دلانا کہ تم لوگ بجے رائے کا ساتھ نہ دو۔ بجے رائے کا شہر

موج میں چند دن قیام کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے وہاں سے کوچ کیا اور  
سیون کا رخ کیا۔ سیون کا حاکم بجے رائے گو ہندو تھا لیکن وہاں کی آبادی کا کثیر حصہ  
بدھ مت کا پیروکار تھا جو جنگ کو ناپسند کرتے تھے۔

سیون پہنچ کر محمد بن قاسم نے اپنے جاسوس اور خبر سیون شہر میں داخل کر  
دیئے تھے تاکہ وہ اسے شہر کے اندرونی حالات سے مطلع کریں۔ ان خبروں نے آکر محمد  
بن قاسم کو اطلاع دی کہ شہر کے لوگ تو لڑنے کیلئے تیار نہیں البتہ شہر کے اندر جو لشکر  
ہے وہ آمادہ جنگ ہے۔

یہ خبر سن کر محمد بن قاسم نے سیون کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور منہجنقوں سے  
قلعہ کی دیواروں پر سنگ باری شروع کر دی تھی۔ سنگ باری سے قلعے کے اندر لوگ

گھبرا اٹھے اور بجے رائے حاکم سیون سے کہا کہ ہم مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اس  
لئے جنگ موقوف کی جائے لیکن بجے رائے نہ مانا۔

شہریوں کو جب بجے رائے کے اس جواب کی خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مل کر  
ایک مشورہ کیا اور رات کی تاریکی میں چوری چوری ایک قاصد محمد بن قاسم کی طرف  
روانہ کیا اور اپنی طرف سے ایک پیغام بھی دیا تاکہ وہ جنگ کے نقصانات سے بچ  
سکیں۔

یہ قاصد صبح ہی صبح مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ ایک لشکری سے اس  
نے محمد بن قاسم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اسے پکڑ کر محمد بن قاسم کے خیمے

کی طرف لے گیا۔ خیمے میں اس وقت محمد بن قاسم کے ساتھ خرم بن عمر، ذکوان بن  
علوان، بنانہ بن حنظلہ، جہم بن زحر، عطا بن مالک، صارم بن صارم اور کچھ دیگر

چھوٹے سالار بیٹھے ہوئے تھے اور سیون پر آخری ضرب لگانے کے متعلق بحث ہو رہی  
تھی۔

جو لشکری سیون کے قاصد کو لے کر آیا تھا اس نے آکر محمد بن قاسم کے مخالف  
دستوں کے سالار سے بات کی لہذا سالار اندر چلا گیا۔ محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے وہ

کہنے لگا۔



کچھ مورخین کا خیال ہے کہ سیم وہی شریا قصبہ ہے جسے آج کل شاہ حسن  
 بنے ہیں جو منچھر جھیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے لیکن دوسرے مورخین کا کہنا  
 ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قصبہ شاہ حسن بہت بعد کے زمانے کی بستی ہے۔ سیم  
 کے قلعے کے متعلق وثوق سے صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ منچھر جھیل کے کنارے یا  
 ہم مغربی نالے کے کنارے واقع تھا۔

بہر حال سیون سے بھاگ کر سیون کے حاکم بجے رائے نے حاکم سیم کا کا بن  
 رائے کے پاس اس کے مرکزی شہر سیم میں پناہ لے لی تھی۔

بجے رائے کے بھاگ جانے کے بعد سیون کے شہری گروہ در گروہ محمد بن قاسم  
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت قبول کرنا شروع کر دی۔ اس طرح محمد بن  
 ام سیون کے قلعے پر قابض ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے کچھ دن سیون میں قیام کر کے  
 لڑکو آرام اور سستائے کا موقع دیا اور ساتھ ہی ساتھ وہاں کے نظم و ضبط کو درست  
 بنا اور نئے حاکم مقرر کئے اور سیون کی فتح کی اطلاع اس نے حجاج بن یوسف کو ایک  
 بزرگوار قاصد کے ذریعے بھجوائی۔

اسی زمانے میں جب سیون کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم سیون میں ٹھہرا ہوا  
 فاسیون کے قرب و جوار میں آباد چنا قوم نے اپنا ایک مخبر حالات معلوم کرنے کیلئے  
 ذہن قاسم کے لشکر کی طرف بھیجا۔

اتفاق سے چنا قوم کا یہ مخبر محمد بن قاسم کے پڑاؤ میں پہنچا اس وقت نماز کا وقت  
 تھا اس نے دیکھا کہ اذان ہوئی اور اذان کے ساتھ ہی سارا لشکر نماز کے لئے جمع ہو  
 گیا سب نے وضو کیا تھوڑی دیر بعد نماز کھڑی ہوئی محمد بن قاسم نے امامت کی سب  
 نائل کر اس کے پیچھے نماز پڑھی۔

پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ نماز کے ارکان ادا کرنے میں سب اپنے امام کی  
 نکلای کرتے ہیں اور اس کے اتباع میں ذرا بھی فرق نہیں ہونے دیتے۔

چنا قوم کا مخبر یہ نظم و ضبط دیکھ کر حیران اور بے حد متاثر ہوا۔ اس نے واپس  
 باکر اپنی قوم سے تمام کیفیت بیان کی اور کہا میں نے ان لوگوں میں جو اتفاق اور اتحاد  
 دکھائے مجھے یقین ہے ان پر کوئی فتح نہیں پاسکتا۔

جانب؛ ذکوان بن علوان اپنے لشکر کے ساتھ بائیں جانب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد لڑ  
 بن قاسم نے شہر کی فصیل پر سنگ باری کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

تھوڑی دیر کی سنگ باری کے بعد شہر کی فصیل کا وہ حصہ ٹوٹ گیا تھا جس پر  
 سنگ باری کی گئی تھی۔ بس شہر کی فصیل کا ٹوٹنا تھا کہ شہر کے اندر جو لشکر تھا وہ اس  
 طرح باہر نکلا جیسے ٹھنڈے سانسوں کی لبریز خاموشی میں کپڑے پھاڑ دینے والی آندھیوں  
 کے جھکڑ اٹھتے ہیں۔ یا خزاں کے طلسمی سکوت اور عالم خود فراموشی میں باغیانہ ہنگامہ  
 کھڑے کر دینے والے باغی نکل کھڑے ہوں۔ شہر سے نکلتے ہی وہ اپنے سامنے محمد بن  
 قاسم کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

سامنے کی طرف محمد بن قاسم تھا، دائیں جانب خرم بن عمر اور بائیں جانب  
 ذکوان تھا۔ شہر سے نکل کر بجے رائے کے لشکر نے جب حملہ کیا تب سامنے کی طرف  
 سے محمد بن قاسم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ہواؤں کی گہری سنسناہٹوں، تلکیاں  
 بڑھاتی آندھیوں کے شور کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اسی لمحہ دائیں جانب سے خرم  
 بن عمر انتظار و اضطراب کے عالم میں شور کرتے بگولوں کے زور کی طرح ٹوٹ پڑا جبکہ  
 بائیں جانب سے ذکوان بن علوان بھی ہر خباثت، ہر مکاری کو تلوار کی دھار پر کند کر  
 دینے والے عناصر کی طرح حملہ آور ہو چکا تھا۔

سیون کا وہ لشکر اس تین طرفہ حملے کو برداشت نہ کر سکا۔ اکثر تہ تیغ ہو گئے  
 باقی نے ہتھیار ڈال کر امان طلب کر لی۔ سیون کا حاکم بجے رائے اس لشکر میں شامل  
 نہیں تھا تاہم وہ شہر میں موجود تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ اس کے لشکر کا بڑا حصہ تہ  
 تیغ کر دیا گیا ہے اور باقی بچنے والوں نے ہتھیار پھینک کر امان طلب کر لی ہے تب  
 اپنے محافظ دستوں کے ساتھ شہر سے نکل بھاگا۔

فرار ہونے کے بعد بجے رائے نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بودیہ کے  
 علاقے میں پہنچا۔ اس زمانے میں بودیہ کے علاقے کا حاکم کا کا بن کوئل تھا۔ وہ بد  
 مت کا پیروکار تھا۔ اس کا پایہ تخت سیم تھا۔ یہ شہر جھیل کبہ کے کنارے آباد تھا  
 جھیل کبہ وہی ہے جسے آج کل منچھر جھیل کہتے ہیں۔ اس منچھر جھیل کے کنارے  
 پرانا شہر سیم آباد تھا۔

چنا قوم کے لوگوں نے یہ سنا تو وہ بیش قیمت تحائف لے کر محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہوئے۔ جب یہ لوگ محمد بن قاسم کے پاس پہنچے تو اس وقت کھانے کا وقت تھا۔ دسترخوان بچھایا جا رہا تھا۔ انہوں نے نہایت عقیدت اور محبت سے اپنے تحائف محمد بن قاسم کو پیش کئے اور بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

محمد بن قاسم نے انہیں دیکھ کر کہا یہ قوم تو مرزوق ہے یعنی اللہ ان کے رزق اور روزی میں برکت عطا فرمائے گا اسی وقت سے چنا قوم کا نام مرزوق بھی مشہور ہو گیا تھا۔

ساگرہ اور گودیری اپنے خیمے میں بیٹھی باہم گفتگو کر رہیں تھیں کہ ساگرہ کا پاسندر داس کھکارتے ہوئے خیمے میں داخل ہوا۔ دونوں سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ داس آگے بڑھا اور اپنی بیٹی ساگرہ کے پلو میں بیٹھ گیا۔ کچھ سوچا پھر ساگرہ کو لب کیا۔

ساگرہ میری بیٹی خرم بن عمر اور بنانہ تو یہاں نہیں ہیں۔ ساگرہ اور گودیری نے بیک وقت سندر داس کی طرف دیکھا۔ انہوں نے رازہ لگایا کہ وہ کچھ پریشان اور الجھا ہوا تھا۔ اس صورتحال پر ساگرہ نے فوراً اپنے باپ کو مخاطب کیا۔

اے میرے باپ کیا بات ہے کیا کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ کیا کوئی کام تھا جس کا باپ پر خرم اور بنانہ کو ہماری طرف آنا چاہیے تھا۔

سندر داس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔ وہ شاید تھوڑی دیر لگے یہاں سے کوچ کریں گے اس لئے میرا اندازہ تھا کہ کوچ سے پہلے وہ دونوں تم اہل سے ملنے کیلئے ضرور آئیں گے۔ سندر داس مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ساگرہ نے لڑکی بات کانتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

اے میرے باپ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم نے تو یہی سنا تھا کہ لشکر چند دن تک مزید یہاں قیام کرے گا اس کے بعد اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گا۔ آپ لگتا ہے بتا رہے ہیں کہ خرم اور بنانہ یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔ کیا وہ دونوں کوئی نئی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔

سندر داس نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی پھر ساگرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بول

میری بیٹی تو ٹھیک کہتی ہے۔ وہ دونوں واقعی ایک علیحدہ مہم پر روانہ ہونے والے ہیں اور پھر اس وقت خرم بن عمر بڑا پریشان ہے۔ اس لئے کہ ایک قاصد گودیری کے باپ وانگہ کی طرف سے آیا ہے اور اس نے دو خبریں دی ہیں۔ ایک خبر کی تو کوئی اہمیت نہیں اس سے بننے کے لئے ہی خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ یہاں سے کوچ کریں گے دوسری خبر جو ہے اس نے واقعی خرم بن عمر کو پریشان اور فکر مند کر دیا ہے۔

سندر داس کے ان الفاظ پر سانکرہ بیچاری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں۔ پریشان اور فکر مند ہو گئی تھی۔ گودیری بھی اداس دکھائی دے رہی تھی۔ پھر سانکرہ بول پڑی۔

اے میرے باپ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں تاکہ میں جانوں کہ کیا معاملہ ہے۔

سن بیٹی تھوڑی دیر پہلے گودیری کے باپ وانگہ کی طرف سے کچھ قاصد آئے اور محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ دو اہم خبریں لے کر آئے ہیں۔ پہلی خبر یہ کہ حارث علانی کے دونوں بیٹے معاویہ اور محمد زندہ ہیں۔ سانکرہ اور گودیری تم دونوں کو یاد ہو گا کہ ایک مہم کے دوران خرم بن عمر نے ایران کے مجوسیوں کے راہنما زیمیش، معاویہ اور محمد کی راہ روکی تھی۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا۔ اب وانگہ نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ زیمیش کے ساتھ جو معاویہ اور محمد نام کے جوان مرے تھے وہ حارث علانی کے بیٹے معاویہ اور محمد نہیں تھے کیونکہ حارث علانی کے قبیلے کے بہت سے لوگ حالات کے ماتحت راجہ داہر کے لئے کام کر رہے ہیں جس وقت زیمیش نے صلاح مشورے کے لئے مول کی طرف جانا تھا پہلے یہی طے تھا کہ حارث علانی کے بیٹے معاویہ اور محمد زیمیش کے ساتھ مول کی طرف جائیں گے، لیکن کہتے ہیں یہ حارث بڑا سیانا آدمی ہے اسے کہیں سے یہ بھٹک پڑ گئی تھی کہ خرم بن عمر ضرور حملہ آور ہو گا اسے زیمیش کے مرنے یا اس کی جان ضائع کرنے کی کوئی پروا نہیں تھی لہذا اس نے اپنے بیٹوں کو بچا لیا۔ اپنے قبیلے میں سے دو اور جوان جن کے نام معاویہ اور محمد تھے زیمیش کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ اس طرح جو معاویہ اور محمد زیمیش کے ساتھ مارے گئے وہ حارث علانی کے بیٹے نہیں کوئی اور تھے۔ یہ

پہلی خبر ہے اور اس خبر نے یقیناً خرم بن عمر کو پریشان کیا ہے۔ وہ تو یہ سوچے ہوئے تاکہ زیمیش کے علاوہ محمد اور معاویہ کا کام تمام کر دیا اور اب حارث علانی سے کسی بے خطرے کی امید نہیں جبکہ وانگہ نے یہ اطلاع دی ہے کہ مرنے والے حارث علانی کے بیٹے نہیں تھے بلکہ حارث علانی ان دونوں اروڑھ پہنچ چکا ہے اور راجہ داہر کا لبر ہے جبکہ اس کے بیٹے محمد اور معاویہ بھی ہنچکود چھوڑ چکے ہیں۔ وہ دونوں راجہ داہر کے بیٹے کے مشیر ہیں زندہ سلامت ہیں۔

یہ تو پہلی خبر ہے جو خرم بن عمر کی پریشانی کا باعث بنی ہے۔ دوسری خبر جو گودیری کے باپ وانگہ کے قاصد لائے ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے محمد بن قاسم کو بتایا ہے کہ ناکامہ قبیلے کا بڑا سردار مول ساحل سمندر پر اپنے قبیلے کی پوری طاقت کے ساتھ جمع ہوا ہے۔ اس نے اپنے کچھ قاصد وانگہ کی طرف روانہ کئے۔ وانگہ پر اس نے شک و شبہ کا اظہار کیا ہے کہ وہ درپردہ اس کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرتا رہا ہے۔ وانگہ اس معاملے کو ٹال رہا ہے۔ اس نے اپنے قاصد مول کی طرف روانہ کئے اور اسے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس نے جو کچھ سنا ہے غلط ہے۔ وہ مول اڈاوار اور جانا رہے اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب وانگہ پریشان اور فکر مند ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ مول ضرور اس پر حملہ آور ہو گا اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا لہذا اس نے قاصد محمد بن قاسم کی طرف بھجوائے ہیں اور یہ استدعا کی ہے کہ کیونکہ وہ ماضی میں مسلمانوں کا ساتھ دیتا رہا ہے لہذا اب موقع ہے کہ مسلمان مول کے خلاف اس کی مدد کریں۔ محمد بن قاسم نے اس کی التجا کو قبول کر لیا ہے اور تھوڑی دیر تک خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر ساحل سمندر کی طرف جائیں گے۔ پہلے وہ وانگہ سے ملیں گے۔ اس کے ساتھ سارا معاملہ طے کرنے کے بعد مول پر حملہ آور کرنے کی کوشش کریں گے۔

سندر داس کی اس گفتگو نے سانکرہ اور گودیری دونوں کو پریشان کر دیا تھا۔ اس وقت پر سانکرہ نے کچھ سوچا پھر سندر داس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

اے میرے باپ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ روانہ ہوں۔ سانکرہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ گودیری بولی اور اس کی بات کاٹ دی کہنے

گی۔

سانکرہ ٹھیک کستی ہے۔ ہمیں بھی لشکر میں ان کے ساتھ روانہ ہونا چاہیے۔ اس طرح میں اپنے باپ سے مل لوں گی۔ پتا نہیں وہاں حالات کیا ہیں۔ میں یہاں خواہ مخواہ فکر مند پڑی رہوں گی۔ اپنے باپ سے ملنے کے بعد پھر میں لشکر کے ساتھ لوٹ آؤں گی۔

سانکرہ اور گودیری کی اس گفتگو کا جواب سندر داس دینا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی لمحے خیمے کے دروازے پر کوئی کھکارا پھر آواز آئی میں خرم بن عمر ہوں میرے ساتھ بنانہ بن حنظلہ ہے۔

سانکرہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی اگر آپ دونوں ہیں تو اندر آ جائیں باہر کیوں کھڑے ہیں۔

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں خیمے میں داخل ہوئے۔ آگے بڑھ کر وہ سندر داس کے قریب بیٹھ گئے۔ اس موقع پر سندر داس نے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ابن عمر میرے بیٹے وانگہ کی طرف سے جو قاصد آئے تھے اور انہوں نے جو خبریں دیں ہیں وہ میں نے تفصیل کے ساتھ سانکرہ اور گودیری سے کہہ دی ہیں۔ میرے بیٹے میں خود یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ میں لشکر میں رہوں گا۔ وانگہ سے میں مل لوں گا اور مول کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔ سانکرہ اور گودیری بھی ضد کر رہی ہیں کہ یہ بھی آپ لوگوں کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوں گی۔ اب تم دونوں بتاؤ کیا کرنا چاہیے۔

سندر داس کے ان الفاظ پر خرم بن عمر سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔ گردن اس کی تھوڑی دیر کے لئے جھکی رہی کچھ سوچا اس کے بعد اس نے سندر داس کو مخاطب کیا۔ میرے خیال میں سانکرہ اور گودیری دونوں کو ہمارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے کہ میں اور بنانہ بن حنظلہ مول کی سرکوبی کیلئے روانہ ہو گئے ہیں۔ پہلے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ بنانہ بن حنظلہ میرے ساتھ جائے گا لیکن بعد میں صلاح مشورہ کے بعد محمد بن قاسم نے تھوڑی سی تبدیلی کر دی ہے۔

دراصل محمد بن قاسم پہلے ہی بنانہ بن حنظلہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ میری دعا کی کے بعد وہ اپنی نئی مہم پر روانہ ہو گا اس کے ساتھ ہی ذکوان بن حلوان نے بھی ایک موقع پر محمد بن قاسم سے یہ گزارش کی تھی کہ اسے خرم بن عمر یعنی میرے تحت کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس بنا پر اب محمد بن قاسم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اور ذکوان بن حلوان تو مول کی سرکوبی کیلئے روانہ ہو جائیں گے بنانہ بن حنظلہ یہیں رہے گا۔

اب نئی صورت حال کے تحت گودیری کا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ آپ اور سانکرہ یہاں رہیں۔ مول کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے نہ جانے حالات کیسے ہوں یہاں سے روانہ ہونے کے بعد میں اور ذکوان بن حلوان دونوں گودیری کے باپ وانگہ کا رخ کریں گے۔ وانگہ کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد میں مول کے خلاف حرکت میں آؤں گا۔ اس مہم کے دوران ہمیں خطرات بھی پیش آسکتے ہیں لہذا میں نہیں پسند کروں گا کہ سانکرہ اور گودیری کو اپنے ساتھ گھسیٹا پھروں۔

خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو سانکرہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی گودیری بول پڑی۔

خرم میرے بھائی آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ اگر بنانہ بن حنظلہ آپ کے ساتھ نہیں جا رہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو آپ کے ساتھ جاؤں گی اس لئے کہ اس طرح میں اپنے باپ سے بھی مل لوں گی اور آپ ہی کے ساتھ رہوں گی۔ جہاں تک سانکرہ کا تعلق ہے تو اسے بھی آپ اپنے ساتھ لے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے میرے ساتھ رہے گی اس کا دل بھی لگا رہے گا۔ میرے خیال میں۔۔۔

گودیری کو کہتے کہتے خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس موقع پر خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے موہ لینے والے انداز میں سانکرہ بول پڑی تھی۔

اگر آپ مجھے اور گودیری کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کا کیا جائے گا۔ آپ ویسے ہی کہہ چکے ہیں کہ پہلے آپ لشکر کے ساتھ گودیری کے باپ وانگہ کا رخ کریں گے۔ میں اور گودیری دونوں ہمیں قیام کریں گی اور جب آپ اپنی مہم سے فارغ ہوں گے تو آپ کے ساتھ ہی ہم واپس آ جائیں گی۔ میرے خیال میں ہم

خریم بن عمر کے کوچ کر جانے کے بعد محمد بن قاسم نے بھی اپنی اگلی مہم کا آغاز کیا۔ سیون کا والی بجے رائے چونکہ شکست کھانے کے بعد سیم شہر کی طرف چلا گیا تھا اور وہاں جا کر اس نے پناہ لے لی تھی لہذا محمد بن قاسم نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے سیم کا رخ کرنے کا ارادہ کیا۔ سیم کا حاکم اس وقت کا کا نام کا ایک شخص تھا۔ اس کے پاس جا کے بجے رائے نے پناہ لی تھی۔

اپنے لشکر کے ساتھ محمد بن قاسم نے سیون سے کوچ کیا۔ راستے میں جو بڑے بڑے شہر پڑتے تھے ان کو فتح کرتے ہوئے محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ کا کا کی حدود میں پہنچا۔ اردگرد کے لوگ جنہیں پہلے سے خبر ہو چکی تھی کہ اسلامی لشکر ایک سیلاب کی طرح مختلف شہروں، قصبوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے انہوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے لشکر پر ایسا جان لیوا شب خون مارا جائے کہ مسلمان پیش قدمی کرنا بھول جائیں اور پسا ہونے پر مجبور ہو جائیں۔

چنانچہ راستے میں پڑنے والے شہر اور قصبوں کے لوگوں نے اکٹھے ہو کر باہم مشورہ کیا اور شب خون مارنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ چنانچہ اپنے کچھ سمجھ دار لوگوں کو سیم کے حاکم کا کا کی طرف بھیجا اور اطلاع دی کہ ہمارا ارادہ ہے کہ مسلمانوں پر شب خون مارا جائے اور شب خون بھی ایسا ہو کہ مسلمان اس شب خون کے نتیجے میں ٹھنڈے نہ پائیں اور آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائیں۔

کا کا بڑا عقلمند شخص تھا اور حالات زمانہ سے واقف تھا۔ اس نے پہلے تو ان کی اس تدبیر کی تعریف کی اور ان کی ہمت بھی بندھائی پھر اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ مقامی لوگ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے کہ مسلمان

دونوں کے اس طرح آپ کے ساتھ جانے پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ ساکنہ جب خاموش ہوئی تو اس خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سندرداس نے خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

خرم میرے بیٹے اگر بنانہ بن حنظلہ ہمارے ساتھ نہیں جا رہا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گودیری تو بہر حال جائے گی یہ تو اپنے باپ سے ملنا چاہتی ہے اور میں بھی تمہارے ساتھ روانہ ہوں گا اس لئے کہ میں دانگہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اس لئے میری بیٹی بھی جائے گی۔ خرم میرے بیٹے ہم تینوں اگر تمہارے ساتھ جاتے ہیں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

اس موقع پر خرم بن عمر کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی پھر اس نے ایک نگاہ اپنے سامنے ساکنہ پر ڈالی۔ اس موقع پر ساکنہ نے بڑے موہ لینے والے انداز میں اپنی تھوڑی کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ساتھ ہی کچھ اس انداز میں گردن ہلائی جو خرم بن عمر کو اشارہ تھا کہ مجھے ضرور اپنے ساتھ لے کر چلیں۔

ساکنہ کی اس ادا پر خرم بن عمر کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر اس نے بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

بنانہ میرے بھائی اگر گودیری اپنے باپ دانگہ سے ملنے کیلئے میرے ساتھ جاتی ہے تو تمہیں کوئی اعتراض ہے۔ جواب میں مسکراتے ہوئے جب بنانہ بن حنظلہ نے نفی میں سر ہلا دیا تب خرم بن عمر نے سندرداس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ مجھے آپ تینوں کے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہیں۔ لشکر تھوڑی دیر تک کوچ کرے گا لہذا آپ تینوں تیار کر لیں۔ آپ تینوں میرے ساتھ جائیں گے۔ خرم بن عمر کے اس جواب پر تینوں بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے پھر تھوڑی ہی دیر بعد خرم بن عمر اور ذکوان بن علوان اپنے لشکر کے ساتھ سیون سے سندرداس کا رخ کر رہے تھے۔



ان کے مقابلے میں حرب و ضرب کے فن میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کاکا نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ شب خون کا مشورہ لے کر آئے ہیں ان کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔ لہذا اس نے انہیں یقین دلایا کہ تم شب خون مارو اس شب خون میں اس کے لشکر کا ایک حصہ بھی شامل ہو گا۔

چنانچہ سیم کے حاکم کاکا نے ایک ہزار بہترین مسلح جوان جو جنگ کا عمدہ تجربہ رکھتے تھے شب خون مارنے والوں کے ساتھ کئے۔ شب خون مارنے والوں میں چنانچہ کی اکثریت تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ابھی تک محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور یہ لوگ ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

جب یہ شب خون مارنے والا لشکر تیار ہو گیا تب سیم کے حکمران کاکا کے کہنے پر برہمن نامی ایک کھدیہ کو اس لشکر کا سالار بنایا گیا۔ شب خون کے سارے طریقے طے کر لئے گئے اور شب خون مارنے والوں کو یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ وہ ہر صورت میں مسلمانوں کے خلاف کامیاب رہیں گے۔ یوں کاکا بذات خود بھی شب خون مارنے والے لشکر سے ملا اور ان کی کامیابی کیلئے دعا کی۔ رات کی تاریکی میں یہ لشکر مسلمانوں پر شب خون مارنے کیلئے روانہ ہوا۔

پھر اس لشکر کی بد قسمتی کے مسلمانوں کے لشکر کے قریب پہنچ کر شب خون مارنے والا یہ لشکر راستے سے بھٹک گیا اور صبح تک حیران اور سرگراں پھرتا رہا جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو قلعہ سیم کے قریب ہی پایا۔

اس صورتحال پر شب خون مارنے والے سرکردہ لوگ اپنے سالار برہمن کے ساتھ ایک بار پھر سیم کے حکمران کاکا کے پاس پہنچے اور رات کو جو ان پر بتی تھی وہ کہہ سنائی۔

کاکا نے جان لیا کہ تقدیر ان کا ساتھ نہیں دے رہی لہذا اس نے انہیں مشورہ دیا کہ اب تم لوگ مسلمانوں پر شب خون مارنے کا ارادہ ترک کر دو اگر نہ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا تباہ ہو کر رہ جاؤ گے۔

ساتھ ہی کاکا نے ان پر یہ بھی انکشاف کیا کہ تم جو رات بھر بھٹکتے رہے ہو یاد رکھنا تمہارا یہ بھٹکنا تمہاری تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے لہذا میں نے

ارادہ کیا ہے کہ اپنے عمائدین کے ساتھ سیم سے نکل کر خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اس کے سامنے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کا اظہار کروں گا۔

ادھر کاکا یہ ارادہ کر رہا تھا ادھر محمد بن قاسم کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ دشمن کے ایک گروہ نے اس پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا لہذا گلی روز محمد بن قاسم نے بنانہ بن حنظلہ کو لشکر کا ایک حصہ دیا اور سیم کی طرف سے روانہ کیا تاکہ حالات کا جائزہ لے کہ اب کیا صورتحال ہے۔

بنانہ بن حنظلہ سیم کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر فرمانبرداری کا اظہار کرنے کیلئے آکا بھی سیم سے روانہ ہو چکا تھا۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ کاکا نے بنانہ بن حنظلہ کو شب خون کے تمام حالات سنا ڈالے اور بتایا کہ کس طرح وہ لوگ راستہ بھٹ گئے جس کی بنا پر اس نے سمجھ لیا کہ تقدیر الہی یہی ہے کہ مسلمان اس ملک کو فتح کریں۔ اس لئے وہ اطاعت قبول کرنے کیلئے محمد بن قاسم کی طرف جا رہا ہے۔

بنانہ بن حنظلہ کاکا کو اپنے ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہوا۔ کاکا نے محمد بن قاسم کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ کاکا کو جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیا گیا تو محمد بن قاسم نے کاکا کو مخاطب کر کے پوچھا جب تمہارے ہلکے میں کسی کی عزت افزائی کی جاتی ہے تو کیا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

جواب میں کاکا سوچوں میں کھو گیا کچھ دیر غور و فکر کرتا رہا پھر محمد بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہمارا امتیازی نشان کرسی اور ریشمی کپڑا ہے جو ہم سر پر پگڑی کی طرح لپیٹ لیتے ہیں۔ یہی ہمارے سرداروں کا شاندار لباس ہے۔“

محمد بن قاسم نے کاکا کو مقامی دستور کے مطابق کرسی اور ریشمی کپڑے سے لوازا۔ کاکا کی اس سرفرازی پر اس کے ساتھی بہت خوش ہوئے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کیلئے خیر سگالی کا جذبہ پیدا ہوا۔

محمد بن قاسم نے کاکا کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ اسی دوران سیم سے یہ خبر آئی کہ کاکا کی خیر موجودگی میں بچے رائے نے سیم پر قبضہ کر لیا ہے۔ جو لشکر لے کر وہ سیموں

سے بسم کی طرف بھاگا تھا اسے جی اس نے استوار کر لیا ہے اور بسم شہر میں جو کاکا کا لشکر تھا اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے لہذا اس نے ایک طرح سے کافی قوت پکڑی ہے اور وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے۔

اس صورتحال سے کاکا بڑا پریشان ہوا۔ وہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بچے رائے جسے اس نے اپنے ہاں پناہ دی اس طرح اس کے ساتھ غداری کرے گا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے شہر پر قبضہ کرے گا لہذا ان حالات میں محمد بن قاسم نے بسم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو کاکا نے پوری طرح محمد بن قاسم کا ساتھ دینے کا عزم کیا۔

محمد بن قاسم جب اپنے لشکر کے ساتھ بسم پہنچا تو بچے رائے اپنے کاکا کے لشکر کے ساتھ بسم سے نکلا اور قریب کے صحراؤں سے اٹھتی سیاہ آندھی اور سرخ کومتانوں سے جنم لینے والے خونی طوفان کی طرح محمد بن قاسم کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا۔

انہوں کے لئے بہار خزاں خود سروں کے لئے سیل بے کراں جیسے محمد بن قاسم کے مجاہدوں نے بچے رائے کے حملے کو خوب روکا۔ وہ ایسے مجاہد تھے جو سازشوں کی دھوپ، محسنوں کے روپ سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ بچے رائے جب حملہ آور ہو چکا تب انہوں نے بھی اپنے کام کی ابتدا کی اور محمد بن قاسم کے کتے پر وہ فولاد شکن ارضی اور ساوی قوتوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

بسم شہر کے باہر ہولناک رن پڑا۔ اس جنگ کے دوران سیون کا سابق والی بچے رائے اپنے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ قتل ہوا اور بسم شہر پر محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا۔

بسم کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اس علاقے میں خراج قائم کیا اور وہاں کے سارے لوگوں کو امن و حفاظت میں لینے کا حکم دیا۔ چند روز اس نے بسم میں قیام کیا۔ وہاں اپنا ایک والی مقرر کیا۔ بسم کی فتح کے بعد مغربی سندھ کے سارے علاقے پر محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مغربی سندھ کے تمام سردار محمد بن قاسم کے حسن اخلاق اور بلند کرداری سے بے حد متاثر ہوئے۔ محمد بن قاسم کے حسن سلوک

کی وجہ سے یہ بات ان کے قلب میں نقش ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی حکومت خدا کی طرف سے ان کے لئے ایک رحمت ہے۔

بسم میں قیام کے دوران محمد بن قاسم کو حجاج کا خط ملا کہ وہ بسم سے نکل کر یون کا رخ کرے۔ نیون ہی میں کچھ عرصہ قیام کرے اور راجہ داہر سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرے۔ حجاج بن یوسف کی طرف سے یہ حکم ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے زم زم بن عمر کی طرف بھی قاصد بھجوا دیا تاکہ نکامرہ قبیلے سے نینبے کے بعد وہ بھی نیون کا رخ کرے۔



ایک روز رات کے پچھلے حصے میں خرم بن عمروانگہ کی بستیوں کے قریب پہلے اپنے لشکر کو اس نے صحرا کے اندر پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔ ذکوان بن علوان کو اس نے لشکر میں چھوڑا خود سندھ داس، ساکمرہ اور گودیری کے ساتھ وہ وانگہ کی ہٹی کی طرف روانہ ہوا۔

ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا کہ خرم بن عمر نے وانگہ کے دروازے پر دستک لگا۔ دروازہ کھولنے والا خود وانگہ تھا۔ وانگہ نے جب اپنے دروازے پر سندھ داس، ساکمرہ، اپنی بیٹی گودیری اور خرم بن عمر کو دیکھا تو اس کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اتنی دیر تک گودیری بھاگ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی تھی۔ سب اندر داخل ہوئے۔ ایک بڑے کمرے میں نشستوں پر بیٹھ گئے پھر وانگہ نے سندھ داس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے لئے آج کا دن انتہائی خوشی کا دن ہے۔ سندھ داس آپ کی آمد نے یوں ہائیں میری حویلی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ گودیری کو بھی ساتھ لے آئیں ہیں اس سے میرا جی اور خوش ہو گیا ہے۔ کیا بنانہ بن حنظلہ بھی آیا ہے یا آپ اسے لشکر لگا چھوڑ آئے ہیں اس پر خرم بن عمر کہنے لگا۔

وانگہ بنانہ بن حنظلہ ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ محمد بن قاسم نے اسے اپنے لشکر رکھ لیا ہے۔ اس کی جگہ ایک دوسرا سالار جس کا نام ذکوان بن علوان ہے وہ

نہیں بھی اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہوں۔

وانگہ میرے لشکر لگا تار سفر کرتے ہوئے یقیناً تھکاوٹ محسوس کر رہے ہیں۔ میں انہیں دو دن سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کروں گا اس کے بعد میں مول کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا ہوں۔ حملہ آور ہونے کا منصوبہ کچھ اس طرح ہے کہ جس قدر مسلح جوان تمہارے پاس ہیں ان کے ساتھ تم اپنی کشتیوں پر سوار ہو کر کھلے سمندر کی طرف جانا اور مول کی بستیوں کے عین سامنے رات کی تاریکی میں اپنی کشتیاں کھڑی کر دینا۔ میں مول پر سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی حملہ آور ہو جاؤں گا اس بار میں اس پر شب خون نہیں مارنا چاہتا اس لئے کہ رات کی تاریکی میں دشمنی میں سوار ہو کر بیچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

اس دفعہ میرے حملہ آور ہونے کا طریقہ بھی مختلف ہو گا۔ لشکر کے دو حصے ہوں گے ایک حصہ میں اپنے پاس رکھوں گا دوسرا ذکوان بن علوان کو دوں گا۔ ذکوان بن علوان کے ذمے یہ کام لگاؤں گا کہ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ رہے۔ میں مول پر حملہ آور ہوں گا میرے حملے کے نتیجے میں مول کے لوگ جو بھاگ کر سمندر کا رخ کریں گے ذکوان بن علوان ان سے بچنے گا اور انہیں کشتی میں سوار نہیں ہونے دے گا۔ ایک طرح سے ذکوان بن علوان لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ سمندر کے کنارے کشتیوں کے سامنے کھڑا ہو جائے گا اور مول کے بھاگنے والے مسلح جوانوں کو کشتیوں پر بیٹھنے نہیں دے گا اگر کوئی ادھر ادھر سے ہوتا ہوا کشتی پر بیٹھ بھی جائے تو تم سمندر میں تیر اندازی کروا کے ان کا خاتمہ کرتے چلے جانا۔

تمہیں تمہاری کشتیوں کے ساتھ سمندر کے اندر میں ایک احتیاط کے تحت کھڑا کر رہا ہوں کہ اگر مول کسی طرح سے کشتی میں سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش بھی کئے تب بھی اس کی راہ روکی جا سکے۔ اس بار میں اسے بھاگنے نہیں دینا چاہتا۔ اس کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ آنے والے دنوں میں وہ ہمارے لئے کسی تکلیف، کسی اذیت کا باعث نہ بنے۔ ویسے میری اور ذکوان بن علوان کی کوشش ہو گی کہ مول کے کسی آدمی کو بھاگ کر کھلے سمندر کی طرف جانے کا موقع نہ ملے۔ جب تم دیکھو کہ مول کے مسلح جوانوں کو مکمل طور پر ہم نے روک دیا ہے تو تم بھی اپنی کشتیاں ساحل

میرے ساتھ ہے۔ میں نے لشکر کو قریبی صحرا کے اندر پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ ذکوان بن علوان ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ سارا معاملہ تمہارے ساتھ طے کر لیا جائے۔

میری اس طرف آمد سے سندر داس ساکمرہ اور گودیری نے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ یہ بھی میرے ساتھ چلے آئے۔ گودیری تم سے ملنے کے لئے واقعی بڑی بے چین تھی اور اب کو تم کیا معاملہ طے کرنا چاہتے ہو۔ وانگہ نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

خریم بن عمر میرے بیٹے میں نے کیا معاملہ طے کرنا ہے مجھے تو مول کی طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں۔ وہ اب میری طرف سے مکمل طور پر مشکوک ہو چکا ہے اور اسے یقین ہو گیا ہے کہ میرے مسلمانوں کے ساتھ مراسم ہیں اور میں اندر ہی اندر خفیہ طور پر ان سے معاملات طے کر رہا ہوں۔ اب جبکہ تم یہاں آگئے ہو تو میں سمجھتا ہوں مول سے مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ اب وہ حملہ آور بھی ہو گیا تو اس سے بنا جا سکتا ہے۔ ویسے مول سے نٹنے کیلئے تمہارے پاس کوئی لائحہ عمل ہے اگر ہے تو کہو۔

خریم بن عمر کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی وہ کچھ سوچتا رہا پھر وانگہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

وانگہ سیون سے چلتے ہوئے ہی میں نے ایک لائحہ عمل تیار کیا تھا کہ مول سے کس طرح نبٹنا ہے۔ وہ میں تم سے کہتا ہوں اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے تو میرے خیال میں ہم مول کو مکمل طور پر نیست و نابود کر کے رکھ سکتے ہیں۔

وانگہ تم جانتے ہو کہ میں اس سے پہلے بھی مول پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کی ہستی کو نقصان پہنچایا تھا لیکن وہ اپنے مسلح جوانوں کو کشتیوں میں لے کر کھلے سمندر کی طرف چلا گیا۔ میرے پاس چونکہ کشتیوں کا کوئی اہتمام نہ تھا لہذا میں کھلے سمندر کے اندر اس کا تعاقب نہ کر سکا۔ اس لئے میرے ہاتھوں مول تباہی و بربادی سے بچ گیا۔ لیکن اس دفعہ میں نہیں چاہتا کہ مول پہلے والے حالات اور پہلے والی داستان اور کمائی دہرائے اس بار میں حملہ آور ہونے میں تبدیلی چاہتا ہوں اور اس حملے میں

خریم میرے بھائی ساکرہ نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے میں ساکرہ اور ائمہ کے محترم والد بھی کشتی میں بیٹھ جائیں گے اور ہم اپنی آنکھوں سے مول کی پابسی اور لاچارگی کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں۔

خریم بن عمر تھوڑی دیر مسکراتا رہا پھر کہنے لگا۔ اگر تم دونوں کی یہی مرضی ہے تو تم دونوں دانگہ کے ساتھ اس کی کشتی میں جاؤ سندھ داس بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ میرے خیال میں تم لوگ بیٹھو میں انا ہوں اس پر دانگہ چونک پڑا اور کہنے لگا۔

خریم میرے بیٹے میں نے تم سے کہا تھا کہ تم یہاں دو دن ایک معزز مہمان کی بیٹ سے رہو گے اس پر خرم بن عمر کہنے لگا۔

نہیں دانگہ سندھ داس ساکرہ اور گودیری یہیں رہیں گے میں واپس لشکر گاہ میں آؤں گا۔ لشکر میں رہنا میرا انتہائی ضروری ہے۔ ضد مت کرنا مجھے ہر صورت میں مل جانا ہے۔ دانگہ نے ایک نگاہ ساکرہ، گودیری اور سندھ داس پر باری باری ڈالی نامی سے جب کوئی بھی نہ بولا تو دانگہ کہنے لگا۔ اچھا بیٹے تمہاری یہی مرضی ہے تو نی سہی۔ دو دن بعد ہم اپنے کام کی ابتدا کریں گے اس کے ساتھ ہی سندھ داس اور دانگہ کے ساتھ خرم بن عمر نے مصافحہ کیا۔ ایک الوداعی نگاہ اس نے باری باری ائمہ اور گودیری پر ڈالی پھر وہاں سے نکل گیا تھا۔



دو دن بعد سمندر کے کنارے انقلاب رونما ہوا۔ جس وقت تاروں کی پوشاک بھارات مجذوب دماغوں کے غضبناک گروہوں کی طرح رخصت ہو رہی تھی محمد انٹ کھل رہے تھے اور سوچوں کے شعلے بیدار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ خرم بن عمر اور ذکوان بن علوان اپنے لشکر کے ساتھ مول کی بستیوں کے قریب نمودار ہوئے پھر پلٹے سے طے شدہ لائن عمل کے مطابق آدھے لشکر کو لے کر ذکوان بن علوان سمندر کا سامنے پھیل گیا تھا جبکہ دوسرے آدھے کے ساتھ خرم بن عمر مول پر حملہ آور لٹے کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔

کی طرف لے جانا اور مول کے خلاف ہمارے ساتھ مل جانا۔ اس طرح میرے خیال میں ہم بہت جلد مول اور اس کے مسلح جوانوں کا صفایا کر کے رکھ دیں گے۔ یہ جو منصوبہ میں نے تم سے کہا ہے اس پر پہلے سے میں اور ذکوان بن علوان متفق ہو چکے ہیں۔

دانگہ تھوڑی دیر تک بڑے تو صیغی انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھتا رہا۔ سندھ داس گودیری اور ساکرہ کے چہرے پر اس موقع پر دلخیز اور خوش کن تبسم تھا پھر دانگہ کی آواز گونج گئی۔

خریم بن عمر میرے بیٹے تم واقعی ایک لاجواب سالار ہو۔ مول سے بچنے کے لئے جو طریقہ کار تم نے طے کیا ہے اس سے میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ یوں جانو تم دو دن کیلئے میرے پاس مہمان ہو اس کے بعد ہم اپنی کارروائی کی ابتدا کریں گے۔

دانگہ جب تک میں مول سے نبٹ نہیں لیتا سندھ داس ساکرہ اور گودیری یہیں تمہارے پاس رہیں گے۔

خریم بن عمر کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس موقع پر ساکرہ بول پڑی تھی۔ میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتی جس وقت محترم دانگہ اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر کھلے سمندر کی طرف جائیں گے تو میں اور گودیری بھی محترم دانگہ کے ساتھ اس کی کشتی میں ہوں گی۔ میرے باپ سندھ داس بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے اہل لئے کہ محترم دانگہ تو اپنے سارے مسلح جوانوں کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر دشمن سے بچنے کیلئے روانہ ہو جائیں گے آپ بھی یہاں سے کوچ کر جائیں گے ہمارا یہاں رہنا بے کار ہے اس لئے ہم دانگہ کی کشتی ہی میں رہیں گے اور جب آپ مول پر حملہ آور ہوں گے تو ہم بھی کشتیوں سے نکل کر ساحل پر آ جائیں گے۔ میرے خیال میں آپ کو میری اس تجویز سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔

خریم بن عمر کے جواب دینے سے پہلے ہی گودیری بول پڑی او خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔



جس وقت مسلمان چاروں طرف سے سینٹے ہوئے مول کے مسلح جوانوں پر قابو  
 رہے تھے قافلہ سحر ستم کی رات میں احادیث شوق کی طرح مسلمان مجاہدوں کو بچتی  
 در تنظیم کے ساتھ اپنی فتح کے اصولوں کو مرتب کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ مول کے  
 لکڑیوں کیلئے اس حملے کے باعث چاروں طرف زندگی کی محرومیوں میں حسرتوں کے  
 ناز لگنے لگے تھے۔ وہ خوفزدہ چروں، پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیرانوں کا دل روشن کر  
 بننے والے مجاہدوں کو روشنی کی پہلی کرن کی طرح اپنے اندر گھستا ہوا دیکھ رہے تھے  
 پاروں طرف انہیں اپنے لئے تباہیاں اور بربادیاں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

گو وانگہ اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر ساحل کے قریب آگیا  
 تاہم اسے جنگ میں حصہ لینے کا موقع ہی نہ ملا۔ خرم بن عمر جب حملہ آور ہوا اور  
 اس کے حملے سے بچنے کے لئے مول کے مسلح جوانوں نے ساحل کی طرف بھاگنا چاہا تو  
 ذکوان بن علوان نے انہیں ایسا کرنے نہ دیا اور ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ یوں  
 نامور قبیلے کے اس گھمے کا ایک طرح سے خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ مول کو خرم بن عمر کی  
 ہدایت کے مطابق زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

جنگ کا جب خاتمہ ہو گیا تو وانگہ کی کشتیاں بھی کنارے پر آگئیں۔ اس کے  
 مسلح جوان ساحل پر اتر گئے۔ وانگہ سندر داس، سائکرہ اور گودیری بھی ساحل پر اتر  
 گئے اور اس جگہ آن کھڑے ہوئے جہاں خرم بن عمر اور ذکوان بن علوان کھڑے  
 تھے۔ وانگہ سندر داس سائکرہ اور گودیری نے خرم بن عمر کے پاس آ کر اس شاندار  
 فتح پر اس کو مبارکباد دی۔ اس موقع پر خرم بن عمر، ذکوان بن علوان کے قریب ہوا  
 اور اس کے ساتھ کوئی سرگوشی کی جسے سنتے ہوئے ذکوان بن علوان وہاں سے ہٹ گیا  
 قلعہ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ چند مسلح جوان تھے جنہوں نے مول کو پکڑ  
 رکھا تھا۔

مول جب خرم بن عمر کے سامنے آیا اور اس نے خرم بن عمر کے پاس وانگہ  
 کو کھڑے دیکھا تو اس نے قہر بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور زمین پر تھوکتے  
 ہوئے اس نے وانگہ کو مخاطب کیا۔

اگر مجھے خبر ہوتی کہ تم میرے ساتھ غداری کرو گے تو میں بہت پہلے تیری گردن

پھر دیکھتے ہی دیکھتے لو کے عظیم قطروں سے تجسس کے افسانے لکھنے والے مجاہد  
 جوان ارادوں کے مالک اپنے عظیم سالار خرم بن عمر کی سرکردگی میں مول کی بستیوں  
 پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے موت کی سی نگاہ زبان برق بن کر ٹوٹی ہے۔ جیسے  
 دلدل کی جھاڑ کو ہمالے جانے والا تباہ کن سیلاب نمودار ہوتا ہے۔ خرم بن عمر  
 تکبیریں بلند کرتا ہوا مول کی بستیوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

اس موقع پر جبکہ مجاہد کرنوں کی طرح مول کی بستیوں میں گھس رہے تھے عقل  
 کچھ اور چاہ رہی تھی۔ پرفطرت مطالبہ کر رہی تھی کہ میل وقت اور کتاب وحشت  
 سے بدی کی ابتدا کرنے والوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

جس وقت خرم بن عمر مول پر حملہ آور ہوا مول کی بستیوں میں ایک  
 افزا تفری اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے تھے کہ اچانک اس طرح ان پر کوئی  
 حملہ آور ہو سکتا ہے۔ کچھ دیر تک انہوں نے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی کوشش  
 کی لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مقابلہ کرنا بیکار ہے حملہ آور بڑی تیزی سے ان کا  
 قتل عام شروع کر چکے ہیں تو وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے سمندر کی طرف بھاگے۔

مول بلند آواز میں چلاتے ہوئے اپنے لوگوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس وقت  
 مشرق سے سورج طلوع ہوتے ہوئے ٹانگ جھانک کر رہا تھا۔ چاروں طرف روشنی  
 پھیل گئی تھی۔ خرم بن عمر نے ذکوان بن علوان اور اپنے لشکریوں کو پہلے ہی تنبیہ  
 کر رکھی تھی کہ کوشش کی جائے مول کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ مول کے کہنے پر  
 جب اس کے مسلح جوان کشتیوں میں بیٹھنے کے لئے سمندر کی طرف بھاگے تب ان کے  
 خلاف دوسرا انقلاب نمودار ہوا۔

سامنے کی طرف سے ذکوان بن علوان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ان پر اس  
 طرح حملہ آور ہوا جیسے نقش نگار کا کوئی ماہر کوئی جگر سوختہ بندہ خدا، مکررات و فواحش  
 میں داخل ہونے کیلئے حق و صداقت کے ساتھ قیام و سجود کا حق ادا کرتا ہے۔ اب ہر  
 سمت سے مسلمان مجاہد مول کے لشکریوں اور ان کی بستیوں میں اس طرح گھسنے لگے  
 تھے جیسے نفرت کے گھپ اندھیرے کڑے پن اور تنگ نظری میں صدیوں پہلے  
 رشتوں کو طول دینے والے گونجتے کرب داخل ہوتے ہیں۔



ہاتھ کر دیا گیا۔ دو روز تک خرم بن عمر نے وہاں قیام کیا۔ لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کیا۔ اس وقت تک محمد بن قاسم کی طرف سے اس کے پاس قاصد پہنچ چکا تھا۔ جس نے اسے خبر دی کہ وہ نیرون کا رخ کرے بس دو دن بعد اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ وانگہ اپنی بستیوں کی طرف چلا گیا تھا جبکہ خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ نیرون کا رخ کر رہا تھا۔

○

کٹ چکا ہوتا۔

وانگہ نے جواب میں تقہرہ لگایا اور کہنے لگا۔

مول تم کیسی بد تمیزی کی گفتگو کرتے ہو۔ جب قدرت نے اس سرزمینوں میں تمہاری گردن کاٹنے کا فیصلہ کر رکھا تھا تو پھر تم میری گردن کیسے کٹ سکتے تھے۔ مول تم مجھ کو بد تمیزیاں مسلمانوں کے خلاف کیں ان کا خمیازہ تو تمہیں بھگتنا ہی پڑے گا۔ میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے قافلوں پر حملہ آور مت ہونا ورنہ پچھتاؤ گے لیکن تم نے میری ایک بات نہ سنی۔ مسلمانوں کے قافلوں کو تم نے سمندر کے اندر لوٹا اب اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ مسلمانوں کا لشکر سندھ میں داخل ہو چکا ہے۔ ان گنت شہروں پر قبضہ کر چکا ہے اور اب مجھے امید ہے کہ ان کا نگر اؤ راجہ داہر کے ساتھ ہونے والا ہے۔ راجہ داہر کا انجام میرے خیال میں اس سے بھی بدتر ہو گا جو تمہارا ہونے والا ہے۔

مول نے وانگہ کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ وانگہ نے پھر سے مخاطب کیا۔

مول یہ جو جوان میرے پہلو میں کھڑا ہے اس کا نام خرم بن عمر ہے۔ میرے خیال میں یہ نام تم نے ضرور سن رکھا ہو گا۔

خرم بن عمر کا نام سن کر مول چونکا۔ ایک بھرپور نگاہ اس نے خرم بن عمر پر ڈالی پھر دوبارہ اس کی گردن جھک گئی تھی۔ اس موقع پر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

مول تو نے نہ صرف سمندر کے اندر سفر کرنے والے مسلمان قافلے پر حملہ کرنے کی جرات اور جسارت کی بلکہ مکران کے اندر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر تو راجہ داہر اور زمیش کے مفادات کی نگاہ داری کرتا رہا۔ مسلمانوں کو تو نے ان گنت بار نہ صرف نقصان پہنچایا بلکہ ان کے خلاف سازش بھی کی۔ لہذا میں اس جرم میں تیرے قتل کا حکم دیتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ذکوان بن علوان کو خرم بن عمر نے مخصوص اشارہ کیا۔ ذکوان بن علوان حرکت میں آیا۔ مول کو سمندر کے کنارے لے جایا گیا اور اس کا

نے میں ہے۔ -سم اور سیون کا قلعہ بھی خدا کے فضل سے ہمارے قبضے میں ہے۔  
ماں سے داہر کے بچا زاد بھائی بجے رائے کو ختم کر دیا گیا ہے۔ امید ہے اسی طرح  
شمن کے تمام قلعے ہمارے قبضے میں آجائیں گے اور ہر جگہ مسجدیں بنا دی گئی ہیں  
اک پانچوں وقت نماز اور عبادت ہوتی رہے۔ چنانچہ ان مساجد میں اذان خطبے کا بھی  
ہتمام کیا گیا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کاتب رکادم لیا اس کے بعد کتا چلا گیا تھا۔

ہم طاقت اور پناہ کیلئے ہر وقت اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی اطلاع  
کر رہے ہیں کہ داہر کے گورنروں میں سے ایک گورنر ممران کے مشرق کی طرف اس  
ادی میں ہے جو کچھ کے سمندر کا جزیرہ ہے۔ یہ قلعہ بیٹ کھلاتا ہے اور اس کے والی  
کا نام بہتائی بن راسل ہے۔ عام طور پر لوگ اسے وسایو بن سرہند بھی کہہ کر پکارتے  
ہیں۔ اس کا بیٹا داہر کے مقرران خاص میں سے ہے۔

دیہیل کے جو لوگ ہم سے مل گئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہمارا  
نیرخواہ ہے۔ اس نے ہم سے امیدیں وابستہ کر کے التجا کی ہے کہ ہم اس سے عہد نام  
منظم کریں اور خدا کے فضل سے یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور وہ ہمارے ساتھ مل  
گیا تو ہمیں دریا کے عبور کرنے میں بڑی سہولت ہوگی۔ اللہ کے حکم سے سب کچھ  
درست اور ٹھیک ہو جائے گا۔

محمد بن قاسم کا خط سن کر حجاج بن یوسف تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا۔ شاید وہ  
اس خط سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ اس کے بعد قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا  
تمہیں قاسم کو میری طرف سے خط لکھو۔

اے فرزند میں جانتا ہوں دشمن تمہارے خلاف مدافعانہ جنگ کے منصوبے  
ارتب کر رہے ہیں اور تم توی دل رہو اور جس قدر مال خرچ کر سکو کرو، اور مخالفوں  
کے حق میں بخششوں اور انعامات کی بارش کرو، جو کوئی بھی جاگیر طلب کرے تم اسے  
نامید نہ کرو، بلکہ ان کی التجاؤں کو قبول کر کے اپنے فرامین اور امن ناموں سے ان کو  
تسلیم کرو۔

کاتب لکھتا جا رہا تھا۔ حجاج بن یوسف کچھ دیر رکا کچھ سوچا پھر وہ دوبارہ کاتب کو

حجاج بن یوسف ایک روز واسط شہر میں اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔  
اس کے سامنے خراسان کی طرف سے آنے والا ایک قاصد کھڑا تھا اور وہ اسے قتیہ  
بن مسلم کے ہاتھوں سمرقند کے علاوہ دیگر شہروں کے فتح ہونے کی تفصیل بتا رہا تھا۔  
ایسے میں حجاج بن یوسف کا کاتب اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر محمد بن قاسم کی طرف سے قاصد آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا  
چاہتا ہے۔

ان الفاظ پر حجاج بن یوسف چونکا پہلے قاصد کو اس نے فارغ کر دیا۔ کاتب کو  
حکم دیا کہ محمد بن قاسم کی طرف سے آنے والے قاصد کو اندر لایا جائے۔ کاتب پھر  
باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ محمد بن قاسم کے قاصد کو لے کر آیا۔ قاصد نے حجاج  
بن یوسف کو تعظیم دی اور کہنے لگا۔

امیر محترم میرے پاس محمد بن قاسم کا ایک خط ہے جو آپ کے نام ہے۔  
اس موقع پر حجاج بن یوسف نے اپنے کاتب کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر  
کے کہنے لگا۔

اس قاصد سے خط لو اور مجھے پڑھ کر سناؤ اور ساتھ ہی حجاج بن یوسف نے  
قاصد کو بیٹھنے کیلئے کہا۔ قاصد نے خط نکال کر کاتب کو تھما دیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ  
گیا۔ کاتب نے خط کھولا پھر وہ پڑھ رہا تھا محمد بن قاسم نے لکھا تھا۔

اے عمر آپ کے کہنے پر میں نیروں لوٹ آیا ہوں۔ فی الحال ہم ایک قلعے کے  
قریب ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ سکندر کی مضبوط دیوار سے بھی زیادہ اونچا  
ہے۔ نیروں کا قلعہ بھی راجہ داہر کی راجدھانی کے قریب ہے جو اس وقت ہمارے

مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

373

دشمن کو پہلے توحید پر ایمان لانے کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ جو اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اطاعت کرے گا اسے مال، شہر، زمین اور کھیت عطا کئے جائیں گے اور جو اسلام کے سامنے سر نہ جھکائے تو اسے دھمکی دو تاکہ وہ فرماں بردار ہو جائے۔ اگر اس کے باوجود سرکشی کرے تو پھر اس سے صاف کہہ دو کہ تم نے اطاعت سے منہ موڑا اس لئے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ، لیکن داہر اور اس کے لشکر کو دریائے مہران عبور کرنے کا اختیار نہ دو بلکہ ان سے کہو کہ تم تیار ہو تو پھر تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن کیونکہ ہم اتنا طویل راستہ طے کر کے آئے ہیں اس لئے ہمیں مہران کو عبور کرنا اور مقابلے میں آنا ہے تاکہ طرفین کے درمیان کو شک و شبہ نہ رہے۔

جس جگہ بھی دشمن کا مقابلہ کرو وہ جگہ کشادہ میدان ہونا چاہیے تاکہ پیدل لڑنے والا اپنے سامنے آنے والے پیدل کو اور سوار مقابل کے سوار کو خوب اچھی طرح دیکھ سکے۔ جب جنگ شروع کرو تو اللہ تعالیٰ کے کرم پر توکل کرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور دیکھو قضا اور قدر پر وہ غیب سے کیا ظاہر کرتی ہے اور وہاں سے کس فریق کی بادشاہی ختم ہونے کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اگر وہ پیغام بھیجیں کہ دریائے مہران سے تم گزرتے ہو کہ ہم گزریں تو انہیں اختیار دینا بلکہ کہنا کہ میں ہی دریا کو عبور کر کے آتا ہوں تاکہ تمہارا رعب اور ہیبت دشمن پر اثر انداز ہو اور وہ پکار اٹھیں کہ اگر لشکر اسلام میں قوت یا طاقت نہ ہوتی تو وہ یوں بے دھڑک ہمارے مقابلے پر نہ آتا۔

سنو فرزند تمہارے لشکر میں عربوں کی جو جماعت تمہاری اطاعت میں ہے امید ہے وہ لوگ پیٹھ نہ دکھائیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے بلکہ جان کی بازی لگا دیں گے اور خدا پر بھروسہ کر کے شوق سے جنگ کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے۔ میں جانتا ہوں وہ لڑائی میں اور تمہاری اطاعت میں مخلص ثابت ہوں گے تاکہ خدا کی رضا حاصل کر سکیں۔ سن فرزند دریا کو ایسی جگہ سے پار کرنا جہاں تم مضبوطی سے قدم جما سکو اور سیدھی سادھی راہوں سے بھی سمجھ بوجھ کر گزرتا اور طریقہ عزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ گزرتے وقت لشکر کو محتاط رکھنا اور لشکر کا۔ مہمناہ

لکھو کہ سلطنت حاصل کرنے کیلئے چار طریقے ہیں۔ اول صلح ہمدردی چشم پوشی اور رشتہ داری، دوم مال کا خرچ کرنا، انعامات اور عطیے دینا، سوم دشمنوں کی مخالفتوں کے طوفان میں صحیح رائے قائم کرنا اور ان کے مزاج کو معلوم کرنا۔ چوتھے رعب، ہیبت، دلیری قوت اور دبدبہ۔

تمہیں ہر طرح ان دشمنوں کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور مقامی والی جو التماس کریں انہیں عمد ناموں سے تسلی دو۔ جب وہ تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اوپر خراج مقرر کر لیں تو پھر وہ جو بھی نقد یا سامان خزانے میں پہنچائیں اسے قبول کرو اور ہر ایک کو تسلی دو۔ اگر کسی کو قاصد بنا کر بھیجنا چاہو تو وہ شخص ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی عقل، مذہب، دور اندیشی، ذہانت اور امانت پر تمہیں اعتماد ہو۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غلط آدمی کے بھیجنے کی وجہ سے اس کی گفتگو اور بات چیت سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ اس کو دشمنوں کے مکر، آفت دھوکے اور بد عمدی سے محفوظ رکھنا، ضروری کاموں کی تکمیل میں دور اندیشی اور ہوشیاری کے شرائط بجا لاؤ اور داہر سے خبردار رہنا۔

اے فرزند عظیم جب کبھی تم کسی کو اپنا قاصد بنا کر کہیں روانہ کرو تو اسے وصیت کرو کہ وہ دشمن کے میل جول اور ہم نشینی سے کہیں بدل نہ جائے اور اسے خیر خواہی کے شرائط وضاحت سے بتاؤ کہ اگر وہ پیغام پہنچانے کیلئے مخالف کے سامنے جائے تو تمام سرداروں اور اراکین دولت کے سامنے بے خوفی سے پیغام دے اور ان کا جواب بھی اچھی طرح سنے۔

اور اپنے قاصدوں کی ہمت دل کش وعدوں سے بڑھانی چاہیے اور انہیں بتانا چاہیے کہ تم سارے اسلامی لشکر کے پیشوا اور امام ہو اور سب تمہاری بات پر آنکھ لگائے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ پیغام کو پوری طرح پہنچاؤ۔ مسلمانوں کا قاصد شستہ اور منذب ہونا چاہیے کہ بات کو پر شکوہ اور بغیر کسی کمی و بیشی کے ادا کرے۔

عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کتنا شروع کیا۔

میرے بھائی میں لشکریوں کی ترتیب میں کچھ تبدیلی کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں تم محسوس نہیں کرو گے۔ یہ تبدیلی میں ذکوان بن علوان کے کہنے پر کر رہا ہوں۔ دراصل ذکوان کا کہنا ہے وہ تمہارے ماتحت جنگلوں میں حصہ لینا چاہتا ہے۔ لشکر کی کمانداری پسند نہیں کرتا لہذا میں بنانہ بن حنظلہ کو تم سے لے رہا ہوں۔ تمہارے پاس تمہارے نائب کی حیثیت سے ذکوان بن علوان رہے گا۔ میرے ساتھ پہلے کی طرح جہم بن زحر ہو گا۔ بنانہ بن حنظلہ اسی لشکر کی کمانداری کرے گا جس کی کمانداری پہلے ذکوان بن علوان کرتا رہا ہے اور صارم بن صارم اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔ اس سلسلے میں اگر تمہیں کوئی اعتراض ہو تو کہو۔

اس موقع پر خرم بن عمر نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے بنانہ بن حنظلہ کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے اس طرح دیکھنے سے محمد بن قاسم کے چہرے پر مکرہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

ابن عمر میں تمہاری تیز نگاہوں کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا بنانہ بن حنظلہ نے نہیں کہا بنانہ بن حنظلہ تو تمہارے نائب کی حیثیت سے کام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے خود یہ فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہ فیصلہ ذکوان بن علوان کی التجا پر کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں تم اسے قبول کر لو گے۔

اس بار خرم بن عمر نے محمد بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ امیر محترم! میں آپ کے فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس تبدیلی سے ہماری کارکردگی میں خداوند قدوس نے چاہا تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔ خرم بن عمر جب خاموش ہوا تو محمد بن قاسم نے پھر کتنا شروع کیا۔

عزیزو! اشہار کے قلعے کا محاصرہ کیا جائے گا فی الحال منجھتوں کے ذریعے شہر پر ننگ باری نہیں کی جائے گی۔ لشکر کے سارے حصوں کو شہر کے اطراف میں پھیلا دیا جائے گا محاصرے میں اس قدر سختی کی جائے کہ نہ باہر سے کوئی چیز آنے پائے نہ شہر سے نکل کر کوئی چیز مضافات کی طرف جائے۔ میرے خیال میں اس طرح ننگ آکر خود

میرے قلب، مقدمہ اور ساتھ بالکل سیدھا رکھنا۔ کسی بھی لشکر کی کو ایلامت چھوڑنا جس طرح میں نے کہا ہے ایسا کرتے ہوئے دریا عبور کرو گے تو دشمن پر تمہارا وہ رعب بیٹھے گا کہ تمہارا سامنا کرتے ہوئے وہ ہچکچائیں گے۔

یہاں تک کہتے کہتے حجاج بن یوسف خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچا پھر کاتب کو مخاطب کر کے کہنے لگا ایک بار یہ خط مجھے پڑھ کر سناؤ کاتب نے جو کچھ لکھا پڑھ کر سنایا۔ حجاج بن یوسف مطمئن ہو گیا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا جو قاصد آیا ہے اس کے ہاتھ محمد بن قاسم کو میرا یہ خط بھجواؤ پھر کاتب اپنی جگہ سے اٹھا اور محمد بن قاسم کی طرف سے آنے والے قاصد کو اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔



حجاج بن یوسف کا خط ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے راجہ داہر سے نکلنے کا عزم کر لیا۔ راجہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے راستے میں تین بڑی رکاوٹیں آتی تھیں جنہیں پہلے دور کرنا انتہائی اہم تھا۔ پہلا اشہار کا قلعہ تھا جہاں بہت بڑی لڑاکا قوت تھی۔ دوسرا بیٹ کا قلعہ جہاں دیبل کا سابق حکمران جاہن محمد بن قاسم کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد پناہ گزین ہوا تھا اور یہاں اس نے ایک بہت بڑی عسکری قوت جمع کر لی تھی۔ راجہ داہر نے بھی اسے ایک لشکر مہیا کیا تھا تاکہ محمد بن قاسم اگر اروڑھ کی طرف بڑھتا ہے تو بیٹ میں اس کی راہ روکی جائے۔

تیسری بڑی قوت کچھ اور سورتھ کا حاکم موکو تھا۔ ان تینوں قوتوں سے بٹنے کے بعد محمد قاسم راجہ داہر سے نکل سکتا تھا۔ لہذا نیوں سے کوچ کرنے کے بعد سب سے پہلے محمد بن قاسم نے قلعہ اشہار کا رخ کیا۔

اشہار کے لوگوں نے کافی جنگی تیاری کر رکھی تھی اور اس کے چاروں طرف خندق کھودی تھی۔ وہ قلعے کے مغرب میں رہنے والے جنوں اور دیہاتیوں کو بھی ملا کر قلعے میں لے گئے تھے۔ محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ اشہار کے قریب پہنچا اور وہاں اس نے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہاں پڑاؤ قائم ہو گیا تو اس نے اپنے سالاروں کو اپنے پاس بلایا جب سارے سالار جمع ہو گئے تو محمد بن قاسم نے خرم بن

یہ محاصرین اطاعت اور فریاداری اختیار کر لیں گے۔

محمد بن قاسم کہتے کہتے رکا کچھ سوچا پھر اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا تھا۔ عزیزو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محاصرے کے دوران رات کے وقت قلعے کے اندر جو لشکر ہے باہر نکل کر ہم پر شب خون مارے۔ لشکر کے جس حصے پر بھی شب خون مارا جائے دوسرے حصے فوراً اس کی طرف لپکیں اور اس کی مدد کریں۔ میرے خیال میں اگر ہم ایسا کریں تو دشمن کے شب خون کو بھی ہم ناکام بنا دیں گے اور دشمن کے پاس ہمارے سامنے فریاداری اور اطاعت کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

سارے سالاروں نے محمد بن قاسم کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر اشجار کے قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ چند روز تک یہ محاصرہ خاموشی سے جاری رہا۔ قلعے کے اندر جو لشکر تھا اس نے کوئی حرکت نہ کی، پھر ایک روز اچانک ایسا ہوا کہ قلعے کے جس دروازے کے سامنے خرم بن عمر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تھا اس دروازے سے قلعے کا لشکر گولوں کی یلغار کی طرح نکلا اور حملہ آور ہو گیا تھا۔

یہ حملہ اچانک اور دفعتاً ہوا تھا۔ گو خرم بن عمر اس حملے کو روکنے کیلئے تیار تھا تاہم اس نے اس موقع پر ایک بہترین قدم اٹھایا۔ جس وقت دشمن حملہ آور ہوا تھا اپنے لشکر کے ساتھ وہ پیچھے ہٹا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دشمن کا سارا لشکر ایک بار شہر سے باہر نکل آئے اور اس سے ٹکرائے اس کے بعد جوابی کارروائی کی جائے۔

خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹتا رہا یہاں تک کہ قلعے کے اندر جس قدر لشکر تھا وہ سارا نکل کر اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ عین اسی موقع پر دائیں بائیں محمد بن قاسم اور بنانہ بن حنظلہ اپنے اپنے حصے کے لشکریوں کے ساتھ دائیں بائیں سے دشمن پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

خرم بن عمر نے جب اندازہ لگایا کہ دشمن کے پہلوؤں پر محمد بن قاسم اور بنانہ بن حنظلہ ضرب لگانا شروع ہو گئے ہیں تب وہ بھی منبھلا پھر اچانک اس کے لشکر میں خداوند قدوس کے نام کی تکبیریں بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر جوابی کارروائی کرتے ہوئے اس طرح حملہ آور ہوا تھا جیسے کھر کے خلاف میں رینگتی آتش بھڑک اٹھتی ہے۔ جیسے زندگی کے اسرار میں فنا کے آنچل تلخیوں کی

لہریاں پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس منبھلا طرفہ حملے کو قلعے کا محافظ لشکر زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ انہیں جہنم ہو گیا کہ تھوڑی دیر مزید جنگ رہی تو شکست ان کا مقدر بن جائے گی۔ لہذا انہوں نے پلٹ کر پھر قلعے میں داخل ہونا چاہا لیکن اب ایسا ناممکن تھا۔ اس لئے کہ ہانہ بن حنظلہ اور محمد بن قاسم نے ان کی واپسی کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔ ہر تین اطراف سے ان کا قتل عام شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ان کے لشکر کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یوں اشجار کے قلعے پر محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا۔

اشجار پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم قلعے میں داخل ہوا۔ قلعے والوں نے ان کی طلب کی۔ محمد بن قاسم نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ ان پر خراج لگا کر ہاں اپنا حاکم مقرر کیا۔ کچھ دن لشکر کو وہاں سستانے کا موقع فراہم کیا پھر دریائے مند کے مغربی کنارے پر بیٹ کے قلعے کی طرف بڑھا۔

بیٹ کے قلعے میں اس وقت دیبل کا سابق والی جاہن ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ محمد بن قاسم بیٹ کے قلعے کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے قلعے سے باہر نکل کر محمد بن قاسم کی راہ روکی، لیکن تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد جاہن کو بدترین شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ یوں بیٹ کے قلعے پر بھی محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا تھا۔

اشجار اور بیٹ دونوں قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے سورتھ کے حاکم موکو کو ایک پیغام بھجوایا۔ تیز رفتار قاصد کے ذریعے اس نے راجہ موکو کو لکھا کہ ہماری اطاعت قبول کر لو جس علاقے کے تم حاکم ہو اس علاقے کی حکومت تمہارے پاس ہی رہنے دی جائے گی۔ جواب میں موکو نے لکھا کہ جو وعدہ آپ نے مجھ سے کیا ہے میں اس کا شکر گزار ہوں اور میں آپ کی اطاعت دل و جان سے چاہتا ہوں بلکہ اپنے ظن میں بہتر سمجھتا ہوں اگر کسی بہانے سے یہ حادثہ پیش آئے تو پھر ہم تم کے تابع رہنا لازمی سمجھیں گے۔

لیکن جن بادشاہوں کے نمک کا حق ہم خدمت گاروں پر لازم ہے کہ ان سے مدد ملتی اور بے وفائی کرنا ایسا گناہ اور خیانت ہے جو دور اندیشی اور امانت سے بعید



ہے اور جب تک مخالف کی طاقت سے ایسا خوف پیدا نہ ہو جو کہ نفس اور جان یا خطرہ بن جائے اس وقت تک امانت اور دور اندیشی سے کنارہ کش ہو جانا ناہنجیرہ طریقہ ہے۔

اس نے مزید لکھا کہ راجہ داہر ہمارا عزیز ہے اگر وہ سرہند ہے تو اس کے سرہندیوں میں ہمارا بھی حصہ ہو گا۔ اس کے آرام اور تکلیف میں شریک ہونا ہمارا فرض ہے لیکن یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ ملک اب ہمارے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے پاس جانے والا ہے۔ عقل مند انسان وہ ہے جو موقع سے فائدہ اٹھائے۔

آپ نے چونکہ مجھ پر بھروسہ کیا ہے اور فیاضی سے پیش آئے ہیں اس لیے اس کا تقاضا ہے کہ میں بھی آپ کا ساتھ دوں لیکن اگر میں بغیر جنگ کے آپ کے ساتھ ہو جاؤں تو میں خاندان اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ بس میں چاہوں کہ ایسی تدبیر کی جائے جس سے میں آپ کا تابع فرمان بھی ہو جاؤں اور میرا عزت پر حرف گیری بھی نہ آئے اور اپنے عوام کے علاوہ راجہ داہر کی نظروں میں نہ گروں۔

مورخین کا خیال ہے کہ موکو کو جو انعام دیا گیا یہ اپنی قسم کا پہلا عطیہ تھا جو مانے دیا اور اس کی درخواست پر قصبہ دجورہ کی اراضی بھی بطور ملکیت لکھ کر لو اور اس کے فرزندوں کو تفویض کی گئی اور اسے ضرورت کے وقت کشتیاں بھی م کرنے کی نصیحت کی گئی۔

اس سلسلے میں جو تدبیر میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کے بہانے سے ایک قصبہ ساکرا کی طرف جاتا ہوں آپ ایسا کیجئے کہ ایک لاکھ میرے تعاقب میں لگا دیجئے گا میرے ساتھ میرے محافظ دستے بھی ہوں گے۔ بس دھنکھڑا ہر حملہ آور ہو ہم کوئی مزاحمت نہیں کریں گے اس طرح آپ اس لشکر کے ذریعے مجھے گرفتار کر لیجئے گا۔

جب میں گرفتار ہو جاؤں گا تو راجہ داہر یہی سمجھے گا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کے لئے ساکرا جا رہا تھا کہ مسلمان مجھ پر حملہ آور ہوئے اور میرے محافظ دستوں کی ہلاکت دے کر انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اس طرح میں اپنے راجہ اور بھائیوں کی نظروں میں باعزت رہوں گا۔

محمد بن قاسم نے موکو کی اس تجویز کو منظور کر لیا۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق اپنے عمائدین اور محافظ دستوں کے ساتھ موکو ساکرا روانہ ہوا۔ محمد بن قاسم نے اپنے

یہ اس کے سامنے سر جھکایا اور نہ سجدہ کیا۔ راجہ داہر کو ان پر بہت غصہ آیا۔  
نے مولانا اسلامی کو مخاطب کیا کیونکہ وہ اسے پہلے سے جانتا تھا۔ غصے اور قربانیت  
مولانا اسلامی سے کہا۔

تم شامی آداب کیوں نہیں بجالائے حالانکہ تم اس ملک کے باشندے ہو۔  
آداب سے واقف ہو کیا تم کو اس سے روک دیا گیا ہے۔

مولانا اسلامی نے ایک نگاہ اپنے ساتھی شامی نوجوان پر ڈالی۔ نگاہوں ہی نگاہوں  
اشارہ ہوا پھر مولانا اسلامی نے راجہ داہر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

سن راجہ خدا کے فضل سے میں مسلمان ہو چکا ہوں جب تک بس آپ کے

بے پر تھا اور آپ کی رعایا میں تھا میں آپ کے دربار کے آداب بجالانا ضروری  
تھا۔ اب میں مسلمان ہوں مسلمان سوائے اللہ کے کسی کے سامنے سر جھکانا جائز  
نہی سمجھتے۔

راجہ داہر کو یہ سن کر اور بھی غصہ آیا اور کہا کہ اگر تم ایلچی بن کر نہ آئے  
تو میں تم کو ضرور قتل کرا دیتا۔ مولانا اسلامی نے کہا کہ میرے قتل سے عربوں کا  
لی نقصان نہیں ہو گا لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ میرے خون کا بدلہ مسلمان  
طرح لیں گے جس کا اندازہ تم نہیں کر سکتے۔

راجہ داہر کچھ سوچتا رہا پھر مولانا اسلامی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

تم میرے لئے اپنے سالار کی طرف سے کیا پیغام لے کر آئے ہو۔ اس بار

مولا اسلامی نے اپنے شامی ساتھی کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر اس شامی نوجوان کی  
آواز سن گئی۔ اس نے راجہ داہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ہم تیرے لئے یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ تو ہماری اطاعت اور فرما برداری

فرما کرے۔ ہمارے ساتھ جنگ اور رزم گاہ کو نہ سجائے۔ اگر تم ہماری اطاعت

نہی ہو تو تمہارے لئے روجوں کی تسکین دلوں کی امید افزائی ہو گی، اگر تم ایسا

دوسرا حکم کرتے تو یاد رکھنا فطرت سے بغاوت کرو گے۔ اپنی سرزمینوں میں نزع کی بے

اسلامت حکایات کو جنم دو گے۔ ہم لوگ آئینہ گردش دوران میں امن و صداقت کے

بہترین نمونے ہیں۔ ہم سے ٹکراؤ گے تو اپنی راتیں اجاڑ، شامیں اداس، دن کو

موکو سے بننے کے بعد محمد بن قاسم دریائے سندھ کو عبور کرنے کی فکر میں  
کہ راجہ داہر کو معلوم ہوا کہ اس کے حاکم بغاوت کر کے یکے بعد دیگرے مسلمانوں  
سے ملتے جا رہے ہیں۔ اس صورتحال پر وہ بے حد براہم ہوا۔ لہذا محمد بن قاسم  
بننے کے لئے اس نے ایک کافی بڑا اور جرار لشکر تیار کیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کر  
کیلئے بھیجا۔

یہ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد محمد بن قاسم کے لشکر کے ساتھ  
آیا۔ دونوں لشکریوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ راجہ داہر کے لشکر کی بد قسمتی  
دریائے سندھ کے کنارے محمد بن قاسم، خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے راجہ  
داہر کے اس لشکر کو بھی بدترین شکست دی اور بچے کھجے لشکر بھاگ کر اردو  
طرف چلے گئے۔

محمد بن قاسم جانتا تھا کہ اب اس کا ٹکراؤ براہ راست راجہ داہر کے ساتھ

لہذا اس نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ لڑائی شروع کی جائے ایک قاصد

داہر کے پاس روانہ کیا جائے تاکہ وہ اس سے بات کرے۔ ممکن ہے اس قاصد

کوئی بہتر نتیجہ نکلے۔ اس بات چیت کیلئے محمد بن قاسم نے دو اشخاص کا انتخاب

ایک انتہائی عمدہ جنگجو اور مذہب سے عقیدت رکھنے والا شامی نوجوان تھا۔ دوسرا

اسلامی۔ یہ شخص دیہل کا رہنے والا تھا اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں اس نے

قبول کر لیا تھا، حلقہ بدوش اسلام ہونے کے بعد اس نے مولانا اسلامی کا خطاب

بہر حال محمد بن قاسم نے ان دونوں کو راجہ داہر کے دربار میں بھیجا۔

جب یہ دونوں راجہ داہر کے دربار میں پہنچے تو داہر کے رواج کے مطابق دونوں

لوگ ہیں۔ زندگی جس کا آغاز رحم مادر اور انجام قبر پر ہوتا ہے قسم خداوند واحد شریک کی اس زندگی کو تو ہم اپنی چھاتی پر سجائے پھرتے ہیں۔ راجہ جس طرح ہماروں میں مسکراتی ہے گرما میں تھپتھپے لگاتی ہے خزاں میں آہیں بھرتی ہے سرما روتی ہے ایسے ہی ہمارے قانون فطرت کے پاسبان مجاہد بزم یاراں میں حریر و مگل بھی بڑھ کر ہیں۔ پیاسے نفس کے لئے لبوں کا تریاق امن اور خیر کے طلبگاروں کے جمال و مہر کا منبع ہیں۔ راجہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے خلاف جنگ طرح نہ ڈالنا اگر ایسا کرو گے یاد رکھنا ہمارے مجاہد رموز کن نیکوں سے نکل کر

مہابانوں کی ریگ کی طرح تمہاری سرزمینوں پر چھا جائیں گے اور تمہارے قصر اور حسد و نسلی تعصب کے اندر ذلت اور مسکنت کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔ میں میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے سالار محمد بن قاسم نے جو سب سے بڑا پیغام بی طرف بھجوایا ہے وہ یہ ہے کہ بتاؤ تم دریائے مہراں کو عبور کر کے ہماری طرف گے یا ہم دریائے مہراں کو عبور کر کے تمہارے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کیلئے پیش کریں۔ شامی جوان یہاں تک کہنے کے بعد رکا۔ دم لیا اور اس کے بعد اپنی گفتگو لہلہ جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سن راجہ تمہیں دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینی چاہیے یا تو تم دریا کر کے ہمارے پاس آؤ اس صورت میں تمہارے لئے راستہ چھوڑ دیا جائے گا مارا کا نہیں جائے گا یا پھر ہمارے لئے راستہ دو تاکہ اسلامی لشکر دریا کو عبور کر نماز مقابلہ کرے۔

شامی نوجوان کی اس گفتگو سے راجہ داہر کا چہرہ غصے اور غضبناکی میں سرخ ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ سوچتا رہا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے اس شامی نوجوان کو اپنے کیلئے کہا۔ اس وقت اس کے پہلو میں ایک طرف اس کا وزیر دوسری جانب شامی بیٹھا ہوا تھا۔ راجہ داہر کچھ سوچتا رہا پھر اپنے وزیر کی طرف دیکھا جس کا بازو تھا۔ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یہ جو مسلمانوں کے سفیر نے آخری بات کی ہے اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا

ناروا جبر کا شکار کر لو گے۔ سن راجہ جو قوت بھی ہم سے ٹکرائی خون میں نازک داستانوں کو جنم دیتی چلی گئی جس نے بھی ہمارے سامنے تلوار کو بے نیام کیا اور شہزادہ جہنم میں اس کے لئے آہوں کے سفینے ہر سو فغاں ہر سمت آہیں اٹھ کر مٹی ہوئیں۔ راجہ اگر تم بھی ہمارے خلاف رزم گاہ کو سجائو گے تو سن لینا تمہارے ایسا کرنے سے نبض ہستی رکے گی ساز حیات ٹوٹیں گے وقت کی گردش میں ہر پہلو شعلے کی زبان اختیار کرے گی۔ بہتر یہی ہے کہ ہماری اطاعت کو قبول کرو اس طرح اپنے غم کو خوشی بدبختی کو خوش بختی میں تبدیل کر سکتے ہو۔

راجہ ایک قاصد کی حیثیت سے میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ ہمارے خلاف بغاوت اور سرکشی اختیار نہ کرنا اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھنا ہمارے مجاہد خشونت آور برق کی کڑک کی طرح آگے بڑھیں گے۔ تمہاری سرزمینوں پر ظلمت کی پرچھائیاں اور طرح پھیل جائیں گے۔ پھر ان سرزمینوں میں ایسا ہولناک حادثہ ہو گا کہ بھوکی چیلہ اور کوئے زمین پر اتریں گے۔

راجہ داہر اب تک بڑے صبر اور تحمل سے یہ گفتگو سنتا رہا تھا۔ جب قاصد خاموش ہوا تو وہ بڑے پر غیض اور برہم لہجے میں بول پڑا۔ تم ہماری طاقت اور قوت سے واقف نہیں ہو تمہارا جرنیل مختصر سا لشکر لے کر ہماری سرزمین میں داخل ہے۔ جب ہم خم ٹھونک کر اس کے سامنے آئیں گے تو یاد رکھنا وہ ہمیں بدست قہرمانوں سے کم نہیں پائے گا اور اپنی سرزمینوں میں ہم اسے ایسا جتلانے رنج دلا کریں گے کہ اس کے پاس پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

اس موقع پر اس شامی نوجوان کے چہرے پر ایک مختصر سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک بار اس نے کہا جانے والے انداز میں راجہ داہر کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد راجہ کے قصر میں اس کی آواز پھر گونج گئی تھی۔

راجہ تم کس قوم کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہو، وہ قوم جو دجلہ نیل تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس قوم کے قوی بازوؤں والے مجاہد جب سپاہ گرانہ قاصد کے ساتھ اپنے دشمنوں پر وارد ہوتے ہیں تو وہ زبردستوں کے لئے ہیبت گاہ، زبردستوں کیلئے پناہ گاہ بن جاتے ہیں۔ راجہ تم لوگ زندگی کو ترستے ہو ہم موت کی تمنا کر

سیاکر نام کا وزیر کہنے لگا حضور میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو دریا کے اس پار آنے دیا جائے کیونکہ دریا کے اس طرف سارا ہمارا علاقہ ہے۔ جب وہ ہمارے علاقے میں آئیں گے تو دریائے سندھ ان کے پیچھے ہو گا۔ جب ہمارے لشکریوں سے ان کا مقابلہ ہو گا تو غلہ اور ہتھیار سب ہمارے پاس موجود ہوں گے اور دریا کے اس طرف سے مسلمانوں کو کوئی مدد نہیں مل سکتی اس طرح ہماری فتح اور مسلمانوں کی شکست یقینی ہو جائے گی۔

اپنے وزیر سیاکر کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد راجہ داہر نے اپنے پہلو میں بیٹھے حارث علانی کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

حارث علانی تم نے سنا میرا وزیر کہتا ہے کہ مسلمانوں کو دریا پار کرنے سے روکنا چاہیے تاکہ ان کے پیچھے دریائے مہراں ہو انہیں اپنی پشت کی طرف سے کوئی رہائی نہ ملے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اب تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حارث کچھ دیر سوچتا رہا پھر راجہ داہر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے خیال میں تمہارے وزیر کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی عادات اور طبع سے واقف ہی نہیں۔ اول تو محمد بن قاسم جو لشکر لے کر آیا۔ اس میں بڑے بڑے سورا، بڑے بڑے بہادر اور شجاع مجاہد شامل ہیں اور وہ دوسرے یہ کہ مسلمان جب لڑائی کیلئے نکلتے ہیں تو سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلتے ہیں ان کا بھروسہ صرف خدا پر ہوتا ہے اور وہ ہر وقت خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تیرے بندے ہیں تیرے دین کو پھیلانے کی خاطر میدان میں آئے ہیں، اللہ ہمیں لڑائی میں شہادت اس وقت عطا فرما جبکہ ہم اپنے سے دو گنوں کو مار لیں۔

حارث یہاں تک کہنے کے بعد رکاوٹ لیا کچھ سوچا پھر دوبارہ اس نے کہا کیا۔

راجہ مسلمان جب اپنے دشمن کے مقابل آتے ہیں تو وہ اس قدر بہادر

سیاکر نام کا وزیر کہنے لگا حضور میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو دریا کے اس پار آنے دیا جائے کیونکہ دریا کے اس طرف سارا ہمارا علاقہ ہے۔ جب وہ ہمارے علاقے میں آئیں گے تو دریائے سندھ ان کے پیچھے ہو گا۔ جب ہمارے لشکریوں سے ان کا مقابلہ ہو گا تو غلہ اور ہتھیار سب ہمارے پاس موجود ہوں گے اور دریا کے اس طرف سے مسلمانوں کو کوئی مدد نہیں مل سکتی اس طرح ہماری فتح اور مسلمانوں کی شکست یقینی ہو جائے گی۔

اپنے وزیر سیاکر کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد راجہ داہر نے اپنے پہلو میں بیٹھے حارث علانی کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

حارث علانی تم نے سنا میرا وزیر کہتا ہے کہ مسلمانوں کو دریا پار کرنے سے روکنا چاہیے تاکہ ان کے پیچھے دریائے مہراں ہو انہیں اپنی پشت کی طرف سے کوئی رہائی نہ ملے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اب تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حارث کچھ دیر سوچتا رہا پھر راجہ داہر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے خیال میں تمہارے وزیر کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی عادات اور طبع سے واقف ہی نہیں۔ اول تو محمد بن قاسم جو لشکر لے کر آیا۔ اس میں بڑے بڑے سورا، بڑے بڑے بہادر اور شجاع مجاہد شامل ہیں اور وہ دوسرے یہ کہ مسلمان جب لڑائی کیلئے نکلتے ہیں تو سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلتے ہیں ان کا بھروسہ صرف خدا پر ہوتا ہے اور وہ ہر وقت خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تیرے بندے ہیں تیرے دین کو پھیلانے کی خاطر میدان میں آئے ہیں، اللہ ہمیں لڑائی میں شہادت اس وقت عطا فرما جبکہ ہم اپنے سے دو گنوں کو مار لیں۔

حارث یہاں تک کہنے کے بعد رکاوٹ لیا کچھ سوچا پھر دوبارہ اس نے کہا کیا۔

راجہ مسلمان جب اپنے دشمن کے مقابل آتے ہیں تو وہ اس قدر بہادر

نہ کہتاؤ میں دریائے سندھ کو عبور کروں تب میری کامیابی ہے یا حملہ آور دریائے سندھ کو عبور کریں اس میں میری کامیابی ہے۔ ساحرہ پھر مراقبہ میں چلی گئی آخر کہنے لگا۔

میں مہران کے دونوں کناروں کو لہو رنگ دیکھتی ہوں۔ میں مہران کے پانی کو بھی رنگ ہوتے دیکھ چکی ہوں۔ راجہ میں نے جو اپنا حساب لگایا ہے اس میں مجھے دھواں دھواں لہو ہی لہو اور لہو رنگ کمر اور دھند کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میں اس کوئی صاف واضح جواب نہیں دے سکتی کہ آپ والی جنگ میں کون فاتح کون نوج ہو گا۔ بہر حال اپنے حساب سے میں نے جو کچھ دیکھا وہ تمہیں بتا دیا ہے' راجہ سندھ کو عبور کرو یا وہ دریائے سندھ کو عبور کریں کنارے اور ساگر دونوں ہی دلو ہیں اس کے علاوہ راجہ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔

ساحرہ کے جواب پر راجہ واہر فکر مند ہو گیا تھا تاہم اس نے ساحرہ کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔



ہے۔

راجہ واہر کے کہنے پر ساحرہ نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ کافی دیر تک وہ ایک طرح کے مراقبہ میں ڈوبی رہی پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور عجیب سے انداز میں اس نے راجہ واہر کی طرف دیکھا ساتھ ہی اس نے راجہ واہر کو مخاطب بھی کیا۔

راجہ! میں طلسم سکوت سے لبریز آکاش کے کنارے دھواں دھواں دیکھتی ہوں کہ کالے کوسوں کی پرہول رات میں نہ کوئی پنکھ ہے نہ کوئی پکھیو۔ راجہ یہ حملہ آور بھی عجیب ہیں میں دیکھتی ہوں کہ امن کے غاروں میں بھوک سے مرنے والے کتوں کو گدھوں اور چیلوں کی خوراک بنایا جا رہا ہے۔ گہرے اوہام کے ساگر میں اقل کی جبین کو لہو رنگ دیکھتی ہوں راجہ میرے حساب میں تیری گھات میں ہزاروں چلے ہیں۔

ساحرہ رکی دوبارہ مراقبہ میں چلی گئی کافی دیر تک گہرا سکوت رہا پھر اس نے راجہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

اس بار میں نے طلائی اور مرمریں سلوں سے مزین ایک قریبان گاہ پر دھویں کی تاریک نقاب کے اندر دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کو سرنگوں ہوتے دیکھا ہے۔ چاند کی شعاعوں میں مرمریں ستونوں کی طرح کھڑی روحوں کو میں نے اس جگہ سے رش منقطع کرتے دیکھا ہے۔ راجہ سرسبز میدانوں شاداب چراگاہوں میں تاریک رات کو خیمہ زن ہوتے دیکھا ہے۔ سن راجہ میں نے اپنے حساب میں اپنی نگاہوں کے سامنے یہ منظر بھی دیکھا کہ آزادی کی دیوی تلواروں کی باڑھ پر قانون کو کند کرتی ہے۔ غلہ جمع کرنے والوں پھل توڑنے والوں انگور اور انار کا رس نچوڑنے والوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رگ رگ سے غم نچوڑتے ہیں۔ ہر عشرت ہستی ہر شوق و شیفنگی کو میں نے پامال دلوں کا عنوان بننے دیکھا ہے۔ ہر اشتیاق و تمنا ہر مخفی جذبہ میں نے دیکھا ماتھے کا پسینہ پلکوں کا آنسو بن کر بہ گیا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد ساحرہ جب خاموش ہوئی تو تھوڑی دیر تک راجہ واہر سوچتا رہا پھر اس نے ساحرہ کو مخاطب کیا۔

ساحرہ تم نے بیچ دار لفظوں میں میرے ساتھ گفتگو کی ہے میں کچھ سمجھا نہیں



کرے اور تمہارے دشمن ذلیل و خوار ہوں۔

بیٹے ازل میں جو حکم مقدر ہو چکا ہوتا ہے پردہ مراد سے وہی ظاہر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی سے عرض کرتا رہا ہوں کہ اے خدا تو ایسا بادشاہ ہے کہ تیرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ لشکر اسلام کو اس کی حیثیت سے زیادہ نیت اور کامیابی عطا کر۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے تم مقصد حاصل کر کے ہم سے آن ملو گے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو دریا کو عبور کرو اور تائید الہی کی التجا کرتے رہو اور اس کی رحمت کو اپنے لئے پناہ جانتے رہو تاکہ وہ اپنی عقل پر غور کرنے والے شروں سے تمہیں محفوظ رکھے۔

جب تم دشمن کے مقابل ہو تو رضا الہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی پوری شجاعت اور ہمت کا مظاہرہ کرو کیونکہ فتح اور تائید الہی تمہارے ہم رکاب اور قوت تمہارے ساتھ اور مددگار ہے۔ اور خدائے واحد کی امداد اور مسلمانوں کی تلوار تمہاری طرف سے ان مخالفوں پر مسلط ہو جائے گی۔ خداوند قدوس ان کی خبیث ذات کو مسلمانوں کی تلواروں اور نیزوں کو خوراک بنائے گا۔ غضب الہی کا دروازہ ان کیلئے کھلا ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ پورے انتقام اور عبرت ناک انجام کے سزاوار ہوں گے۔

جس وقت دریائے مران کو عبور کرنا چاہو تو دریا کے گھاٹوں کو اچھی طرح دیکھ لینا اور دریا پار کرنے کا مکمل انتظام کرنا۔ پہلے علاقے کے ملاحوں کو جو کشتیوں پر ہوں اپنے پختہ وعدوں سے اپنا مطیع اور مخلص بنانا اور انہیں اچھی طرح پہچان لینا پھر دریا کو پار کرنا۔

چونکہ پانی تمہاری پشت پر ہو گا لہذا اس طرف سے تمہیں دشمن کا کوئی ڈر اور خوف نہ ہو گا تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ اس کے بعد جب تم ان کے قصوں شہوں بستیوں اور قلعوں میں داخل ہو گے تو کسی بھی شخص کی مجال نہ ہو گی کہ تم سے جنگ کر سکے وہ ہرگز تمہاری سمت رخ نہ کریں گے اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔

سامحہ سے مشورہ کرنے کے اگلے روز راجہ داہرنے اپنے عمائدین سے بی مشورہ کیا۔ اس کے بعد اس نے محمد بن قاسم کے قاصدوں کو طلب کیا اور انہیں جواب دیا کہ محمد بن قاسم کو جا کر کہہ دو مجھے تمہاری کوئی بات منظور نہیں میرا تمہارا فیصلہ تلوار ہی سے ہو گا۔ دریا کے پار کرنے میں تم کو اختیار ہے اس سے کوئی خالص فرق نہیں پڑتا خواہ تم آؤ یا ہم آئیں ہم ہر وقت لڑائی کیلئے تیار ہیں۔

دونوں قاصد یہ جواب لے کر لوٹ گئے اور سارا واقعہ محمد بن قاسم سے بیان کیا۔ ادھر راجہ داہرنے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور دریا کے قریب ٹانہ اس نے اپنے لشکریوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ ادھر محمد بن قاسم نے بھی جس جگہ پڑاؤ کیا ہوا تھا وہاں سے کوچ کیا۔ کوچ کرنے سے قبل اس نے حجاج بن یوسف کی پوری کیفیت سے آگاہ کر دیا پھر اپنے لشکر کے ساتھ محمد بن قاسم دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر آکر پڑاؤ کر گیا اور اس نے حجاج بن یوسف کو جو خط لکھا تھا اس کا جواب کا انتظار کرنے لگا۔

چند ہی روز بعد ایک تیز رفتار قاصد حجاج بن یوسف کی طرف سے آیا اور اس نے محمد بن قاسم کے خط کا جواب پیش کیا۔ جواب میں حجاج بن یوسف نے لکھا تھا۔ تم نے جو دریائے سندھ کو عبور کرنے اور داہرنے کے ساتھ لڑائی کے متعلق لکھا ہے مجھے خدا کے فضل سے امید ہے کہ تم ضرور کامیاب اور فتح مند ہو گے اور تمہارا دشمن داہرنے ذلیل و خوار ہو گا۔

کیونکہ پانچ وقت کی نمازوں اور تہجد میں ایسا کوئی وقت نہیں گزرتا جس میں تمہارے لئے غائبانہ دعا کی امداد نہ کی جاتی ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دشمن پر فتح عطا

وہ جس قلعے کو بھی پناہ بنا کر اپنا سارا بتائیں گے اس پر جس وقت تمہاری نظر پڑے گی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد سے اس کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ ان کے دلوں پر تمہاری تلواروں کی بیت کا ایسا رعب اور خوف غالب ہو جائے گا کہ کوئی بھی ہتھیار ان کے کام نہ آئے گا اور یہی رعب تمہیں فتح مند اور کامیاب کرے گا۔ جب وہ بھاگیں تو فوراً ان کے اسباب اور خزانے پر قبضہ کرنا لیکن خود کو ان کے دھوکے اور فریب سے بچانا۔ پھر ہر ایک کو اسلام کی طرف بلانا اور جو اسلام سے مشرف ہو اس کی تربیت بھی کرنا۔ اس طرح کہ وہاں دین کا کوئی دشمن باقی نہ رہے اور جس کا خون تمہاری تلواروں کے لئے مباح ہو۔

اس کے بعد آیت الکرسی کی صورت میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے لئے ایک دعا لکھی تھی اور تاکید کی تھی کہ وہ ہر موقع پر اس دعا کو کام کی ابتدا کرنا وقت پڑھ لیا کرے۔ خط کے آخر میں کاتب کا نام حمران اور ساتھ ہی ہجری ترازو لکھا ہوا تھا۔

خط کا کاتب حمران بن ابان تھا جس کی مختصر سوانح حیات یہ ہے کہ ابو بکر صدیق کے زمانے میں جب خالد بن ولید کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے عین التمرغیخ کیا اور وقت قریب کے گاؤں میں بچے املا کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حمران بن ابان ان بچوں میں شامل تھا۔

اپنے بچوں کے ساتھ بچے بھی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے نظر بند ہوئے۔ حمران کو حضرت عثمان نے خرید کر آزاد کیا اور اسے فن کتابت کی تعلیم دلوائی۔ پھر وہ حضرت عثمان کے زمانے میں کاتب اور حاسب کی حیثیت سے مقرر ہوا۔ شروع میں حضرت عثمان کی مہربانی اس کی تحویل میں رہا کرتی تھی۔

اس کے بعد وہ حضرت عثمان کی طرف سے بصرے کا حاکم مقرر ہوا۔ زیاد گورنری کے زمانے میں وہ کچھ عرصہ شیراز اور فارس کا عامل بھی رہا پھر جلندار یوسف کے دور میں حجاج کا کاتب رہا۔ حمران کو حدیث کے راویوں میں بھی شمار کیا ہے۔ اس کی اس مختصر سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حمران کتابت کا ماہر اور ایک عمدہ قسم کا نایاب کاتب تھا۔

خط پڑھنے کے بعد محمد بن قاسم تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ اس وقت اس کے ساتھ خرم بن عمر، جہم بن زحر، ذکوان بن علوان، بنانہ بن حنظلہ اور صادم بن صادم کھڑے ہوئے تھے۔ ایسے میں سندر داس محمد بن قاسم کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اے امیر کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔

محمد بن قاسم نے فوراً حجاج بن یوسف کا خط اپنے لباس میں محفوظ کر لیا پھر وہ سندر داس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سندر داس میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم واپس نیرون چلے جاؤ دیکھو راجہ داہر کے ساتھ ہماری جنگ طول بھی چلا سکتی ہے اور جنگ کے دوران ہمیں رسد اور کمک کی بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے، لہذا تم نیرون جاؤ وہاں کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو، میں تمہارے ساتھ قاصدوں کے ذریعے رابطہ رکھوں گا اور جس چیز کی بھی مجھے ضرورت ہوئی میں تمہیں اطلاع دیا کروں گا میرے خیال میں تم میری تجویز سے اتفاق کرو گے۔

سندر داس گردن جھکا کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر محمد بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

یا امیر مجھے آپ کے فیصلے کے خلاف کوئی احتجاج نہیں۔ آپ کا ہر فیصلہ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ میں یہاں سے کوچ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ نیرون میں جا کر آپ کیلئے رسد اور کمک کے سامان بھی جمع کروں گا لیکن یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میری گزارش ہے وہ یہ کہ میری روانگی سے پہلے میری بیٹی ساکھہ اور خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور گودیری کی شادی کا اہتمام کیا جائے تاکہ نیرون پہنچ کر میں مطمئن رہوں کہ میری بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ مطمئن اور پرسکون زندگی گزارنے لگی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس خواہش کو ٹھکرائیں گے نہیں۔

سندر داس کے ان الفاظ پر محمد بن قاسم کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اپنے پہلو میں کھڑے خرم بن عمر کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

اے ابن عمر جو کچھ سندر داس نے کہا ہے تم نے بھی سنا میں بھی سن چکا

ہوں۔ تمہارے قریب ہی کھڑا بنانہ بن حنظلہ بھی یہ الفاظ سن چکا ہے۔ تم دونوں کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہو تو بولو۔

اس موقع پر خرم بن عمر نے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا۔ نگاہوں میں نگاہوں میں دونوں نے کچھ فیصلہ کیا پھر خرم بن عمر نے محمد بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

یا امیر آپ جو فیصلہ کریں گے وہ ہم دونوں کیلئے آخری ہو گا۔

اس پر محمد بن قاسم کے چہرے پر گہرا تبسم نمودار ہوا اور پھر کہنے لگا اگر یہ بات ہے تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ آج شام تمہارا اور بنانہ بن حنظلہ کا نکاح ساگرہ اور گودری سے ہو گا۔ اس کے بعد سندر داس یہاں سے کوچ کرے گا۔ آؤ خیمہ گاؤ کی طرف چلیں اور تم دونوں کی شادی کا اہتمام کریں اس کے ساتھ ہی سب وہاں سے ہٹ گئے تھے۔



سندر داس بڑی تیزی سے اس خیمے میں داخل ہوا جس میں ساگرہ اور گودری تھیں۔ اس کو اس طرح تیزی اور خوشی سے پھولانہ سمائے ہوئے دیکھ کر ساگرہ اور گودری دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر ساگرہ چند قدم آگے بڑھی پھر سندر داس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

اے میرے باپ میں دیکھتی ہوں کہ آپ آج حد سے زیادہ خوش اور مطمئن نظر آرہے ہیں۔ کیا اس کی کوئی وجہ ہے۔

سندر داس چند قدم آگے بڑھا اپنے لباس کے اندر سے اس نے ایک چلاب نکالی اور ساگرہ کو تھمتے ہوئے کہنے لگا میری بیٹی نیون سے جو میں لکڑی کا صندوق اپنے ساتھ لایا تھا جو وہ سامنے کونے میں پڑا ہے اسے کھولو اس لئے کہ آج اس صندوق کے کھلنے کا وقت آگیا ہے۔

ساگرہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ سندر داس کیا کہنا چاہتا ہے۔ چابی بہر حال اس نے لے لی پھر دوبارہ اس نے اپنے باپ کو مخاطب کیا۔

میں کچھ نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کھل کر کہیں کیا معاملہ ہے اس پر سندر داس پھر بول پڑا۔

سنو میری دونوں بچیوں شام تک تم دونوں کی شادی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یہ بندہ محمد بن قاسم نے کیا ہے۔ جس صندوق کی چابی میں نے تمہیں دی ہے اس صندوق کے اندر میں نیون سے تم دونوں کے لئے عروسی جوڑے، قیمتی زیورات اور بی نادر اشیاء لے کر آیا ہوں جو میں نے تم دونوں کی شادی کے سلسلے میں جمع کر رکھے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اپنے فیصلے سے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کو بھی ہمارا کر دیا ہے اور وہ دونوں بھی آج شام تم دونوں کے ساتھ شادی کرنے کیلئے تیار ہیں۔ میری بچیو! صندوق کھولو اور اس میں جس قدر سامان ہے وہ نکالو اس کے اندر ڈھب عروسی کے لباس ہیں انہیں زیب تن کر لو اس لئے کہ تم دونوں کی شادی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

سندر داس کے ان الفاظ سے ساگرہ اور گودری دونوں کی خوشیوں کی کوئی ٹٹا کوئی حد نہ تھی۔ دونوں آگے بڑھیں لکڑی کا وہ صندوق انہوں نے کھولا۔ سندر داس نے اس کو بھی آگے بڑھا ان دونوں کو ان کی چیزیں دکھانے لگا تھا پھر شام تک خرم بن عمر اور ساگرہ، بنانہ بن حنظلہ اور گودری کو رشتہ ازواج میں منسلک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سندر داس وہاں سے نیون کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



حفاظت کیلئے قابل اعتماد لوگ مقرر کرنے چاہئیں اور وہاں کے تاجروں اور دوسرے سرکردہ لوگوں سے مناسب ضمانتیں لے کر چار ہزار جنگجو اپنے ساتھ لانے چاہئیں، چنانچہ محمد بن مصعب قلعے کے محافظ اور افسر مقرر کر کے چار ہزار مسلح سپاہیوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن قاسم نے موکو بن رسالو کو کشتیاں مینا کرنے کا حکم دیا تاکہ کسی طرح دریائے سندھ کو عبور کیا جا سکے۔

اس دوران ایک اور قاصد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ حجاج بن یوسف کا خط لے کر آیا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تمہارے دشمن کے سر میں غرور کی ہوا بھری ہوئی ہے اس سے خوف نہ کرنا اگر وہ صلح کرے اور خراج دار الخلفاء پہنچائے تو ٹھیک ہے، تم نے جو داہر سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی ہے تو تمہیں دریا کو ایسے مقام سے عبور کرنا چاہیے کہ جہاں کچڑیا دلدل نہ ہو لشکر کو دریا عبور کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔ بالکل تم مجھے اوپر سے نیچے بارہ میل تک دریا کی لمبائی اور چوڑائی کا نقشہ بنا کر بھیجو اس میں گھاٹ اور کناروں کی نشاندہی کرو اس کے بعد جس مقام کو میں پسند کروں گا وہاں سے تمہیں دریا عبور کرنے کیلئے کہوں گا۔ اس خط کا جواب محمد بن قاسم نے فی الفور دیا تاکہ حجاج بن یوسف کا جواب آئے اور وہ جلد دریا کو عبور کر کے راجہ داہر سے ٹکرا سکے۔

راجہ داہر کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے سیون کی بغاوت کو فرو کر دیا ہے اور وہاں کے لوگوں نے محمد بن قاسم کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا ہے تو اس سے اسے بڑا صدمہ ہوا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے جے سینہ کو ایک لشکر کے ساتھ دریا کے مشرقی کنارے پر مقرر کیا تاکہ مسلمانوں کے لشکر پر گہری نگاہ رکھے اور مسلمانوں کو دریا عبور نہ کرنے دے تاکہ مسلمان دریا کے مغربی کنارے پر بیٹھے بیٹھے تنگ آکر واپس ہانے پر مجبور ہو جائیں۔

محمد بن قاسم بھی بیکار نہ بیٹھا اس نے اپنے لشکر کے مختلف حصے مختلف جگہوں پر مقرر کئے تاکہ راجہ داہر کو اس کے دوسرے بیٹے کوپنی اور دیگر سالاروں سے کسی قسم کی نامزدی پہنچ سکے۔ اس طرح دریا کے مغربی کنارے لگ بھگ محمد بن قاسم کو پچاس

راجہ داہر کو جب معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر پڑاؤ کئے ہوئے ہے اور کسی بھی وقت وہ دریا کو عبور کر کے مشرقی کنارے کا رخ کر سکتا ہے تب محمد بن قاسم کے لئے مسائل کھڑے کرنے کیلئے اس نے یہ ترکیب کی کہ چند تیز رفتار مسلح دستے اس نے سیون کی طرف روانہ کئے سیون کے اندر اس نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرا دی۔ سیون کا سابق حاکم چندرام حالہ نے سیون پر قبضہ کر لیا اور جس قدر وہاں مسلمان لشکری تھے انہیں نکل باہر کیا۔

محمد بن قاسم کو جب اس بغاوت کی اطلاع کی گئی تو اس نے اپنے چھوٹے ملا محمد بن مصعب کو چھوٹے سے لشکر کے ساتھ سیون کی طرف روانہ کیا۔ محمد بن مصعب جب وہاں پہنچا تو چندرام نے قلعے سے باہر نکل کر زبردست مقابلہ کیا۔ سیون کے باہر ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں چندرام کو بدترین شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر ہوا۔ چندرام واپس قلعے میں داخل ہو کر محصور ہو جانا چاہتا تھا لیکن قلعے میں جو لوگ تھے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے قلعے کے دروازے بند کر لئے اور اسے اندر نہ آنے دیا۔ آخر چندرام مجبور ہو کر نامعلوم منزل کی طرف بھاگ گیا۔

اس طرح محمد بن مصعب دوسرے دن شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے معزین اور دوسرے لوگوں نے معذرت کی کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں بلکہ یہ زبردستی قلعے کا قابض ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے قلعہ محمد بن مصعب کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کی کامیابی کی خبر سن کر محمد بن قاسم بے حد خوش ہوا اور پیغام بھیجا کہ تمہیں قلعے

دن پڑاؤ کرنا پڑا۔ اس کی وجہ سے لشکر میں غلے اور چارے کی کمی ہو گئی۔ جانوروں کو خلاف مزاج چارہ ملنے کی وجہ سے گھوڑوں میں بیماری پھیلنے لگی۔ دوسری طرف دشمن ہر طرح کی تیاری میں مصروف تھا۔ جب یہ خبر داہر کو پہنچی تو وہ بے حد خوش ہوا تاہم اس نے ایک قاصد کے ذریعے ایک طنزیہ پیغام محمد بن قاسم کی طرف بھجوایا۔

راجہ داہر نے جو طنزیہ پیغام محمد بن قاسم کی طرف بھجوایا اس کا لب لباب یہ کہ اس طرح تھا کہ:

مسلمانوں کے سالار کسی کام کی اہمیت کے پیچھے بڑا نہایت بد بختی اور ذالمت ہے تم نے ہمارے لئے اور اپنے لئے تنگی پیدا کی ہے اگر صلح کر کے واپس چلے جاؤ تو میں تمہارے لئے رسد کا سامان بھیجوں گا تاکہ تمہارے ساتھی بھوک اور بے سروسامانی میں مبتلا ہو کر تباہ نہ ہو جائیں۔ تمہیں خود بھی سوچنا چاہیے کہ تمہارے پاس کون سا ہمدرد مرد ہے جو ہمارے مقابل ہو کر جنگ کرے گا اگر تم اس کے لئے تیار نہیں تو پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

جہاں بن یوسف کی طرف سے یہ پیغام ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں کیونکہ داہر کا سارا لشکر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر تھا اور اس سے مقابلہ کیلئے آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ بہت غور کے بعد محمد بن قاسم نے موکو بن سیالو کو کشتیاں فراہم کرنے کا حکم دیا تھا تو اس کے جواب میں اس نے کافی کشتیاں فراہم کر دیں۔ جب محمد بن قاسم کے پاس کشتیاں وافر تعداد میں ہو گئیں تو یہ تدبیر عمل میں لائی گئی کہ دریا کے مغربی کنارے کے متصل پانی میں کشتیوں کو ایک اور دوسرے سے باندھ کر ایک قطار بنائی گئی۔

کشتیوں کی قطار اس قدر طویل تھی جس قدر اس مقام پر دریا کی چوڑائی تھی۔ یہ مقام وہ تھا جہاں دریا کا پاٹ بہت کم اور پانی کی روانی بہت تیز تھی۔ پھر اس کا ایک اور مغربی کنارے پر مضبوط باندھ دیا گیا۔ دوسرا سرا دریا میں چھوڑ دیا گیا۔ یہ سرا خود خود مشرقی کنارے پر جا لگا۔ اگلی کشتیوں کے سپاہیوں نے کنارے پر رسوں اور فہریوں کے ذریعے اس کو ساحل سے باندھ دیا۔ اس طرح کشتیوں کا ایک پل قائم کیا گیا۔ اس پل پر سے محمد بن قاسم کا پورا لشکر باخیریت مشرقی کنارے پر اتر گیا۔ اس دریا کا دروائی کے دوران صرف ایک لشکری جس کا نام تراب تھا اور جس کا تعلق منہظلہ سے تھا وہ پل سے گذرتے ہوئے دریا میں گرا اور شہید ہوا۔

اس کے ساتھ ہی محمد بن قاسم نے تیز رفتار قاصد جہاں بن یوسف کی طرف بھجوائے اسے پورے حالات سے آگاہ کیا۔ گھوڑوں کے مرنے کی اطلاع بھی دے دو سری جانب جہاں بھی اس جنگ کی خبریں حاصل کرنے کیلئے بے چین تھا۔ انہی دنوں اس نے بھی ایک قاصد محمد بن قاسم کی طرف روانہ کیا تھا۔ دونوں قاصد کرمان میں ایک دوسرے سے ملے حالات سے آگاہی ہوئی پھر دونوں قاصدوں نے عراق کی رخ کیا اور محمد بن قاسم کے لشکر میں غلے کی کمی اور چارے کی کمیابی کے حالات بتائے اور گھوڑوں میں بیماری پھیلنے کی تفصیلات بیان کیں۔



مب کیا۔ حارث علانی جب راجہ داہر کے سامنے آیا تو راجہ داہر نے اسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن حارث آج ہم پر جو مشکل وقت پڑا ہے اسے تم جانتے ہو۔ آج ہی کے دن کیلئے میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔ تم عربوں کی لڑائی کے طور طریقوں سے خوب واقف ہو میں تمہیں اپنے لشکر کے ایک حصے کی کمانداری سونپتا ہوں اور یہ چاہوں گا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتدا کرو۔

حارث علانی کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر راجہ داہر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اگرچہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے اس کا شکریہ مجھ پر لازم ہے لیکن میں مسلمان ہوں اور اسلامی لشکر سے جنگ میرے مذہب میں حرام ہے، اگر میں ان میں سے کسی کو ماروں تو میرا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور اگر میں ان میں سے کسی کے ہاتھوں مارا جاؤں تو حرام موت مارا جاؤں گا پھر بھی میرا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

علانی کے اس جواب سے داہر نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔ میں نے آج کے دن کیلئے تمہیں پناہ دی تھی اگر تم ہماری مدد نہیں کر سکتے تو کیا یہ ایک طرح سے میرے خلاف بے وفائی نہیں ہے۔ اس کے بعد راجہ داہر نے مختلف طریقوں سے علانی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ ایک لشکر کی کمانداری قبول کرے اور مسلمانوں پر حملہ کرے لیکن علانی نے جب ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو ہار مان کر راجہ نے اسے کہا ٹھیک ہے تم مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہتے تو میرے لشکر میں رہ کر تم مجھے مشوروں سے تو نواز سکتے ہو تاہم علانی نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔

راجہ داہر اب بڑی تیزی اور بڑی سرگرمی سے محمد بن قاسم کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک اجلاس طلب کیا۔ اس میں اس نے اپنے بیٹوں سے علاوہ بڑے بڑے سالاروں کو طلب کیا۔ پھر اس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ پہلے ہلکی ہتھیاری ایک جنگ کر کے مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگایا جائے یہ بھی فیصلہ لیا گیا کہ راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ ایک لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلے میں جائے۔

دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے سارے لشکر کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مجاہدو! دریائے سندھ تمہارے پیچھے ہے اسے ہم عبور کر چکے ہیں۔ دشمن کا لشکر تمہارے سامنے ہے جس سے عنقریب ہمارا مقابلہ ہو گا۔ اس لئے تم میں سے جو واپس جانا چاہتا ہے ابھی چلا جائے کیونکہ دشمن سے مقابلے کے دوران بھاگنے والا ہمارے ہمدردوں کو بددل بنا دے گا۔

اس تقریر کے بعد پورے لشکر میں صرف تین آدمیوں نے واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان تینوں میں سے ایک نے محمد بن قاسم سے کہا میری ایک لڑکی ہے اس کی پرورش کرنے والا میرے سوا کوئی نہیں ہے اس لئے میں واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس لڑکی کی حفاظت کر سکوں۔ محمد بن قاسم نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ دوسرے نے کہا میری ماں بوڑھی ہے اور میرا کوئی ایسا قریبی عزیز نہیں جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ محمد بن قاسم نے اسے بھی جانے کی اجازت دے دی۔ تیسرے نے کہا کہ مجھ پر بے حد قرض ہے اور میرا کوئی رشتہ دار ایسا نہیں جو اس کو ادا کر سکے۔ محمد بن قاسم نے اسے بھی واپسی کی اجازت دے دی۔

اس کے بعد محمد بن قاسم وہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور راوڑکی طرف روانہ ہوا۔ راوڑ کے قریب جیور نامی ایک گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ راجہ داہر کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے دریائے سندھ کو عبور کر لیا ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر کے سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک جھیل حائل تھی۔ داہر نے اپنے لشکر کے ایک مسلح دستے کو جھیل کے کنارے مقرر کیا تاکہ وہ دشمن کی حرکات کی نگہداشت کرے۔ محمد بن قاسم نے داہر کی جارحانہ کارروائیوں کو دیکھ کر خود بھی چند دستے مقرر کئے جنہیں حکم دیا گیا کہ راجہ داہر کے ان دستوں پر گہری نظر رکھی جائے، اگر وہ مسلمانوں کے لشکر کی طرف آنا چاہیں تو انہیں تیروں سے چھلنی کر دیا جائے۔

راجہ داہر محمد بن قاسم سے ٹکراتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ خوفزدہ بھی تھا۔ جس وقت اس نے محمد بن قاسم کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کر رکھا تھا اس نے حارث علانی کو

تھوڑی دیر پہلے راجہ داہرنے اپنا ایک اجلاس طلب کیا تھا جس میں اس کے سارے عمائدین کے علاوہ اس کے بیٹوں اور سالاروں نے بھی شرکت کی۔ کل کسی بہت راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ ایک لشکر لے کر ہمارے مقابل آئے گا۔ راجہ داہرنے اسے ایسا کرنے کیلئے کہا ہے۔ ایسا کر کے راجہ داہر ہماری قوت اور طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا ہے۔

راجہ داہر کا خیال ہے کہ اگر اس کے بیٹے بے سینہ نے اس لشکر کے ساتھ جو اسے مہیا کیا گیا ہے ہمیں سپا کر دیا تو معاملہ ختم ہو جائے گا اور اگر بے سینہ کو کامیابی نہ ہوئی تب بھی مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد راجہ داہر خود لشکر لے کر ہمارے مقابل آئے گا بس میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ کل راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ ہمارے ساتھ جنگ کی ابتدا کرے گا۔

قاصد جب خاموش ہو گیا تو بڑی ممنونیت سے محمد بن قاسم نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

میرے عزیز تیرا بے حد شکر یہ کہ تو اتنی اہم خبر لے کر آیا۔ اب جا پھر اپنے کام پر لگ جا۔ قاصد جب وہاں سے ہٹ گیا تب محمد بن قاسم کچھ دیر تک گردن جھکا کر سوچتا رہا پھر اس نے گردن سیدھی کی اور اس کی نگاہیں خرم بن عمر پر جم گئیں تھیں۔ محمد بن قاسم کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بھولا بھٹکا مسافر اچانک منزل سامنے آنے کے بعد منزل کو بڑے شوق اور بڑی شیفگی سے دیکھتا ہے۔ خرم بن عمر نے بھی محمد بن قاسم کی نگاہوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ قبل اس کے کہ محمد بن قاسم کچھ کتا خرم بن عمر محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر محترم! میں آپ کی نگاہوں کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ اگر آپ بے سینہ کا مقابلہ کرنے کیلئے میرا انتخاب کرنا چاہتے ہیں تو قسم خدا واحد لا شریک کی یہ میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہوگی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بے سینہ کے مقابلے میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔

محمد بن قاسم کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تو مہینی سے انداز میں تھوڑی دیر تک وہ خرم بن عمر کی طرف دیکھتا رہا پھر محمد بن قاسم کی آواز سنائی دی۔

اگر بے سینہ محمد بن قاسم کو شکست دے دیتا ہے تو معاملہ صاف اور پاک ہو جائے گا۔ اگر اس کو پسپائی ہوتی ہے تب بھی محمد بن قاسم کی طاقت اور قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد داہر خود لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ اگلے روز مسلمانوں پر ضرب لگانے کیلئے اپنی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔

ادھر محمد بن قاسم کے مخبر بھی بڑی تیزی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ جس روز راجہ داہرنے مجلس طلب کی تھی اور بے سینہ کو جنگ کرنے کیلئے منتخب کیا تھا محمد بن قاسم بھی اپنے خیمے سے باہر اپنے سارے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور انہیں مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

عزیزو! دریائے مہران کو تو ہم نے عبور کر لیا ہے۔ اب تک جس قدر ہماری جنگیں ہوئیں وہ ہلکی پھلکی تھیں جن میں ہم نے خداوند قدوس کی مدد سے کامیابی حاصل کی۔ اب براہ راست ہمارا نکلنا راجہ داہر سے ہو گا۔ مجھے قوی امید ہے کہ اس کام میں بھی خدا کے حکم سے اور اس کی توفیق سے ہمیں کامیابی حاصل ہوگی۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بڑے بڑے کاموں میں پانچ وقت کی نمازوں کو مقدم رکھو اور خدا کے سامنے رو رو کر دعائیں مانگو اور ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ خوب یاد رکھو کہ خدا کی عنایت کے بغیر کسی کو طاقت اور شوکت حاصل نہیں ہو سکتی جب تمہارا پورا بھروسہ اللہ پر ہو گا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں فتح اور کامرانی تم ہی حاصل کرو گے۔

محمد بن قاسم مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رک گیا کیونکہ ایک مخبر آیا اور اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ اسے دیکھتے ہوئے محمد بن قاسم کتے کتے رک گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب آنے کو کہا۔ زمین پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا جب وہ بیٹھ گیا تو محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔ کیا تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔

قاصد نے ایک نگاہ محمد بن قاسم پر ڈالی بعد میں اس کے سامنے بیٹھے سارے چھوٹے بڑے سالاروں کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا۔

ابن عمر تمہارا اندازہ درست ہے۔ بے سینہ کا مقابلہ کرنے کیلئے میں نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے ذہن میں اہمیت دی سب کا جائزہ لیا پر قسم خدائے مہربان کی میری نظر انتخاب تمہارے علاوہ کہیں بھی نہ گری۔ میں چاہتا ہوں کہ جب کل بے سینہ ہمارے مقابل آئے تو تم اس کا مقابلہ کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے شکست دینے اور مار بھگانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اس لئے فیصلہ میں تم پر چھوڑتا ہوں کہ تم کے اپنے ساتھ رکھنا پسند کرو گے۔

خریم بن عمر نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

امیر محترم! جو لشکر میرے زیر کمان جنگ کرتا ہے فی الحال وہی لشکر میرے ساتھ رہے گا۔ نائب کی حیثیت سے پہلے کی طرح ذکوان بن علوان میرے ہمراہ ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ ہم دونوں مل کر راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد محمد بن قاسم نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور خرم بن عمر سے کہا تھا کہ وہ کل کی جنگ کیلئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے۔

وہاں سے اٹھ کر خرم بن عمر اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے کے اندر ساگرہ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ خرم بن عمر جو نئی خیمے میں داخل ہوا آگے بڑھ کر ساگرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اپنے ساتھ ہی ایک نشست پر بٹھا لیا اور انتہائی میٹھی اور شیریں آواز میں خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

امیر محترم نے جو مجلس طلب کی تھی اس میں کیا فیصلے ہوئے اس پر ایک نگاہ خرم بن عمر نے ساگرہ پر ڈالی پھر وہ کہنے لگا۔

پہلے تو اس موضوع پر گفتگو ہوئی کہ دریائے مہران کو عبور کرنے کے بعد اب براہ راست ہمارا نگر او راجہ داہر کے ساتھ ہو گا لہذا ہمیں ہر وقت خداوند قدوس سے اپنی فتح اور نصرت کی دعا مانگی چاہیے۔ پھر اس وقت ہمارا ایک مخبر آ گیا اور اس نے یہ انکشاف کیا کہ کل ہماری طاقت اور قوت کا اندازہ لگانے کے لئے راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ میدان میں اترے گا اور ہم سے جنگ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرے ساتھ پہلے کی طرح ذکوان بن علوان بحیثیت نائب ہو گا۔ تھوڑی دیر تک میں اپنے لشکر کے ساتھ اپنے پڑاؤ سے آگے خیمہ

زن ہوں گا۔ میرے خیال میں تم اس خیمے میں رہو یہاں تمہارے رہنے سے میں بھی مطمئن رہوں گا۔ اس پر ساگرہ نے تیز نگاہوں سے خرم بن عمر کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ یہ کیسے ممکن ہے میں آپ کی بیوی ہوں آپ کے جسم کا ایک حصہ ہوں آپ کی خوشی میری خوشی۔ آپ کا دکھ میرا دکھ ہے میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور پڑاؤ میں رہ کر کچھ نہ کر سکوں گی تو لشکر میں شامل دیگر عورتوں کے ساتھ مل کر زمینوں کی مرہم پٹی کروں گی۔ پیاسوں کو پانی پلاؤں گی جنگ کی کارگزاری بھی دیکھوں گی۔

خرم بن عمر ہنس دیا اور کہنے لگا اچھا جیسے تمہاری مرضی۔ ایسا ہی کرنا اب اٹھو تیار کریں اس لئے کہ اپنے حصے کے لشکر کو لے کر مجھے اپنے اس پڑاؤ سے تھوڑا سا آگے جانا ہے۔ اس پر ساگرہ اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جنگ کی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد عشاء کی نماز کے بعد خرم بن عمر ذکوان بن علوان اپنے حصے کے لشکر کو لے کر اپنے پڑاؤ سے تھوڑا آگے جا کر خیمہ زن ہو گئے تھے تاکہ پڑاؤ سے آگے وہ راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ سے ٹکرائیں۔



اگلے روز راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ خرم بن عمر کے لشکر کے سامنے آ کے خیمہ زن ہوا۔ خرم بن عمر اور ساگرہ دونوں اپنے خیمے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر بے سینہ کے لشکر کے پڑاؤ کرنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر ساگرہ تھوڑی دیر تک دشمن کے لشکر کو دیکھتی رہی پھر خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

میرا دل کتا ہے آج کا دن راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ کے لئے بڑا بھاری اور ذلت اور خواری کا ہو گا۔ میرا دل یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح ماضی میں آپ بڑے بڑے سوراؤں، بڑے بڑے لشکروں کو بدترین شکست دیتے رہے ہیں آج کے دن بھی آپ کے ہاتھوں بے سینہ کی قسمت میں نامرادی اور شکست کے علاوہ کچھ نہ ہو گا۔ خرم بن عمر ساگرہ کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سامنے کی طرف سے ذکوان بن علوان آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک اور جوان تھا۔ ساگرہ خیمے کے باہر سے کے پیچھے چلی گئی۔ ذکوان بن علوان خرم بن عمر کے پاس آیا اور جو جوان اس

کے ساتھ تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یہ ہمارا تجربہ ہے۔ ابھی ابھی لشکر گاہ میں داخل ہوا ہے اور ایک انتہائی اہم خبر کتنا چاہتا ہے۔ خرم بن عمر نے خبر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا میرے عزیز کو کیا کہنا چاہتے ہو اس پر خبر بول پڑا۔

امیر بے سین نے اپنے باپ راجہ داہر کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف ایک سازش تیار کی ہے۔ آپ کا نام شجاعت اور مردانگی میں پہلے ہی راجہ داہر کے ایوانوں میں گونجتا ہے۔ راجہ داہر اور بے سین کے جاسوسوں نے خبر دے دی ہے کہ بے سین کے مقابلے میں خرم بن عمر آئے گا۔ خرم بن عمر کا نام پہلے ہی دشمنوں کے دلوں میں وحشت کا باعث بنا ہوا ہے۔ اب آپ سے نبٹنے کیلئے انہوں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔

بے سین سے جنگ شروع ہونے سے پہلے انفرادی مقابلے کو ترجیح دی جائے گی۔ اس مقصد کیلئے راجہ داہر اور اس کے بیٹے بے سین نے اروڑھ کے ایک سو رما کا انتخاب کیا ہے جو جنگی اور حربی مہارت میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوں گے تو وہ سو رما میدان میں اترے گا اور آپ کا نام لے کر آپ کو انفرادی مقابلے کیلئے پکارے گا۔ آپ کو انفرادی مقابلے میں زیر کر کے بے سین دو مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ جنگ میں کام آگئے تو اس کے حوصلے بلند اور مسلمان لشکریوں میں بددلی پھیل جائے گی۔

اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کے باپ راجہ داہر نے اسے مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگانے کیلئے بھی روانہ کیا ہے۔ آپ کے کام آجانے کے بعد بے سین کو یقین ہے کہ وہ اپنے مقابل آنے والے لشکر کو شکست دے گا۔ اس شکست سے وہ مقصد پورا ہو جائے گا جس مقصد کو پورا کرنے کیلئے اس کے باپ نے اسے بھیجا ہے۔ اس طرح بے سین اپنے باپ کی نگاہوں میں بھی قدر اور عزت و احترام سے دیکھا جائے گا اور راجہ داہر کی مملکت میں یہ بات بھی پھیل جائے گی کہ مسلمانوں کو زیر کرنا کوئی بڑی بات نہیں اس لئے کہ بے سین جب مسلمانوں کو شکست

دے سکتا ہے تو اگر وہ اتحاد کریں تو وہ مسلمانوں کو اپنی سرزمینوں سے باہر نکال سکتے ہیں بس یہی وہ خبر ہے جو میں آپ سے کہنے آیا ہوں۔  
مخبر جب خاموش ہوا تو ذکوان بن علوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے عزیز اب تو جا کر اپنے کام میں لگ جا۔ میں امیر سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مخبر جب وہاں سے چلا گیا تب ذکوان بن علوان نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

ابن عمر میرے بھائی اس موقع پر میں آپ سے انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے جب جنگ کی ابتداء ہوگی تو راجہ داہر اور بے سین کا منتخب سو رما میدان میں اترے گا اور آپ کا نام لے کر آپ کو مقابلے کی دعوت دے گا۔ دشمن کو یقین ہے کہ جب آپ کا نام لے کر مقابلے کی دعوت دی جائے گی تو آپ ضرور میدان میں اتریں گے اور انفرادی مقابلہ کریں گے، لیکن میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ آپ کا انفرادی مقابلے میں میدان میں اترنا مسلمانوں کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ میں آپ پر پہلے ہی واضح کر رہا ہوں جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوں گے تو دشمن کے لشکر سے انفرادی مقابلے کیلئے نکلنے والے سے پہلے ہی میں میدان میں اتروں گا اور بے سین کا نام لے کر اسے مقابلے کی دعوت دوں گا۔ ظاہر ہے بے سین کبھی بھی مقابلے میں اترنے کی ہمت اور جسارت نہیں کرے گا۔ میدان میں وہی سو رما اترے گا۔ جس کا انتخاب آپ کے ساتھ انفرادی مقابلے کیلئے کیا ہے۔ میں اس سے نکرادوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اس پر قابو پا لوں گا۔ امیر محترم اگر میں ذکوان بن علوان اس مقابلے میں کام بھی آ گیا تو اس سے کوئی فزیرا نہیں پڑے گا۔ میری موت کے بعد آپ دشمن کے ساتھ اجتماعی جنگ کی ابتدا کر رہا۔ مجھے امید ہے ایسا کر کے آپ لحوں کے اندر بے سین کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں گے۔ میں جانتا ہوں آپ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ دلیر ہیں، شجاع ہیں اور دشمن کے اندر گھس کر جنگ کرنے کی ہمت اور جسارت رکھتے ہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کیجئے گا۔ اگر آپ نے اس میں کوئی تبدیلی کرنا چاہی تو میں اپنا



یوریا بستر اسمیٹ کر اس لشکر سے نکل جاؤں گا اور محمد بن قاسم سے جا کر کھول گا کہ خرم بن عمر کی نیابت کرنے کیلئے کسی اور کا چناؤ کیا جائے میں ابن عمر کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔

خرم بن عمر نے تیز انداز میں گھورتے ہوئے ذکوان بن علوان کی طرف دیکھا پھر شفقت آمیز انداز میں اسے مخاطب کیا۔

ابن علوان یہ تو کیسی گفتگو کر رہا ہے اگر مقابلے پر نکلنے والا مجھے میرا نام لے کر پکارتا ہے تو کیا تم مجھے بزدلی کا سبق دیتے ہو کہ میدان میں نہ اتروں۔ خرم بن عمر اپنی بات مکمل نہ کر پایا تھا کہ ذکوان بن علوان پھر بول پڑا۔

جب میں پکارنے والے کو آپ کا نام ہی نہیں پکارنے دوں گا تو پھر آپ کو میدان میں اترنے کی کیا ضرورت ہے۔ خرم بن عمر جواب میں کچھ کہتا چاہتا تھا کہ جو قاصد گیا تھا وہ پھر لوٹ آیا اور ذکوان بن علوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ جو اصل خبر تھی وہ تو میں نے ابن عمر سے کسی نہیں۔ آپ نے مجھے پہلے ہی جانے کیلئے کہہ دیا۔

ذکوان بن علوان نے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا میں خود ہی بات کر لوں گا قاصد چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خرم بن عمر نے ذکوان بن علوان کو مخاطب کر کے کہا یہ قاصد کون سی خبر کہتا چاہتا تھا۔

دراصل میں نے آپ کے ساتھ گفتگو کا دوسرا موضوع چھوڑ دیا۔ اصل بات یہ تھی کہ جے سینہ ہمارے بائیں جانب ذرا ہٹ کر ایک لشکر گھات میں بھی بیٹھائے گا۔ جس وقت انفرادی مقابلہ ختم ہو گا تو سامنے کی طرف سے جے سینہ حملہ آور ہو گا۔ بائیں جانب گھات میں بیٹھا لشکر ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

خرم بن عمر ذکوان بن علوان کو مخاطب کر کے کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ذکوان بن علوان پہلے ہی بول پڑا۔

ابن عمر نے میرے بھائی اگر دوسرے موضوع پر آپ گفتگو کرنا چاہیں تو میں نے کیلئے تیار ہوں اگر انفرادی مقابلے کیلئے آپ گفتگو کرنا چاہیں تو میں کچھ نہیں سنوں گا۔ خواہ آپ اس کیلئے میری کوئی سزا بھی تجویز کر دیں۔ مقابلے پر میں ہی اتروں گا۔ جے

سینہ کو مقابلے کی دعوت دوں گا جواب میں خرم بن عمر ہنس دیا اور کہنے لگا اچھا جو تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو گا۔ اب پیچھے پڑاؤ کی طرف جا اور ابن قاسم کو جا کر خبر دے کہ دشمن ایک لشکر گھات میں رکھے گا۔ اس سے بچنے کیلئے بنانہ بن حنظلہ کو مقرر کیا جائے اس پر ذکوان بن علوان خرم بن عمر کے کہنے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

ذکوان بن علوان کے جانے کے بعد جب خرم بن عمر خیمے میں داخل ہوا تو پردے کے پیچھے سے ساکرہ بھی نکل آئی۔ آگے بڑھ کر اس نے خرم بن عمر کا ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں میں لیا اور کہنے لگی اگر ذکوان بن علوان ضد کر رہا تھا تو آپ اس کی بات کیوں نہیں مان رہے تھے۔ خرم بن عمر جواب میں کچھ کہتا ہی چاہتا تھا کہ ان دونوں میاں بیوی کے لئے کھانا آگیا لہذا دونوں میاں بیوی خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔



اگلے روز جے سینہ نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ خرم بن عمر اور ذکوان بن علوان بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ دونوں طرف بڑے بڑے طبل اور نفیریاں بجنے لگی تھیں۔ ایسے میں ایک دم ذکوان بن علوان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا دونوں لشکر کے وسط میں آیا اور اپنا ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ کا نام لیتے ہوئے اسے انفرادی مقابلے کی دعوت دی۔ ذکوان بن علوان کی پکار پر جے سینہ تو نہ اترا وہی سورا اترا جسے جے سینہ اور اس کے باپ راجہ داہر نے خرم بن عمر کا خاتمہ کرنے کیلئے منتخب کیا تھا۔ وہ اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا ذکوان بن علوان کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تو بڑا ظالم انسان نکلا انفرادی مقابلے کیلئے پکار تو میں نے پہلے کرنی تھی لیکن تو نے مجھے پکارنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پہلے میدان میں اتر آیا ورنہ میں نے ٹھان رکھی تھی کہ میدان میں اتر کر لشکر کے سالار اعلیٰ خرم بن عمر کو مقابلے کی دعوت دوں گا اور قسم کھا رکھی تھی کہ اس کا سر کاٹ کر اپنے راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ کے



ذکوان بن علوان پر حملہ آور ہوا۔ ذکوان بن علوان نے بھی جوانی کارروائی کرتے ہوئے اس پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر خطرناک وار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ ایک موقع پر جب بے یمن کے سورما نے ذکوان بن علوان پر وار کیا تو ذکوان بن علوان نے ڈھال کے بجائے اپنی تلوار پر اس کی تلوار کو روکا پھر زور دار انداز میں اپنی ڈھال اس نے اس سورما کے گھوڑے کے منہ پر دے ماری تھی۔

ڈھال لگنے سے گھوڑا بدکا تھا۔ تھوڑا سا پیچھے ہٹا تھا۔ ذکوان بن علوان پھر آگے بڑھا۔ اس سورما کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے زور دار جھنکا دیا۔ یہ سب کچھ اس طرح اچانک اور تیزی سے ہوا تھا کہ وہ سورما زمین پر گر گیا تھا۔ اس کا زمین پر گرنا تھا کہ ذکوان بن علوان نے شاہین کی طرح اپنے گھوڑے سے جست لگائی اور نیچے آتے ہی تلوار بلند کرتے ہوئے جو گرائی تو اس سورما کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ ذکوان بن علوان نے اس کی لاش گھوڑے پر رکھی اور اس کے گھوڑے کو اس کے لشکر کی طرف بھگا دیا تھا۔ انفرادی مقابلہ ہارنے کے بعد بے یمن کے لشکر میں بددلی پھیلی تھی۔ وہ اس بددلی کو زیادہ دیر نہ رہنے دینا چاہتا تھا۔ لہذا اپنے لشکر کو اس نے آگے بڑھایا اور خرم بن عمر پر حملہ آور ہوا۔ خرم بن عمر اور ذکوان بن علوان پہلے ہی اس حملے کو روکنے کیلئے تیار تھے۔ لہذا انہوں نے بھی جوانی کارروائی کی۔ اور وہ بھی بے یمن کے لشکر پر آندھی اور طوفانوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے یوں لگا کہ دریائے مہران کے کنارے نیلے آسمان تلے زندگی اور موت مثبت اور منفی اکائیاں فتح اور شکست تعمیر اور تخریب تقدیر اور تدبیر منزل اور راستے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ بڑے بڑے تیغ زن بڑے بڑے سورما زیر اور خون آلود ہو کر مٹی میں سماتے لگے تھے۔ ہر کوئی اپنے دشمن پر آندھی اور طوفان کی طرح چھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ کچھ دیر تک ہولناک جنگ ہوئی آخر بابل کی قوت مصر کی اساطیری تہذیب یونان کی عظمت روما کی سطوت کو اپنے پاؤں تلے روندنے والے عرب ان طوفانوں سے زیادہ شدید ہو کر بھرا کے فلسفے کو کمر آلود کرتے ہوئے بے یمن کے لشکر پر بڑی تیزی سے سحاب کی طرح چھانے لگے تھے۔

قدموں میں رکھ دوں گا۔

آنے والا جوان جب خاموش ہوا تو ذکوان بن علوان نے اپنی تلوار اپنے سامنے لہراتے ہوئے اور ڈھال کو بھی سامنے کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

سن بدبخت انسان! تیرے راجہ داہر کا بیٹا کیسا بزدل اور بے غیرت ہے کہ مقابلے کی دعوت تو میں نے اسے دی اور اپنی جان بچانے کیلئے اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنانے کیلئے میدان میں اتار دیا۔ اگر اس میں تھوڑی سی بھی غیرت ہوتی تو وہ خود خم ٹھونک کر میرے سامنے آتا اور میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرتا۔ ذکوان بن علوان کی اس بات کا اس سورما نے بڑا برا منایا۔ اس کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا پھر اس نے ذکوان بن علوان کو مخاطب کیا۔

میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہے اور دشمن کے لشکر میں تمہاری کیا حیثیت ہے پر یاد رکھنا اس میدان کے اندر میں تمہارے لئے وحشی اور خونخوار لمحوں کا سماں باندھ دوں گا۔ اس میدان میں تیرے لئے افلاس کے راستے استوار کروں گا تمہارے ذہن کو افسردہ تمہارے دل کو سنسان کروں گا۔ تمہاری عمر کی ڈھلی دہلیز پر من کو بھسم کر دینے والی چتا روشن کروں گا۔

ان الفاظ کے جواب میں ذکوان بن علوان نے اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سن الییس زاوے! تو نے اپنے وہم اور ظن اپنے گمان اور خیال اپنے شبے اور اندازے میں جو سرکشی، بغاوت اور بغض و عداوت ٹھان رکھی ہے قسم خدائے واحد کی میں اسے اس میدان میں بے آہود اور سرنگوں کر کے رکھوں گا۔ تیری ساری شجاعت اور بہادری کو میں اس میدان میں گمان اور شبہ میں بدل ہوں گا۔ سن گناہ گار انسان ذرا میرے ہاتھ ٹکرا پھر دیکھ تجھے میرے ساتھ ٹکرانا کیسا مشکل اور دشوار گزرتا ہے میں تیری رگ رگ سے سارا گھمنڈ اور کبر نچوڑ کر تیری عاقبت تیرا انجام سیاہ بخت اور بد انجام کروں گا۔ اس کے علاوہ مزید کوئی گفتگو نہ کرنا اپنی تلوار اور ڈھال کو حرکت میں لا پھر دیکھ برا اور بد انجام کس کا ہونا ہے تیرا یا میرا۔

جے یمن کی طرف سے آنے والا وہ سورما بھڑ گیا اور بڑے خونخوار انداز میں

راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ جو اپنے لشکر کے وسط میں ہاتھی پر بیٹھا اپنے لشکریوں کو ہدایات جاری کر رہا تھا اس نے دیکھا کہ مسلمانوں نے اس کے آدھے سے زیادہ لشکر کا قتل عام کر دیا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اگر اس نے مزید جنگ جاری رکھی تو اس کا مکمل طور پر صفایا کر کے رکھ دیا جائے گا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھی کو موڑنے کا حکم دیا اور اپنے لشکریوں کے اندر احکامات جاری کر دیئے کہ جنگ سے منہ پھیر کر واپسی کا نفاذ بجا دیا جائے۔ ابھی یہ احکامات جاری ہی ہو رہے تھے کہ عربوں کے اندر بھی یہ خبر پھیل گئی کہ دشمن پسا ہونے والا ہے لہذا انہوں نے ایسے زور دار حملے کئے کہ اس کے لشکر کے ایک اور حصے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اب حملہ آور عرب بے سینہ کے لشکر میں گھس کر اس تک پہنچ گئے تھے اور اس کے اردگرد جنگ ہونے لگی تھی۔ بے سینہ کے محافظوں اور اسلحہ برداروں نے بے سینہ کو گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے حملہ آوروں کو روکا ورنہ بہت سے مسلمان لشکری اپنے گھوڑوں کو بھاگتے ہوئے ہاتھی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ بے سینہ کی خوش قسمتی کہ گھوڑے بدکتے ہوئے ہاتھی کے قریب نہیں جا رہے تھے اور پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ اس صورتحال سے بے سینہ نے فائدہ اٹھایا اور فیل بان کو تم دیا کہ وہ بھاگ جائے۔ فیل بان نے ہاتھی کو موڑا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح بے سینہ کے لئے بھاگنے کا راستہ ہموار ہو گیا اور وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے باپ داہر کے پاس پہنچا۔ داہر اور بے سینہ نے دیکھا کہ مسلمانوں نے بے سینہ کے لشکر کا اکثریت کا صفایا کر دیا تھا۔



اس جنگ کے بعد حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو ایک حیرانہ قاصد کے ذریعے خط ملا جس میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو ہدایات کی تھیں کہ جہاں راجہ داہر ہو وہاں جا کر اس کا مقابلہ کر و فتح خداوند نے چاہا تو تمہاری ہوگی

دشمن ذلیل و خوار ہوں گے۔

یہ حکم ملنے کے بعد حکیم رمضان ہجری تریانوی کو محمد بن قاسم راجہ داہر کے قلعہ راوڑھ کے قریب پہنچا۔ یہیں راجہ داہر نے قیام کر رکھا تھا۔ کتے ہیں راوڑھ میں راجہ داہر کے پاس لگ بھگ دس ہزار اعلیٰ تربیت یافتہ سوار، تیس ہزار پیدل اور ایک سو سداہائے ہوئے جنگی ہاتھی تھے۔ اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ جنگی سازدستان کی بھی کمی نہ تھی۔ کہتے ہیں راجہ داہر خود بھی بڑا بہادر سپہ سالار تھا۔ اس کی کمان اتنی سخت تھی کہ بڑے سے بڑا بہادر اس کو کھینچ نہ سکتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی کند میں لوہے کا ایک چکر لگا ہوا تھا جس کی دھار بہت تیز تھی۔ جب راجہ داہر اس کند کو پھینک کر کھینچتا تو دشمن کی گردن اڑ جاتی تھی۔

مقابلے میں سترہ سال کا نو عمر لڑکا محمد بن قاسم تھا جس کے ساتھ صرف بارہ ہزار مجاہدین نے جو صرف اپنے اللہ، اپنے رب کے بھروسہ پر میدان جنگ میں آئے تھے جو میدان جنگ میں آگ اور خون کا کھیل کھیلتا جانتے تھے پیش قدمی کرنے پر فخر اور پسپائی پر شرمندگی محسوس کرتے تھے۔

محمد بن قاسم جب اپنے لشکر کے ساتھ راوڑھ کے قریب پہنچا تو راجہ داہر بھی اپنے لشکر کے ساتھ قلعے سے باہر نکل کر خیمہ زن ہوا۔ حکیم رمضان سے آٹھ رمضان تک چھوٹی موٹی جھڑپیں دونوں لشکریوں میں ہوتی رہیں اور راجہ داہر کا مقصد شاید ان جھڑپوں سے محمد بن قاسم کے لشکر کی قوت کا اندازہ لگانا تھا۔ تاہم لگاتار آٹھ دن تک یہ جھڑپیں ہوتی رہیں۔ صبح دونوں لشکر آپس میں ٹکراتے شام کو اپنے پڑاؤ میں لوٹ جاتے۔ ان جھڑپوں کے دوران جہاں راجہ داہر نے مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگایا وہاں محمد بن قاسم اور اس کے جرنیلوں نے بھی دیکھ لیا کہ راجہ داہر کی طاقت کس قدر ہے اور اسے کس طرح روندنا اور زیر کیا جا سکتا ہے۔

نو رمضان کو پھر دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا۔ راجہ داہر ابھی تک اپنی ساری قوت کو میدان میں نہیں لایا تھا۔ اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ راوڑھ کے قلعے میں محفوظ تھا۔ نو رمضان کو جو جنگ ہوئی وہ پہلی جھڑپوں سے زیادہ خونخاک تھی۔ اس جنگ میں راجہ داہر کا کافی نقصان ہوا۔ چند چھوٹے مسلمان سالار بھی شہید ہوئے تاہم

ایک ٹکڑی وسط میں دوسری دو دائیں بائیں رہ کر دشمن پر بھی تیر اندازی کریں گی۔ اپنے لشکر کو ہاتھوں سے بھی بچائیں گی۔ ہاتھوں پر یہ تیر اندازی کریں گے مجھے یہ ہے ایسا کرنے سے ہاتھی لشکر میں گھس کر ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ میرے لشکر کی یہی ترتیب ہے اس میں کوئی کم انداز اضافہ یا کمی کرنا چاہے تو اسے بابت ہے۔

محمد بن قاسم جب خاموش ہو گیا تو کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر خرم بن عمر نے زمین قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے محترم یہ بڑی عمدہ جنگی ترتیب ہے میں اس میں تھوڑا سا اضافہ کرنا ہوں گا۔ وہ یہ کہ لشکر کے اندر جس قدر ہمارے سوتے موجود ہیں انہیں حکم دیا جائے کہ کل جب جنگ شروع ہو تو اپنی اپنی محکمیں پانی سے بھر لیں اور لشکر کے اندر گھوم کر لشکریوں کو پانی مہیا کرتے رہیں تاکہ لشکریوں کو پانی پینے کیلئے ادھر ادھر نہ ہونا پڑے۔ اس طرح مجھے امید ہے کہ پورا لشکر جم کر دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ اس طرح دشمن کو ہم پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

محمد بن قاسم کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنا ہاتھ اس نے خرم بن عمر کی پیٹھ پر پھیرا پھر کہنے لگا۔

ابن عمر میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ ابھی اس مجلس کے خاتمے لشکر میں جس قدر سوتے ہیں انہیں حکم دے دیا جائے گا کہ کل صبح ہی صبح جب لشکر کیلئے تیار ہو تو وہ اپنے مشکیزے پانی سے بھر لیں اور جنگ کے دوران لشکر کے اندر گھوم پھر کر ہر لشکری کو پانی مہیا کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ کوئی کچھ کہنا چاہتا ہو تو اسے جب کوئی نہ بولا تو اس مجلس کو برخاست کر دیا گیا۔ رات کو محمد بن قاسم اور اس کے لشکر جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔

نورمضان کی اس جنگ میں راجہ داہر کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اس کے لشکر کو پچھلے پٹا پڑا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ اس طرح نویں دن بھی جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔

اسی رات محمد بن قاسم نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس کھلے میدان کے اندر طلب کیا۔ جب سارے سالار اس کے گرد جمع ہو گئے تب خرم بن عمر کو اپنے ہاتھوں پر بلوایا۔ بنانہ بن حنظلہ کو بائیں پہلو میں ذکوان بن علوان کو ایک طرف اس طرح دوسرے سالاروں کو یکے بعد دیگرے اپنے قریب بٹھایا پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے بھائیوں میرے عزیزو! راجہ داہر کے ساتھ نو دن کی لگاتار رزم آرائی نے جہاں راجہ داہر پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ہماری طاقت اور قوت کتنی ہے وہاں ہم نے بھی اندازہ لگا لیا ہے کہ راجہ داہر کی طاقت اور عسکری حیثیت کی نوعیت کیا ہے۔ آج جس وقت جنگ کا خاتمہ ہوا لشکر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف پلٹا تو دشمن سے بچنے کیلئے میں نے ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ کل کا دن راجہ داہر کے ساتھ جنگ کا ہمارا آخری دن ہو گا اور ہم دشمن کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

میرے بھائیوں! میرے ذہن میں ایک عسکری ترتیب ہے جس سے کل جنگ میں کام لیا جائے گا۔ اس کے بعد مجھے امید ہے راجہ داہر ہمارے سامنے ٹک نہ سکے گا۔ اس ترتیب پر اگر کسی کو اعتراض ہو وہ بلا جھجک بول سکتا ہے۔

حسب سابق قلب لشکر میرے ماتحت ہو گا۔ میں ایک نیا لشکر ترتیب دے رہا ہوں۔ یہ لشکر تدار میں اتنا ہی ہو گا جتنا میرے پاس اب ہے۔ یہ لشکر خرم بن عمر کے سرکردگی میں ہو گا اور یہ مقدمہ الیش کے طور پر کام کرے گا۔ لشکر کے دائیں پہلو کا کمانداری بنانہ بن حنظلہ کرے گا بائیں بازو پر ذکوان بن علوان ہو گا۔ اس کے لشکر میں سے عمدہ قسم کے بے خطا نشانے والے نو سو تیر انداز علیحدہ کئے جائیں گے ان کے پاس روغن نفت میں ڈوبے ہوئے تیر ہوں گے جو چلتے ہی دشمن کی ہر جگہ آگ لگاتے چلے جائیں گے۔ نو سو ان تیر اندازوں کو تین ٹکڑیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

میں ایسی ہمت اور عظمت عطا فرما کہ ہم کارکنانِ قضا و قدر کی طرح دشمن کے غور  
ن کی عداوت اور سرکشی کو ندامت و انفعال میں تبدیل کرتے چلے جائیں۔ الہی  
بول عربی کی تقدیس کے طفیل ہمیں ان میدانوں میں فتح اور نصرت اور فوز مندی عطا  
رہا۔

خریم بن عمر دعا مانگ رہا تھا۔ اس کے الفاظ بستر پر بیٹھی سائکرہ کے دل میں چبھے  
ہا رہے تھے۔ وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی دکھ کا مارا ہجر کا ستایا انسان انتہائی  
ہزی اور اکساری کے ساتھ اپنے رب کے حضور رو رو کر دعا کر رہا ہو۔ خرم بن عمر  
کے یہ الفاظ سائکرہ برداشت نہ کر سکی۔ پہلے بے چاری دبی دبی ہچکیوں میں روتی رہی  
اس کے آنسو اس کے دامن کو بھگوتے رہے۔ جب معاملہ اس کے ضبط سے باہر ہو  
یا تو اس کی ہچکیاں بلند ہو گئیں۔ اس کی ہچکیاں سنتے ہوئے خرم بن عمر نے دعا ختم  
کردی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی جسے اس نے اپنے کندھے پر رکھے انگوٹھے سے  
مان کر لیا۔ اٹھ کھڑا ہوا جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا سائکرہ کے سامنے  
بالور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میں نے تمہاری طرف دھیان نہیں دیا دیکھ سائکرہ ایک مجاہد کی زندگی میں ایسے  
لئے آتے ہیں۔ ہم مسلمان ایسے ہر معاملے میں اپنے اللہ ہی کے ساتھ اپنا معاملہ طے  
لے رہے ہیں۔ میں تجھ ادا کرنے کے بعد اپنے رب سے دعا مانگ رہا تھا۔ مجھے امید ہے  
اللہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔ خرم بن عمر کے ان الفاظ کے جواب میں سائکرہ  
بڑھکتا ہی چاہتی تھی کہ لشکر میں فجر کی اذان کی آواز سنائی دی تھی۔ سائکرہ اٹھ کھڑی  
ہوئی اور کہنے لگی میں بھی وضو کر کے نماز پڑھتی ہوں۔ آپ لشکرگاہ میں جا کر نماز ادا  
کریں۔ اس کے ساتھ ہی سائکرہ نماز کی تیاریاں کرنے لگی تھی۔ خرم بن عمر بھی اپنے  
نہلے پر رکھے اپنے سفید رنگ کے انگوٹھے کو درست کرتا ہوا فجر کی نماز باجماعت  
پڑھنے کیلئے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

انگلے روز دس رمضان جمعرات کے روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے

رات اپنے انجام کے قریب تھی۔ سائکرہ کی اچانک آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا  
خریم بن عمر اس کے پاس نہیں تھا وہ چونک کر اٹھ بیٹھی پھر سنبھل گئی کہ خیمے کے  
ایک کونے میں خرم بن عمر جائے نماز پر دو زانوں بیٹھے دعا مانگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی اس  
کی آواز بھی ابھر رہی تھی۔ اپنے بستر پر بیٹھ کر ہی سائکرہ اس کی دعا کے الفاظ سننے لگی  
وہ کہہ رہا تھا۔

میرے اللہ تو ہی موجودات عالم کی تقدیر کا فیصلہ کرتا ہے تو ہی طاقت کا مظہر  
ہے۔ تیری ہی قوت کے جلال سے بادلوں میں نمی کھیتوں اور مرغزاروں میں ہریالی آتی  
ہے۔

میرے مولا سمندر کے ٹھنڈے سانوں، آسمان سے برستے پانیوں، سبزہ زاروں  
کے تبسم، شاعروں کے الہام، مصوروں کی نقاشی اور ادیبوں کے ہر اکھریں تو ہے۔  
میرے اللہ تو چاہے تو پھول سے زیادہ لطیف جموٹوں کو طوفانوں سے زیادہ شدید بنا کر  
رکھ دے۔

میرے مالک ہم فرزندانِ کعبہ تیری خوشنودی، تیری رضا جوئی میں کوشاں رہنے  
ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم عزم کی چٹان بن کر طوفانِ برق و باران کی طمان  
دشمن پر ضرب لگائیں اور اسے پسا کریں۔ میرے اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم دریا  
صدقت جیسی ضرب قوی، زلزلوں جیسی برق مٹھنی کی طرح دشمن کے سامنے آئیں۔  
جس طرح حق باطل کو جھٹک دیتا ہے اسی طرح ہم بھی دشمن کو پسا کر کے رکھ دیں۔  
الہی تو ہی پردیسیوں کا رفیق ہے تو ہی عظمت اور سربلندی کی معراج ہے۔ ہمیں  
ایسی بصارت شجاعت عطا فرما کہ ہم عظیم سیلاب کی طرح دشمن کو بہا لے جائیں۔



صف آراء ہوئے۔ راجہ داہر بڑی شان و شوکت سے خود میدان جنگ میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا جے سینہ بھی تھا جو فوج کے درمیان تھا اور دس ہزار جوان ان دونوں باپ بیٹے کے گرد ایک طرح کا حصار سبائے ہوئے تھے۔

پھر جب صفیں درست کی جانے لگیں تو راجہ داہر کے لشکر کے سامنے جگہ ہاتھی تھے۔ ان کے بعد دس ہزار سوار زرہ پوش تھے۔ ان کے پیچھے لگ بھگ تیر ہزار پیادے بہترین ہتھیاروں سے لیس تھے۔ لشکر کے وسط میں خود راجہ داہر سنا ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا جے سینہ تھا۔ راجہ کے ہاتھی کو بڑے بڑے سرداروں اور امیروں نے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ راجہ داہر ہاتھی کے ہودے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو نہایت خوبصورت اور نازک اندام کنیریں بیٹھی ہوئی تھیں ان میں ایک راجہ داہر کو شراب کے جام دیتی جاتی تھی اور دوسری تھوڑی تھوڑی د کے بعد پان کے بیڑے کھلاتی جاتی تھی۔

دوسری جانب محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کی۔ قلب لشکر: وہ خود تھا۔ دائیں طرف کے حصے پر بنانہ بن حنظلہ، بائیں حصے پر ذکوان بن علوان و قلب سے بھی آگے مقد الحیش کھڑا تھا جس کی کمانداری خرم بن عمر کر رہا تھا۔ خرم بن عمر اور دیگر سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کی با صفیں درست کیں۔ ایک صف قبیلہ عالیہ کے لوگوں کی تھی دوسری صف میں بنو تھے، تیسری صف میں بکرواکل کے لوگ چوتھی صف میں زیادہ تر قبیلہ عبد قیس لوگ تھے۔ پانچویں اور آخری صف میں ازدی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے مجاہد بے چینی اور بڑی بے تابی سے جنگ شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

جب لشکر کی صفیں درست ہو گئیں تب محمد بن قاسم نے اپنے گھوڑے کا موڑا۔ اپنا چہرہ اپنے لشکر کی طرف کیا اور اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اے اہل عرب دشمن نے جنگ کرنے کیلئے ہماری طرف رخ کیا ہے۔ تم سے کام لینا کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال گھر اور زمین کیلئے خطرناک جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان پر حملہ کرو ہم سب اپنی خونخوار تلواروں سے ان کو ذبح خوار کریں گے اور ان کے مال و عیال پر قبضہ کر کے مال غنیمت حاصل کرنے

کوشش کریں گے۔

تمہیں چاہیے کہ جسے رہو اور مترد نہ ہو اور خاموشی کو اپنا طریقہ بناؤ۔ ہر ایک جہاں مقرر کیا گیا ہے اسے اپنی جگہ سے ہلنا نہیں چاہیے۔ کوئی بھی آدمی قلب سے سینہ اور سینہ سے میسرہ کی طرف جا کر کسی کی مدد کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہر کوئی اپنی جگہ اور مرکز پر ڈٹا رہے۔ خوب یاد رکھو خدا کی فتح اور نصرت نیکوں اور پرہیزگاروں کو حاصل ہوتی ہے۔ ہمیشہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور لاجول ولا ذیہ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے رہو۔

سنو لشکر کے کسی حصے کی طرف دشمن کا دباؤ زیادہ پڑے تو فکر مند ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں خرم بن عمر کو میں نے مقدمتہ الحیش کا سالار بنا دیا ہے اسے یہ بھی ہدایت کر دی ہے کہ نگاہ رکھے ہمارے جس لشکر پر دباؤ بڑھے اور وہ پسپا ہونے کی کوشش کرے وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچے، مجھے امید ہے کہ تم میں سے جس پر بھی جنگ میں دباؤ زیادہ پڑا خرم بن عمر تمہاری مدد کو پہنچے گا۔ اس طرح ہم دشمن پر دباؤ بڑھانے میں کامیاب رہیں گے۔ میرا دل کہتا ہے آج کی جنگ فیصلہ کن ہوگی اور دشمن کو ہم مار بھگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عین اس موقع پر راجہ داہر کے ٹھاکروں، سرداروں نے کچھ ہاتھیوں کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہا۔ شاید جنگ کی ابتداء سے وہ ایسا کر کے مسلمانوں میں بددلی پھیلانا چاہتے تھے۔ محمد بن قاسم کے کہنے پر خرم بن عمر نے ایک چھوٹے سالار سلیمان بن نبھاہ اور ربی ابو فضہ کو جو کندی کا آزاد کردہ غلام تھا چالیس فوجیوں کے ساتھ حکم دیا کہ وہ راجہ داہر کے بڑھنے والے ان ٹھاکروں کا مقابلہ کریں اور انہیں اور ان کے ہاتھیوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں۔

ابو فضہ ان سواروں کو لے کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ وہ داہر اور اس کے ٹھاکروں اور اس کے جنگجو لشکر کے مقابل ہوا۔ ابو فضہ کو دیکھتے ہی داہر کی فوج کا دستہ اس کے مقابلے کیلئے نکلا۔ ابو فضہ نے نہایت بہادری سے ان کی بڑی تعداد کو ختم کر ڈالا۔ ان میں سے جو بچے وہ جان بچا کر داہر کی طرف بھاگ گئے۔ داہر نے یہ دیکھ کر ڈر دستہ آگے بڑھایا۔ اس موقع پر ابو فضہ پھر حرکت میں آیا اور زور دار انداز میں



ہوا۔ شجاع کی شہادت سے راجہ داہر کے لشکر کے حوصلے بلند ہوئے پھر وہ راجہ داہر کے اشارے پر صدیوں کے دھواں دھواں سراہوں جبر کی آندھی ظلم و الم کی خونی داستانوں کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

راجہ داہر کے لشکر کے آگے کافی تعداد میں ہاتھی تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں کے سامنے آتے ہوئے جھجکتے تھے۔ لہذا مسلمان لشکر دشمن کے خلاف جو کارروائی کرنا چاہتے تھے اس کی تکمیل نہ کر پائے۔ ان کی صفیں ان ہاتھیوں کی وجہ سے درہم برہم ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ان ہاتھیوں کی وجہ سے مقدمتہ الیش کا سالار خرم بن عمر بھی ایک طرف ہٹنے پر مجبور ہوا تھا۔ مسلمانوں کی دیگر صفوں میں بھی اتنی پھیلی ہوئی تھی۔ داہر اور اس کے لشکر کو گمان ہو گیا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے اور ان میں دہشت پھیل گئی ہے۔

محمد بن قاسم ابھی تک اپنے قلب لشکر میں اپنے منتشر ہونے والے لشکریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سترہ سال کا وہ نوجوان دشمن کے بڑھتے ہوئے ہاتھیوں کو دیکھ کر ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا۔ اپنے قریب ایک صفے سے اس نے پانی مانگا پانی پیا پھر اپنے لشکریوں کو لٹکارتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

اے اہل عرب میں تمہارا سپہ سالار محمد بن قاسم موجود ہوں تو کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ ڈھالیں اٹھاؤ اور حملہ کرو تاکہ دشمن کو شکست ہو اور تمہیں دشمن پر فتح باہی ہو۔ محمد بن قاسم رکا پھر وہ بڑی زہریلی اور تیز آواز میں اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

یاد رکھو وہ خدا جو آگ میں سمندر اور آتش فشاں میں چشمے پیدا کر سکتا ہے وہ تمہاری اس کارگزاری کو دیکھ رہا ہے۔ سن رکھو جنگوں میں ایک مجاہد کی سرفروشی اور ظلم کے سامنے عابد کی ہر عبادت، زاہد کی ہر ریاضت، درویش کی ہر تڑپ دھوپ کی کرنوں میں نہاں ہو کر محو ثناء رہنے والے ہر راہب کی عاجزی، گل بوئے گل کی تلاشِ بلبل کا ہر سوز، عارف کی ہر فغانِ سحری، صوفی کی ہر روشِ سرو وفا اور عاجزی نہ ہونے کے برابر ہے۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ تکبیریں بلند کر کے دستے پر زور و شور سے حملہ کیا۔ دستے کے بچے کھچے لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ داہر نے تیسری دفعہ اپنے ٹھاکروں کو مقرر کیا۔ ابو نضہ نے ان پر بھی جان لیوا حملے کرتے ہوئے انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ راجہ داہر نے یہ جو صورت حال دیکھی تو اپنے لشکر کے نقصان، جائزہ لیا۔ تب وہ اپنے سفید ہاتھی پر سوار ہو کر چار سو لوہے میں غرق سواروں کو لے کر جو تلواریں ڈھالیں اور نیزے لئے ہوئے تھے میدانِ جنگ کے اگلے حصے میں آیا۔ اس سے پہلے وہ وسطی میں کھڑا تھا۔ ہاتھی کی عماری میں حسب سابق دو خوبصورت کنیزیں بیٹھی ہوئی تھیں جو اسے پان اور شراب پیش کر رہی تھیں۔ راجہ داہر کے ہاتھ میں چکر تھا جس میں تیز چاقو لگے ہوئے تھے جسے گھما کر وہ پھینکتا تھا جو بھی اس کی زد میں آتا تھا فوراً اس کے دھڑ سے جدا ہو جاتا تھا۔ راجہ داہر شاید اسے اپنی زندگی کی آخری جنگ سمجھ کر لڑنا چاہتا تھا۔

راجہ داہر جب چار سو سواروں کے ساتھ سامنے آیا تو محمد بن قاسم کا ایک زند دل سپاہی جس کا نام شجاع حبشی تھا جو انتہائی دلیر اور شجاع گنا جاتا تھا محمد بن قاسم کے پاس آیا اور قسم کھائی میں اس وقت تک پیٹھ نہ پھیروں گا اور اس وقت تک کھاؤں پیوں گا نہیں جب تک داہر کے ساتھ مقابلہ کر کے اس کے ہاتھی کو زخمی نہ کروں گا۔ میں اس وقت تک لڑتا رہوں یہاں تک کہ اس کا سر کاٹ کر لاؤں یا پھر خود شہید جاؤں یہ کہہ کر شجاع ایک سیاہ گھوڑے پر سوار ہوا بجلی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس کر داہر کے ہاتھی کے قریب پہنچ گیا۔

داہر نے شجاع کو آتا دیکھا تو اس کے روٹکنے کھڑے ہو گئے۔ شجاع کو روندنے کیلئے اپنے ہاتھی کو آگے بڑھایا۔ شجاع نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہاتھی کے سامنے لایا گھوڑا۔ ہاتھی کو دیکھ کر ایک طرف مڑنے لگا۔ شجاع نے فوراً اپنے سر سے پگڑی اتار کر گھوڑے کی آنکھوں میں باندھ دی تاکہ وہ ہاتھی کی دہشت سے نہ بھاگے پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ہاتھی کی طرف بڑھایا۔ ایک تلوار کا وار اس نے ہاتھی کی سونڈ پر کیا جس سے ہاتھی زخمی ہو گیا۔ داہر نے بھی ایک دو شاخہ تیر ناک کر اپنی پوری طاقت اور قوت سے شجاع پر چلایا جو شجاع کی گردن پر لگا اور یوں شجاع شہید

اس حملے کے جواب میں راجہ داہر کا لشکر بھی تھوڑی دیر تک بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ تلواروں کی آوازیں آسمانوں کی طرف بلند ہونے لگی تھیں۔ نیزے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ ڈھالیں ڈھالوں سے ٹکراتے ہوئے شور پیدا کرنے لگی تھیں۔

راجہ داہر نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ ہاتھیوں سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو پسا کرنے کی کوشش کرے لیکن اب مسلمان لشکری ہاتھیوں کو نگاہوں ہی میں نہ لا رہے تھے وہ ایسے جذبہ جہاد میں سرشار ہوئے تھے کہ انہوں نے راجہ داہر کی صفیں کی صفیں الٹنا شروع کر دیں تھیں۔ ادھر دن ڈھل رہا تھا۔ داہر کا لشکر بھی لڑتے لڑتے چور ہو چکا تھا۔

یکایک راجہ داہر نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کیلئے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور ساتھ ہی دوسرے ہاتھیوں کو بھی آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ محمد بن قاسم، خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان نے جب یہ دیکھا تو ان کی کمانداری میں جو تیر اندازوں کی تین ٹولیاں تھیں انہیں تیر اندازی کرنے کا حکم دیا۔ ان تیر اندازوں نے روغن نفت میں تیروں کو ڈبو ڈبو کر جب تیر انداز کی تو جہاں بھی یہ تیر گرتے آگ لگتے چلے جاتے تھے۔

کسی زندہ دل مسلمان تیر انداز نے ٹاک کر ایسا تیر پھینکا جو راجہ داہر کے ہاتھی کی سوند میں لگا اور آگ لگ گئی اور ہاتھی گھبرا کر قریب ہی ایک جوہڑ میں جا گھسا اور بیٹھ گیا۔ نیل بان نے بڑی کوشش کی کہ ہاتھی باہر نکل آئے مگر وہ نہ نکلا۔ اس دوران راجہ داہر کے حفاظتی دستے بھی اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ کچھ برہمن جو لشکر میں برکت کی خاطر جمع تھے وہ بھی راجہ داہر کے ارد گرد پھیل گئے۔ کچھ محافظ پانی میں کود گئے تاکہ ہاتھی کو اٹھائیں۔ پانی پینے کے بعد ہاتھی خود بہ خود کھڑا ہو گیا۔ اس موقع پر راجہ داہر نے پسا ہو کر قلعے کی طرف جانا چاہا لیکن مسلمانوں نے تیروں کی ایسی بارش کی کہ راجہ داہر اور اس کا ہاتھی دونوں ہی زخمی ہوئے۔ راجہ داہر نے بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے جب دیکھا کہ لڑائی تو جاری ہے اس کے بہت سے عزیز اقارب رشتہ دار اور ساتھی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں اس منظر کو دیکھ کر اس کے دل میں

میرے ساتھیو! سن رکھو طرف بچ کر جو خوشی ملے وہ حرام ہے ضمیر کشی جرم حق کشی حرام ہے۔ ہے کوئی حق فردشوں میں حق شناس، ہے کوئی کفن فردشوں میں کفن بدوش ہے کوئی آب و خون کے کھیل میں دشمن کی جہالت کے مقابلے میں طلاطم بن کر اپنی تہذیب کو نکھارنے والا، ہے کوئی جو اس قافلہ شمس و قمر میں ایمان کی نازہ صدا و جدان کی نئی ادا بن کر میرے ساتھ روجوں کو ویران دلوں کو بیابان کرتی موت کی طرح دلوں کے دروازوں پر دستک دے۔

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن قاسم رکا۔ اس کے بعد اس نے پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں پکارا میرے بھائی خرم بن عمر کہاں ہے؟ میرا عزیز بنانہ بن حنظلہ کہاں ہے؟ ذکوان بن علوان کہاں ہے؟ اس کے بعد اپنے ایک ایک سالار کا نام لیتے ہوئے محمد بن قاسم نے پکارا تھا جس وقت خرم بن عمر کا نام لیا گیا تھا تو دائیں جانب سے خرم بن عمر نے تکبیریں بلند کی تھیں پھر وہ مقدمۃ الجیش کو لے کر راجہ داہر کے لشکر کے پہلو پر ٹوٹ پڑا تھا۔ جب بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان کا نام محمد بن قاسم نے لیا تو وہ بھی جواب میں لبیک لبیک اور تکبیریں بلند کرتے ہوئے خرم بن عمر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ کسی بھڑے ہوئے ہاتھیوں کی کوئی پراہ نہ کی تھی۔ سب سے پہلے چونکہ خرم بن عمر نے اپنے لشکریوں کو لکارتے ہوئے راجہ داہر پر حملہ آور ہونے کی ابتدا کی لہذا راجہ داہر اس کی طرف ہی متوجہ ہوا تھا۔ اس نے اپنا چکر جو مقابل کی گردن کاٹ دیتا تھا گھمایا اور خرم بن عمر کی طرف پھینکا۔ خرم بن عمر اس کی اس حرکت کو دیکھ چکا تھا جو نبی اس کا چکر قریب آیا خرم بن عمر نے ڈھال مار کر اسے ناکارہ کر دیا پھر چکر کے ساتھ جو رسی بندھی ہوئی تھی اسے پکڑ کر زور سے کھینچا کہ راجہ داہر کے ہاتھ سے رسی چھوٹ گئی اور اس کا لوہے کا چکر زمین پر آگرا۔ خرم بن عمر کا ایسا کرنا تھا کہ اس کے لشکری طوفان اور سیلاب کی طرح آگے بڑھے اور راجہ داہر کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

عین اسی موقع پر جبکہ خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان دشمن پر ضرب کاری لگا رہے تھے کہ قلب لشکر کو محمد بن قاسم نے تکبیریں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھایا اور حملے کا حکم دے دیا تھا۔

اپنے بچے کچے لشکر کے ساتھ برہمن آباد کی طرف بھاگ گیا تھا۔ محمد بن قاسم اپنے لشکر کو لے کر راوڑ کی طرف بڑھا۔ راجہ داہر کی بیوی رانی لاڈلی ابھی تک راوڑ کے قلعے میں موجود تھی۔ قلعے میں ایسی کوئی طاقت ایسی کوئی قوت موجود نہ تھی جو محمد بن قاسم اور اس کے لشکر کی راہ روکتی۔ لاڈلی نے جب دیکھا کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو رہے ہیں اور کوئی قوت ان کی راہ روکنے والی نہیں تو داہر کی بیوی رانی لاڈلی گرفتاری کے خوف سے اپنی لونڈیوں سمیت جل مری تھی۔

رانی لاڈلی کے متعلق بہت سی روایات ہیں جو قصے کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے راجہ داہر کے قتل کے بعد رانی لاڈلی برہمن آباد میں مقیم ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آخری وقت تک مسلمانوں کا مقابلہ کرے گی اور وہ ناکام ہوئی تو آخر میں سستی ہو جائے گی۔

چنانچہ اس نے برہمن آباد میں قیام کے زمانے میں اپنے خرچ سے ایک چھوٹا سا لشکر تیار کر لیا جو قلعے کے دروازے پر متعین تھا۔ جب مسلمان فوجیں اچانک قلعے میں داخل ہوئیں تو لاڈلی کو خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ دوسرے قیدیوں کی طرح گرفتار ہو کر محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئی۔ محمد بن قاسم کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ داہر کی بیوی ہے تو اس نے حکم دیا کہ اس کو پردے میں نہایت عزت و احترام سے دوسرے قیدیوں سے الگ رکھا جائے۔

رانی لاڈلی کے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ راجہ داہر کے مرنے کے بعد رانی لاڈلی راوڑ سے برہمن آباد کی طرف چلی گئی تھی۔ برہمن آباد کے فتح ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ راجہ داہر کے رشتہ داروں کو تلاش کیا جائے مگر ان کا کچھ پتا نہ چلا۔ وہ اسی فکر میں تھا تو دوسرے دن برہمنوں کا ایک وفد جو ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا وہ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد بن قاسم نے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تم کس فوج سے تعلق رکھتے ہو۔

ان لوگوں نے جواب دیا امیر ہمارا تعلق کسی فوج سے نہیں ہے۔ ہم برہمن ہیں ہم جس راجہ کے ملازم تھے وہ مارا جا چکا ہے اور یہ مملکت اب آپ کی تحویل میں ہے۔ ہم میں کچھ لوگوں نے اپنے طور پر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہے ہم جو باقی

ایک جوش پیدا ہوا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے مرنے کا منظر نہ برداشت کر سکا۔ زخمی ہونے کے باوجود بھی اپنے ہاتھی سے کودا اور بڑی بہادری سے میدان میں لڑنے لگا۔ سورج اس وقت غروب ہو رہا تھا۔ راجہ داہر چونکہ ہاتھی سے کود چکا تھا۔ لہذا مسلمان لشکری نہ پہچان سکے کہ راجہ داہر کہاں ہے۔ عین اسی وقت ایک من چلا عرب مجاہد راجہ داہر کے سامنے آیا۔ وہ راجہ داہر کو نہیں پہچانتا تھا کہ وہ راجہ داہر ہے۔ راجہ داہر نے جب اس پر وار کیا تو اس نے راجہ داہر کے دار کو روکا اور جواب میں اس نے ایسی مہارت سے راجہ داہر پر تلوار برسائی کہ اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس نے راجہ داہر کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

مورخین کا خیال ہے کہ جس مجاہد نے راجہ داہر کی گردن کاٹی اس کا تعلق بنو کلاب سے تھا۔ مسلمان مورخین کا ایک گروہ جس میں ابن کلبی بھی شامل ہے اس کا کہنا ہے کہ جس مجاہد نے راجہ داہر کا سر قلم کیا اس کا تعلق قبیلہ بنی طے سے تھا۔ بہر حال اس زندہ دل جوان کا تعلق جس قبیلے سے بھی ہو اس نے راجہ داہر کی گردن کاٹ دی تھی۔

راجہ داہر کے قتل کے بعد اس کے لشکر میں جو برہمن تھے انہوں نے جلدی جلدی راجہ داہر کی لاش اور اس کے کئے ہوئے سر کو تلاب کے کچڑ میں چھپا دیا تاکہ مسلمان راجہ داہر کی لاش پر قبضہ نہ کر سکیں۔

برہمنوں نے چونکہ جلدی جلدی راجہ داہر کی لاش اور کئے ہوئے سر کو کچڑ میں چھپایا تھا لہذا راجہ داہر کے لشکری جو ابھی تک میدان میں موجود تھے انہیں خبر نہ ہوئی تھی کہ ان کا راجہ مر چکا ہے۔ وہ یہ تو جانتے تھے کہ راجہ اپنے ہاتھی سے اتر کر جنگ کر رہا ہے لیکن جب مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا زیادہ زور پڑا تو انہوں نے پناہ ہونے کی کوشش کی لیکن یہ پناہ بھی انہیں منگی پڑی۔ اس لئے کہ سامنے کی طرف سے محمد بن قاسم اور خرمیم بن عمر نے ان کا قتل عام شروع کیا۔ دائیں بائیں پہلوؤں پر بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان طوفانوں کی طرح چھا گئے تھے۔ راوڑ قلعے کی طرف پیچھے ہٹتے ہٹتے محمد بن قاسم اور اس کے لشکریوں نے دشمن کے پورے لشکر کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔ راجہ داہر کا بیٹا بے سینہ راوڑ شہر میں داخل ہونے کے بجائے

بچے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ اب آپ اس ملک کے حاکم ہوئے ہیں آپ کو سلام کریں اور ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی ہمارے متعلق کیا رائے ہے؟

محمد بن قاسم نے کہا میں تم لوگوں کو ایک شرط پر امان دیتا ہوں تم داہر کے رشتہ داروں کو جہاں کہیں بھی ہوں لا کر حاضر کرو۔ اس وعدہ معافی کے بعد ان برہمنوں نے رانی لاڈلی کو لا کر محمد بن قاسم کے سامنے حاضر کر دیا۔ محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کی اجازت کے بعد رانی لاڈلی کو آزاد کر کے شادی کر لی لیکن یہ دونوں روایتیں محض قصے کہانیاں ہیں اور محمد بن قاسم اور رانی لاڈلی کی شادی افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ عرب مورخین نے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ مورخ بلاذری نے بصرحت اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محمد بن قاسم نے راوڑھ قلعے کو بزور بازو فتح کیا وہیں رانی لاڈلی موجود تھی۔ گرفتاری کے خوف سے جل مری تھی۔ راوڑھ قلعے میں داخل ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے جب اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تو اس نے جو سب سے پہلے حکم دیا وہ یہ تھا کہ راہر کا پتا چلایا جائے کہ وہ کہاں ہے؟ چنانچہ راہر کی تلاش ہر جگہ شروع ہوئی یہاں تک کہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ راہر کہاں ہے زندہ ہے یا مارا گیا؟

اس دوران ایک برہمن محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے انصاف پسند حاکم اگر مجھے اور میرے گھر والوں کو امان دی جائے تو میں بتا سکتا ہوں کہ راہر کا انجام کیا ہوا؟ اور اس کی لاش اس وقت کہاں ہے؟

محمد بن قاسم نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو امان دے دی جس پر برہمن بے حد خوش ہوا اور محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا آپ کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جس تالاب کے کنارے جنگ ہوئی تھی میں اور میرے کچھ برہمن ساتھیوں نے راہر کی لاش کو وہیں دبا دیا تھا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک مسلمان لشکری نے اس پر تلوار گرائی تھی اور اس کی گردن کاٹ دی تھی۔ اسی وقت ہم نے کچھڑ میں اس کی لاش کو دبا دیا تھا تاکہ کین کو پتہ نہ چلے کہ راہر کہاں گیا ہے؟ برہمن کے کہنے پر محمد بن قاسم نے اپنے کچھ ساتھی اس برہمن کے ساتھ بھیجے

کچھڑ کے اندر سے اس برہمن کی سرکردگی میں راہر کا کتا ہوا سر لایا گیا اور محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیا گیا۔

جو لوگ اس وقت محمد بن قاسم کے سامنے تھے انہیں مخاطب کر کے اس نے چھاتم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو داہر کو پہچانتا ہو۔ اس پر کوئی بھی نہ بولا پھر محمد بن قاسم نے حکم دیا ان دو کینیوں کو پیش کیا جائے جو جنگ کے دوران راہر کے ہاتھ ہاتھی کی عماری میں موجود تھیں جن میں سے ایک راہر کو شراب پلاتی تھی دوسری پان کے بیڑے پیش کرتی تھی۔ محمد بن قاسم کے حکم پر دونوں کو لا کر محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیا گیا۔ راہر کا کتا ہوا سر دونوں کینیوں کے سامنے پیش کیا گیا تو محمد بن قاسم نے پوچھا کیا یہ راہر کا سر ہے۔ دونوں نے سر کو بڑے غور سے دیکھا پھر گھبرا کر ایک بول پڑی یقیناً یہ راہر ہی کا سر ہے۔ اس پر محمد بن قاسم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور راہر کا سر صارم بن صارم کے ہاتھ عراق بھجوا دیا تھا۔

راوڑھ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک بہترین سیاست دان کی نیت سے تمام باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پرامن شہریوں، تاجروں اور لاکھوں پیشرووں سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی بلکہ نہایت عمدگی سے ان سب کو ٹہریں آباد کیا۔

راوڑھ کی جنگ میں محمد بن قاسم کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا تھا۔ بہت سے لڑکی بھی تھے جو گرفتار ہوئے تھے۔ ان قیدیوں میں راہر کی ایک بھانجی بھی تھی جس کا نام حسہ تھا۔ جس وقت صارم بن صارم کے ہاتھ راہر کا سر عراق بھجوا دیا گیا تھا تو اس کی سرکردگی اور کمانداری میں مال غنیمت کے علاوہ قیدیوں کو بھی عراق کی طرف روانہ کیا گیا۔ ان جنگی قیدیوں میں راہر کی بھانجی حسہ بھی شامل تھی۔

سارے قیدیوں اور جنگ میں ملنے والا مال غنیمت حجاج بن یوسف کے سامنے لایا گیا۔ حجاج نے خدا کا شکر ادا کیا پھر کوفے کی جامع مسجد میں لوگوں کو جمع کر کے انہوں کی فتح کی خوشخبری سنائی اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے راہر کا کتا ہوا سر قیدی اور دوسری چیزیں



پایہ تخت دمشق میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف روانہ کی۔ ولید نے حجاج کا خط پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ داہر کی بھانجی کو بھی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت حضر عبداللہ بن عباسؓ بھی وہیں تھے انہوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے راجہ داہر کی بھانجی حسہ کو اپنے لئے مانگ لیا۔ ولید بن عبدالملک نے حسہ کو ان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے حسہ کے ساتھ نکاح کر لیا تاہم عبداللہ بن عباس کے ہاں حسہ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔

○  
 رمضان میں راوڑھ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ وہیں قیام کئے رکھا۔ یہاں تک کہ پوری تیاریاں کرنے کے بعد شوال کے مہینے میں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ راوڑھ سے کوچ کیا۔ اب وہ سندھ کے بڑے شہر برہمن آباد کا رخ کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن قاسم کے جاسوسوں نے خبر دے دی تھی کہ برہمن آباد کے راستے میں دو بڑے قلعے آتے ہیں۔ ایک کا نام بہرور اور دوسرے کا نام دہلیلہ ہے اور دونوں قلعوں میں ہزاروں کی تعداد میں مسلح جوان موجود ہیں جو محمد بن قاسم کی راہ روکیں گے۔

یہ خبر سننے کے بعد محمد بن قاسم نے راوڑھ سے کوچ کرتے ہوئے پہلے بہرور نام کے قلعے کا رخ کیا جو جاسوس پہلے ہی بتا چکے تھے کہ اس قلعے میں لگ بھگ سولہ ہزار مسلح جوان ہیں جو راجہ داہر کے وفادار ہیں اور جو نہی مسلمان بہرور کے قریب پہنچیں گے تو وہ سولہ ہزار مسلح جوان اچانک قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں گے۔

محمد بن قاسم اور اس کے سارے سالار اور لشکری دشمن کے اچانک حملے کیلئے بالکل تیار تھے۔ لشکر کی ترتیب پہلے ہی درست کر لی گئی تھی۔ صفیں درست کرتے ہوئے لشکری آگے بڑھ رہے تھے۔ جب محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ بہرور کے قریب پہنچا تو جاسوسوں کی اطلاع درست ثابت ہوئی۔ قلعے کے اندر جو سولہ ہزار مسلح جوان تھے وہ قلعے سے نکلے اور بے لگام وحشیوں کی طرح محمد بن قاسم کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ محمد بن قاسم اور اس کے لشکری پہلے ہی حملے کیلئے تیار تھے اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے کوہستانوں کا جگر شق کرتے ہوئے مجاہدوں، موسموں کے احوال

ادھر راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ راوڑھ کے نواح میں شکست اٹھانے کے بعد برہمن آباد کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ برہمن آباد پہنچ کر اس نے آس پاس کے تمام مددگاروں سے امداد طلب کی اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ چاروں طرف خطوط لکھے۔ اس نے اپنے بھائی گوپی کو جو اس وقت راوڑھ میں تھا خط لکھا اور مدد طلب کی۔ دوسرا خط بھائیہ کے قلعے میں اپنے بھتیجے دھرسینہ کو بھیجا۔ تیسرا خط اپنے چچا چندر کے بیٹے ڈھول کو لکھا جو بدھیہ کا حاکم تھا اور اس نے ان تمام خطوں میں راوڑھ کے باہر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے تمام حالات تفصیل کے ساتھ لکھے اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان سارے حاکموں سے مدد بھی طلب کی تھی۔

○



دہلیہ میں پڑاؤ کے دوران محمد بن قاسم نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں اور  
عمرانوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔ ان پر اسلام کی خوبی واضح کر کے اسلام قبول کرنے  
کی دعوت دی۔

راجہ داہر جنگ میں مارا جا چکا تھا لیکن اس کا وزیر سیاکر ابھی تک زندہ تھا اور  
اپنی جان بچاتے ہوئے ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ محمد بن قاسم نے  
ہندوستان کے مختلف راجاؤں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے ہیں تو اسے بھی حوصلہ  
ہوا کہ اگر وہ بھی محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کی معافی مانگے تو  
اسے بھی پناہ مل سکتی ہے۔

اس نے اپنے کچھ خفیہ آدمی محمد بن قاسم کی طرف بھیجے اور ان کے ذریعے اپنی  
غلطی پر شرمندگی کا اظہار کر کے معافی کا خواستگار ہوا۔ جو آدمی سیاکر کی طرف سے محمد  
بن قاسم کی خدمت میں پیش ہوئے ان کے ذریعے سے محمد بن قاسم نے سیاکر کو  
سنا کر دیا۔ سیاکر کے آدمی جب یہ خبر لے کر سیاکر کے پاس پہنچے اور اسے محمد بن  
قاسم کی طرف سے معافی نامہ پیش کیا تب وہ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ  
اپنے ساتھ ان مسلمان عورتوں کو بھی لایا تھا جنہیں گرفتار کر کے بطور یرغمال رکھا گیا  
نادر یہ وہی عورتیں تھیں جنہوں نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے اللہ کے ساتھ  
ساتھ جان بن یوسف کو بھی اپنی مدد کیلئے پکارا تھا۔ محمد بن قاسم ان مظلوم عورتوں کو  
دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور انہیں واپس عراق بھیج دیا۔

سیاکر جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوا تو محمد بن قاسم اس کے ساتھ بڑی  
انت اور احترام سے پیش آیا اور اسے خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازا۔ یہاں تک  
اسے اپنا وزیر بنایا۔ سیاکر نہایت ہی عقلمند، مدبر اور دور اندیش انسان تھا۔ وہ چند ہی  
دنوں میں محمد بن قاسم کا اس قدر قابل اعتماد ہو گیا کہ تمام معاملات میں محمد بن قاسم اس  
سے مشورہ کرنے لگا۔ سیاکر بھی اس کا اس قدر ممنون تھا کہ وہ اکثر محمد بن قاسم کی  
مدد کرتا اور اس کے گن گاتا۔

جس وقت سیاکر محمد بن قاسم کے پاس آیا اور محمد بن قاسم نے اسے نوازا تب  
محمد بن قاسم نے سیاکر کو خرم بن عمر کے حوالے کیا تاکہ اس کی رہائش کا عمدہ انتظام

درست کرنے والے سرفروشوں اور عقوبت کے چینٹے بگولوں کی طرح دشمن پر حملہ آور  
ہو گئے تھے۔ قلعے سے باہر کچھ دیر تک ہولناک جنگ رہی۔ یہاں تک کہ قلعے سے  
نکل کر حملہ کرنے والے سولہ ہزار مسلح سوراؤں کو بدترین شکست ہوئی۔ وہ پسپا ہو کر  
قلعے کی طرف اس طرح پلٹے جیسے پیاسی بھیڑیں ندی کی طرف بھاگتی ہیں یا زندگی کی  
ملاطم خیزی سے گھبرا کر حرص و ہوس کا کوئی بندہ پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر ادھر مارا  
مارا پھرتا ہے۔ بہر حال محمد بن قاسم کے ہاتھوں شکست اٹھا کر دشمن بہرور کے قلعے میں  
محصور ہو گیا تھا۔

دشمن کے محصور ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنی منجنیقوں کو استوار کیا۔  
قلعے کے ارد گرد انہیں نصب کیا گیا پھر منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کی گئی اور  
روغن نفت سے جلتے ہوئے تیر قلعے پر برسائے گئے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ کئی جگہ  
سے قلعے کی دیواروں کو توڑ دیا گیا۔ مسلمان دندناتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے۔ قلعے  
کے اندر جو حفاظتی لشکر تھا اس نے مقابلہ کیا لیکن مسلمان غالب رہے اور سارے  
محافظوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس قلعے کے فتح ہونے سے محمد بن قاسم کے ہاتھ بہت ما  
مال غنیمت لگا۔

قلعہ بہرور کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے دوسرے بڑے قلعے دہلیہ کا رخ کیا۔  
اس شہر اور قلعے کے اندر جس قدر تاجر اور دوسرے شہری تھے وہ مسلمانوں کے لشکر  
کی آنے کی خبر سن کر پہلے ہی شہر چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ قلعے میں صرف مسلح شہری  
ٹھہرے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم کا لشکر جب وہاں پہنچا تو انہوں نے مسلمانوں کے  
ساتھ بلی چوہے کا کھیل شروع کیا۔ شہر سے نکل کر وہ حملہ آور ہوتے کچھ دیر جنگ  
کرتے اور پھر دوبارہ قلعے میں چلے جاتے۔ آخر محمد بن قاسم نے دشمن پر دباؤ بڑھانا  
شروع کیا۔ سب سے اندر جس قدر مسلح جوان تھے انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا  
مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے تو وہ ایک رات اچانک مخالف سمت کے  
دروازے سے نکلے اور اپنی جانیں بچا کر برہمن آباد کی طرف چلے گئے تھے۔ یوں دہلیہ  
نام کے قلعے پر بھی محمد بن قاسم کا قبضہ ہو گیا تھا۔ یہاں محمد بن قاسم نے پڑاؤ کر لیا  
تھا۔

مرنے سیا کر کو رکنے کیلئے کہا خود وہ اور بنانہ بن حنظلہ خیمے میں داخل ہوئے۔ اندر  
ماکرہ اور گودیری بیٹیں باہم گفتگو کر رہی تھیں۔ خرم بن عمر آگے بڑھا اور دونوں کو  
ہلکے کر کے کہنے لگا۔

دروازے پر تم دونوں کا ایک مشترکہ مہمان ہے۔ مجھے امید ہے تم دونوں اسے  
پہچان لو گی۔ خرم بن عمر کے ان الفاظ پر ساکرہ اور گودیری دونوں نے چونکنے کے سے  
انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں پھر خرم  
بن عمر دروازے پر گیا اور سیا کر کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لایا۔ سیا کر کو دیکھتے ہی ساکرہ  
بے پناہ خوشی کا اظہار کر کے کہنے لگی۔

یہ تو محترم سیا کر ہیں انہیں آپ کہاں سے لے کر آئے۔ اس پر سیا کر خود ہی  
بول پڑا۔

بیٹی پہلے مجھے بیٹھنے کیلئے تو کہو پھر میں تمہیں اور گودیری کو اپنے پورے حالات  
ماتا ہوں۔ ساکرہ نے ایک نشست کی طرف اشارہ کیا۔ سیا کر آگے بڑھ کر اس پر بیٹھ  
گیا۔ پھر اس نے محمد بن قاسم کے پاس پہنچنے کے سارے حالات سنا ڈالے تھے۔

اس کے بعد اس نے اپنے لباس سے دو چھوٹی چھوٹی تھیلیاں نکالیں۔ ہاتھ کے  
اشارے سے اس نے ساکرہ اور گودیری کو اپنے قریب آنے کے لئے کہا۔ وہ سیا کر  
کے سامنے جا کر بیٹھ گئیں پھر سیا کر نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

میری دونوں بیٹیو میری بیٹیو جس وقت تم دونوں کی شادی ہوئی تھی اس وقت  
میں کچھ بے بس اور مجبور تھا۔ تمہاری شادی کی خوشی میں تمہیں کچھ دے نہ سکتا تھا  
مگر جو کچھ میں دینا چاہتا تھا اس کا میں نے اہتمام ضرور کر لیا تھا اور اس موقع کی  
انگ میں تھا کہ مجھے کوئی وقت ملے۔ میری تم سے ملاقات ہو تو تمہیں شادی کی خوشی  
مبارکہ تحائف پیش کروں جو میں نے جمع کر رکھے تھے۔

پھر دونوں کو ایک ایک تھیلی تھماتے ہوئے سیا کر دوبارہ بول پڑا۔  
میری بیٹیو ان دونوں تھیلیوں میں تمہاری شادی کی خوشی میں تحائف ہیں۔  
انہوں نے جب تھیلیاں کھول کر دیکھیں تو ان میں جواہرات کے علاوہ قیمتی زیورات  
نہ تھے۔ دونوں کچھ دیر تک بڑی ممنونیت سے سیا کر کی طرف دیکھتی رہیں پھر ساکرہ

کیا جائے۔ خرم بن عمر کے ساتھ اٹھ کر سیا کر جب محمد بن قاسم کے خیمے سے باہر آیا  
تب سیا کر نے خرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے عزیز نہ تو پہلے تو مجھے جانتا ہے نہ میں تیری شکل سے واقف ہوں۔ پر  
میں نے تیرا نام ضرور سنا ہے اس لئے کہ تو نے بڑے بڑے معرکوں میں بڑے بڑے  
ناقابل تسخیر سوراخوں کو اپنے سامنے ذلیل و رسوا کیا ہے۔ ذرا مجھے اپنے ذاتی خیمے میں  
لے چل میں تیری بیوی ساکرہ سے ملنا پسند کروں گا اگر ہو سکے تو نکامرہ قبیلے کے  
سرور کی بیٹی اور تمہارے نائب بنانہ بن حنظلہ کی بیوی گودیری کو بھی مجھ سے ملا دو  
مجھ پر تمہارا احسان ہو گا۔

خرم بن عمر سیا کر کی اس گفتگو سے چونکا اور اسے کہنے لگا سیا کر تم ان دونوں کو  
کیسے جانتے ہو۔

سیا کر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور پھر وہ خرم بن عمر کو مخاطب کر  
کے کہنے لگا۔

اے ابن عمر اپنی بیٹی کو کون نہیں جانتا۔ شاید آپ کو خبر ہو گی کہ میری کوئی  
اولاد نہیں ہے۔ میں تمہاری بیوی ساکرہ اور بنانہ بن حنظلہ کی بیوی گودیری کو جانتا  
ہوں ذرا تم مجھے ان کے پاس تو لے کر چلو وہ خود ہی مجھے پہچان جائیں گی اس لئے کہ  
غزباً میں بھی بدھ مت کا ماننے والا ہوں۔ ساکرہ کے باپ سندر داس کے ساتھ  
میرے بہترین تعلقات رہے ہیں۔ گودیری کا باپ وانگہ بھی اکثر و بیشتر سندر داس کے  
پاس آتا رہتا تھا۔ وہیں اس سے میری ملاقاتیں ہوئیں۔ وانگہ کی بیٹی گودیری کو بھی  
جانتا ہوں مجھے ذرا ان دونوں بیٹیوں کے پاس لے کر چلو میرے پاس ان کی کچھ امانتیں  
بھی ہیں۔

اتنے میں ایک طرف سے بنانہ بن حنظلہ بھی آگیا۔ خرم بن عمر نے اسے  
سیا کر کی ساری گفتگو سے آگاہ کیا۔ پھر بنانہ بن حنظلہ کہنے لگا گودیری اس وقت ساکرہ  
کے پاس ہی ہے۔ چلو سیا کر کو لے کر وہیں چلتے ہیں اس پر خرم بن عمر اور بنانہ بن  
حنظلہ دونوں سیا کر کو لے کر خرم بن عمر کے خیمے کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔  
اپنے خیمے کے دروازے کے پاس جانے کے بعد ہاتھ کے اشارے سے خرم بن

رہے اس لئے سندھ میں بھی اس کے نام سے یہ شہر آباد ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ سندھ میں بھی بہمن اردشیر نے تین شہر آباد کئے۔ ایک قذائیل جو ترکوں اور ہندوؤں کی سلطنت کو جدا کرتا ہے۔ دوسرا اور تیسرا بہمن آباد غالباً اس شہر کے آباد ہونے کے کچھ عرصے کے بعد جب سندھ میں برہمن برسر اقتدار آئے تو انہوں نے بہمن آباد کا نام بدل کر برہمن آباد کر لیا ورنہ شہر کا اصل نام بہمن آباد ہی تھا۔

اس شہر کے نام کی تبدیلی کی مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ بہمن آباد کو برہمن آباد میں تبدیل کرنے میں وہاں کے برہمنوں کا تعصب حائل تھا۔ جس کی بنا پر انہوں نے بہمن آباد کو برہمن آباد کہنا شروع کر دیا اور برہمن آباد میں جو ایرانی آتش کدے تھے وہ مٹا کر ہندوستانی بت کدے تعمیر کر دیئے۔ بہمن آباد کو برہمن آباد میں تبدیل کرنے کی دوسری وجہ یہ خیال کی جاتی ہے کہ سندھی زبان کے مقامی تلفظ کی وجہ سے بہمن آباد برہمن آباد ہو گیا۔

یہ برہمن آباد کبھی رائے گھرانے کی حکومت کے زمانے میں لوہانی پرگنے کا مرکزی شہر ہوا کرتا تھا اور وہاں کے حاکم اگھم کا دارالحکومت تھا۔ اب بھی اس شہر کی بڑی اہمیت ہے اور اس علاقے کا یہ خاص شہر اور قلعہ خیال کیا جاتا ہے اور شہر ایک مضبوط قلعے کے اندر ہے جس کے چار دروازے ہیں۔ شہر کے مشرقی جانب جلوالی نام کی ایک چھوٹی سی نہر بھی بہتی ہے۔

(محمد بن قاسم کے بیٹے نے سندھ کے گورنر کی حیثیت سے اپنی شاندار فتوحات کی یادگار کے طور پر ایک نیا شہر منصورہ آباد کیا کیونکہ یہ نیا شہر برہمن آباد اور سارے سندھ کا پایہ تخت بنا اس لئے سندھ کے لوگ اس شہر کو بھی برہمن آباد کہنے لگے۔ لیکن منصورہ اور برہمن آباد میں فرق تھا۔ سندھی منصورہ کو بھی برہمن آباد کے نام سے یاد کرنے لگے۔ جبکہ عرب مورخین دونوں شہروں میں فرق کرنے کیلئے پہلے برہمن آباد کو قدیم برہمن آباد کہنے لگے جو منصورہ سے دو فرسنگ کے فاصلے پر تھا۔

قدیم برہمن آباد موجودہ جھول شہر سے مغرب کی طرف کھنڈرات کے آس پاس خیال کیا جاتا ہے جبکہ محمد بن قاسم کے بیٹے نے جو منصورہ شہر آباد کیا وہ موجودہ شہر

نے اسے مخاطب کیا۔

اے عم آپ نے خواہ مخواہ میں اتنی زحمت کی۔ آپ ہمیں کچھ بھی نہ دیتے صرف شادی کی مبارکباد دے دیتے تب بھی آپ کی طرف سے ہمارے لئے بہت بڑا انعام ہوتا۔ سیا کرنے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے باری باری دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر کہنے لگا۔

تم دونوں جانتی ہو میری کوئی اولاد نہیں ہے لہذا تم دونوں کیلئے بیٹیوں کی حیثیت سے اہتمام کرنا میری دل خوشی اور روحانی مسرت تھی۔ اب اس معاملے میں کوئی لفظ نہ کہنا۔

اتنی دیر تک خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ بھی سیا کر کے قریب ہو بیٹھے تھے۔ پھر خرم بن عمر نے سیا کر کو مخاطب کیا۔

میں اپنے حصے کے لشکر ہی میں آپ کی رہائش کا انتظام کروں گا۔ آپ کیلئے ایک عمدہ خیمے کا اہتمام کیا جائے گا اور آپ کے آرام کا ہر طرح سے خیال کیا جائے گا جبکہ ہم دونوں قلعوں کو فتح کر چکے ہیں اور لشکر یہاں پر سستا بھی چکا ہے تو لشکر اب چند روز تک برہمن آباد کی طرف کوچ کرے گا۔ آپ نے تو یہ سارے علاقے دیکھے ہیں کیا آپ ہمیں برہمن آباد کے بارے میں کچھ تفصیل نہ بتائیں گے کہ کیسا شہر ہے۔ مضبوطی کے لحاظ سے کس قدر ہے۔ یہاں سے کتنا دور ہے اور کتنی بڑی قوت وہاں جمع ہوگی۔ اس پر سیا کر تھوڑی دیر کے لئے کچھ سوچتا رہا پھر شاید اس نے اپنے خیالات کو مجتمع کیا۔ اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

عزیزو! برہمن آباد اصل میں ایرانی نام ہے ایران کے بادشاہ بہمن اردشیر کے حکم سے یہ شہر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے اس کا اصل نام بہمن آباد تھا۔ بہمن اردشیر نے اپنی وسیع مملکت میں سے تین شہر اپنے نام سے آباد کئے تھے۔ ایک بہمن آباد خراسان میں تھا جو رے اور نیشاپور کے درمیان تھا۔ دوسرا عراق میں تھا جس کو شروع شروع میں ابیز اردشیر کا نام دیا گیا مگر بعد میں وہ بھی ہیمینا کہلانے لگا۔

چونکہ سندھ کو بھی بہمن اردشیر نے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا اور اس کے دور حکومت میں سندھ میں یکے بعد دیگرے اس کے والی مقرر ہوئے

شہداد پور سے تقریباً آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف ہند جمڑاؤ کے قریب دلوہ کے مشہور ٹیلے کے آس پاس خیال کیا جاتا ہے۔)

سیاکر جب برہمن آباد کے متعلق تفصیل سنا چکا تب خرمیم بن عمر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور سیاکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سیاکر سب سے پہلے میں اپنی بیاناہ بن حنظلہ، ساکنہ اور گودیری کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے ساکنہ اور گودیری کو ان کی شادی پر تحائف پیش کئے۔ میرے خیال میں تم اٹھو میں تمہارے قیام کا بندوبست کروں پھر تم آرام کرو۔ سیاکر نے خرمیم بن عمر کی ہاں سے ہاں ملائی پھر خرمیم بن عمر بیاناہ بن حنظلہ سیاکر کو اس خیمے سے لے گئے تھے۔

اپنے لشکر کو کچھ دن سستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ اب اس نے برہمن آباد کا رخ کیا۔ برہمن آباد پہنچ کر محمد بن قاسم نے جلوالی ہند کے کنارے برہمن آباد کے مشرق کی جانب اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا۔ وہیں سے اس نے ایک خط اپنے قاصد کے ذریعے برہمن آباد روانہ کیا جس میں لکھا تھا اسلام قبول کرو یا ہماری اطاعت قبول کر کے جزیہ دو اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

دوسری جانب راوڑھ میں بدترین شکست اٹھانے اور راجہ داہر کی موت کے بعد اس کے بیٹے جے سین نے برہمن آباد کو اپنی طاقت اور قوت کا مرکز بنا لیا تھا اور یہیں اس نے مسلمانوں کی راہ روکنے کا عزم کیا تھا۔ پہلے وہ برہمن آباد میں جنگی تیاروں میں مصروف رہا۔ برہمن آباد کے قلعے میں اس نے چالیس ہزار کا ایک تربیت یافتہ لشکر رکھا۔ اس لشکر کی کمانداری اس نے منجھے ہوئے جرنیلوں کے حوالے کی۔ اتنا ہی ایک اور لشکر لے کر وہ چنیر کی طرف چلا گیا۔ دراصل برہمن آباد کے نواح میں محمد بن قاسم کے ساتھ جے سین ایک جنگی کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ محمد بن قاسم جب برہمن آباد کے نواح میں پڑاؤ کرے گا تو برہمن آباد کے قلعے کے اندر جو چالیس ہزار لشکر ہو گا وہ باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا جبکہ دوسرے اتنے ہی بڑے لشکر کے ساتھ وہ مسلمانوں پر شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کرے گا اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح جے سین کو امید تھی کہ وہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دے گا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کرے

جے سینہ چونکہ برہمن آباد چھوڑ چکا تھا اور جو جرنیل اس نے چالیس ہزار کے لشکر پر مقرر کئے تھے انہیں چونکہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے محمد بن قاسم نے جو قاصد تین شرائط دے کر برہمن آباد روانہ کیا تھا، قاصد ناکام لوٹا۔ قاصد کے ناکام لوٹنے کے بعد محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ اپنے سائے خندقوں کھودی جائیں جب خندقیں تیار ہو گئیں تو پیر کے روز رجب کے مینے پہلی تاریخ کو برہمن آباد پر حملے کی ابتداء کی گئی۔

محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے دائیں بائیں حصے میں جو خندقیں کھودی تھیں ان سے اس نے خوب کام لیا۔ ان کے اندر اس نے منجھے ہوئے تیر انداز بٹھادیے تھے۔ سامنے والا حصہ خالی رکھا تاکہ دشمن کے ساتھ ٹکرانے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ محمد بن قاسم کے تجربے سے یہ بھی خبر دے چکے تھے کہ جے سینہ مسلمانوں کے ساتھ شب خون کا کھیل کھیلے گا اس لئے محمد بن قاسم نے دور دور تک اپنے خبرچرہ دینے تھے کہ اگر ان علاقوں میں جے سینہ نمودار ہو تو ہر وقت اس کی آمد کی اطلاع آجائے۔

جس روز برہمن آباد والوں سے جنگ کی ابتدا ہوئی اس وقت برہمن آباد میں چالیس ہزار لشکر تھا وہ ڈھول باجے بجاتے ہوئے قلعہ سے نکلے اور آغوش سکوت میں برہمن صدائوں کی تخم ریزی اور سانسوں میں بڑی تیزی کے ساتھ تحلیل ہو جانے والے تلخیوں بھرے زہر کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

ان کے حملے کے بعد لال منہ سورج نے دیکھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں کڑکڑاتے بادلوں کی طرح تکبیریں بلند ہوتی تھیں اور مسلمان سنگریزوں کے بے مروت طوفانوں کی طرح حرکت میں آتے ہوئے اپنے کام کی ابتداء کر گئے تھے۔ لشکر کی سواری کی چشم رسد گاہ نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان بھنور بھنور طوفان کھڑے کرتے سمندر طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ برہمن آباد سے باہر میدان جنگ زندہ دل مسلمانوں کی اپنی روح میں غیر مرئی نشہ اور اپنے دل میں وجدانی کیفیت لئے قضا کی پرچھائیوں طرح دشمن کی طرف چھانے لگے تھے۔ وہ جس سمت بھی رخ کرتے لہجوں کی طلائع سانسوں کا سکون چھینتے چلے جاتے لہجوں کے اندر انہوں نے تیز و تہد ہنگامہ نہ

طوفانوں کی طرح دشمن کے لشکریوں کو غم انگیز اور اشک بار کرنا شروع کر دیا تھا۔ قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والا لشکر گو محمد بن قاسم کے لشکر سے لگ بھگ چار گناہ بڑا تھا پھر بھی وہ مسلمانوں کے سامنے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا۔ پیٹہ دکھا کر یہ لشکر بھاگا اور قلعے میں محصور ہو گیا۔

ابھی یہ لشکر قلعے میں داخل ہی ہوا تھا کہ محمد بن قاسم کے مخبروں نے اطلاع دی کہ ان کی پشت کی طرف سے راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس کے حملے سے بچنے کیلئے محمد بن قاسم نے پہلے ہی تدبیر اختیار کر رکھی تھی۔ جونہی یہ خبر ملی اس سے مقابلہ کرنے کے لئے خرم بن عمر، ذکوان بن علوان بن حنظلہ نے فوراً اپنے لشکر کے ساتھ مستعد ہوئے اور واپس لڑتے ہوئے وہ جے سینہ کے قریب بڑھے۔ اتنی دیر تک جے سینہ قریب آ گیا تھا۔ خرم بن عمر، ذکوان بن علوان اور بنانہ بن حنظلہ نے جے سینہ پر حملہ آور ہونے میں پہل کر دی تھی۔ جے سینہ یہ امید بھی نہ رکھتا تھا کہ مسلمان اس پر حملہ آور ہونے میں پہل کر دیں گے۔ وہ تو یہ سوچ کے آیا تھا کہ مسلمان قلعے سے نکل کر حملہ آور ہونے والے لشکر کے ساتھ برسر پیکار ہوں گے۔ وہ پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا لیکن وہ دیر سے پہنچا تھا۔ اس کی توقعات سے کہیں پہلے مسلمانوں نے قلعے سے نکل کر حملہ آور ہونے والے لشکر کو پسا کر دیا تھا۔

قلعے میں محصور ہو جانے والے لشکر کو جب خبر ہوئی کہ جے سینہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا ہے تو وہ ایک بار پھر قلعے سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اب ان کے سامنے محمد بن قاسم اور اس کے ساتھی سالار تھے۔ ذکوان بن علوان، خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ جے سینہ سے ٹکرا چکے تھے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے کمال ذہانت اور تدبیر سے کام لیا۔ شہر سے نکلنے والا لشکر جونہی قریب آیا محمد بن قاسم نے دائیں بائیں جو خندقیں کھودی تھیں اور جس کے اندر اس نے پہلے سے تیر انداز بٹھائے ہوئے تھے انہیں اس نے مخصوص اشارہ کیا۔ شہر سے نکلنے والا لشکر جونہی قریب آیا دونوں طرف سے اس پر ایسی تیر اندازی کی گئی کہ صفیں کی صفیں الٹ گئیں۔ گھوڑے زخمی ہو کر سواروں سمیت زمین پر گرنے لگے تھے۔ زخمی ہونے



والے انسانوں کی چیخوں کا ایک کھرام اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

قلعے سے نکلنے والے لشکر نے جب یہ حالت دیکھی تو ایک دم وہ پلٹا اور دوبارہ قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔ ادھر بے سینہ یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر مسلمانوں کی جنگی حالت کو ابتر کر دے گا لیکن اس کے سارے خواب منتشر ہو گئے تھے۔ اس پر سامنے کی طرف سے خرم بن عمر ضرب لگا رہا تھا۔ دائیں جانب بنانہ بن حنظلہ اور بائیں جانب سے ذکوان بن علوان نے اس کے لشکریوں کو بڑی تیزی سے کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ یوں اس مسہدہ طرف حملے سے بے سینہ کے سارے عزائم خاک میں مل گئے اور وہ اپنے لشکر کو لے کر پسا ہوا اور بھاگ کر ہوا۔ خرم بن عمر نے اپنے لشکر کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ اس نے بے سینہ کا تعاقب نہیں کیا۔ اس سلسلے میں وہ محمد بن قاسم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔

قلعے سے نکل کر حملہ آور ہونے والے محصور ہو گئے تھے۔ بے سینہ بھاگ چکا تھا لہذا محمد بن قاسم نے اپنے سالاروں کو دائیں طرف کی خندق کی طرف جمع کیا۔ سارے سالار اس کے پاس آگئے تب محمد بن قاسم نے انہیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

عزیزو! یہاں جنگ کی صورتحال دوسرے شہروں کی نسبت کچھ مختلف ہے۔ بے سینہ نے ہمارا مقابلہ کرنے کیلئے پہلے سے منظم تیاریاں شروع کر رکھی ہیں۔ اس لائحہ عمل یہی ہے کہ جب شہر والوں سے ہماری جنگ عروج پر ہو تو پشت کی طرف سے وہ حملہ آور ہو۔ اس پہلی جنگ میں ہم نے چونکہ اس کی توقعات کے خلاف شہر والوں کو جلدی پسا ہو کر محصور ہونے پر مجبور کر دیا لہذا بے سینہ نے ہماری پشت پر دیر سے حملہ کیا ہے لیکن آئندہ ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔

خرم بن عمر میں تمہارے ذمے ایک کام لگا رہا ہوں بے سینہ کو ہمیں یوں کھلا نہیں چھوڑنا چاہئے جس قدر لشکر تمہارے پاس ہے وہ بھی بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ تم تینوں مل کر بے سینہ کا تعاقب کرو۔ اس کے پیچھے لگ جاؤ جہاں کہیں بھی جاتا ہے اس کے تعاقب میں سامنے کی طرح لگے رہو اور اس کا خاتمہ کر کے رہو۔ شہر سے نکل کر جو لشکر حملہ آور ہوا

ہے اس کی طاقت اور قوت کا بھی میں نے اندازہ لگا لیا ہے جس وقت تم بے سینہ سے ٹکرا رہے تھے وہ ایک بار پھر شہر سے نکل کر حملہ آور ہوئے لیکن دائیں بائیں جو ہم نے خندقیں کھودی ہیں ان میں جو تیر انداز بٹھائے ہوئے ہیں انہوں نے خوب کام کیا ہے اور ان گنت حملہ آوروں کو انہوں نے چھلنی کر کے رکھ دیا۔ اگر تم تینوں بے سینہ کے ساتھ ٹکراتے ہو تو میں جو لشکر میرے پاس بچے گا اس کے ساتھ تیر اندازی کی مدد سے شہر سے نکلنے والوں کو پسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بے سینہ کا خاتمہ کرنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے تاکہ وہ ہمارے خلاف شب خون مارنے کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

محمد بن قاسم کی اس تجویز سے خرم بن عمر، ذکوان بن علوان، بنانہ بن حنظلہ تینوں نے اتفاق کیا۔ چند روز تک لشکریوں کو سستانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس دوران شہر کے اندر جو محصور لشکر تھا وہ کبھی کبھی ڈھول تاشے بجاتے ہوئے نکلتا۔ مسلمانوں سے ٹکرا کر دوبارہ شہر میں محصور ہو جاتا۔ کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی تھی۔ چند روز کا وقفہ ڈالنے کے بعد خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان اپنے حصے کے لشکروں کو لے کر بے سینہ کی طرف کوچ کر گئے۔ وہ مخبر جو بے سینہ کے محل وقوع سے واقف تھے وہ ان تینوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔



ایک روز رات کے وقت خرم بن عمر، ذکوان بن علوان اور بنانہ بن حنظلہ نے بے سینہ کو جا لیا۔ اس وقت بے سینہ کے ساتھ حارث علانی کا بیٹا محمد بھی تھا۔ بے سینہ پر تین اطراف سے حملہ کیا گیا۔ ایک طرف سے خرم بن عمر، دوسری طرف سے بنانہ بن حنظلہ اور تیسری طرف سے ذکوان بن علوان بے سینہ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ رات کی تاریکی میں ہولناک جنگ ہوئی اور اس جنگ میں بے سینہ کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بے سینہ بدترین شکست اٹھانے کے بعد بھاگ کھڑا ہوا۔ اس بھاگ دوڑ میں بے سینہ اور محمد علانی ایک دوسرے سے ٹکچڑ گئے۔

بے سینہ کو شکست دینے کے بعد خرم بن عمر، ذکوان بن علوان اور بنانہ بن

حفظہ تو واپس برہمن آباد کی طرف چلے گئے حارث علانی کا بیٹا محمد اور بے سینہ چونکر ایک دوسرے سے ٹکڑے تھے لہذا ان کی منزلیں بھی علیحدہ ہو گئیں۔

محمد علانی نے بے سینہ سے علیحدہ ہونے کے بعد شمالی علاقوں کا رخ کیا۔ وہاں سے وہ سیدھا کشمیر پہنچا اور اس نے کشمیر کے راجہ کو خط لکھا میں آپ کی مہربانی اور کرم کا متوقع ہو کر آیا ہوں۔ راجہ نے اس کے خط کو پڑھ کر دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی اور وہ پایہ تخت کشمیر پہنچ گیا۔

جب وہ دربار میں پہنچا تو راجہ کشمیر نے پچاس گھوڑے سازو سامان اور دو سو قیمتی خلیق اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دیں اور موضع شاکھار جاگیر کے طور پر اسے دے دیا۔

محمد علانی نے ایک طویل عرصہ تک وہاں زندگی کے دن گزارے اور قصبہ شاکھار ہی میں اس نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

جہاں تک راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ کا تعلق ہے اس شکست کے بعد وہ بڑا بدظن ہوا۔ اس کے دل میں یہ گرہ بیٹھ گئی تھی کہ مسلمانوں کو شکست دینا اس کے بس کی بات نہیں لہذا وہ گننام ہو گیا اور اسی گننامی اور روپوشی کے عالم میں اس نے اپنے بھائی گوپی کو ایک قاصد کے ذریعے پیغام بھجوایا اور اسے کہا کہ میں سلطنت سے دستبردار ہوتا ہوں، تم اس وقت ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قلعہ اروڑھ میں موجود ہو لہذا اسی قلعے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کا مقابلہ کرو اور جہاں تک ممکن ہو انڈ سلطنت کی حفاظت کرو۔ اس کے بعد بے سینہ روپوش ہو گیا۔

بے سینہ کے روپوش ہونے کے بعد برہمن آباد کے لوگ جو لڑائی سے تنگ چکے تھے اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس لڑائی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ آخر شہر کے چار معززین جن کا شہر کے لوگوں پر بڑا اثر و رسوخ تھا قلعے کے ایک دروازے کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں قلعہ بنا ہوئے چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب نہ ہمیں مقابلے کی قوت ہے نہ بظاہر صلح عثمانی کی صورت نظر آتی ہے۔ اگر چند دن یہی حالت رہی تو ہمارا شہر خود بخود فتح ہو جائے گا اور نہ اس کا کوئی امکان ہے کہ کوئی مدد ہمیں باہر سے مل سکے گی لہذا مناسب یہی معلوم

ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں سے معاہدہ کر کے شہر ان کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ہماری عزت بھی باقی رہے گی اور ہم اس مصیبت سے نجات بھی حاصل کر لیں گے۔

سب نے اس رائے سے متفق ہو کر محمد بن قاسم کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ یہ پیغام دیا کہ ہم لڑائی سے تنگ آچکے ہیں ہم آپ کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ آپ کی اطاعت کے خواہاں ہیں۔ بشرطیکہ آپ ہمیں امن دیں لیکن اس کی صورت یہ ہو گی کہ ہم آپ کی اطاعت بھی قبول کر لیں اور ہماری عزت بھی رہ جائے۔

وہ کچھ اس طرح کہ کل ہم شہر کے دروازے سے آپ پر حملہ آور ہونے کیلئے نکلے گے جو ابی کارروائی کیجئے گا۔ آپ کے پہلے ہی حملے میں ہم بھاگ کھڑے ہوں گے اور شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ شہر کا دروازہ ہم اپنے پیچھے کھلا چھوڑ جائیں گے آپ شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح لوگ ہمیں طعنہ نہیں ماریں گے کہ ہم نے آپ کے سامنے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہماری عزت بھی رہ جائے گی اور آپ اس شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل بھی ہو جائیں گے۔

یہ درخواست چونکہ شہر کے باشندوں کی طرف سے تھی شہر کے اندر جو لشکر تھا وہ اس میں شامل نہیں تھا لہذا محمد بن قاسم نے شہر کے لوگوں کی یہ درخواست قبول کر لی اور جو قاصد آیا تھا اسے یہ جواب دیا کہ جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے انہیں جا کر کہنا کہ میں ان کی اس درخواست کو قبول کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اسے محمد بن قاسم نے یہ بھی یقین دلایا کہ تمام غیر فوجی شہریوں کو امان دی جاتی ہے لیکن یہ ساری کارروائی نہیں کب کرنی چاہیے اس کا دن اور تاریخ میں خود مقرر کروں گا۔

برہمن آباد کا یہ قاصد جواب لے کر واپس چلا گیا۔ محمد بن قاسم نے تمام مورتحال لکھ کر حجاج بن یوسف سے مشورہ کیا۔ حجاج نے لکھا تم ہی لوگوں سے معاہدہ کرو اور جو عہد کرو اسے پورا کرو۔ حجاج کا جواب آنے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک تاریخ مقرر کر کے برہمن آباد کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ اپنے وعدے کے مطابق انہوں نے قلعے سے نکل کر لڑائی شروع کر دی اور مسلمانوں کے پہلے ہی حملے کے قلعے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر قلعے میں گھس گئے۔

مسلمان لشکر اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے برہمن آباد کے قلعے میں

بڑے بڑے برہمنوں کو بلا کر محمد بن قاسم نے کہا کہ راجہ داہر کے زمانے میں تم معقول  
عدلوں پر فائز تھے اس لئے تم شہر کے ہر اچھے اور برے آدمی کو جانتے ہو اگر کچھ  
شریف لوگ تمہاری نظر میں ایسے ہوں اور ہماری امداد کے مستحق ہوں تو ہمیں بتاؤ  
کہ ان کی مدد کی جاسکے۔

برہمن آباد کا قلعہ اور شہر فتح کرنے کے بعد کچھ انتظام اس طرح کیا گیا کہ قلعے  
کے چاروں دروازوں پر جو محافظ دستے مقرر کئے گئے ان میں سے ہر دستے کا کماندار  
برہمن تھا۔ ان برہمنوں کو یہ عزت بخشی گئی کہ ایک گھوڑا اور خلعت ان کو دیا گیا اور  
غندہ کے رواج کے مطابق ان کے ہاتھوں اور پیروں میں سونے کے کڑے پہنائے  
گئے اور ہر ایک کو دربار میں کرسی دی گئی۔

ایسے لوگوں کو عمدہ دار بنانے کے بعد محمد بن قاسم نے انہیں حکم دیا کہ تمہارا  
سب سے بڑا فرض یہ ہو گا کہ رعایا اور حکومت کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرو اور  
اگر ان تعلقات کو خوشگوار بنانے میں کوئی حائل ہو تو حکومت ان سرکشوں کے مقابلے  
میں تمہاری پوری مدد کرے گی۔

اس کے علاوہ مال گزاری وصول کرنے پر جو برہمن مقرر کئے گئے انہیں نصیحت  
کی گئی کہ مال گزاری وصول کرنے پر رعایا پر ہرگز ظلم اور زیادتی نہیں کرنا۔ اتنا جزئیہ  
کی پر نہ لگانا جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ رعایا کی بھلائی کیلئے جو کچھ تم سوچو  
اس کی اطلاع آ کر حکومت کو دو تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے۔

محمد بن قاسم کے اس سلوک اور برتاؤ سے سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔  
ہر ایک برہمن کی زبان پر اسلامی حکومت کی تعریف تھی۔ کل تک جو برہمن اسلامی  
حکومت کے دشمن تھے وہ گاؤں گاؤں بستی بستی پہنچ کر لوگوں سے کہتے تھے۔

اے معزز اور عظیم لوگوں! تم سب جانتے ہو کہ داہر مارا گیا ہے اور اس کی  
مطلعت کا دور بھی ختم ہو گیا ہے۔ اب تمام ملک عربوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے  
نزدیک بڑا چھوٹا شہری اور نہ اتنی سب برابر ہیں۔

اب جو کچھ بھی ہم کریں گے اسے نئے حکمران کی طرف سے جاننا چاہئے۔  
نہیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ہم سے شاندار وعدے کئے گئے ہیں۔ اگر ہم عربوں کی

داخل ہو گئے۔ قلعے کے اندر جو دشمن کا لشکر تھا وہ اس اچانک اور غیر متوقع صورتحال  
سے گھبرا کر قلعے کے دوسرے دروازے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے  
بعد محمد بن قاسم نے بڑی سختی سے حکم دیا کہ سوائے ان لوگوں کے جو لڑائی پر آمادہ ہیں  
کسی امن پسند شہری سے جھگڑا فساد نہ کیا جائے۔ محمد بن قاسم کے اس حکم کی تعمیل  
بڑی سختی اور پابندی سے کی گئی تھی۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اعلان کیا کہ جو لوگ بخوشی مسلمان  
ہو گئے ہیں ان کے حقوق عرب مسلمانوں کے مساوی ہوں گے۔ وہ غلامی اور جزیہ  
سے مستثنیٰ ہوں گے جو لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے ان پر ان کے مذہب کے معاملے  
میں کوئی زبردستی نہ کی جائے گی لیکن ان کو جزیہ دینا پڑے گا اس کی شرح کچھ اس  
طرح ہوگی۔

اول امیر اور دولت مندوں سے فی کس اڑتالیس درہم یعنی تیرہ روپے سالانہ  
درمیانے اور متوسط لوگوں سے فی کس چوبیس درہم یعنی چھ روپے سالانہ، غریب لوگوں  
سے فی کس بارہ درہم یعنی فی کس صرف تین روپے سالانہ کے حساب سے جزیہ  
وصول کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد کچھ لوگوں نے بخوشی اور رضا مندی سے اسلام  
قبول کر لیا۔ کچھ لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر  
قائم رہے ان کے ساتھ بھی نہایت اچھا سلوک کیا گیا اور ان کے مال و اسبابِ مٹا  
سے کوئی بھی چیز زبردستی چھینی نہ گئی۔

اس کے علاوہ یہ بھی رعایت دی گئی کہ برہمنوں کو سابقہ حکومت کی طرف سے  
جو حقوق حاصل تھے ان کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا۔ برہمنوں کو جو سابقہ حکومت کی  
طرف سے جائیدادیں ملی ہوئی تھیں ان پر بھی کوئی دخل نہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ  
سرکاری مال گزاری سے برہمنوں کے وظیفے مقرر کئے گئے۔

شہر کے ان تاجروں، کسانوں، پیشہوروں اور شہریوں میں سے جن کا مال بنگ  
میں لٹ گیا تھا اور جن کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی ایک لاکھ بیس ہزار درہم تقسیم  
کئے گئے تاکہ وہ اپنی حالت درست کر کے اچھے شہریوں کی طرح اپنی زندگی بسر کریں۔  
سابقہ حکومت کے زمانے میں جو لوگ جن عہدوں پر تھے ان کو برقرار رکھا گیا اور

اجازت دی جائے۔ محمد بن قاسم پجاریوں کی یہ بات سن کر خاموش رہا اس لئے کہ اسلام میں جتوں کی پرستش حرام ہے۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد آنے والے پجاریوں کو مخاطب کر کے محمد بن قاسم کہنے لگا۔

جو کچھ تم نے کہا میں نے غور سے سنا اس معاملے میں میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا اس لئے کہ میرے مذہب میں جتوں کی پوجا پاٹ حرام ہے۔ تمہارا معاملہ خراسان اور ان علاقوں کے والی حجاج بن یوسف کی طرف بھجواتا ہوں۔ اس کا جواب آنے کے بعد میں تمہیں کوئی جواب دوں گا۔ پجاری مطمئن ہو گئے اور محمد بن قاسم نے معاملہ حجاج بن یوسف کو لکھ بھیجا۔

دوسری جانب حجاج بن یوسف نے بھی محمد بن قاسم کے خط کا فی الفور جواب دیا اس نے لکھا۔

اے عزیز تمہارا خط ملا۔ برہمن آباد کے پجاریوں نے جو تم سے مندر آباد کرنے اور مذہبی معاملات میں نرمی اختیار کرنے کی استدعا کی ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب وہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہ کر جزیہ دیتے ہیں تو ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے۔

تم انہیں اجازت دو کہ وہ اپنے طریقے سے اپنے مذہبی مراسم ادا کریں اور کسی کو ان کے طریقہ عبادت سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ان کا خیال رکھو ان کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے تاکہ وہ اپنے گھروں میں مطمئن اور خوش حال زندگی بسر کریں۔

محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کا یہ خط ملا تو اس نے برہمن آباد کے ستارے برہمنوں اور معززین کو طلب کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا تم اپنے مندروں میں آزادی سے اپنے طریقہ کار سے پوجا پاٹ کر سکتے ہو حکومت کی طرف سے کسی کو اس کی عبادت سے نہیں روکا جاتا۔ تم لوگ جو اپنے مندر کی خدمت کرتے ہو پجاریوں کو نوندر نیاز دیتے ہو حسب دستور اب بھی دیتے رہو۔ آپس میں میل ملاپ رکھو اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہو۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ان عمدے داروں کو جو سرکاری خراج وصول

اطاعت نہ کریں گے تو ہم سخت نقصان میں رہیں گے۔ ہم اپنی سابقہ حالت اور عزت ان کی اطاعت سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر یہ جزیہ جو تم پر عائد کیا گیا ہے اسے بھاری سمجھتے ہو تو پھر کسی ایسے علاقے میں چلے جاؤ جہاں تمہارے دل کو اطمینان حاصل ہو کیونکہ انسان کیلئے سلامتی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ جزیہ ادا کرنے سے ہی ہمارے مال اور عمارے اہل و عیال محفوظ رہیں گے۔

برہمنوں کی یہ باتیں سن کر لوگ دیہات سے برہمن آباد آتے اور ضروری باتیں معلوم کر کے چلے جاتے۔ جو معزز لوگ اطراف سے محمد بن قاسم کے پاس آتے وہ ان کو اسلامی حکومت کی خوبیاں سمجھاتے اور ان سے کہتے کہ تم ہر طرح سے مطمئن ہو ہمارے متعلق کسی قسم کا برا خیال دل میں نہ لاؤ اور تمہاری بات سنی جائے گی اور تمہارا مشورہ قبول کیا جائے گا۔ اس طرح لوگ جوں جوں مسلمانوں سے ملتے اسلام کی طرف راغب ہوتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔

اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے جن برہمن افسروں کو محصول کی وصولی کیلئے مقرر کیا تھا انہیں ہدایات دیں کہ محصول لگانے اور وصول کرتے وقت حکومت اور خالق کے درمیان سچائی کا خیال رکھا جائے۔ اگر کوئی شے تقسیم کرنا ہو تو برابر بانٹنا۔ ہر ایک پر اس کی برداشت کے مطابق مالیہ مقرر کرنا باہم متفق ہو کر کام کرنا اور منتر نہ ہونا تاکہ ملک ویران نہ ہو۔



برہمن آباد میں قیام کے دوران ایک روز برہمن آباد کے مندر کے پجاری محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔

اے امیر ہم مندر کے پجاری ہیں ہمارا گزارا پوجا پاٹ پر ہوتا ہے لیکن جب سے شہر پر آپ کا قبضہ ہوا ہے لوگ اس طرح خوف زدہ ہو گئے ہیں کہ انہوں نے خوف سے مندر میں پوجا کیلئے آنا چھوڑ دیا ہے۔ اب ہم بھوکے مر رہے ہیں۔ اب چونکہ ان لوگوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا ہے تو انہیں مندر میں پوجا کی



برجی خانے کیلئے لکڑیاں کاٹ کر لائیں اور بادشاہ کیلئے رسد جمع کریں۔ چنانچہ آج یہ ان اصولوں کے پابند ہیں۔

سیاکر سے مشورہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے دیگر لوگوں سے اس بارے میں شورہ کیا۔ پھر سارے حالات معلوم کرنے کے بعد مصالح کے تحت ان قبیلوں کیلئے یہ اصولوں کو برقرار رکھا اور جس طرح فاروق اعظم کے طریقے کے مطابق جو شام کا اختیار کیا گیا تھا محمد بن قاسم نے بھی جانوں کیلئے پرانا رائج طریقہ ہی جاری رکھا۔

ان سارے امور کے علاوہ برہمن آباد کے اندرونی نظم و ضبط کو بہتر بنانے کیلئے ابن قاسم نے چار معزز تاجروں کی ایک کمیٹی بنائی اور دیوانی عدالت ان کے سپرد کر لی کہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق فیصلے کریں۔

ان تمام انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے تین محرم جمعرات کے دن برہمن آباد سے سندھ کے مرکزی شہر اروڑہ کی طرف جانے کیلئے کوچ کیا۔

برہمن آباد سے جس راستے پر محمد بن قاسم نے کوچ کیا اس راستے اور اس کے نواح میں بدھ مت کے ماننے والے اور تاجر آباد تھے۔ جیسے ہی ان لوگوں کو محمد بن قاسم کے آنے کی خبر ہوئی یہ لوگ محمد بن قاسم کے پاس آئے اور اطاعت اور فرما برداری کا نذر کیا۔ محمد بن قاسم نے بھی ان کو معافی دے دی اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ تم ایک اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو اور وقت مقررہ پر جزیہ ادا کرتے رہو۔ انتظامی امور کی انجام دہی کیلئے انہوں نے ان میں دو آدمیوں کو ان کا سردار مقرر کیا۔ ان میں سے ایک کا نام بواد اور دوسرے کا نام بدیکی تھا۔ یہاں زیادہ تر جاٹ قوم آباد تھی۔ ان قوم نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس کی اطلاع حجاج بن یوسف کو کر دی گئی۔

برہمن آباد سے نکل کر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد محمد بن قاسم سمہ قوم کے راستے میں اپنے لشکر کے ساتھ پہنچا۔ اس قوم کے سرداروں کو معلوم ہوا تو وہ لوگ اپنے گائے ڈھول بجاتے استقبال کیلئے نکلے۔ محمد بن قاسم نے حیران ہو کر لوگوں سے پوچھا یہ شور کیسا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ان لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی آدمی آتا ہے تو یہ خوش ہو کر ناپتے گاتے ہوئے اس کے استقبال کیلئے آتے ہیں۔

محمد بن قاسم اور اس کے سردار ناپنے والوں کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش

کرنے پر مقرر کئے تھے کہا کہ خراج میں سے تین فیصد الگ کر کے ان برہمنوں کو دیں جو امداد کے مستحق ہیں۔ ساتھ ہی اس نے افسروں اور سرداروں کے وظائف مقرر کئے۔ محمد بن قاسم نے یہ تمام انتظامات مقامی لوگوں کے مشورے ان کی خواہشات کے مطابق کئے۔ یہ بھی طے کیا کہ برہمن آزادی سے لوگوں کے گھروں میں جا کر کھولنے کے ساتھ خیرات مانگ سکتے ہیں اور اس اثناج کو جو وہ اس طرح حاصل کریں جس مقصد میں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد محمد بن قاسم کی خدمت میں لوہانہ کے جانوں کا ایک گروہ حاضر ہوا جو لوگ سمہ اور لاکھا قبیلوں پر مشتمل تھے انہوں نے بھی محمد بن قاسم کے سامنے اپنے شکایات پیش کیں۔ ان کی شکایات سننے کے بعد محمد بن قاسم نے وزیر سیاکر کو بلا کر پوچھا کہ لوہانہ کے جانوں کے ساتھ پہلے حکمرانوں کا سلوک کیسا تھا اور اب ان کا یہ حال ہے۔

جس پر وزیر سیاکر کہنے لگا کہ پہلی حکومت کے زمانے میں لوہانہ کے جانوں بچہ سمہ اور لاکھا قبیلوں کو ریشم یا مخمل کے کپڑے پہننے کی اجازت نہ تھی بلکہ وہ ایک مو سیاہ کپڑے لیتے تھے اور ایک موٹی چادر اپنے کندھے پر ڈال لیا کرتے تھے۔ ننگے سراو ننگے پاؤں رہتے تھے اگر ان میں سے کوئی نرم لباس پہنتا تو اس پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی ضرور ہوتا تھا دوسری قوموں سے ان کو تمیز کیا جاسکے۔ ان کے سرداروں میں سے کسی کو بچہ گھوڑے پر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی ان سے راہبری کا کام لیا جاتا تھا۔ اگر ان کا کوئی مقدم یا رانا گھوڑے پر بیٹھتا تو بغیر زین کے گھوڑے کی پشت پر کبیل ڈال کر بیٹھتا تھا راستوں کی حفاظت بھی ان سے متعلق تھی۔ اگر کوئی حادثہ پیش آتا تو ان سے جواب طلب کیا جاتا تھا اور قصور ثابت ہونے پر ان کو اور ان کے اہل و عیال کو آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔

ان کیلئے یہ اصول اس لئے مقرر کئے گئے تھے یہ قومیں وحشی ہیں۔ ہمیشہ حکومت کی سرکس رہی ہیں اور ڈاکے مارتے رہے ہیں۔ دیہل میں بھی یہ لوگ وہاں کے لوگوں کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہا کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی فرض تھا کہ شاہ



ہوئے۔ اس موقع پر خرم بن عمر محمد بن قاسم کے قریب آیا اور راز داری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ہم پر واجب ہے کہ ہم خدا کا شکر ادا کریں کہ جس نے ان لوگوں کو ہمارا مطیع اور فرما بردار کر دیا ہے۔ محمد بن قاسم کو اس بات پر ہنسی آگئی اور کہا کہ میں تمہیں ہی ان کا حاکم بناتا ہوں اور ناپنے والوں کو حکم دیا کہ وہ خرم بن عمر کے سامنے ناہیں جب یہ رقص ہوا تو مورخین کا کہنا ہے کہ رقص کے اختتام پر خرم بن عمر نے رقص کرنے والوں کو بیس ہزار دینار انعام کے طور پر دیئے۔

محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ الور شہر سے باہر پڑاؤ کر لیا تھا۔ راجہ داہر کے بیٹے گوپی نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے نکلا اور محمد بن قاسم کے لشکر کے سامنے اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔ یوں دونوں لشکر ٹکرائے کیلئے ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کر گئے تھے۔ کوئی بھی جنگ کی ابتدا کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ کچھ دن تک ایسا ہی ساں رہا۔



ایک روز ایک لڑکی جو اپنی جسمانی ساخت اپنے چہرے کے لحاظ سے انتہا درجہ کی خوبصورت اور پرکشش تھی وہ خرم بن عمر اور ساگرہ کے خیمے کے قریب آئی پھر اس نے خیموں کے سامنے ٹہلتے لشکری کو مخاطب کر کے پوچھا۔

کیا تو بتائے گا کہ تمہارے سالار خرم بن عمر اور اس کی بیوی ساگرہ کا کون سا خیمہ ہے۔ میں نیرون سے آئی ہوں رشتے میں خرم بن عمر کی بیوی ساگرہ کی رشتہ دار ہوں اور مجھے ساگرہ کے باپ سندر واس نے ساگرہ سے ملنے کیلئے بھیجا ہے۔ اس لشکری نے ہاتھ کے اشارے سے خرم بن عمر کے خیمے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ لڑکی نے دل موہ لینے والے انداز میں اس لشکری کا شکریہ ادا کیا۔ لشکری آگے بڑھ گیا۔ وہ حسین اور پر جمال لڑکی خیمے کی طرف بڑھی۔

خیمے کے دروازے کے پاس آ کر وہ رکی اندر جھانکا اندر اس وقت ساگرہ اکیلی تھی اور ایک نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی اندر داخل ہوئی خیمے کا پر وہ اس نے کرا دیا پھر وہ ساگرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

سہ قوم کا مرکزی مقام لوہانہ تھا۔ یہاں چند روز محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا۔ لوہانہ کے انتظامات میں مصروف رہا۔ انتظامات سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نے پھر کوچ کیا اور مسہتہ قوم کے علاقے میں داخل ہوا۔

یہ لوگ محمد بن قاسم کے آنے کی خبر سن کر ننگے پاؤں اور ننگے سر دوڑے چلے آئے اور امن کے خواستگار ہوئے۔ محمد بن قاسم نے ان کو بھی معاف کر دیا اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان سے ضمانت لی کہ فرما بردار رہیں گے اور جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔

پھر محمد بن قاسم نے ان لوگوں سے اروڑھ یعنی الور کے راستے تمام مندروں اور قیام گاہوں کا نقشہ طلب کیا۔ مقامی رہنماؤں نے یہ نقشہ پیش کیا اور کہا کہ الور ایک طرح سے ہند کا دار الحکومت ہے اور سندھ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس شہر کے رہنے والے زیادہ تر پیشہ ور تاجر اور کاشتکار ہیں۔ داہر کے بیٹے گوپی نے اس شہر کو اپنا دارالسلطنت بنا رکھا ہے۔ اس کے سامنے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ داہر مر گیا ہے بلکہ وہ لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ داہر ابھی زندہ ہے اور ہند سے فوج لینے گیا ہے تاکہ ان کی مدد سے مسلمان لشکر کو پسپا کرے۔



میں داخل ہو کر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا بھائی بھی تیرے شوہر کی گردن کاٹنے میں ضرور کامیاب ہو گا۔  
اس لڑکی کی اس گفتگو سے سانکرہ غصے میں غضبناک ہو گئی تھی۔ انتہائی برہم لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

تو بکتی ہے اس سے پہلے بڑے بڑے سورما بڑے بڑے دلیر شمشیر بازوں نے میرے شوہر کا مقابلہ کرنا چاہا پر میرے شیردل شوہر نے ہر ایک کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کیا۔ اگر تیرے بھائی نے میرے شوہر سے ٹکرانے کا عزم کر ہی لیا ہے تو اگر اس خیمے سے زندہ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو تو ضرور اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ نیرے کم بخت بھائی کو میرا شوہر کیسے انفرادی مقابلے میں میدان جنگ میں رگیدتا ہے اور اس کی گردن کاٹتا ہے۔

اس لڑکی نے ایک ہولناک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔

سن بد بخت سانکرہ میں تو تمہارے خیمے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں گی اور میں انفرادی مقابلے میں تمہارے شوہر کو زیر ہوتا ہوا بھی دیکھوں گی پر تو بد قسمتی سے اپنے شوہر کی ناکامی کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ پائے گی اس لئے کہ میں تیرا خاتمہ کیے بغیر اس خیمے سے نہ نکلوں گی۔

سانکرہ بڑی مستعد چاک و چوبند دکھائی دے رہی تھی۔ اوہر ادھر نگاہیں بھی دوڑا رہی تھی پھر وہ لڑکی اپنا خنجر لہراتے ہوئے آگے بڑھی اور کہنے لگی سن تیری موت میرے ہاتھوں لکھی جا چکی ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ لڑکی خنجر لہراتے ہوئے چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اپنے دفاع کے لئے سانکرہ نے ایک دم نشست اٹھالی تھی تاکہ وہ خنجر کا وار اس پر کرے تو نشست سے اس کے خنجر کے وار کو روکے پر وہ لڑکی اپنا خنجر ابھی بلند نہ کر پائی تھی کہ خیمے میں ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور وہ لڑکی لہراتی ہوئی فرش پر گر گئی تھی۔

سانکرہ دنگ رہ گئی کہ اچانک اسے کیا ہوا۔ وہ کس تکلیف میں مبتلا ہوئی کہ ایک دم چکراتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی نشست اس نے زمین پر لگی جب اس کا جائزہ لیا تو اس نے دیکھا اس لڑکی کی پشت پر ایک کافی چوڑے اور

میں بڑی مشکل سے پوچھتے ہوئے تمہارے خیمے تک پہنچی ہوں۔ مجھے تمہارے باپ سندر داس نے بھیجا ہے۔ میرے پاس اس کی طرف سے تمہارے لئے ایک انتہائی اہم پیغام ہے۔

اس لڑکی کے آنے پر سانکرہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے اپنے سامنے والی نشست پر اسے بیٹھنے کیلئے کہا۔ وہ لڑکی بیٹھی نہیں بلکہ سانکرہ کے قریب آئی پھر ایک دم اس نے اپنے لباس کے اندر سے خنجر نکال لیا۔ یہ صورت حال سانکرہ کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ پھر سانکرہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ لڑکی بول پڑی۔

میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے تمہارے خیمے میں داخل ہونے کا موقع مل گیا ہے۔ یاد رکھو اب تمہاری زندگی چند لمحوں کی مہمان ہے۔ میں تمہارا خاتمہ کر کے جس طرح یہاں آئی ہوں اسی طرح واپس جانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

اس لڑکی کی ان باتوں سے سانکرہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ تھوڑا پیچھے ہٹی اور کہنے لگی پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے تمہاری کیا عداوت اور دشمنی ہے۔ اس پر لڑکی غراتی ہوئی آواز میں بول پڑی۔

سن میرا تعلق چترور شہر سے ہے۔ راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ کے ہمارے خاندان پر کچھ احسانات تھے انہیں احسانات کا بدلہ چکانے میں آئی ہوں۔ تو جانتی ہے راجہ داہر کا بیٹا جے سینہ تجھے دل کی گہرائیوں سے پسند کرتا تھا۔ تجھ سے شادی کرنے کا خواہاں تھا لیکن تو نے اس کی محبت اس کی چاہت کو ٹھکرایا اور ایک کم درجہ کے مسلمان سالار خرم بن عمر سے شادی کر لی۔ راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد بدول ہو کر چترور میں روپوشی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی ہے۔ اس نے ہمیں جب یہ حالات بتائے تو میں اور میرے بھائی نے تم سے اور تمہارے شوہر خرم بن عمر سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ میں تمہارا خاتمہ کروں گی اور میرا بھائی اردوڑھ کے باہر لڑی جانے والی جنگ میں انفرادی مقابلے کیلئے تمہارے شوہر کو لٹاکارے گا اور اس کی گردن کاٹے گا۔ ہم دونوں بہن بھائیوں نے قسم کھائی تھی کہ تم دونوں کے سر کاٹیں گے جس طرح میں تمہارے خیمے

لبے پھل کا خنجر پوست ہو چکا تھا۔ اس خنجر کے گلنے سے وہ لڑکی زمین پر گری تھی۔  
 ساگر ابھی تک دنگ اور پریشان تھی کہ یہ اچانک کیسے رونما ہو گیا کون اس کی  
 مدد کو آیا۔ کس نے اچانک اس لڑکی کو خنجر مارا اور اسے اس کے صحنے سے پھلایا۔  
 ساگر ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ خیمے کے دروازے کے پردے کے پیچھے سے  
 خرم بن عمر مسکراتے ہوئے نمودار ہوا پھر ساگر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔  
 ساگر تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا شوہر ابھی زندہ ہے  
 اور ایسی لڑکیوں سے تمہاری حفاظت کر سکتا ہے۔

خرم بن عمر کو خیمے میں دیکھتے ہوئے ساگر بھاگی اور خرم بن عمر سے لپٹ گئی  
 تھی۔ پھر کہنے لگی یہ لڑکی نہ جانے کیسے خیمے میں داخل ہوئی اور میری جان کے درپے  
 ہو گئی۔

خرم بن عمر نے ساگر کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔  
 تمہیں فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس مقصد کے تحت یہ  
 آئی تھی وہ مقصد اس نے تمہارے سامنے بیان کر دیا۔ میں نے بھی سن لیا اس پر  
 ساگر پریشانی سے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔  
 آپ پردے کے پیچھے کب آکر چھپ گئے تھے اس پر مسکراتے ہوئے خرم بن  
 عمر بول پڑا۔

یہ لڑکی لشکر میں داخل ہونے کے بعد میرے اور تمہارے خیمے کا پتا پوچھ رہی  
 تھی۔ جس لشکر سے اس نے لشکر میں داخل ہونے کے بعد پوچھا اس وقت میں بھی  
 موجود تھا۔ اس کو میں نے اشارہ کر دیا کہ میرے متعلق نہ بتائے خیمے کی نشاندہی کر  
 دے لہذا اس نے اسے ہمارے خیمے کا محل وقوع بتا دیا۔ اس نے اس لشکر کو کہا تھا  
 کہ وہ تمہارے باپ کی طرف سے آئی اور اس کے پاس تمہارے نام کوئی اہم پیغام  
 ہے۔ مجھے شروع سے ہی یہ مشکوک لگی تھی جس وقت یہ لشکر میں داخل ہونے کے  
 بعد اس طرف آئی میں خیموں میں سے ہوتا ہوا پہلے ہی خیمے میں پہنچ گیا۔ تم اس وقت  
 خیمے کے دوسرے حصے میں تھیں لہذا میں پردے کے پیچھے آکر چھپ گیا۔ جو نبی اس  
 نے تم پر وار کرنا چاہا تم نے دیکھا میں نے اسے خنجر مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

ساگر تھوڑی دیر تک بڑی ممنونیت اور شکر گذاری کے انداز میں خرم بن عمر  
 کی طرف دیکھتی رہی پھر علیحدہ ہوئی اور کہنے لگی۔

یہ کوئی انتہائی خطرناک لوگ لگتے ہیں۔ اس طرح خیمے کے اندر گھس آنا  
 ہمارے لیے کسی بھی وقت خطرے کا باعث بن سکتا ہے اور پھر اس نے جو اپنے بھائی  
 کی دھمکی دی ہے کہ وہ جنگ شروع ہونے پر آپ سے انفرادی مقابلہ کرے گا تو اس  
 کا کیا بنے گا۔ اس پر خرم بن عمر نے ساگر کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

تمہیں فکر مند اور خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جس بھائی کی بہن کا خاتمہ  
 ہم نے خیمے میں کر دیا ہے اس بھائی کا خاتمہ بھی میرے خداوند نے چاہا تو میدان  
 جنگ میں ہم بڑی آسانی کے ساتھ کریں گے۔ تم اپنا یہ خوف و ہراس مٹاؤ میں چند  
 سپاہیوں کو بلاتا ہوں وہ اس کی لاش کو لے جاتے ہیں۔ میں اپنے خیمے ہی کا نہیں ہر  
 سالار کے خیمے کی حفاظت کا کچھ بندوبست کروں گا تاکہ آئندہ ایسی لڑکیاں یا خنجر ہماری  
 لشکر گاہ میں داخل نہ ہو سکیں جو لشکر گاہ میں نیا آدمی داخل ہو گا اس کی سختی کے ساتھ  
 پڑاں اور تلاشی لی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دو جوانوں کو اپنے  
 ساتھ لے کر آیا جو مرنے والی لڑکی کی لاش کو اٹھا کر باہر لے گئے تھے۔



اگلے روز حجاج بن یوسف کی طرف سے تیز رفتار قاصد آیا جس نے محمد بن  
 قاسم کو حجاج بن یوسف کا یہ پیغام دیا کہ محمد بن قاسم اپنے ساتھی جہم بن زحر کو چند  
 عراقی دستوں کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ کر دے تاکہ وہ قتیبہ بن مسلم کے  
 ساتھ مل کر دشمن کے خلاف کارروائیوں میں حصہ لے کیونکہ حمیہ بن مسلم کے پاس  
 کوئی قابل ذکر نائب نہیں تھا جس روز یہ قاصد آیا محمد بن قاسم نے اسی روز جہم بن  
 زحر کو چند عراقی دستوں کے ساتھ سندھ سے خراسان کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

دو روز تک مزید دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے۔ تیسرے  
 روز محمد بن قاسم نے دیکھا کہ دشمن جنگ کی ابتدا کرنے کیلئے حرکت میں نہیں آتا تو

اس نے خود ہی اپنے لشکر کے اندر صبح ہی صبح جنگ کے طبل بجوا دیئے تھے جو دشمن کیلئے نشاندہی تھی کہ مسلمان جنگ کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دونوں طرف کے لشکر اپنی اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

جب لشکر اپنی صفیں درست کر چکے تب راجہ واہر کے بیٹے گوپی کے لشکر سے ایک سوار اپنے سیاہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا میدان کے وسط میں آیا اور خرم بن عمر کا نام لے کر مقابلے کیلئے لاکارا۔ خرم بن عمر پہلے ہی اس کے لئے تیار تھا۔ سارے واقعے کی اطلاع اس نے پہلے ہی محمد بن قاسم، بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان کو دے دی تھی۔ جونہی اس نے پکارنے والے کی پکار کو سنا اس نے اپنے گھوڑے کو ایز لگائی اور مقابلہ کرنے کیلئے میدان کے وسطی حصے کی طرف پکا تھا۔ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا خرم بن عمر مقابلے کیلئے آنے والے کے سامنے آیا تو اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

میرا نام دیوداس ہے کیا تم خرم بن عمر ہو جو اب میں اپنی تلوار اپنی ڈھال سامنے لاتے ہوئے خرم بن عمر نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ دیو داس نے ننگی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے پھر کہا۔

کیا تیرے منہ میں زبان نہیں ہے۔

خرم بن عمر تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا پھر دیو داس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اس میدان میں میں تیری زبان ایسے ہی بند کروں گا جیسے تیری بہن کی۔

اپنی بہن کے ذکر پر دیو داس چونکا پھر کہنے لگا تو میری بہن کو کیسے جانتا ہے؟ کیا تیری بیوی ساگرہ ابھی تک زندہ ہے۔

اس پر خرم بن عمر نے ہلکا سا ایک تہقہ لگایا اور کہنے لگا۔

دیو داس جس کام کیلئے تو نے اپنی بہن کو ہمارے لشکر میں بھیجا تھا تیرا وہ کلام ادھورا رہ گیا ہے۔ میری بیوی ساگرہ نے تیری بہن کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب تک تو تیری بہن کی لاش کو سے اور گدھ کھا بھی چکے ہوں گے۔

خرم بن عمر کے اس انکشاف پر دیو داس کی حالت زیادہ خراب اور ہولناک ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ ضبط کرتا رہا پھر بڑی قربانی میں اس نے خرم بن عمر کو

مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

اگر میری بہن کا خاتمہ کر دیا گیا ہے تو تو بھی زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔ یہاں ان سرزمینوں میں تیری حالت پر کوئی نوحہ کرنے والا ہمد کوئی ہم راز نہ ہو گا۔ میں اس میدان میں تجھے کان اور اون کے کپڑے کی طرح پھاڑوں گا اور چیتھڑوں کی طرح تیری دھجیاں اڑاؤں گا۔ تیری کھوپڑی کا پیالہ تیرے جسم کی ہڈیوں کے جھجھے بنا کر اپنے محسن بے سینہ کو پیش کروں گا۔ سن مسلمانوں کے سالار تم لوگ ہماری طلسماتی فضاؤں کے سحر اور نیشیلے بکھرتے گیتوں جیسی تہذیب پر قابو نہ پاسکو گے۔

اس پر تھوڑی دیر تک خرم بن عمر نے بڑے غور سے دیو داس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

مورکھ انسان! ہر تہذیب اپنے تمدن کی پیش رو ہوتی ہے۔ تہذیب کے فروغ کیلئے شہروں، دیہاتوں، کوستانوں اور دشت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ تہذیب تو معاشرے کی اجتماعی تخلیقات اور رہن سہن کے طریقوں سے ہو کر نکلتی ہے تو کس تہذیب کی بات کر رہا ہے۔ ہم نے تو دیواروں پر پرستش کے سامان اور آسمانی شبیہوں کی پجاری کرنے والوں اور غیر اللہ کیلئے قربان گاہیں سجانے والوں کی تہذیب کو اپنے سامنے منموں اور الم ناک تصویر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد خرم بن عمر رکا پھر کسی قدیم زبان کے حرف شناس کی طرح دوبارہ بول پڑا۔

دیو داس کسی دھوکے فریب میں مت رہنا ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے فارس کے آتش کدوں، زرتشت کے زمزموں اور ظلم و جہول پر کھڑی کی گئی ایرانی تہذیب کو اپنے سامنے سرنگوں کیا۔ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے زرتشت، مانی اور مزدک کے فلسفے آشوری، عکاری، سومیری، بابلی، نینوں، آرامی رومن اور یونانی تہذیب کو اپنے سامنے سرنگوں کیا۔ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف کوستان نوروس کو ہستان زاگروس جبل اور ارارات بلکہ دریائے دجلہ اور فرات اور نیل کی وسیع وادیوں کے اندر اپنے فتح مند گھوڑوں کو دوڑایا۔

دیو داس! تمہیں تو ہم موسیٰ کوڑوں اور حشرات الارض سمجھ کر اس طرح ہمگامیں گے جس طرح آندھیوں اور طوفانوں کے سامنے خشک پتے جس طرح ریت

کے گولوں کے سامنے خس و خاشاک بے منزل اڑتا پھرتا ہے۔ تو میرے سر کی کھوپڑی کا پیالہ اور جسم کی ہڈیوں کے پیچھے بنانے کی بات کرتا ہے ظالم اس میدان میں میرے ساتھ ذرا ٹکرا کر دیکھنا میں تجھے تیری زندگی کے لطف اندوز ہونے کے سلیقے اور جینے کے قرینے تک سے محروم کر دوں گا۔

خریم بن عمر کی یہ باتیں دیو داس کو بڑی کڑوی اور ناپسندیدہ لگیں تھیں لہذا ایک دم اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خرم بن عمر پر اس نے وار کر دیا تھا۔ خرم بن عمر نے اس کے وار کو روکا اور جوابی حملے کرنے شروع کئے۔ یوں دونوں اپنے گھوڑوں کو دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے خطرناک وار کرنے لگے تھے۔ ایک موقع پر جب دیو داس نے انتہائی منجھا ہوا وار خرم بن عمر پر کیا تو خرم بن عمر نے اس وار کو بڑی آسانی کے ساتھ اپنی ڈھال پر روکا۔ اچانک ڈھال پر سے دیو داس کی تلوار پھسل اور خرم بن عمر کے شانے کے نچلے حصے پر گری تھی اور چھوٹا سا زخم لگاتی چلی گئی اور خون بہہ نکلا تھا۔

اس پر دیو داس نے ایک ہولناک تہ بھرا تہ قبضہ لگایا اور کہنے لگا۔

من خرم بن عمر میری تلوار نے تیرے خون کا ذائقہ چکھ لیا ہے اب تجھے کاٹنے سے یہ دریغ نہیں کرے گی۔ خرم بن عمر منہ سے کچھ نہ بولا طنزیہ سے انداز میں اس نے اپنی گردن کو ہلا دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں پھر ٹکراتے رہے۔ اچانک دیو داس پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے گھوڑے کو ذرا سا بھگاتا ہوا دور لے گیا پھر پلٹا۔ اب اس نے اپنی ہیبت بدل لی تھی۔ اپنے گھوڑے کو وہ سرپٹ دوڑاتا ہوا خرم بن عمر کی طرف آیا تھا۔ ڈھال اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔ تلوار زین سے لٹکا دی تھی۔ اب اس کے ہاتھ میں لمبا وزنی لوہے کا نیزہ تھا جس سے وہ خرم بن عمر پر وار کرنا چاہتا تھا۔ خرم بن عمر بھی اس کے اس طریقے اس چال کو سمجھ چکا تھا۔

اس نے اپنے گھوڑے کو مخصوص ایڑ لگائی گھوڑا اپنے چاروں پاؤں پر کلیلیں کرنے لگا تھا۔ ہنسانے لگا تھا اور کبھی کبھی دائیں طرف مڑنے کیلئے اپنی گردن کو موڑتا بھی تھا لیکن مڑتا نہیں تھا۔

نیزے کو لہراتا ہوا جب دیو داس قریب آیا تو خرم بن عمر بھی حرکت میں آچکا

تھا۔ جب اس نے نیزے کا وار کرنا چاہا تو اپنی ڈھال مار کر اس نے دیو داس کا نیزہ ایک طرف ہٹا دیا۔ اپنے آپ کو بچا لیا۔ عین اسی موقع پر اس نے اپنے گھوڑے کی ٹانگ کو جھٹکا دیا۔ بس یہ جھٹکا لگتا تھا کہ گھوڑا طوفانوں کی طرح دائیں طرف مڑا اور دیو داس کے گھوڑے کے پیچھے لگ گیا تھا۔ تھوڑا سا آگے جا کر دیو داس مڑتا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے طوفان اور انقلاب برپا ہو گیا۔ خرم بن عمر نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور پشت کی طرف سے اس کے شانے پر ایسی گرائی کہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے تک اس کی تلوار کا تھی چلی گئی تھی۔

میدان جنگ میں دیو داس کی ایک جگر سوز چیخ بلند ہوئی تھی۔ گھوڑے سے گر کر وہ دم توڑ گیا تھا۔ خرم بن عمر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔ ابھی وہ اپنے حصے کے لشکر کے سامنے گیا ہی تھا کہ راجہ داہر کے بیٹے گوپی نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کیلئے نعرے لگانے شروع کر دیئے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے راجہ داہر کا بیٹا گوپی اپنے لشکر کے ساتھ چروں کو سلوٹ سلوٹ کر دینے والی زمانے کی کالی سازشوں، نعرے لگاتی ہواؤں کی یلغار اور جذبوں کے اندھے جنگ کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

جواب میں مسلمانوں نے بھی آہنی الفاظ تک کو پگھلا دینے والے اور ساعتوں کو بڑھ کر دینے والی تکبیریں بلند کیں پھر درد دشمن پر اس طرح حملہ آور ہوئے جس طرح ہلتی خاموشیوں، بلند نیلیوں، گہری وادیوں، گھن دار درختوں، لہلہاتی گھاس کے اندر چانک جلال آگئیں شعاعیں گھس آتی ہوں۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے اروڑھ شہر سے باہر سیم زدہ دن پٹ ایسی حرکت اختیار کر گیا کہ ایسے آہستہ آہستہ ماروں میں چیختے غول بیابانی کی صدائیں بلند ہوتی جاتا۔ ہر چیز کچھ اس طرح سم گئی تھی جیسے سیاہ سناٹوں میں ہر کوئی تپ کر آوہ اور گمراہ ہو گیا ہو۔

راجہ داہر کا بیٹا گوپی زیادہ دیر تک اروڑھ شہر سے باہر مسلمانوں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا۔ شہر سے باہر اسے بدترین شکست ہوئی۔ اپنے لشکر کو لے کر



یا اور زار و زار رونے لگی۔ جو لوگ بالا حصار پر کھڑے تھے انہیں اب بھی یقین نہ آیا انہوں نے کہا تم غلط کہتی ہو تم ان چنڈالوں اور گائے کھانے والوں سے مل گئی ہو ہمارا راجہ ابھی زندہ ہے وہ عنقریب ایک جرار لشکر کے ساتھ آئے گا۔ تم نے ان دہروں کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو منحوس اور نجس بنا لیا ہے اب تم ان کی حکومت کو ہماری حکومت پر ترجیح دیتی ہو۔

پھر وہ اس کو برا بھلا کہنے لگے۔ محمد بن قاسم کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے لاڈلی کو بلا لیا اور افسوس کرتے ہوئے کہا کہ جب ان لوگوں کی قسمت میں تباہی لکھی باجلی ہے تو اسے کون مٹا سکتا ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کے مشہور مورخ یعقوبی نے بیان کیا ہے۔ اس کے باوجود کچھ مورخین کا خیال ہے کہ راجہ داہر کی رانی لاڈلی راوڑھ قلعے میں لڑتی ہوئی ماری گئی تھی۔

محمد بن قاسم کی طرف سے جب قلعے کا محاصرہ دن بدن تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا تب محاصرے کی سختی سے تنگ آکر راجہ داہر کے بیٹے گوپی اور سرداروں نے اسی ساتھ اور جادوگرنی کو بلایا جسے ایک بار راجہ داہر نے بھی اپنے دربار میں بلا کر مسلمانوں کے خلاف اپنی فتح اور شکست کے حالات جاننے کی کوشش کی تھی۔ جادوگرنی جب گوپی کے پاس آئی تو اپنے سرداروں کے سامنے جادوگرنی کو مخاطب کر کے گوپی کہنے لگا۔

محترم خاتون! اس وقت ہم سخت مصیبت اور اذیت میں ہیں تم اپنے بھر کے علم کی مدد سے ہمیں بتاؤ کہ ہمارا راجہ داہر اگر زندہ ہے تو اس وقت کہاں ہے؟  
ساحرہ نے کہا میں تمہارے اس سوال کا جواب کل مسہد پر کے قریب دوں گی۔

گوپی اور اس کے سردار مطمئن ہو گئے۔ دوسرے روز مسہد پر کے قریب ساتھ آئی اس وقت گوپی اس کے سارے سردار قصر میں جمع ہو چکے تھے۔ ساحرہ کے آ جانے پر سب نے اپنی جگہ پر اٹھ کر اس کا استقبال کیا جو نشست ساحرہ کو میا کی گئی گی وہ اس پر بیٹھ گئی پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

اپنے قلعے کے اندر محصور ہو گیا۔

محمد بن قاسم سمجھ گیا تھا کہ اردوڑھ والے محاصرے کو طول دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ابھی تک امید ہے کہ راجہ داہر زندہ ہے اور ہندوستان کے راجاؤں کی طرف گیا ہوا ہے اور وہاں سے ایک بہت بڑا لشکر فراہم کر کے ان کی مدد کیلئے آئے گا۔ اسی بنا پر شہر کے اندر محصور لشکری کبھی کبھی قلعے کی تفصیل پر چڑھ کر نعرے لگاتے اور مسلمانوں پر آوازیں کتے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری موت تمہیں میاں لے آئی ہے۔ عنقریب راجہ داہر ہندوستان سے ایک بہت بڑا لشکر لے کے آئے گا۔ اور وہ اور قلعے سے نکل کر ہم تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے سارے لشکریوں کو پس کر رکھ دیں گے لہذا اپنی خیریت چاہتے ہو تو اٹنے پاؤں واپس ہو جاؤ اور اپنی جانوں پر رحم کرو۔ اس قسم کے جملے محصور لشکری قلعے کی تفصیل پر چڑھ کر روزانہ کہا کرتے تھے۔ محمد بن قاسم نے جب دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ سکتا ہے تو اس نے اردوڑھ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر اپنا پڑاؤ کر لیا۔ خیمے نصب کر دیئے گئے۔ عارضی طور پر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی۔ جہاں وہ خود نماز پڑھایا کرتا تھا۔ اس طرح دن میں اس نے اردوڑھ کے محاصرے میں سختی پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔

اردوڑھ شہر میں بھی راجہ داہر کی رانی لاڈلی کے متعلق من گھڑت کہاوٹ مشہور ہے اور وہ اس طرح کہ کہنے والوں کا کہنا ہے کہ اردوڑھ کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو اس وقت رانی لاڈلی جو محمد بن قاسم کے لشکر میں موجود تھی قلعے والوں کو زیر کرنے کیلئے محمد بن قاسم نے رانی لاڈلی کو اسی سیاہ اونٹ پر سوار کرایا جس پر وہ راجہ داہر کے ساتھ سوار ہوا کرتی تھی اور اردوڑھ کے قلعے کی طرف روانہ کیا۔

قلعے کے قریب پہنچ کر رانی لاڈلی نے لوگوں کو آواز دے کر کہا کہ اے الورے! باشندو میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں سامنے آؤ تاکہ میں تم سے گفتگو کروں۔

یہ سن کر الور کے بڑے بڑے سردار بلائے حصار پر آکر کھڑے ہو گئے۔ رانی لاڈلی نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا کر کہا دیکھو میں داہر کی بیوی لاڈلی ہوں راجہ داہر مارا جا چکا ہے اور اس کا سر اس کے جھنڈے اور چتر کے ساتھ عراق پہنچ چکا ہے۔ تم اپنے آپ کو ناسخ کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو یہ کہہ کر اس نے نقاب ڈال

شہر والوں کے اس مشورے سے راجہ داہر کا بیٹا گوپی بڑا پریشان اور فکر مند ہوا۔ اس وقت حارث علانی کا بیٹا معاویہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے اس سے بھی مشورہ کیا لیکن وہ اسے کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ گوپی کو جب یقین ہو گیا کہ شہر کے لوگ محمد بن قاسم کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں تو وہ رات کو خاموشی سے اپنے نادان کے لوگوں اور ملازموں کو لے کر نکلا اور جتور کے علاقے میں چلا گیا۔

اس کے اس طرح جانے سے حارث کے بیٹے معاویہ کو بڑا دکھ اور افسوس ہوا۔ اس نے جب دیکھا کہ گوپی سب کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگا جا رہا ہے تو اس نے تمام حالات کانگڈ کے ایک نکلڑے پر لکھے اور ایک تیر کے ذریعے کانگڈ اسلامی لشکر میں پھینک دیا۔

یہ سارے حالات جب محمد بن قاسم کو ملے تو اس نے فوراً اپنے لشکر کو شہر کے قریب کیا۔ منجنیقیں نصب کرنا شروع کر دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر شہر کے تاجروں، مانعوں اور پیشہ دروں نے محمد بن قاسم کے پاس ایک وفد بھیجا کہ ہمیں آج سے پہلے راجہ داہر کے مرنے کا یقین نہ تھا اس کا لڑکا گوپی بھی ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ ہم یہ برا دن نہ دیکھنا چاہتے تھے لیکن یہ دن بھی ہمارے مقدر میں تھا اس لئے ہم اطاعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے قلعہ آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ آپ ہمیں امان دیں۔

محمد بن قاسم نے کہلوا بھیجا کہ اگر تم واقعی اپنے عہد میں سچے ہو تو سب سے پہلے لڑائی بند کرو۔ قلعے کی فیصل سے سب لوگ نیچے اتر آؤ ورنہ ہم میں اور تم میں جنگ ہوگی۔ محمد بن قاسم کا یہ پیغام پہنچتے ہی سب قلعے کی فیصل سے اتر آئے اور قلعے کے دروازے کی کنجی لے کر قلعے کا بڑا دروازہ کھول دیا۔ محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ فاتحانہ انداز میں اور شہر میں داخل ہوا۔

محمد بن قاسم جس وقت شہر میں داخل ہوا اس وقت اس کے دائیں جانب خرم بن عرقم، بائیں طرف بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان تھے۔ ان سب نے دیکھا کہ شہر کے لوگ ایک بت کدے میں جمع ہو رہے تھے جس کا نام نوبہار تھا اور ایک بت کو سجدہ کر رہے تھے۔ اس پر محمد بن قاسم نے چڑھا یہ کس کا مکان ہے جہاں یہ لوگ

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آسیب زدہ آفتیں اور ان کے سفینے ان سرزمینوں پر چھانے لگے ہیں۔ تم لوگوں کا عملی اتحاد عیب دار ہو چکا ہے۔ شجر اقبال بوسیدہ اور قضا زدہ ہو چکا ہے۔ قصر اقتدار کا شیرازہ بھی بکھرنے لگا ہے۔ سادہ بدول زندگی بسر کرنے والے لمحہ بہ لمحہ ان سرزمینوں پر چھاتے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے عمود مذہب مدار ملت بن کر اپنے سامنے آنے والی ہر وقت کی عزیمت کو کمزور اس کی ہمت کو پست کرتے چلے جا رہے ہیں یاد رکھو جو کچھ میں نے دیکھا اس کے مطابق یہ حملہ آور نیلے آکاش کی دستوں پر زندگی کی معراج بن کر چمکیں گے۔

ساحرہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ بیچ میں راجہ داہر کا بیٹا گوپی بول پڑا۔ وہ بڑا مایوس اور افسردہ تھا تاہم وہ ہمت کر کے بول پڑا۔

ساحرہ جو کچھ تم نے کہا ہے یہ ہمارے لئے حوصلہ افزا تو نہیں پھر بھی یہ بتاؤ میرا باپ اس وقت کہاں ہے اگر زندہ ہے تو کس جگہ ہے؟

گوپی کی اس گفتگو کے جواب میں ساحرہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ اس کے ہاتھوں میں جانتقل اور سیاہ مرچ کی سبز شاخیں تھی جن میں پھل پھول بھی تھے۔ کچھ دیر وہ ان شاخوں کو دیکھتی رہی پریشانی کا اظہار کرتی رہی پھر سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

سنو لوگوں میں دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک اپنے علم کے زور پر مٹی خصوصاً سارے ہند اور سندھ کو میں نے چھان مارا مگر مجھے کہیں راجہ داہر کا پتا نہ چلا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو میں ضرور اس کو پالیتی۔ میں تمہارے اعتبار کیلئے یہ سرسبز شاخ سرانڈیپ سے توڑ لائی ہوں یاد رکھو یہ ایک حقیقت ہے کہ تمہارا راجہ مرچکا ہے لہذا اب تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

ساحرہ کے یہ الفاظ سن کر شہر والوں پر مایوسی چھا گئی اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم محمد بن قاسم کی دیانت، انصاف، امانت اور سچائی سے متعلق حالات سنتے رہے ہیں۔ کچھ ہم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا ہے اب ہمیں محمد بن قاسم کے پاس اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیجنا چاہیے اور رحم کی درخواست کر کے قلعہ ان کے حوالے کر دینا چاہیے۔

نے ہاتھ لراتے ہوئے اسے رکنے کیلئے کہا پھر اسے مخاطب کیا۔  
تم جاؤ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ محمد بن قاسم نے بھی یہ صورت حال دیکھ لی  
نہی۔ اس نے اس لشکری کو اپنے قریب بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا کیا بات  
ہے۔

جواب میں اس لشکری نے محمد بن قاسم کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر محمد بن  
قاسم کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور خرم بن  
مر کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا لشکری ٹھیک کتا ہے جاؤ یہاں کوئی اتنا  
ہام نہیں ہے جس میں تمہاری کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جائے۔ جب میں ایسا  
محسوس کروں گا تو تمہیں بلا لوں گا بس تم جاؤ خرم بن عمر نے ایک بار محمد بن قاسم کی  
طرف احتجاجی سے انداز میں دیکھا اس کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

محمد بن قاسم نے اروڑہ کا نظم و ضبط درست کرنے کے احکامات جاری کیے۔  
ایک شخص رواج بن اسد کو اس نے اروڑہ کا حاکم مقرر کیا۔ مذہبی امور کیلئے موسیٰ  
بن یعقوب کو قاضی مقرر کیا اور ہدایت دی کہ رعایا کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا اور  
قرآن مقدس کی اس آیت یعنی نیکی کے احکام دینے اور برائیوں سے بچتے رہنے پر عمل  
کرنا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم آگے بڑھتے ہوئے اروڑہ شہر کے مختلف لوگوں کی  
ٹکایات سنتے ہوئے احکامات جاری کرنے لگا تھا۔



خرم بن عمر اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے کے اندر ساکنہ ایک کونے سے  
دوسرے کونے تک بڑی بے چینی اور پریشانی میں ٹھل رہی تھی۔ بار بار اپنے ہاتھوں کو  
ل رہی تھی۔ خرم بن عمر جو خیمے کے اندر داخل ہوا انتہائی بے تاب سے ساکنہ  
اس کی طرف لپکی اور شکوؤں بھری آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

آپ دن بدن انتہائی غیر ذمہ دار ہوتے جا رہے ہیں۔

خرم بن عمر ساکنہ کے ان الفاظ پر چونکا عجیب سے انداز میں اس کی طرف  
دیکھا پھر پوچھ لیا۔

جمع ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ بت خانہ ہے اس کو نوہار کہتے ہیں۔ یہ سن کر محمد بن  
قاسم خرم بن عمر زکوان بن علوان اور بنانہ بن حنظلہ نوہار نام کے بت خانے میں  
داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ سنگ رخام سے تراشا ہوا ایک گھوڑا تھا جس پر پتھر  
کی ایک عورت سوار تھی۔ اس کے بازو میں سنہرے بازو بند تھے جن پر یاقوت اور  
جواہر جڑے ہوئے تھے۔

محمد بن قاسم تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں اس گھوڑے اور بت کو دیکھتا  
رہا پھر ہاتھ آگے بڑھایا اور اس بت کا ایک بازو بند جس پر یاقوت اور جواہر لگے تھے  
نکال لیا پھر نوہار بت کدے کے بڑے پجاری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اس بت کا ایک بازو بند کہا گیا۔ بڑے پجاری کے علاوہ دوسرے پجاری بھی  
دیکھ چکے تھے کہ محمد بن قاسم نے جواہر بھرا بازو بند بت کے بازو سے نکال لیا ہے لہذا  
ان کی گردنیں جھک گئیں۔ جواب میں وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کی اس خاموشی پر محمد  
بن قاسم ہنس کر کہنے لگا۔

تمہارے بت کو یہ بھی خبر نہیں کہ اس کا بازو بند کس نے اتار لیا ہے اور یہ  
اپنی کسی چیز کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی بازو بند محمد بن قاسم نے  
اس بت کو پہنا دیا تھا۔

اروڑہ میں داخل ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ جنگ  
میں حصہ لیتے رہے ہیں انہیں قتل کر دینا ہی بہتر صورت حال ہے، کیونکہ آنے والے دور  
میں وہ پھر مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم کو  
مشورہ دیا گیا کہ یہاں کے لوگ معمار اور بعض تاجر ہیں۔ یہاں کے تمام گھر انہیں  
کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں کی تمام زمینیں وہی کاشت کرتے ہیں۔ ان کی محنت سے  
خرزانہ معمور ہے اگر ان کو قتل کر دیا گیا تو خزانے کا کافی نقصان ہو گا۔ محمد بن قاسم  
نے اس مشورے کو قبول کر لیا اور جن لوگوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا انہیں بھی  
معاف کر دیا۔

محمد بن قاسم اپنے سالاروں کے ساتھ کھڑا ابھی یہ فیصلے کر ہی رہا تھا کہ ایک  
لشکری خرم بن عمر کے پاس آیا اور اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ خرم بن عمر

کیا ہو گیا خیریت تو ہے؟

ساگرہ پھر گلہ کرنے کے انداز میں بول پڑی آپ کیا سمجھتے ہیں کچھ نہیں ہوا۔ جنگ سے پہلے جس وقت بے سینہ کے نمک خوار دیو داس سے آپ کا انفرادی مقابلہ ہوا تھا آپ کو زخم آیا تھا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ جنگ کے دوران ہی مجھے پتا چل گیا تھا کہ انفرادی مقابلے میں آپ زخمی ہوئے ہیں۔ آپ کو کم از کم میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ آپ جانتے ہیں آپ کے زخمی ہونے کا سن کر میں بے چین اور بے قرار ہوں گی۔ آپ جنگ کے بعد قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور مجھے یکسر ہی فراموش کر دیا۔ جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد تک میں اپنے خیمے کے اس کونے سے اس کونے تک شملتی رہی ہوں اور یہ جو وقت میں نے گزارا ہے میں ہی جانتی ہوں۔

اس پر خرم بن عمر نے ہلکا سا تھقہ لگایا پھر کہنے لگا تمہیں کس بیوقوف نے کہہ دیا کہ میں انفرادی مقابلے کے دوران زخمی ہوا ہوں۔ ایک موقع پر جب اس دیو داس نے مجھ پر وار کیا تو اس کی تلوار میری ڈھال سے پھسل کر شانے پر چھوٹی سی خراش دیتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس سے خون ضرور نکلا تھا اور اس خون کو دیکھتے ہوئے دیو داس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اس کی تلوار نے میرے خون کی بو سوگھ لی ہے وہ میرا خاتمہ کرے گی لیکن قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ الٹا دیو داس میرے ہاتھوں ختم ہو گیا۔ انفرادی مقابلے کے بعد اصل جنگ شروع ہونے سے پہلے میں نے اپنے طور پر زخم پر پٹی باندھ دی تھی اور جنگ کے بعد طبیب نے میرے زخم کی باقاعدہ مرہم پٹی کر دی ہے۔ کوئی اتنا گرا زخم نہیں معمولی سی خراش ہے۔ دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ہی جس بازو پر چھوٹا سا زخم لگا تھا خرم بن عمر نے وہ بازو آگے کر دیا۔

ساگرہ نے لباس ہٹا کر دیکھا واقعی زخم پر طبیب کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس پر وہ مطمئن ہو گئی۔ پھر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کیا۔

تم نے خواہ مخواہ میں زحمت کی۔ میں قلعے کے اندر محمد بن قاسم کے ساتھ انتظامی امور بنانے میں مصروف تھا کہ جس لشکری کو تم نے بھیجا اس نے میرے کان

میں کھس پھسری۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے بھی دیکھ لیا۔ میں ٹھہر کر آنا چاہتا تھا لیکن محمد بن قاسم نے زبردستی مجھے تمہاری طرف بھیج دیا۔ اب میرے خیال میں تم خیمے میں آرام کرو تم مطمئن ہو گئی ہو میں واپس جاتا ہوں۔

ساگرہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ بنانہ بن حنظلہ اور گودیری دونوں خیمے کے دروازے پر نمودار ہوئے پھر بنانہ بن حنظلہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

میرے عزیز بھائی تمہیں اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انتظامی امور بنانے کے بعد محمد بن قاسم قلعے سے باہر اپنے خیمے میں آچکا ہے۔ اب وہ آرام کرے گا لہذا تم بھی اپنے خیمے میں رہو، اس کے ساتھ ہی بنانہ بن حنظلہ اور گودیری بھی خیمے میں داخل ہوئے اور چاروں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگے تھے۔



جاہی میں وانگہ کا بھی ہاتھ ہے تب وہ اپنے جنگجو ساتھیوں کے ساتھ وانگہ پر حملہ آور ہوا۔ وانگہ کے قبیلے کی اکثریت کو اس نے تمہ تیغ کر دیا۔ وانگہ اپنے چند جانثاروں کے ساتھ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا اور نیرون کے حاکم سندر داس کے پاس آکر اس نے پناہ لے لی ہے۔ ہم اس کے محافظ دستے کے جانثاروں میں سے ہیں۔ ہمیں اس نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ اس کی مدد کی جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ سول رائے کے خلاف کارروائی کی جائے تاکہ آنے والے دنوں میں وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہ لے سکے۔

وانگہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر سول رائے نے آج اسے سندر کے کنارے نقصان پہنچایا ہے تو کل وہ مسلمانوں کے خلاف کسی بڑی کارروائی کی ابتدا بھی کر سکتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس بیس سے پچیس ہزار تیک بہترین تربیت یافتہ جنگجو ہیں۔ وانگہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر سول رائے کے ساتھ جلدی کوئی کارروائی نہ کی گئی تو سول رائے راجہ واہر کے بھاگ جانے والے بیٹوں بے سینہ اور گولپی کے ساتھ مل کر بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا ہے اس لئے کہ سول رائے آج کل ان دونوں ہی کی طرف گیا ہوا ہے۔

آنے والا وہ مخبر جب دم لینے کیلئے رکا تب خرم بن عمر نے محمد بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

امیر محترم اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آنے والے اس قاصد سے کچھ پوچھوں۔ جواب میں جب محمد بن قاسم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی تب خرم بن عمر نے آنے والے وانگہ کے اس قاصد کو مخاطب کیا۔

میرے عزیز یہ جو تو نے ہمیں اطلاع دی ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ وانگہ پر جو حملہ ہوا اس کا ہمیں بے حد افسوس اور دکھ ہے۔ پہلے یہ بتاؤ سول رائے کی طاقت کہاں ہے؟ وہ کس جگہ آباد ہے اور راجہ واہر کے بیٹے بے سینہ اور گولپی کی طرف وہ کیا لینے گیا ہے۔ اس پر آنے والا وہ قاصد پھر بول پڑا۔

کاٹھیاواڑ کی طرف جائیں تو راستے میں سول رائے کی طاقت دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کچھ قبائل مغرب میں ہیں اور کچھ پانچ میل آگے مشرق کی طرف ہیں۔ یعنی

ایک روز اروڑھ سے باہر خیمہ گاہ میں محمد بن قاسم اپنے سالاروں کے ساتھ گزشتہ جنگوں میں زخمی ہونے والے لشکریوں کی تیمارداری میں مصروف تھا کہ کچھ سوار خیمہ گاہ میں داخل ہوئے۔ آنے والے محمد بن قاسم کے لشکر کے مخبر اور ناظر تھے۔ قریب آکر وہ اپنے گھوڑوں سے اترے۔ ان کے ساتھ کچھ اجنبی بھی تھے۔

انہیں دیکھتے ہوئے محمد بن قاسم خرم بن عمر اور دیگر سالار ان کی طرف متوجہ ہوئے پھر ایک آگے بڑھا اور محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر محترم ہمارے ساتھ یہ جو نا آشنا چہرے ہیں یہ نکامرو قبیلے کے بدھ مت کے پیروکاروں کے سردار وانگہ کے آدمی ہیں۔ یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ گو یہ پوری داستان ہمیں سنا چکے ہیں لیکن یہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اب ان سے انہی کی زبانی سنیں۔ اس پر سوالیہ سے انداز میں محمد بن قاسم اور خرم بن عمر آنے والوں کی طرف دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک بول پڑا۔

مسلمانوں کے امیر! ہمیں آپ کی طرف سردار وانگہ نے بھیجا ہے۔ ہم ایک انتہائی بری خبر لے کر آئے ہیں۔ ماضی میں آپ کے سالار خرم بن عمر نے مولد اس کے قبائلیوں پر حملہ کیا تھا اور انہیں تمہنس نس کیا تھا لیکن نکامرو قبیلے کے کچھ جنگو بچ گئے تھے۔ وہ ان دنوں کاٹھیاواڑ کے ساحل سے دور تجارتی لین دین میں مصروف تھے۔ بچنے والے ان قبائل کا سردار سول رائے ہے اور یہ مول کا عزیز اور رشتہ دار ہے۔ اس کے پاس کم از کم بیس سے پچیس ہزار مسلح اور جنگجو جوان ہیں۔ اسے جب خبر ہوئی کہ مسلمان مولد پر حملہ آور ہوئے اور اس کے قبائلیوں کو تباہ کر دیا تب یہ سندر کی طرف آیا۔ حالات کا جائزہ لیا۔ جب اس نے یہ جانا کہ مولد کی



دو جگہ اس نے اپنی طاقت کو رکھا ہوا ہے تاکہ اگر ایک جگہ اس پر کوئی حملہ آور ہو تو دوسری طاقت کو استعمال کیا جاسکے۔

سومل رائے کے پاس چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز ہیں جن کے ذریعے وہ سمندر کے اندر بھی کارروائیاں کرتا ہے۔ ماضی میں جس قدر بحری قزاقی کا کام کیا گیا ہے اس میں سومل شرائے پیش پیش رہا۔ سومل رائے نے ان مسلمان جہازوں کے خلاف کارروائی بھی کی جو سراندیپ سے عراق کا رخ کر رہے تھے۔

یہ تو سومل رائے کی طاقت ہے جو ان دنوں سمندر کے کنارے ہے اور دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ سومل رائے ان دنوں جتور کی طرف گیا ہوا ہے جو خیریں ہم تک پہنچی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں کہ سومل رائے پہلے جتور میں راجہ داہر کے بیٹے گوپتی سے ملے گا۔ کسنے والوں کا کہنا ہے کہ بے سینہ بھی آپ لوگوں سے شکست کھانے کے بعد اپنے بھائی گوپتی کے پاس آ گیا ہے۔ یہ تینوں پہلے صلاح مشورہ کریں گے۔ اس کے بعد یہ تینوں قنوج کے راجہ ہرچندر کی طرف جائیں گے اور اس سے بھی مالی اور عسکری مدد حاصل کرنے کے بعد ایک بار پھر آپ لوگوں کے خلاف قسمت آزمائی کریں گے۔ وانگہ نے مجھے اس لئے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ اس سومل رائے کی طرف کوئی لشکر روانہ کیا جائے اور اس کے خلاف کارروائی کرنے میں دیر نہ کی جائے۔ سومل رائے ان دنوں چونکہ جتور کی طرف گیا ہوا ہے وہاں سے قنوج کی طرف جائے گا لہذا اس کی غیر موجودگی میں اس کی طاقت کے دونوں حصوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ گو اس کی غیر موجودگی میں اس کے کافی سالار ہیں لیکن اس کی غیر موجودگی سے بڑا اثر پڑے گا۔ وانگہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اس مہم پر سالار خرم بن عمر کو روانہ کیا جائے جو ماضی میں بھی ناکامہ قبیلے کے خلاف مہم جوئی میں مصروف رہا ہے۔ وانگہ نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ جو سومل رائے بے سینہ اور گوپتی کی طرف گیا ہے اور وہاں سے یہ قنوج کی طرف جائیں گے تو تین قوتیں آپس میں ملیں گی۔ پہلی گوپتی اور بے سینہ کے ساتھ بھاگے ہوئے لشکری۔ دوسری قوت سومل رائے ہو گا جس کے ساتھ بیس پچیس ہزار مسلح جنگجو ہیں جو کسی بھی وقت میدان میں اتر سکتے ہیں اور تیسری قوت قنوج کا راجہ بنے گا جو وانگہ کے خیال کے مطابق بے سینہ اور گوپتی کو

ایک بڑا لشکر مہیا کرے گا تاکہ مسلمانوں کے ساتھ آخری اور بڑی کارروائی کی جاسکے۔

وانگہ نے ان دنوں نیون میں سندر داس کے ہاں قیام کر رکھا ہے۔ وانگہ نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ سومل رائے پر حملہ آور ہونے کیلئے جو لشکر تیار کیا جائے وہ نیون سے ہو کر جائے۔ وانگہ چاہتا ہے کہ وہ خود بھی اس لشکر میں شامل ہو اور سومل رائے کی بستیوں تک اس لشکر کی رہنمائی کرے کیونکہ سومل رائے کی ساری بستیوں سے وہ خوب اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے۔

آنے والا قاصد خاموش ہو گیا۔ محمد بن قاسم تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنا رخ سیدھا کیا۔ ایک نگاہ آنے والوں پر ڈالی پھر اپنے پہلو میں کھڑے خرم بن عمر پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔ اس لمحہ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر خرم بن عمر کو اس نے مخاطب کیا۔

ابن عمر میرے بھائی اب کہو تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔ وانگہ سومل رائے کے خلاف حرکت میں آنے کیلئے تمہارا نام تجویز کر چکا ہے۔ میرے خیال میں تمہارا نام پہلے ہی ان بحری قزاقوں کیلئے خوف اور خطرے کا نشان بنا ہوا ہے اگر تم رضامندی کا اظہار کرو تو اس مہم کیلئے میں بھی تمہارا نام تجویز کروں گا۔ خرم بن عمر نے جواب میں بڑی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

امیر محترم نام تجویز کرنے کے بجائے اس مہم پر جانے کیلئے آپ مجھے حکم بھی دے سکتے ہیں۔ بہر حال میں خود اپنے آپ کو اس مہم کیلئے پیش کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ سومل رائے سے میں خوب بنوں گا۔ آنے والے قاصد کا یہ بیان ہے کہ سومل رائے جتور کی طرف گیا ہوا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں ہمیں اس کے قبائل پر ضرب لگانا چاہیے۔ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔ میں اس رفتار سے بحری قزاقوں کا رخ کروں گا کہ سومل رائے اس وقت تک جتور یا قنوج سے لوٹ آئے۔ میں اس کی موجودگی میں اس کے قبائل پر ضرب لگانا چاہتا ہوں۔ اپنے لشکریوں کو سمجھا دوں گا کہ پوری کوشش کی جائے کہ سومل رائے کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ سومل رائے نے

سول رائے کو ہم بڑی کڑی سزا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اردوٹھ کے نواح سے نیون کی طرف آتے ہوئے میں نے بنانہ بن حنظلہ کے ساتھ فیصلہ کیا تھا کہ ہر لکڑی کو بتا دیا جائے کہ نکامہ قبیلے کے اس دوسرے بڑے سردار سول رائے کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو میں ایسا بھی چاہوں گا کہ سول رائے کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے پھر آپ جو چاہیں اس کی سزا تجویز کریں۔ میں یہ بھی پسند کروں گا کہ اس مہم میں آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تاہم مخزم سندر داس یہاں رہیں۔ سانکرہ اور گودیری بھی ان کے پاس قیام کریں گی۔

اس موقع پر گودیری اپنے باپ کے پاس کھڑی تھی جبکہ سانکرہ نے اپنے باپ سندر داس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پھر دونوں نے عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ ہوا آخر گودیری نے خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

خرم بن عمر میرے بھائی آپ برا نہ مانئے گا جب میرے باپ آپ کے ساتھ جائیں گے تو میں چاہوں گی کہ میں بھی ان کا ساتھ دوں۔ سول رائے نے ہمارے قبیلے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ جب آپ اسے زندہ گرفتار کر کے میرے باپ کے سامنے پیش کریں گے تو میں پسند کروں گی کہ اس کی سزا کو عبرت خیزی کے طور پر اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ میرے بھائی جب میں اپنے باپ کے ساتھ جاؤں گی تو پھر سانکرہ یہاں اکیلی کیا کرے گی۔ اسے بھی میرے ساتھ جانا چاہیے اور پھر آپ کے لشکر میں دیگر لشکریوں کے بھی اہل خانہ ہیں ہم دونوں بہنیں بھی لشکر میں رہ جائیں گی تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس موقع پر لمحہ بھر کیلئے خرم بن عمر نے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا۔ بنانہ بن حنظلہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی پھر گودیری کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کہہ اٹھا۔

گودیری میری بہن تم اور سانکرہ نے نگاہوں ہی نگاہوں میں جو اشارہ کیا ہے اسے میں نے پڑھ لیا ہے کہ تم کیا فیصلہ کر چکی ہو۔ بہر حال مطمئن رہو تم دونوں بھی ہمارے ساتھ جاؤ گی۔ خرم بن عمر کے اس فیصلے پر سانکرہ اور گودیری دونوں مسکرا

چونکہ وانگہ اور اس کے قبائل کو تباہ و برباد کیا ہے لہذا سول رائے کو ایک قیدی بنا کر میں چاہوں گا کہ وانگہ کے سامنے پیش کروں وانگہ جو چاہے اس کی سزا تجویز کرے۔ خرم بن عمر تھوڑی دیر کا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امیر محترم اس موقع پر میری آپ سے گزارش ہے کہ میرے ساتھ بنانہ بن حنظلہ کو بھی روانہ کیا جائے۔ میں کوشش کروں گا کہ بنانہ بن حنظلہ اور میں یہاں سے نیون کا رخ کریں۔ میری بیوی سانکرہ اور گودیری دونوں نیون میں رہیں گی جبکہ میں اور بنانہ لشکر کو لے کر سول رائے کا رخ کریں گے۔ وانگہ کے آدمی اس کے قبائل تک ہماری راہنمائی کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ سول رائے کے قبائل سے میں ایسا بیٹوں گا کہ آنے والے دور میں ہمیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا بلکہ مجھے یہ بھی امید ہے کہ میں اس کے قبائل کا نام و نشان مٹا کر رکھ دوں گا۔ خرم بن عمر کی اس تجویز سے محمد بن قاسم نے اتفاق کیا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ابن عمر میرے بھائی میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ بنانہ بن حنظلہ تمہارے ساتھ جائے گا۔ اب تم لوگ ان آنے والے قاصدوں کے طعام اور قیام کا بندوبست کرو اور اپنے کوچ کی بھی تیاری کرو۔ میں چاہتا ہوں آج شام تک تم دونوں اپنے لشکر کو لے کر کوچ کر جاؤ۔ خرم بن عمر بنانہ بن حنظلہ نے محمد بن قاسم کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اسی روز شام کے وقت خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نیون پہنچے تو سندر داس اور وانگہ دونوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ دونوں سے باری باری انہوں نے مصافحہ کیا پھر وانگہ کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر کہہ اٹھا۔

میرے محترم سول رائے کے رشتہ دار سول رائے کے ہاتھوں آپ اور آپ کے قبیلے کو جو نقصان پہنچا ہے اس کیلئے مجھے بڑا دکھ اور افسوس ہے۔ مجھے امید ہے کہ

ابھی تھیں۔ اس کے بعد خرم بن عمر نے ایک بار پھر وانگہ کو مخاطب کیا۔  
وانگہ میرے محترم میں چند روز یہاں نیون میں قیام کروں گا۔ اس دوران آپ  
یہ کام کریں کہ اپنے کچھ قابل اعتماد قبیلے والوں کو سول رائے کی بستیوں کی طرف  
بھجوائیں جو قاصد ہماری طرف گئے تھے انہوں نے اطلاع دی تھی کہ سول رائے جوڑ  
کی طرف گیا ہوا ہے اور وہاں مسلمانوں کے خلاف کوئی نئی مہم کیلئے صلاح مشورے ہو  
رہے ہیں۔ جو قاصد یہاں سے سول رائے کی بستیوں کی طرف جائے گا وہ صرف یہ  
نگاہ رکھے کہ سول رائے جو نئی اپنی بستیوں میں لوٹتا ہے وہ آکر ہمیں اطلاع دے۔  
اس لئے کہ میں سول رائے کی بستیوں پر اس وقت حملہ آور ہونا چاہتا ہوں جب  
سول رائے جوڑ یا قنوج سے اپنی بستیوں میں واپس آجائے اس لئے کہ میں اسے  
گرفتار کرنا چاہتا ہوں تاکہ آنے والے دور میں سول رائے پھر کوئی جمعیت اکٹھی کر  
کے مسلمانوں کیلئے کسی اندیشے کا باعث نہ بنے۔

خرم بن عمر کی اس گفتگو سے وانگہ بڑا خوش اور مطمئن ہوا تھا۔ کچھ دیر وہ  
سوچتا رہا پھر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

خرم میرے بیٹے فکر مند نہ ہو میں آج ہی اپنے دو قابل اعتماد آدمیوں کو سول  
رائے کی بستیوں کی طرف روانہ کروں گا اور جو نئی سول رائے قنوج سے لوٹتا ہے  
میرے آدمی ہمیں اس کی آمد کی اطلاع دیں گے۔ اس کے بعد تم اس کے خلاف  
حرکت میں آنا۔ مجھے امید ہے کہ جس طرح ماضی میں تم بڑی بڑی قوتوں کے علاوہ  
نکامہ قبیلے کے سردار موہل کو اپنے سامنے زیر کرتے رہے ہو اس طرح سول رائے  
بھی تمہارے سامنے زیادہ دیر ٹھہرنہ سکے گا اور اپنی تباہی اور بربادی کا باعث بنے گا۔  
خرم بن عمر نے اس بار وانگہ کو مخاطب کرنے کے بجائے اپنے پہلو میں کھڑے  
بنانہ بن حنظلہ کو مخاطب کیا۔

بنانہ میرے بھائی لشکر کو یہیں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دو۔ اس پر بنانہ بن حنظلہ  
چپچہ بٹا اور لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے بلند آواز میں پڑاؤ کرنے کا حکم  
دے دیا تھا۔ یہ حکم ملنا تھا کہ مجاہد بڑی تیزی سے نزکت میں آئے اور خمیوں کا شہر  
آباد کرنے لگے تھے۔ بنانہ بن حنظلہ پھر خرم بن عمر کے پاس آن کھڑا ہوا۔ اس موقع

پر پہلی بار سندھ داس نے خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔  
خرم میرے بیٹے سول رائے پر حملہ آور ہونے کیلئے تمہارا کیا طریقہ کار ہو گا۔  
کیا اس مقصد کیلئے تمہیں کشتیوں کی بھی ضرورت ہو گی۔ اگر ایسا ہے تو میں پہلے ہی  
تمہارے لئے کشتیوں کا بندوبست کر دوں تاکہ جب تم یہاں سے کوچ کرو تو مطلوبہ  
تعداد میں کشتیاں موجود ہوں۔ جواب میں خرم بن عمر نے تو صیغی انداز میں سندھ داس  
کی طرف دیکھا پھر اس کے بعد کہنے لگا۔

سندھ داس میرے محترم سول رائے پر حملہ آور ہونے کیلئے ہمیں کشتیوں کی  
ضرورت نہیں ہے نہ ہی ہم کشتیاں استعمال کریں گے نہ ہی ہمارے لشکر کا کوئی حصہ  
سندھ کے راستے سول رائے کی بستیوں کی طرف بڑھے گا۔

خرم بن عمر کو کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ بیچ میں وانگہ بول پڑا تھا۔  
میرے بیٹے کشتیاں استعمال نہ کرنے سے قنوج بھی اٹھ کھڑی ہو گی۔ اگر تم  
اور بنانہ بن حنظلہ دونوں خشکی کے راستے سفر کرتے ہو اور باری باری سول رائے کی  
دونوں بستیوں پر حملہ آور ہوتے ہو تو یاد رکھنا سول رائے وہی طریقہ اختیار کرے گا  
جو ماضی میں موہل کرتا رہا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ تو جنگ ضرور کرے گا جب اسے  
یقین ہو جائے گا کہ وہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا اور شکست اس کے مقدر میں لکھی جا  
چکی ہے تو یاد رکھنا ساحل پر جو کشتیاں ہوں گی اپنے لوگوں کو وہ کشتیوں میں بٹھا کر  
کلے سمندر میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اس طرح تم اس کا تعاقب نہ  
کر سکو گے۔ یہاں تک کہنے کے بعد وانگہ رکا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے  
کہہ رہا تھا۔

ابن عمر میرے بیٹے میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ کشتیوں کا انتظام یہاں سے کر  
کے چلو بلکہ میں یہ بھی کہوں گا کہ بنانہ بن حنظلہ کے حصے کا جو لشکر ہے وہ ہمیں سے  
کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر کی طرف جائے پھر مشرق کی طرف بڑھے تم اس کے  
ساتھ ساتھ خشکی پر سفر کرو۔ دونوں پہلے ایک بستی پر حملہ آور ہو۔ تم خشکی کی طرف  
سے حملہ کرو بنانہ بن حنظلہ سمندر کی طرف سے ضرب لگائے۔ اس طرح اگر تم  
دونوں باری باری سول رائے کی بستیوں پر حملہ آور ہو تو یاد رکھنا سول رائے اور

اس کے آدمیوں کو بھاگنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مجھے خبر نہیں کہ سول رائے کے ساتھ جنگ کرنے کا تمہارا کیا طریقہ کار ہے لیکن میرے ذہن میں جو اس وقت مناسب طریقہ ہے وہ یہی ہے اب تم کو تم کیا کرنا چاہتے ہو۔

خریم بن عمر تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا عجیب سے انداز میں اس نے کچھ دیر بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا پھر وانگہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

وانگہ میرے محترم میرے ذہن میں سول رائے اور اس کے مسلح جوانوں سے بننے کا ایک طریقہ ہے اور یہ طریقہ بغیر کشتیوں کے استعمال کیا جائے گا۔ اس کا اظہار میں نے ابھی تک بنانہ بن حنظلہ پر بھی نہیں کیا۔ جب ہم سول رائے کی بستیوں کی طرف جائیں گے تب میں اس طریقہ کار کا اظہار بنانہ بن حنظلہ پر کروں گا۔ میرے خیال میں اس طریقہ سے کام لیتے ہوئے ہم بڑی آسانی سے سول رائے کو اپنے سامنے زیر کریں گے اور سول رائے کے کسی آدمی کو بھی جان بچا کر کھلے سمندر کی طرف بھاگنے کا موقع نہ دیں گے۔ میرے خداوند کو منظور ہوا تو سول رائے کی حالت میں سول سے بھی بدترین کروں گا۔

خریم بن عمر کا تو سنہر داس نے اسے مخاطب کیا۔

بیٹے جب تک تمہارے لشکر کی پڑاؤ کرتے ہیں تم بنانہ بن حنظلہ، سانکرہ اور گودیری میرے ساتھ چلو تم چاروں کا قیام میرے پاس ہو گا۔ اس پر خریم بن عمر تھوڑی دیر کیلئے مسکرایا پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

نہیں سنہر داس میرے محترم آپ سانکرہ اور گودیری کو اپنے ساتھ لے جائیں میں اور بنانہ بن حنظلہ اپنے لشکر ہی میں قیام کریں گے۔ یاد رکھئے گا سالار اپنے لشکر ہی میں اچھا لگتا ہے۔ جواب میں مسکرانے کے انداز میں گودیری بول پڑی۔

اور سالاروں کی بیبیاں بھی ان کے پاس رہتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔ اس پر سب نے ایک تہقہ لگایا پھر سنہر داس اور وانگہ نیون شہر کی طرف چلے گئے تھے۔ خریم بن عمر بنانہ بن حنظلہ، سانکرہ اور گودیری نے اپنے پڑاؤ میں قیام کر لیا تھا۔

راجہ داہر کے دونوں بیٹے بے سینہ اور گوپی جتور سے اور نکامرہ قبیلے کا سردار سول رائے ساحلی علاقے سے تینوں مل کر قنوج پہنچے اور قنوج کے راجہ ہرچندر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ہرچندر نے ان کا بہترین استقبال کیا۔ قاصدوں کے ذریعے سے پہلے ہرچندر سے معاملہ طے ہو چکا تھا کہ کس موضوع پر گفتگو کرنی ہے۔ پہلے ہرچندر نے راجہ داہر کے بیٹے بے سینہ اور گوپی کے پاس جتور جانا تھا لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس لائحہ عمل میں تبدیلی کی۔ اس تبدیلی کے تحت بے سینہ گوپی اور سول رائے قنوج جا پہنچے۔

ان کا بہترین سواگت کرنے کے بعد قنوج کے راجہ ہرچندر نے اپنی سلطنت کے ٹائڈین اور سرداروں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ راج محل میں جمع ہو گئے تب کچھ دیر تک بڑے راز دارانہ انداز میں باہم مشورے ہوتے رہے پھر بے سینہ کی طرف دیکھتے ہوئے قنوج کے راجہ ہرچندر نے کہنا شروع کیا۔

بے سینہ کیا بات ہے کیوں مسلمان تمہاری سرزمینوں میں اس طرح گھومتے پھرتے ہیں جس طرح موت کے پچھاڑے جسموں پر گدھ منڈلاتے ہیں۔ تمہارا باپ راجہ داہر تو زندگی کے رموز و اسرار سے خوب واقف تھا۔ بڑے بڑے دشمنوں اور بڑے بڑے رقیبوں کے خلاف وہ بڑی بے جگری کے ساتھ حرکت میں آتا تھا اور اپنے دشمنوں کی حالت وہ درختوں کی تنگی بوچی شاخوں جیسی کر کے رکھ دیتا تھا، پھر کیا بات ہے تم دونوں بھائیوں کے علاوہ تمہارے باپ داہر کو بھی ان مسلمانوں نے بے ضرر چھوڑنے کے ریوڑ کی طرح ہانک کر رکھ دیا ہے۔ میں تمہارے باپ کو خوب جانتا تھا



جب اس کی تیوریاں چڑھ جاتی تھیں تو بد بختیاں اور ہولناکیاں اس کے آگے آگے بھاگتی تھیں۔ بے سینہ تم بھی اپنی دھرتی میں فتح اور جیت کا منبع خیال کیے جاتے رہے ہو، اور اپنی دھرتی کا بے مثل سورما مانے جاتے رہے ہو، پھر کیا بات ہے کہ دونوں بھائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بدترین شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور میں دیکھتا ہوں کہ یکے بعد دیگرے وہ تمہارے شہروں پر غالب اور قابض ہو چکے ہیں۔

قنوج کے راجہ ہرچندر کے ان الفاظ پر بے سینہ اور گوپی دونوں بھائی شرمندہ اور نجل سے ہو گئے تھے۔ کچھ دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتے رہے پھر بے سینہ نے راجہ ہرچندر کو مخاطب کیا۔

راجہ آپ کا کہنا درست ہے پر یہ نووارد حملہ آور مسلمان یہاں کے دشمنوں سے کچھ علیحدہ اور نرالے ہیں۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ایسے دشمن دیکھے ہیں جو زیر ہونا نہیں جانتے۔ زیر ہی رہنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جنگوں میں ہم موت اور اجل کے آگے بھاگنے والے ہوتے ہیں جبکہ نووارد حملہ آور مسلمان موت کے سایوں میں آرام کرنے والے ہیں۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ ہم باطل کے حق میں فیصلہ دینے والے احمق اور نادان ہیں جبکہ حملہ آور مسلمان ہم سے مختلف ہیں۔

وہ جب ہم سے ٹکراتے تھے تو لگتا تھا پردہ عدم سے نکل کر وہ آسمان پر برقی کی چمک کے آتش حروف کی طرح چھا جائیں گے۔ اپنی قوم کی عظمت کی داستانیں تحریر کرنے کیلئے وہ اپنے پیاسے نفس کو تخریبی عناصر اور جسموں کو موت کی قربان گاہوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان کے اندر آگے بڑھنے، موت پر چھانے اور اپنی قوم اپنی ملت کی سطوت کا ایک جذبہ ہے۔ راجہ جس طرح آندھیوں کے جھکڑ پھول کو فنا کر سکتے ہیں۔ بڑھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اس طرح ہم حملہ آور مسلمانوں کے جسموں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کے اندر جو آگے بڑھنے اور چھا جانے کا جذبہ ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ راجہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ موت ان کے سامنے اپنی کمین گاہوں میں چھپتی ہے۔ زندگی اپنے شبستانوں سے نکل کر ان کا سواگت کرتی ہے۔

ہرچندر تھوڑی دیر تک خاموش رہا کچھ سوچا پھر اس نے نکامرو قبیلے کے سردار بول رائے کو مخاطب کیا۔

سومل رائے تمہارا مسلمانوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ سومل رائے نے جھٹ سے ہرچندر رائے کو مخاطب کیا۔

راجہ میں مسلمانوں سے ٹکرانے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا۔ ماضی میں نہ میرا ان سے کوئی ٹکراؤ ہوا ہے، جب یہ لوگ سومل سے ٹکراتے رہے ہیں اس وقت میں یہاں نہیں تھا۔ دور مشرق کی سرزمینوں کی طرف گیا ہوا تھا۔ آپ جانتے ہیں کھلے مندروں میں مشرق بعید تک ہم بحری قزاقی کا پیشہ کرتے ہیں۔ اگر میں یہاں ہوتا تو مجھے قوی امید ہے کہ میں مسلمانوں کے سامنے سومل کو سرنگوں نہ ہونے دیتا۔ مجھے اس بات کا بھی بڑا دکھ اور افسوس ہے کہ وانگہ نے ہمارا آدمی ہو کر ہمیں دھوکا دیا اور مسلمانوں سے مل گیا۔

سومل رائے ہمیں تک کہنے پایا تھا کہ اسے خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ قنوج کا راجہ ہرچندر بول پڑا تھا۔

سومل رائے ایک وانگہ کی کیا بات ہے ذرا نیون کے حاکم سندھ داس کی طرف دیکھو اس نے مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی قاصدوں کے ذریعے حجاج بن یوسف سے رابطہ قائم کیا اور اپنے لئے امان حاصل کر لی۔ اس نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا مجھے بتایا گیا ہے اس نے اپنی بیٹی ایک مسلمان سالار کے ساتھ بیاہ دی ہے اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کی بیٹی جس کا نام ساگرہ ہے اسے بے سینہ دل کی گمراہیوں سے پسند کرتا ہے۔ سومل بھی اسے حاصل کرنے کا خواہش مند تھا پر وہ لڑکی ان دونوں کو ٹھکرا کر مسلمانوں کے سالار کے حرم میں چلی گئی۔ کیا یہ ہمارے لئے رسوائی اور بے عزتی کی بات نہیں ہے۔

پھر تم نے دیکھا کہ مسلمان مغربی افق سے طوفانوں کی طرح نمودار ہوئے۔ ہنگو اور امن بیلا پر بغیر کسی مزاحمت کے چھا گئے۔ دیبل کو فتح کیا نیون اپنے آپ ان کے سامنے سرنگوں ہو گیا پھر انہوں نے غریبے کا رخ کیا۔ سیون تک سارے طاقتوں کو پامال کرتے ہوئے وہ راوڑھ کے سامنے نمودار ہوئے۔ راوڑھ کے بعد



ہولناک جنگ ہوئی۔ راجہ داہرنے ایزھی چوٹی کا زور لگایا لیکن ناکام رہا قتل ہوا۔ اس کے بعد یہ مسلمان برہمن آباد اروڑھ تک پھیلنے چلے گئے۔ میں تمہیں بتا دوں اگر ان مسلمانوں کی راہ نہ روکی گئی تو پھر کوئی بھی ان کی راہ نہ روکے گا۔ اس وقت ان کے راستے میں شمال کی طرف جاتے ہوئے سب سے بڑی قوت ملتان ہے اگر ملتان پر بھی یہ غالب آگئے تو پھر یاد رکھنا پورے ہند میں ان کی کوئی راہ نہیں روک سکے گا۔ شمال کی طرف بڑھنے کے بعد وہ ہمارا رخ کریں گے۔ ان کے حوصلے بڑھے ہوں گے ہماری عوام خوفزدہ ہوگی لہذا ان کا مقابلہ کرنا ناممکن نہیں تو ہم لوگوں کیلئے انتہا درجہ کا مشکل ہو جائے گا۔

تم تینوں کی آمد سے پہلے میں نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی طرف قاصد بھجوائے تھے میں حملہ آور مسلمانوں کے تیور دیکھ رہا تھا۔ میں انہیں چڑھتی ہوئی سرخ آندھیوں جیسا محسوس کر رہا تھا جو لہجوں کے اندر آگے بڑھتے ہوئے چھا جاتی ہیں۔ میں نے راجاؤں کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ اگر مسلمان مشرق کا رخ کرتے ہیں تو سارے متحد ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے اور ہر صورت میں انہیں پسپا ہونے پر مجبور کریں گے۔

میرے کہنے پر ہندوستان کے مختلف راجا اپنی جنگی تیاریوں کو اپنے عروج پر لے آئے ہیں اور اگر مسلمانوں نے مشرق کی طرف پیش قدمی کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کی راہ روکیں گے۔ اس پر بے سینہ فوراً بول پڑا۔

راجا اگر مسلمان ملتان میں آگے شمال کی طرف بڑھ جاتے ہیں اور وہ مشرق کا رخ نہیں کرتے تو پھر آپ لوگوں کا کیا رد عمل ہو گا۔

راجا ہر چندر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے بے سینہ کو مخاطب کیا۔

بے سینہ کبھی بھی جان بوجھ کر گھوڑے کے پیچھے سے اور بد بختیوں کے سامنے نہیں گزرنا چاہیے۔ جان بوجھ کر تیل کو انگیخت نہیں کرنا چاہئے تاکہ وہ سیٹوں پر اٹھا کر پٹخ دے۔ اگر مسلمان شمال کی طرف بڑھ جاتے ہیں مشرق کا رخ نہیں کرتے تو ہم ان کے دروازے پر دستک نہیں دیں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو بد بختیاں ہمارا بھی

رخ کر لیں گی اگر وہ ہم سے کوئی تعرض نہیں کرتے تو ہم بھی چپ رہیں گے۔ اگر میں اور ہندوستان کے راجہ ایک لشکر تیار کر کے ان کا پیچھا کرتے ہیں یا ان کا سامنا کرتے ہیں تو یاد رکھئے گا اپنی سرزمینوں سے دور رہتے ہوئے ہماری بھی حالت تمہارے باپ اور تم دونوں سے مختلف نہ ہوگی لہذا ہم اپنی سرزمینوں ہی میں ان کا جم کر مقابلہ کریں گے تاکہ رسد اور کھک کا سلسلہ ہمارے لئے منقطع نہ ہو۔ بہر حال وقتی طور پر ہم نے جو مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنی ہے اس کی تفصیل میں تمہیں سمجھانا ہوں۔ میرے خیال میں اگر ہم اس پر کامیابی کے ساتھ کاربند ہو جائیں تو مسلمانوں کو پسپا کرنے اور مکران کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

اب مسلمانوں کے ساتھ نبٹنے کا طریقہ کار کچھ یوں ہو گا کہ یہاں سے جانے کے بعد سول رائے اپنے بہترین سورماؤں کو اپنے ساتھ لے گا، جہاں تک تم دونوں بھائیوں کا تعلق ہے تم نے یہاں آکر خود ہی بتایا ہے کہ جتور میں تمہارے پاس خاصا بڑا لشکر ہے۔ کچھ لشکری میں بھی تمہیں مہیا کروں گا۔ اس طرح تمہارے پاس بھی ایک طاقتور لشکر ہو جائے گا۔ ایک لشکر میں خود اپنی کمانداری میں لوں گا۔

اب ہمارے پاس تین لشکر ہوں گے۔ ہم تین مختلف محاذ کھولیں گے۔ مسلمانوں کی طاقت کو بانٹنے کی کوشش کریں گے۔ میرے خیال میں مسلمان اپنی طاقت کو بانٹیں گے نہیں۔ ان پر حملہ آور ہونے کی ابتدا سول رائے کرے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد ہر چندر رائے کا پھر سول رائے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سول رائے تمہارے پاس کس قدر جوان ہیں جنہیں تم جنگ کیلئے تیار کر سکتے ہو۔

سول رائے نے چھاتی تانتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

راجہ ہم خانہ بدوش بھی ہیں اور بحری قزاق بھی۔ ہمارا ہر جوان ہی جنگجو ہوتا ہے۔ اس وقت میرے پاس بیس سے پچیس ہزار میرے قبیلے کے جوان ہیں اور آپ ان سب ہی کو جنگجو خیال کریں۔ میں کچھ جوانوں کو اپنی بستیوں میں حفاظت کیلئے بھجوں گا اور باقی کو ساتھ لوں گا میرے خیال میں میں اٹھارہ بیس ہزار مسلح جوانوں

کے ساتھ مسلمانوں پر ضرب لگا سکوں گا۔

سومل رائے کے جواب پر ہرچندر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد لمحہ بھر کے لئے اس نے کچھ سوچا پھر کہنا شروع کیا۔  
عزیزو اب جو کچھ میں کہنے لگا ہوں غور سے سنو۔

سومل رائے اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ حرکت میں آئے گا اور نیرون کا رخ کرے گا۔ نیرون پر یہ سارے موقع یا رات کے وقت شب خون کے انداز میں حملہ آور ہو گا اور ہر صورت میں نیرون پر قابض ہونے کی کوشش کرے گا۔ نیرون میں اس وقت سندر داس ہے اور مسلمانوں کا ایک ناظم ہے۔ نیرون میں مسلمانوں کی کوئی اتنی بڑی قوت نہیں ہے مجھے امید ہے سومل رائے بڑی آسانی سے نیرون پر قابض ہو جا۔ گا۔

جب سومل رائے نیرون پر قابض ہو جائے پھر ہمیں ذرا رک کر مسلمانوں سے رد عمل کا انتظار کرنا ہو گا۔ اگر مسلمانوں کا سالار اعلیٰ اپنے لشکر کو لے کر نیرون آ طرف جاتا ہے تو ظاہر ہے اس وقت وہ الور میں قیام کئے ہوئے ہے۔ الور کو خالی کر دیا جائے گا۔ یہ صورتحال ہمارے لئے بڑی سودمند ہوگی۔ اس کے جانے کے بعد سینہ اور گولپی تم اپنے کام کی ابتدا کر دو گے جو لشکر تمہارے پاس ہو گا اسے لے کر بڑا برق رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کر دو گے اور برہمن آباد پر قبضہ کرنے کی کوشش کر گے۔ جس وقت تم نکلو گے اسی وقت میرا لشکر بھی ایک سالار کی سرکردگی میں تم لوگوں کے مرکزی شہر الور کی طرف کوچ کرے گا اور الور پر قابض ہونے کی کوشش کرے گا۔

اب یہاں سومل رائے کا کام پھر شروع ہوتا ہے۔ سومل رائے جب نیرون قابض ہو جاتا ہے تو یہ قلعہ بند ہو جائے گا۔ شہر کی تفصیل کے اوپر حرب و ضرب مسلمانوں کو جمع کرے گا تاکہ مسلمان فی الفور تفصیل پر چڑھ کر نیرون پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے مسلمان اپنی قوت کو تین حصوں میں بانٹ کر بیک وقت نیرون الور اور برہمن آباد کا رخ نہیں کریں گے بلکہ وہ اکٹھے رہ کر یکے بعد دیگرے اپنے فتح کیے ہوئے شہروں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

جس وقت مسلمان نیرون کو واپس لینے کیلئے نیرون کا محاصرہ کریں تو سومل رائے نیرون کے قلعے کے اندر ڈٹ جائے گا۔ مسلمانوں کو نزدیک نہیں آنے دے گا۔ مزاحمت کرتا رہے گا یعنی محصور رہ کر جنگ کو طول دے گا۔ اتنی دیر میں اور تم دونوں بھائی برہمن آباد، الور سے فارغ ہو چکے ہوں گے پھر ہم بھی اپنے لشکروں کے ساتھ نیرون کا رخ کریں گے۔ نیرون پہنچ کر مسلمانوں کی جو حالت ہو گی وہ بڑی قابل دید ہو گی۔ ایک طرف سے میں دوسری طرف سے بے سینہ اور گولپی تم دونوں بھائی اور نیرون کے اندر سے سومل رائے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے، تو یاد رکھنا اس سبھ طرف حملے سے مسلمانوں کو نا صرف ہم بدترین شکست دیں گے بلکہ میرا اندازہ ہے کہ ان کے پورے لشکر کو کچل کر رکھ دیں گے۔ بس اس وقت یہی تجویز میرے سامنے ہے۔ تم تینوں کو اس معاملے میں کیا کہتے ہو۔

لگتا تھا قنوج کے راجہ ہرچندر کی اس تجویز سے بے سینہ اور سومل رائے بے حد خوش ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک تینوں آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے پھر بے سینہ نے راجہ ہرچندر کو مخاطب کیا۔

میرے محترم آپ کی جو تجویز ہے یہ ہمارے دلوں کو بھائی ہے۔ بہت اچھی ہے اس پر عمل کر کے ہم کامیابیوں کے دروازے کھول سکتے ہیں لیکن تھوڑا سا ابہام ہے اس سلسلے میں ہم تینوں نے صلاح مشورہ کیا ہے اور اسی سلسلے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سومل رائے ساحل کا رخ کرے گا۔ اب ہم تینوں گروہوں کے درمیان رابطہ کیسے رہے گا کہ کیسے اور کس طرح ہمیں ملے اور ہونا چاہئے۔

ہرچندر رائے تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر سوچتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر کمری نظریہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔  
عزیزو یہاں سے جانے کے بعد سومل رائے پہلے اپنے لشکر کو استوار کرے گا اپنے چھوٹے سالاروں اور اپنے لشکریوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد جس وقت یہ نیرون پر حملہ آور ہونے کیلئے ساحل کو چھوڑ دے گا ساحل کو چھوڑنے کے ساتھ تیز

رفقار قاصد تمہاری طرف جتور میں روانہ کرے گا۔

سومل رائے یہ اطلاع دے گا کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ نیرون پر حما  
آور ہونے کے لئے ساحل چھوڑ دیا ہے جوئی سومل رائے کی طرف سے قاصد آ  
اور تمہیں یہ اطلاع دے کہ سومل رائے اپنے لشکر کے ساتھ نیرون پر حملہ آور ہو۔  
کیلئے ساحل چھوڑ چکا ہے تم دونوں بھائی بھی حرکت میں آؤ گے اور اپنے لشکر  
ساتھ جتور سے نکل کر برہمن آباد کا رخ کرو گے۔

تم دونوں برہمن آباد سے ذرا دور رہ کر پڑاؤ کر لینا پر ایک بات یاد رکھنا جو  
سے روانگی کے وقت ایک قاصد میری طرف روانہ کرنا ایسے ہی جس طرح سومل  
رائے تمہاری طرف قاصد بھیجے گا۔ ایسے ہی جتور شہر چھوڑتے وقت تم قاصد میر  
طرف روانہ کرنا جو اس بات کی نشاندہی ہوگی کہ تم جتور چھوڑ چکے ہو۔ اس قاصد  
آتے ہی اور تمہارا پیغام ملتے ہی میں بھی اپنے لشکر کے ساتھ قنوج سے نکلوں گا۔ ا  
کا رخ کروں گا اور الور سے ذرا فاصلے پر رہ کر میں پڑاؤ کروں گا اور حالات کا جا  
لوں گا۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو۔

ہرچندر رائے کی اس گفتگو سے لگتا تھا جے سینہ گوبی اور سومل رائے کسی ت  
مطمئن ہو گئے تھے۔ اس بار سومل رائے نے ہرچندر رائے کو مخاطب کیا۔

راجہ جو الجھن ہمارے ذہنوں میں تھی وہ رفع ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں ا  
کام کی ابتدا ہمیں جلد کر دینی چاہئے جوں جوں وقت ضائع ہو گا مسلمان طاقت ا  
قوت پکڑتے رہیں گے اور ایک علاقے کے بعد دوسرا علاقہ فتح کرتے چلے جائیں گے  
جو بات میرے ذہن میں آئی ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ۔

میں آج ہی اپنی ساحلی پٹی کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اپنے ساحل پر پہنچنے  
بعد میں زیادہ دن نہیں لوں گا۔ ایک دو دن میں اپنے لشکر کو استوار کروں گا اور سا  
سے روانہ ہوں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں قاصد جتور کی طرف روانہ کر دوں  
ساحل سے روانہ ہونے کے بعد میں بڑی تیزی سے نیرون کی طرف بڑھوں گا اور  
امید ہے کہ بغیر کسی مزاحمت کے میں نیرون پر قابض ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد جو  
لائحہ عمل طے ہوا ہے اس کے مطابق عمل ہوتا رہے گا۔ میرے خیال میں اس

کو ہم اگر عملی صورت دینے میں کامیاب ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو ہم  
نکال باہر کر سکتے ہیں بلکہ آنے والے دنوں میں بھی کسی بیرونی قوت کو ہمت اور جرات  
نہ ہوگی کہ وہ ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہو۔

ہرچندر کے ساتھ ساتھ جے سینہ اور گوبی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا پھر  
اسی روز جے سینہ اور اس کا چھوٹا بھائی گوبی دونوں جتور کی طرف روانہ ہو گئے جبکہ  
سومل رائے اپنی ساحلی پٹی کی طرف چلا گیا تھا۔



www.urdu

www.facebook

طریقہ کار استعمال کریں جو ہم نے مول کے لیے استعمال کیا تھا یعنی پہلے اس کی ایک بستی پر حملہ آور ہوں۔ اس کا صفایا کرنے کے بعد دوسری بستی کا رخ کریں۔ میرے خیال میں اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو بڑی آسانی کے ساتھ باری باری ہم دونوں بستیوں پر قابو پالیں گے۔

بنانہ بن حنظلہ کے خاموش ہونے پر خرم بن عمر نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

بنانہ میرے بھائی میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ مول اور سول رائے کی بستیوں میں بڑا فرق اور تضاد ہے۔ مول کی بستیاں کافی دور تمہیں جبکہ سول رائے کی بستیاں قریب قریب ہیں، اس لیے جس طریقے پر ہم نے مول رائے کی بستیوں پر حملہ کر کے اسے زیر کیا، وہ طریقہ ہم یہاں استعمال نہیں کر سکتے۔ یاد رکھنا جو اطلاعات ناظروں نے مہیا کی ہیں، اس کے مطابق سول رائے کی بستیاں اس قدر قریب قریب ہیں کہ اگر ہم ایک حصے پر حملہ آور ہوں تو اس کی چیخ و پکار دوسرے حصے تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر ہم بستیوں کے ایک حصے کا سمندری راستہ کاٹ کر ان پر حملہ آور ہوں گے تو یاد رکھنا دوسرے حصے کو اس کی خبر ہو جائے گی اور دوسرے حصے پر قابو پانا ہمارے لیے مشکل ہو گا۔ اگر وہ حصہ ہمارا مقابلہ کرتا ہے تو ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔ اگر وہ مقابلہ نہیں کرتا تو اپنی ساحل پر کھڑی کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے گا اور آنے والے دور میں ہمارے لیے پھر مسائل کا باعث بن جائے گا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ اس دوران بنانہ بن حنظلہ پھر کچھ سوچتا رہا۔ دوبارہ اس نے ابن عمر کو مخاطب کیا۔

میرے بھائی اگر پہلی تجویز پر عمل نہیں کیا جاسکتا تو ایسا کرتے ہیں دونوں بھائی مل کر پہلے سول رائے کی بستیوں کے ایک حصے پر حملہ آور ہوتے ہیں، پھر دوسرے حصے کا رخ کرتے ہیں۔

خرم بن عمر نے پھر اس کی بات کافی اور بول پڑا۔

بنانہ بن حنظلہ میں تمہاری اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔ اس میں بھی ہمارے لیے بڑی قباحتیں اور خطرات ہیں۔ تمہارے کہنے کے مطابق اگر ہم ایک حصے

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے اس وقت تک اپنے لشکر کے ساتھ نیون ہی میں قیام کیے رکھا جب تک ان کے قاصدوں نے یہ اطلاع نہ کر دی کہ سول رائے قنوج سے اپنی ساحلی پٹی پر پہنچ گیا ہے۔ جب یہ خبر ملی تب خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ کچھ اس طرح حرکت میں آیا کہ رات کے وقت وہ سفر کرتا رہا تاکہ دشمن کو اس کی نقل و حرکت کی خبر نہ ہو سکے۔ اپنی روانگی سے پہلے اس نے اپنے کچھ ناظر و انگ کے قابل اعتماد آدمیوں کے ساتھ اپنے آگے آگے روانہ کیے تاکہ وہ سول رائے کی بستیوں کے پورے محل وقوع سے اسے وہاں پہنچتے ہی باخبر کریں۔

یوں رازداری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے خرم بن عمر ساحل سے کافی ہٹ کر اس جگہ خیمہ زن ہو گیا جہاں ان کے سامنے سول رائے کی بستیاں تھیں۔ اتنی دیر تک وہ ناظر بھی لوٹ آئے تھے جنہیں اس نے وانگہ کے آدمیوں کے ساتھ بستیوں کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا تھا اور انہوں نے اگر خرم بن عمر کو سارے حالات اور بستیوں کا محل وقوع تفصیل کے ساتھ بتا دیا تھا۔

اپنے ناظروں سے ساری تفصیل جاننے کے بعد خرم بن عمر کسی قدر گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ اس وقت بنانہ بن حنظلہ اور کچھ دیگر چھوٹے سالار بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھتے ہوئے خرم بن عمر بول پڑا۔ سول رائے کی بستیوں کا محل وقوع جو ہمارے ناظروں نے بتایا ہے۔ اس کے مطابق ہمیں اپنے سارے لائحہ عمل کو تبدیل کرنا ہو گا۔ خرم بن عمر یہاں تک کہہ پایا تھا کہ بنانہ بن حنظلہ بول پڑا۔ ابن عمر میرے عزیز بھائی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ دشمن سے بچنے کے لیے ہم وہی

پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یاد رکھنا اتنی دیر تک دوسرا حصہ چوکنا ہو جائے گا یعنی ایک بستی پر حملہ آور ہو کر ہم دوسری بستی والوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہتھیار سنبھال کر خوب تیاری کر کے ہم پر حملہ آور ہوں اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنا اپنے آپ کو بندگلی میں محصور کرنے کے مترادف ہے۔

خریم بن عمر کے اس جواب سے بنانہ بن حنظلہ کسی قدر مایوس سا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی، اس کے بعد بنانہ نے پھر خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔ میرے عزیز بھائی! اگر یہ دونوں تجادیز قابل عمل نہیں ہیں تو پھر سول رائے کی بستیوں پر کیسے حملہ آور ہوا جائے گا۔ جواب میں خرم بن عمر نے اپنا جھکا ہوا سر سیدھا کیا۔ بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا، پھر اس نے کنا شروع کیا۔

سن بنانہ میرے بھائی! ایک تیسرا راستہ بھی میرے ذہن میں ہے۔ اگر ہم اسے استعمال کریں تو سول رائے کو ہم تمس ننس کر کے رکھ دیں گے۔ وہ طریقہ کچھ اس طرح ہے۔ میں اور تم دشمن پر ایک ساتھ حملہ آور ہوں گے، اکٹھے نہیں علیحدہ۔ تم مشرقی حصے کی بستیوں کی طرف چلے جانا، میں مغرب کی طرف رہوں گا کیونکہ سول رائے کی رہائش مغربی بستیوں ہی کی طرف ہے اور پھر وانگہ کے آدمیوں کا بھج بھی کنا ہے کہ مغربی بستیوں میں سول رائے کی لشکری طاقت زیادہ ہے، لہذا میں مغربی بستیوں پر ضرب لگاؤں گا، تم مشرق والوں پر حملہ آور ہونا۔ تھوڑی دیر تک تم میرے لشکر سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔ مشرق کی بستیوں کی طرف جانا، میں سول رائے کی مغربی بستیوں کی طرف ہو جاؤں گا۔ دونوں حصوں کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اپنے ہدف پر پہنچ کر تم جلتے ہوئے پروں کا تیر چلانا، اس کے ساتھ ہی دشمن پر حملہ آور ہو جانا۔ جلتے پروں کا تیر میرے لیے اشارہ ہوگا کہ تم دشمن پر ضرب لگا رہے ہو۔ جوئی جلتے ہوئے پروں کا تیر فضا میں بلند ہوگا، اس کے ساتھ ہی میں بھی دشمن پر ٹوٹ پڑوں گا۔ اس طرح ہم دشمن کو میرے خیال میں فنا کر کے رکھ دیں گے۔

خریم بن عمر کو کہتے کہتے رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ بنانہ بن حنظلہ بول پڑا۔ میرے بھائی تمہاری یہ تجویز دل کو لگتی ہے، بہت اچھی ہے۔ پھر اس میں ایک قباحت ہے، اسے رفع کر دیا جائے یا اس سلسلے میں مجھے مطمئن کر دیا جائے تو پھر ہم

اپنے کام کی ابتداء کریں۔

خریم بن عمر نے جب سوالیہ انداز میں بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا تو بنانہ بن حنظلہ پھر بول پڑا۔

میرے بھائی قباحت یہ ہے کہ جب میں مشرقی حصے پر اور آپ مغربی حصے پر حملہ آور ہوں گے تو میرا خیال ہے پہلے تو دشمن ہم سے ٹکرائے گا۔ کوشش کرے گا کہ ہم پسپا ہوں، اگر وہ ہمیں پسپانہ کر سکا تو پھر لازمی امر ہے، بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ سمندر کے کنارے ان کی کشتیاں کھڑی ہوں گی اور وہ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس طرح سول رائے کی قوت مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں ہو سکے گی۔ اگر وہ اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ بھاگ گیا تو یاد رکھنا اس کی حالت زخمی سانپ کی سی ہوگی، کسی بھی وقت ہمیں ڈسنے کی کوشش کرے گا۔

جب تک بنانہ بن حنظلہ بولتا رہا، خرم بن عمر مسکراتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

بنانہ تمہارا کنا درست ہے، پر دیکھ میں نے ابھی اپنی گفتگو کو انجام نہیں دیا تھا کہ تم بیچ میں بول پڑے ہو۔ پہلے غور سے سنو، میں کیا کنا چاہتا ہوں۔ تم مشرقی حصے کے مشرق کی طرف جانا۔ اپنے لشکر کو بالکل سمندر کے کنارے لے جانا اور بستیوں اور سمندر کے کنارے کشتیوں کے درمیان جو فاصلہ ہوگا، اسے استعمال کرتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہونا۔ اس طرح میرے خیال میں کسی کو سمندر کے راستے بھاگ جانے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں بھی مغربی حصے پر حملہ آور ہونے کے لیے ایسا ہی طریقہ کار استعمال کروں گا۔ میرے خیال میں اگر ہم ایسا کر گزریں تو یاد رکھنا سول رائے کا کوئی آدمی سمندر کی طرف تو بھاگنے نہیں پائے گا۔ خشکی کی طرف جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ہمارے اپنے لیے زیادہ نقصان کا باعث نہیں بن سکتا۔

خریم بن عمر کی اس گفتگو سے شاید بنانہ بن حنظلہ پر سکون اور مطمئن ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مسکراتا رہا، پھر بول اٹھا۔

اب مجھے کچھ نہیں کنا۔ آپ نے جو طریقہ کار وضع کیا ہے، اس پر پوری طرح



عمل کیا جائے گا۔ مجھے امید ہے دشمن کو ہم ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق بنانہ بن حنظلہ سول رائے کی بستیوں کے مشرقی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ خرم بن عمر مغربی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ مشرقی حصے کی طرف جانے اور اپنے لشکر کو درست کرنے کے بعد بنانہ بن حنظلہ نے جلتے ہوئے پروں کا ایک تیر فضا میں چلا دیا تھا۔ اس تیر کا فضا کے اندر بلند ہونا تھا کہ خرم بن عمر مغربی حصے پر مقہور اور مجبور کر دینے والے آتش نوا حوصلوں اور ہر رفاہ و آرام کو تلپٹ کر دینے والی خرابی اور خواری کی طرح سول رائے کی بستیوں کے مغربی حصے پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ عین اس وقت بنانہ بن حنظلہ بھی جسموں کو جھلسا دینے والی آگ کی طرح مشرقی حصے پر ٹوٹ پڑا تھا۔

رات کے وقت ان دونوں حملوں کے باعث خواہشوں اور آرزوؤں کے تخت پر بیچارگیوں اور کسمپرسیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ ان حملوں کے باعث ایسا لگا تھا جیسے قبرستانوں کی خاموشیوں میں اچانک ان گنت سانپ پھنکار اٹھے ہوں۔

رات کی گہری تاریکی میں کچھ دیر تک بحری قزاقوں کے ساتھ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کی ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ بحری قزاق مطمئن تھے، گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ جب تک وہ اٹھ کر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کا مقابلہ کرتے، اس وقت تک ان کی خاصی بڑی تعداد کو انہوں نے تہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔ جو سنبھلے ان کے ساتھ تھوڑی دیر تک گھسان کی جنگ ہوئی، پھر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے صبح کا سورج طلوع ہونے تک ان کا بھی مکمل طور پر صفایا کر دیا تھا۔ جب سورج مشرق سے طلوع ہوا اور اس نے دھرتی اور سمندر سے ٹانک جھانک شروع کی، اس وقت تک اپنے سامنے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ میدان کو صاف کر چکے تھے۔

دشمن کا صفایا کرنے کے بعد خرم بن عمر نے تیز رفتار قاصد بنانہ بن حنظلہ کی طرف بھجوا دیا اور اسے یہ کہلا بھیجا کہ وہ بستی کی ہر چیز کو سمیٹ کر بستی والوں کے بار برداری کے جانوروں پر لاد کر اس کے پاس پہنچ جائے۔ خود خرم بن عمر مغربی حصے کی بستی کی ہر چیز کو سمیٹنے لگا تھا اور سارا سامان انہیں بے بار برداری کے جانوروں پر

لادنے لگا تھا۔

جس وقت بنانہ بن حنظلہ خرم بن عمر کے پاس پہنچا، اس وقت خرم بن عمر اور سانکرہ سندر داس اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کے پاس ان کے لشکری بھی بالکل تیاری کی حالت تھے۔ بنانہ بن حنظلہ آگے آگے تھا۔ اس کے ساتھ گودیری اور وانگہ تھے۔ سب آکر خرم بن عمر کے قریب گھوڑوں سے اترے۔ خرم بن عمر کو انہوں نے فتح کی مبارکباد دی۔ اس موقع پر بنانہ بن حنظلہ نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

میرے بھائی سول رائے کا کچھ پتا چلا۔ کیا وہ زندہ گرفتار نہیں ہو سکا؟

اس پر خرم بن عمر نے اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

سول رائے کو ہم زندہ گرفتار نہیں کر سکے۔ بہر حال اسے زندہ گرفتار کرنے میں ہمارا کوئی زیادہ فائدہ بھی نہیں تھا۔ وہ جنگ کے دوران مارا جا چکا ہے۔ وانگہ کے جو آدمی میرے ساتھ کام کر رہے تھے، اس کی لاش وہ پہچان چکے ہیں۔ اب میں مطمئن ہوں۔ سول رائے اور اس کی بستیوں کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ تین قوتوں میں سے ایک کا تو ہم خاتمہ کر چکے ہیں، اب باقی دو قوتیں رہتی ہیں۔

بنانہ تمہاری یہاں آمد سے پہلے کچھ ایسے لوگ ہمارے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں جو سول رائے کے ساتھ قنوج کی طرف گئے تھے۔ ان سے میں نے بڑی قیمتی معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دشمن تین طرح ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سمت سے سول رائے نے نیرون پر حملہ آور ہونا تھا۔ بے سینہ اور اس کا چھوٹا بھائی گوبی جتور سے نکل چکے ہیں اور وہ اپنے ایک لشکر کے ساتھ جو انہیں قنوج کے راجہ نے مہیا کیا ہے، برہمن آباد کے نواح میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے، جبکہ ایک تیسرا لشکر جو قنوج کے راجہ کی سرکردگی میں ہوگا، الور پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا، تمہاری آمد سے پہلے میں نے تیز رفتار قاصد محمد بن قاسم کی طرف روانہ کر دیئے ہیں اور اسے پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے اور جو لائحہ عمل اب میں تم سے طے کرنے لگا ہوں، اس سے بھی میں نے اسے باخبر کر دیا ہے۔

بنانہ بن حنظلہ ہمارے ان حملوں کے دوران کئی لوگ بھاگ کر قنوج یا جتور کی

سن کر بے سینہ اور گوپی واپس جتور کی طرف چلے گئے ہوں تو میں خود نیرون کا رخ کروں گا۔ وہاں سے تمہیں ساتھ لوں گا، پھر اکٹھے اور کا رخ کریں گے۔ اس سلسلے میں تمہیں کوئی شک و شبہ ہو تو کہو۔ اس پر بنانہ بن حنظلہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تب خرم بن عمر نے وہاں سے کوچ کا حکم دے دیا تھا۔ شام گئے تک دونوں اکٹھے سفر کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ ہو کر رات کی تاریکی میں بڑی تیزی سے برہمن آباد کا رخ کر رہا تھا۔



ادھر بے سینہ اور گوپی کے جاسوسوں کے علاوہ خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ کے ہاتھوں بچ جانے والے بحری قزاقوں نے بھی آکر بے سینہ اور گوپی کو اطلاع کر دی تھی کہ سمندر کے کنارے سولہ رائے کی طاقت کو مسلمانوں کے سالار خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ یہ خبر بے سینہ اور گوپی دونوں بھائیوں کے لیے بڑی حوصلہ شکن تھی۔ تاہم جس جگہ انہوں نے پڑاؤ کیا ہوا تھا، وہ وہیں رہے اور تیز رفتار قاصد راجہ ہرچندر کی طرف بھجوائے، اسے صورتحال سے آگاہ کیا اور مشورہ طلب کیا کہ اب ان دونوں بھائیوں کو کیا کرنا چاہیے۔

بے سینہ اور گوپی کے مخبروں نے ان دونوں بھائیوں کو یہ تو اطلاع کر دی تھی کہ سمندر کے کنارے سولہ رائے کی طاقت کو ختم کر دیا گیا ہے لیکن وہ اسے خرم بن عمر کے متعلق صحیح اطلاعات نہ فراہم کر سکے۔ انہوں نے بے سینہ اور گوپی کو یہی بتایا کہ سولہ رائے کی قوت کا خاتمہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے دونوں جرنیل خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ اپنے لشکر کے ساتھ نیرون کی طرف چلے گئے ہیں۔ اس بنا پر بے سینہ اور گوپی اپنے بھیجے ہوئے قاصدوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے تھے۔ اس دوران خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ اپنی گھات پکڑ گیا تھا۔

پر بے سینہ اور گوپی کے جاسوس بھی اپنا کام کر رہے تھے۔ جس روز خرم بن عمر نے بے سینہ اور گوپی کی پشت پر گھات لیا، اس سے اگلے روز جاسوسوں نے اطلاع کر لی کہ مسلمانوں کا سالار خرم بن عمر جو ان کی موجودگی میں ایک فاتح کی حیثیت سے

طرف گئے ہوں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بے سینہ گوپی یا قنوج کے راجہ ہرچندر کے جاسوس بھی ہمارے ارد گرد منڈلا رہے ہوں۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح بے سینہ گوپی اور قنوج کے راجہ ہرچندر کو خبر ہو جائے گی کہ سولہ رائے اور اس کی بستیوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا ہے، لہذا وہ محتاط ہو جائیں گے لیکن ہم انہیں زیادہ محتاط بھی نہیں ہونے دیں گے۔ میں ایک مزید فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔

ابھی تھوڑی دیر بعد یہاں سے کوچ ہوں گا۔ دن کا پورا حصہ میں تمہارے ساتھ سفر کروں گا۔ جب رات ہوگی، میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ سانکرہ سمندر اس بھی تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تم نیرون کا رخ کرنا۔ جس قدر سامان تمہارے پاس ہے، اسے تم سمندر اس کے حوالے کرنا یا اپنے مسلح دستوں کے ہمراہ اور کی طرف روانہ کر دینا۔ اس سامان کے ساتھ سانکرہ اور گودیری بھی لشکر کی دوسری عورتوں کے ساتھ روانہ ہو جائیں گی۔ تم سے علیحدہ ہونے کے بعد رات کی گہری تاریکی میں میں برہمن آباد کا رخ کروں گا۔

ایسا میں اس لیے کر رہا ہوں کہ میں اور تم دونوں رات گئے تک اکٹھے سفر کریں گے تو جاسوس یہی خبر دیں گے کہ سولہ رائے کا خاتمہ کرنے کے بعد میں اور تم نیرون کی طرف چلے گئے ہیں۔ رات کی تاریکی میں تم سے علیحدہ ہونے کے بعد برہمن آباد کا رخ کرتے ہوئے ایک نئے معرکے کی ابتدا کروں گا۔ اپنے آگے آگے میں اپنے مخبر پھیلا دوں گا جو مجھے بے سینہ اور گوپی کے محل وقوع سے آگاہ کریں گے اور میں ان کی پشت کی طرف جا کر گھات میں بیٹھ جاؤں گا۔

تم ایسا کرنا، سارا سامان نیرون میں سمندر اس کے حوالے کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ نکلنا اور سیدھا برہمن آباد سے ہوتے ہوئے بے سینہ اور گوپی کے لشکر کا رخ کرنا اور وہاں پہنچنے ہی ان پر حملہ آور ہو جانا۔ اپنے لشکر کی صفوں کو پہلے ہی درست کر کے رکھنا۔ ظاہر ہے تمہارے لشکر کی کم تعداد کو دیکھتے ہوئے بے سینہ اور گوپی تمہارے ساتھ نکرانے کی کوشش کریں گے۔ اس نکرانے کے ساتھ پشت کی جانب سے میں بھی حملہ آور ہو جاؤں گا۔ پھر جو ان کا انجام ہوگا، وہ قابل دید ہوگا۔ یہ تو ایک صورتحال ہے۔ اگر میرے جانے تک سولہ رائے کی تباہی اور بربادی کا

اس کی تعداد بنانہ بن حنظلہ کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی۔ انہیں امید تھی کہ حملہ آوروں کو وہ مار بھگائیں گے۔ ابھی جنگ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پشت کی جانب سے بے سینہ اور گوپی کے لیے خونخوار انقلاب نمودار ہوا۔ خرم بن عمر اپنے لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ پھر کائنات کی تاریکیوں کے اندر جس طرح زمین کی ذرخیزی موسموں کی تبدیلی اور رسوم و مناسک پر تخریب و موت کی طاقت چھا جاتی ہے، اس طرح خرم بن عمر بھی بے سینہ اور گوپی کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان کی صفوں کو کاٹتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ ان پر چھانے لگا تھا۔ اس دو طرفہ حملے سے بے سینہ اور گوپی دونوں بھائیوں کے لشکر کی حالت لمبی اندھیری سرد ٹھہرتی راتوں، اجڑے ویران گونسلوں اور کٹھن راہ والے مسافروں جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

برہمن آباد کے نواح میں خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے ہاتھوں بے سینہ اور گوپی دونوں بھائیوں کو بدترین شکست ہوئی اور اپنے بچے کھچے لشکر کو ایک طرف سے نکالتے ہوئے وہ جتور کی طرف بھاگ گئے۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں نے بے سینہ اور گوپی کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے وہاں زیادہ دیر قیام نہیں کیا۔ بے سینہ اور گوپی کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کے بعد جنگ میں زخمی ہونے والے اپنے لشکریوں کی انہوں نے مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد ہر چیز کو سمیٹتے ہوئے وہ الور کا رخ کر رہے تھے۔ دوسری جانب قنوج کے راجہ ہرچندر کے سالار کو جو اپنے ایک لشکر کے ساتھ الور کے قریب پہنچا تھا، یہ خبر پہنچی کہ سمندر کے کنارے سول رائے اور برہمن آباد کے قریب بے سینہ اور گوپی کی طاقت کو مسلمانوں نے بری طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا تو وہ لرز کاپ گیا۔ جو لشکر اس کے ساتھ تھا، اسے فوراً سمیٹا اور قنوج کی طرف چلا گیا تھا۔

نیون چلا گیا تھا، اچانک ان کی پشت پر نمودار ہو چکا ہے اور گھات لگا چکا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی بے سینہ اور گوپی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس لیے کہ خرم بن عمر کا نام ہی ان کے لیے دہشت اور خوف کا باعث تھا۔ تاہم جاسوسوں نے انہیں جو اطلاعات فراہم کی تھیں، ان کے مطابق وہ کسی قدر حوصلہ مند تھے۔ اس لیے کہ جاسوسوں نے بتایا تھا کہ خرم بن عمر کے ساتھ ایک چھوٹا لشکر ہے۔ بے سینہ اور گوپی اگر چاہیں تو کھلے میدانوں میں اس لشکر کو بدترین شکست دے کر خرم بن عمر سے اپنے ماضی کا انتقام لے سکتے ہیں۔

اپنے جاسوسوں اور مخبروں کی اس انگلیخت پر بے سینہ اور گوپی دونوں بھائیوں نے ہمت کی اور انہوں نے عمر پر حملہ آور ہونے کی ٹھان لی تھی۔ اپنے پڑاؤ کو انہوں نے ویسا ہی رہنے دیا۔ ان کا خیال تھا کہ خرم بن عمر سے نبٹنے کے بعد وہ واپس اپنے پڑاؤ میں آ کے قیام کریں گے اور جو قاصد انہوں نے قنوج کے راجہ ہرچندر کی طرف روانہ کیے ہیں، ان کی واپسی کا انتظار کریں گے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد بے سینہ اور گوپی نے اپنے لشکر کو تیار کیا۔ ابھی وہ اپنے پڑاؤ سے نکل کر اپنی پشت کا رخ کرنا ہی چاہتے تھے کہ سامنے کی طرف سے صحرا کے اندر گرد اور دھول اڑاتے طوفانوں کی طرح بنانہ بن حنظلہ اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ گوپی اور بے سینہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ لشکر کون سا ہے۔ تاہم وہ اپنی پشت پر خرم بن عمر کو بھول گئے اور سامنے سے آنے والے طوفان کا اندازہ لگانے لگے کہ آنے والا لشکر کس کا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد گرد اڑاتے بادلوں کے اندر سے بنانہ بن حنظلہ اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ بے سینہ اور گوپی جان گئے کہ مسلمانوں کا کوئی اور لشکر ان کی طرف بڑھ رہا ہے، لہذا ان کی راہ روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ بالکل تیار ہو گئے تھے۔ بنانہ بن حنظلہ قریب آیا، پھر اس کے لسنے زوردار انداز میں کبیریں بلند کیں۔ اس کے ساتھ ہی بنانہ بن حنظلہ امتداد زمانہ میں زمزمہ تخلیق بن کر کھیتوں اور مرغزاروں میں بادلوں کی نمی کی طرح چھا جانے والے انداز میں بے سینہ اور گوپی پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

بے سینہ اور گوپی ابھی تک مطمئن تھے۔ اس لیے کہ جو لشکر ان کے پاس تھا

سالار بے سینہ اور گوپی کا عبرت خیز انجام دیکھ کر خود ہی اپنے مرکزی شہر اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ عنقریب ہم قنوج کا رخ کریں گے اور قنوج کے راجہ کو بھی بے سینہ اور گوپی کی طرح مناسب سبق دیں گے۔

میرے عزیز بھائیو! تمہاری غیر موجودگی میں دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ اور میں ہم نے کافی دن قیام کیا ہے۔ لشکریوں نے سنا بھی لیا ہے۔ جو زخمی تھے، وہ بھی ٹھیک ہو چکے ہیں۔ اب مقامی لوگوں سے بھی میں نے مشورہ کیا ہے، یہاں سے قریب باتیہ کا قلعہ پڑتا ہے۔ اس قلعے کا حاکم مجھرا نام کا ایک شخص ہے جو راجہ داہر کا چچازاد بھائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب اس قلعے پر حملہ آور ہوا جائے اور اس قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد پیش قدمی کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا جائے۔ کیا تمہیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟

خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے جب ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تو محمد بن قاسم نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے محمد بن قاسم پھر کہہ اٹھا۔

سمندر کے کنارے سول رائے کی بستیوں سے جو سامان تم نے حاصل کیا تھا، وہ یہاں اور میں پہنچ گیا ہے۔ اس سامان کے ساتھ ساکنہ اور گودیری بھی آچکی ہیں۔ لشکر کی دیگر عورتیں بھی اور پہنچ چکی ہیں۔ تاہم وانگہ نے نیروں میں سمندر اس کے ساتھ قیام کر لیا ہے۔ تم اپنے لشکریوں کو اپنے خیموں کی طرف جانے کا حکم دو۔ خود بھی دونوں اپنے اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو۔ آج اور کل کا دن لشکری سستالیں، پرسوں ہم یہاں سے اس قلعے کا رخ کریں گے جس کا میں تم سے ذکر کر چکا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی خریم بن عمر نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کی طرف چلے جانے کا حکم دیا۔ لشکری فوراً اپنی خیمہ گاہ کی طرف چلے گئے تھے جبکہ خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ بھی اپنے خیموں کا رخ کر رہے تھے۔ دو روز بعد لشکر نے اور کے نواح سے کوچ کیا، اب اس کا رخ قلعہ باتیہ کی طرف تھا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ یہ قلعہ دریائے بیاس کے کنارے اور اور ملتان کے درمیان تھا لیکن ملتان کی نسبت یہ اور کے زیادہ قریب تھا۔ محمد بن قاسم کے بعد کتے

خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ فاتح کی حیثیت سے جب اپنے لشکر کے ساتھ اور کے نواح میں پہنچے تو محمد بن قاسم نے اپنے سالاروں کے ساتھ ان دونوں کا شاندار استقبال کیا۔ محمد بن قاسم کے پاس آکر دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے۔ محمد بن قاسم آگے بڑھا اور باری باری دونوں سے بغلگیر ہوا۔ پھر دوسرے سالار اسی انداز میں خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ سے ملے۔ پھر محمد بن قاسم نے خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

میرے بھائیو! میرے عزیزو! میں نے تم دونوں سے جو توقع باندھ رکھی تھی، تم دونوں نے اس سے کہیں زیادہ کام کیا ہے۔ میں یہی اندازہ لگا رہا تھا کہ سمندر کے کنارے سول رائے کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تم نیروں کی طرف آؤ گے اور وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد اور کی طرف لوٹ آؤ گے۔

لیکن نیروں کی طرف جاتے ہوئے جب خریم بن عمر میرے بھائی تم نے مجھے بے سینہ گوپی اور قنوج کے راجہ کے سپہ سالار کے لشکریوں کے متعلق اطلاع دی تو اس وقت میرا ارادہ تھا کہ میں لشکر لے کر نکلوں۔ بے سینہ اور گوپی کی سرکوبی کوں یا قنوج کے راجہ کے سپہ سالار کا تعاقب کروں۔ اگر تم نے مجھے پیغام کے ذریعے منع نہ کیا ہوتا تو میں یقیناً اپنے لشکر کے ساتھ نکل کھڑا ہوتا۔ تمہاری آمد سے تھوڑی دیر پہلے ناظم اور مخبر تمہاری پوری کارگزاری سے آگاہ کر چکے ہیں۔

میرے بھائیو! میں تم دونوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ سمندر کے کنارے سول رائے کا خاتمہ کرنے کے بعد تم دونوں نے بڑے طریقے، بڑے ڈھنگ کے ساتھ بے سینہ اور گوپی کا رخ کیا اور بروقت ان کو بدترین شکست دی۔ قنوج کے راجہ کے سپہ



ہیں، تقریباً تین سو سال تک یہ قلعہ موجود رہا۔ مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ محمود غزنوی کی فتوحات کے سلسلے میں بھی اس قلعے کا ذکر ملتا ہے۔ مورخین اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس قلعے کو تلواریڈو کے نام سے بھی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

بہرحال الور سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم نے بیاس کے جنوبی یا مغربی کنارے پر واقع قلعہ باتیہ کا رخ کیا۔ قلعہ کا حاکم ککھ راجہ واہر کا چچازاد بھائی تھا اور واہر کے ساتھ لڑائیوں میں موجود تھا۔ جب محمد بن قاسم کے مقابلے میں راجہ واہر کو شکست ہوئی اور راجہ واہر مارا گیا تو ککھ الور سے بھاگ کر اس قلعے میں آگیا اور یہاں اس نے پناہ لے لی تھی۔

ککھ کو جب مسلمانوں کے لشکر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنے امیروں کو محمد بن قاسم کے پاس تحائف کے ساتھ روانہ کیا۔ ککھ چونکہ اس سے پہلے راجہ واہر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لے چکا تھا، لہذا اسے یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ اگر میں نے قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام راجہ واہر سے بھی بدتر ہوگا۔ اس لیے کہ وہ اپنی آنکھوں سے راجہ واہر کا انجام دیکھ چکا تھا۔

راجہ ککھ نے اپنے جن امراء کو تحائف دے کر محمد بن قاسم کی طرف روانہ کیا تھا اور اطاعت کا اظہار کرنے کے لیے کہا تھا۔ محمد بن قاسم نے ان امراء کے ساتھ انتہائی مہربانی اور شفقت بھرا سلوک کیا۔ تحائف کی قبولیت کے بعد راجہ ککھ کا ایک قاصد محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مسلمانوں کے امیر ہمارا راجہ ککھ آپ سے انتہاء درجہ کا خوفزدہ ہے۔ وہ تحائف لے کر آنے کی خواہش رکھتا تھا لیکن اس کے دل میں یہ گہرہ، یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ آپ اسے ضرور سزا دیں گے۔ اس لیے کہ راجہ واہر کا ساتھ دیتے ہوئے اس نے آپ کے خلاف جنگ کی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خوف بھی بیٹھ گیا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے امیر کے سامنے گیا تو مسلمانوں کا امیر ضرور اس سے سوال کرے گا کہ راجہ واہر کی شکست کے بعد وہ کیوں نہ مسلمانوں کے پاس آیا اور امان طلب نہ کی اور کیوں اس نے اردوڑھ سے بھاگ کر باتیہ میں آکر پناہ لے لی؟

جب تک راجہ ککھ کا وہ امیر بولتا رہا، محمد بن قاسم غور سے سنتا رہا، مسکراتا رہا۔ کبھی کبھی وہ اپنے دائیں بائیں خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ آنے والا یہ قاصد جب خاموش ہوا تو محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔

مجھے اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ککھ اردوڑھ یعنی الور کا رہنے والا ہے۔ مجھے یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ یہاں کے لوگ 'عظلمند' سچائی، دیانتداری، وفاداری اور دلیری میں مشہور ہیں۔ ککھ خواجواہ ہم سے خوفزدہ اور خدشات کا حامل ہے۔ اگر وہ خود چل کر میرے پاس آئے تو میں نہ صرف اسے نوازوں بلکہ اسے اپنا مشیر بناؤں گا اور اس کی عزت افزائی کروں گا۔

محمد بن قاسم کا یہ پیغام لے کر ککھ کے امراء جب واپس ہوئے اور سارے حالات انہوں نے ککھ کو کہہ سنائے تب ککھ کو معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم اس سے شفقت اور محبت سے ملنا چاہتا ہے، لہذا وہ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد بن قاسم بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ اس کے ساتھ پیش آیا اور اسے اپنے پاس رکھتے ہوئے اپنا مشیر مقرر کر لیا تھا۔ محمد بن قاسم کے پاس ککھ کو وہ عزت اور منزلت نصیب ہوئی جو اس سے پہلے اسے راجہ واہر کے دربار میں بھی حاصل نہ تھی۔

باتیہ کا انتظام درست کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے پھر پیش قدمی کرنی شروع کی۔ باتیہ کا راجہ ککھ اس کے ساتھ تھا۔ دریائے بیاس کو عبور کرنے کے بعد محمد بن قاسم اسکنہ نام کے قلعے کی طرف بڑھا۔ قلعے کے قریب جانے سے پہلے ہی محمد بن قاسم نے ایک لشکر اپنے ایک سالار عمیر طائی کے حوالے کیا۔ ککھ کو بھی اس کے ساتھ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسکنہ نام کے قلعے پر حملہ آور ہوں۔

مسلمانوں کا یہ مقدمہ الجیش جب قلعے کے قریب پہنچا تو قلعے والوں کو خبر ہو گئی کہ مسلمان حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، لہذا وہ فوراً قلعے سے نکلے اور جنگ پر آمادہ ہوئے۔ دونوں جانب سے لشکروں میں گھمسان کارن پڑا اور قلعے کے اطراف کی زمین خوب خون آلود ہوئی۔

ظہر کی نماز تک جنگ اپنے زوروں پر رہی۔ ظہر کی نماز کے وقت مسلمانوں نے



زور زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر حملہ آور ہونا شروع کیا۔ مسلمانوں کے ان پر جوش حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے دشمن کے لشکری بھاگ کر قلعے میں داخل ہو گئے اور قلعے کے اندر سے تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے ہوئے مسلمانوں کو پیچھے ہٹانا چاہا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے قلعے کے اوپر منجنیقیں نصب کر دیں تاکہ اگر مسلمان قلعے کے قریب آئیں تو ان پر ایسی سنگ باری کی جائے کہ وہ قلعے پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔

اسلکنہ نام کے قلعے کا حاکم جس کا نام سیہرا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کے ساتھ طویل جنگ لڑ سکتا ہے اور قلعہ ان کے حوالے نہیں کرے گا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد محمد بن قاسم اپنے پورے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تو صورتحال بڑی تیزی سے بدلنا شروع ہو گئی۔ اس لیے کہ محمد بن قاسم نے جنگی ترتیب کچھ اس طرح اختیار کی کہ قلعے والے بے بس اور مجبور ہونا شروع ہو گئے۔

وہ اس طرح کہ ایک طرف عمیر طائی اور کسک پہلے ہی موجود تھے۔ دوسری جانب خرم بن عمر کو رکھا گیا، ذکوان بن علوان اس کی نیابت کر رہا تھا۔ تیسری جانب بنانہ بن حنظلہ تھا۔ چوتھی جانب خود محمد بن قاسم تھا۔ جب چاروں طرف سے اسلکنہ کے قلعے پر حملے شروع ہوئے تو قلعے والوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسکنا شروع ہو گئی تھی۔

قلعے کا حاکم سیہرا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ چاروں طرف سے اس حملے کو روک نہیں سکے گا۔ وہ قلعے کی تفصیل کے اوپر سے کتنے ہی پتھر برسائے، مسلمانوں کی پیش قدمی کو وہ نہ روک سکے گا۔ ان خیالات کے تحت ایک رات قلعے کا حاکم سیہرا قلعے سے فرار ہو کر سکے کی طرف چلا گیا۔ سکے لمان سے ملا ہوا شہر تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان راوی دریا بہتا تھا۔ سکے دریائے راوی کے جنوب مغربی کنارے پر تھا جبکہ لمان شہر اس کے دوسری جانب تھا۔ مشہور مورخ بلاذری کے زمانے تک سکے نام کا یہ شہر بھی ویران ہو چکا تھا۔

اسلکنہ کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کا حاکم فرار ہو گیا ہے اور اب کامیابی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی، اس لیے مسلمان جلد یا بدیر ہر صورت میں قلعے کو فتح

کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، تب انہوں نے ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کی اطاعت کر لی جائے اور ان سے امان طلب کر لی جائے۔

لہذا انہوں نے اپنے قاصد محمد بن قاسم کی طرف روانہ کیے اور التجا کی کہ ہمارے قلعے کا حاکم فرار ہو چکا ہے، ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ ہمیں امان دیجئے۔

محمد بن قاسم نے قلعے کے لوگوں کی التجا کو قبول کر لیا اور انہیں امان دے دی۔ امان ملنے کے بعد قلعے والوں نے واقعی اطاعت کا اظہار کر دیا۔ قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا۔ داخلے کے وقت قلعے کے شہریوں کو کسی قسم کی گزند یا تکلیف نہ پہنچائی گئی البتہ دشمن کے چار ہزار وہ لشکری جو جنگ کے لیے آمادہ ہوئے، انہیں تہ تیغ کر دیا۔ اسلکنہ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے یہاں کا نظام درست کیا اور بنو تمیم کے ایک شخص کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔

اس فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ سکے شہر کا رخ کیا۔ سکے میں دشمن کی بہت بڑی قوت جمع ہو چکی تھی۔ یہ شہر دریائے راوی کے مغربی کنارے پر تھا جبکہ لمان مشرقی کنارے پر تھا۔ دونوں کافی بڑے شہر تھے۔ سکے شہر کی تفصیل بڑی مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کی جاتی تھی۔ اروڑھ کے علاوہ دوسرے چھوٹے بڑے شہروں سے شکست کھانے والے لشکری سکے میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ سکے کا حاکم جس کا نام بھجرا تھا، بچے رائے کا نواسہ تھا۔ انتہائی جنگجو اور آتش مزاج آدمی تھا۔

بھجرا کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے اسلکنہ شہر فتح کر لیا ہے اور اب وہ اس کے شہر سکے کا رخ کیے ہوئے ہیں، تب وہ اپنے شہر سے نکلا۔ شہر کے باہر خیمہ زن ہوا۔ اس کی ان حرکات سے لگتا تھا کہ وہ کھلے میدانوں میں مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے پر تیار ہو گیا ہے۔

محمد بن قاسم جب سکے شہر کے نواح میں پہنچا تو اس نے دیکھا، بھجرا شہر سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ تاہم اس نے شہر سے باہر اپنا پڑاؤ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ شہر سے باہر صرف جنگ کر کے مسلمانوں کو سکے شہر سے بھگا دینے کا عزم رکھتا تھا۔

محمد بن قاسم جو نبی اپنے لشکر کے ساتھ سکے شہر کے قریب ہوا، سکے شہر کا حاکم

لگا لیا کہ جلد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سے بدترین شکست ہوگی، لہذا اس نے اپنے لشکر کو موڑا اور سکہ شہر میں فصیل بند ہو گیا تھا۔

محصور ہونے کے بعد سکہ کا حاکم بھجرا چند روز تک مسلمانوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ زیادہ دن تک مسلمانوں کے خلاف ٹھہر نہیں سکے گا، لہذا ایک رات خاموشی سے اہل شہر کو چھوڑ کر وہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ ملتان کی طرف بھاگ گیا تھا۔

بھجرا کے بھاگنے کے بعد شہر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو لشکر کی کمانداری کرتا، لہذا شہر والوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس جنگ میں لگ بھگ دو سو پندرہ مسلمان اور بیس چھوٹے سالار شہید ہوئے تھے اور ان کا محمد بن قاسم کو بڑا دکھ، بڑا صدمہ تھا، لہذا اس نے قسم کھائی تھی کہ سکہ شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کو برباد کر دوں گا اور محمد بن قاسم نے ایسا ہی کیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد غصے اور غضبناکی میں اس نے سکہ شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔



بھجرا شدید ترین نفرت انگیز جذبے کے ساتھ محمد بن قاسم کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دراصل مسلمانوں پر آتے ہی حملہ آور ہونے سے بھجرا کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کی عسکری تربیت درست نہ ہوگی، لہذا وہ انہیں منتشر کر کے شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جو نبی بھجرا حملہ آور ہوا، مسلمانوں نے فوراً اپنے لشکر کی ترتیب محمد بن قاسم اور خرم بن عمر کی سرکردگی میں درست کر لی۔ پھر وہ بھی اندھیری رات کی مہیب فضاؤں میں اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بھی کچھ اس طرح اپنے حملے کی ابتدا کی جیسے سناٹوں کے سمندر میں حد ازل اور حد ابد کو ملانے والے عناصر ستاروں کی پوشاک اپنے اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو روشن و منور وجدان کی طرح بھا کر لے جائیں گے۔

بھجرا کے اچانک حملہ آور ہونے سے شروع میں مسلمانوں کا کچھ نقصان بھی ہوا تھا۔ محمد بن قاسم کے کچھ سرکردہ سالار بھی مارے گئے تھے۔ لشکریوں کا کچھ نقصان ہوا تھا۔ پھر بھی محمد بن قاسم اور خرم بن عمر نے اپنے لشکر کو سنبھال لیا۔ پھر مسلمان مجاہد حملہ آور ہوتے ہوئے اپنی ڈھالوں کی صداؤں اور اپنی خون نشاں تلواروں کی برق میں اپنے سامنے اپنے خوابوں کی تعبیر اور مستند تحریروں جیسی اپنی فتح مندی اور فوز مندی دیکھنے لگے تھے۔

مختلف آوازوں سے میدان جنگ یوں بھڑک اٹھا تھا جیسے برق و شعلہ کی لپک اور انجانے نا آشنا سے طلسم کو ہوائیں اپنے شانوں پر چیختے بادلوں کی طرح اٹھائے کسی فونی انقلاب کو برپا کرنے کے درپے ہو گئی ہوں۔ ہر سمت ہر طرف تازہ لہو کی وارداتیں۔ اندیشوں کے اندھیارے اور بیمار خزاں پوش وقت میں الفاظ کے بھڑکتے نشتروں کی جراحی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

شروع میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا کر بھجرا کو یہ امید ہو گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو سکہ شہر میں داخل نہیں ہونے دے گا بلکہ مار بھگائے گا لیکن جلد ہی مسلمان سنبھل گئے۔ گو یہاں بھی بھجرا کے پاس مسلمانوں کے لشکر سے بڑا لشکر تھا لیکن پھر بھی بھجرا سکہ شہر کے نواح میں زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا۔ مسلمانوں نے جب آہستہ آہستہ اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کرنا شروع کی، تب بھجرا نے اندازہ

کو میں نے حکم دے دیا ہے کہ تمہارے اہل خانہ کے لیے بہترین سواگت کرے اور ان کے لیے عمدہ رہائش کا بندوبست کرے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس سلسلے میں آؤ ہو؟

مجھرا تھوڑی دیر چپ چاپ اداس سا بیٹھا رہا، پھر گورنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بول پڑا۔

گورنگھ یوں جانو میں سکھ شہر کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر تمہارے پاس پناہ لینے کے لیے آیا ہوں۔ میں نے کئی دن تک مسلمانوں کا مقابلہ کیا، حالانکہ میرے پاس ان سے بڑا لشکر تھا لیکن ہائے بد قسمتی، پھر بھی میں ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ مجھرا کے ان الفاظ پر گورنگھ کچھ سوچتا رہا، پھر دوبارہ مجھرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

مجھرا کیا بات ہے کہ سندھ کے اندر کوئی بھی قوت مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہی اور اب سندھ سے نکل کر وہ شمالی علاقوں کا رخ کر چکے ہیں۔ کیا ان کے پاس اتنا بڑا لشکر ہے کہ کوئی قوت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی یا ان کے پاس کوئی سحر ہے جسے کام میں لاتے ہوئے وہ شکست کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے۔ فتح پر فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے گھوڑے بڑی تیزی سے زمین کو ناپتے ہوئے شمال کا رخ کر رہے ہیں۔ آخر کچھ تو کہو۔ مجھرا تھوڑی دیر تک بڑی بے بسی سے گورنگھ کی طرف دیکھتا رہا، پھر دھیمے سے لہجے میں بول پڑا۔

گورنگھ جو تم نے کہا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ یہ مسلمان غیر معروف زمینوں، حد نظر تک پھیلی سمندری تاریکیوں اور آسمانی طاقتوں کے مرکز سے نکل کر چڑھتی دھوپ کے سحر اور صدیوں کے غبار کی طرح ہر شے پر چھاتے چلے جا رہے ہیں۔ میں ان سے کئی جنگیں لڑ چکا ہوں۔ رزم گاہ میں اس میں شک نہیں، وہ بے مثال ہیں۔ جنگ کے دوران اس طرح آگے بڑھتے ہیں جس طرح اندھیری رات کی خاموشیوں میں راہ کو گہر بار شعلوں میں تبدیل کرنے والے عناصر یا افق پر چھائے اندھیروں میں نئی مسکراتی سحر پھیلائے قضا و قدر کے ارکان پیش قدمی کرتے ہیں۔ جنگ کے دوران یہ لوگ کچھ اس طرح پچھلی صفوں سے آگلی صفوں کی

ملتان کا راجہ گورنگھ جو راجہ داہر کے بھائی چندر کا بیٹا تھا، ایک روز اپنے راج محل میں اپنے سپہ سالاروں اور عمائدین کے ساتھ بیٹھا مسلمانوں کے سندھ کے اندر بڑھتے ہوئے زور قوت پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا چوہدار اندر آیا اور سکھ شہر کے حاکم مجھرا کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ آنے کی خبر دی۔

اس خبر پر راجہ گورنگھ فکر مند سا ہوا تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اپنے سامنے بیٹھے عمائدین سلطنت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مجھرا کا ہمارے پاس آنا کسی وجہ کے بغیر نہیں ہے۔ یا تو سکھ شہر پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے اور مجھرا اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھاگ کر ادھر آیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مجھرا اپنے اہل خانہ کو حفاظت کے لیے ہمارے پاس چھوڑنے آیا ہو۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے خلاف ہم سے مدد بھی مانگنے آیا ہو۔ جو بھی وجہ ہو، بری اور ہولناک ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد گورنگھ تھوڑی دیر کے لیے رکا، پھر اپنے چوہدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سکھ کے حاکم مجھرا کو میرے پاس لے کر آؤ۔ اس کے ساتھ اس کے اہل خانہ ہیں، ان کے بہترین قیام کا بندوبست کرو۔ اسی کے ساتھ ہی چوہدار باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سکھ کا حاکم مجھرا داخل ہوا۔ گورنگھ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس کے سارے عمائدین اور سپہ سالار بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ آگے بڑھ کر گورنگھ نے مجھرا کا سواگت کیا اور اپنے پہلو میں اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب مجھرا بیٹھ گیا تو گورنگھ نے اسے مخاطب کیا۔

مجھرا میرا چوہدار بتا چکا ہے کہ تم اپنے اہل خانہ کے ساتھ آئے ہو۔ اپنے چوہدار

طرف جاتے ہیں جیسے فضاؤں کے اندر پھیلی سیاہی میں وہ قدرت سے اپنی سعی و عمل کا پھل وصول کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہوں۔

بھرا کی اس گفتگو سے گورنگھ مایوس ہوا تھا۔ چہرے پر مردنی اور مایوسی سی چھا گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس نے بھرا کو مخاطب کیا۔

بھرا کیا میں تمہاری گفتگو سے یہ سمجھ لوں کہ مسلمان ناقابلِ تسخیر ہیں اور ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر بھرا نے سر کو نفی میں ہلایا اور گورنگھ کو مخاطب کیا۔

گورنگھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بے شک مسلمان ساون بھادوں کے چڑھتے بادلوں کی طرح ہر شے پر چھاتے چلے جا رہے ہیں لیکن اگر ہم یکجا ہو کر اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کر کے ان کے سامنے آئیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم انہیں

تازہ طفل کے کچے گھونڈے کی طرح گرا دیں گے۔ پے ہوئے کھلیان کی طرح انہیں اڑا دیں گے اور ان کی ساری بیجستی و تنظیم اور عزم و مستقل مزاجی کو راکھ اور خاک بنا کر رکھ دیں گے۔ پر اس کے لیے ہمیں بھی بڑی تنظیم کی ضرورت ہے۔ لشکر کو

ترتیب دینے کے علاوہ ایک بڑے لشکر کی بھی ضرورت ہے۔

گورنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے بھرا کو مخاطب کیا۔

بھرا میں جانتا ہوں کہ تم جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہو۔ دشمن کے سامنے جمنے، صفوں کو درست کرنے کا فن بھی جانتے ہو۔ میں تمہیں اپنے لشکروں کا سالار اعلیٰ مقرر کرتا

ہوں۔ یہ بات بھی عیاں ہے کہ سکہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمان راوی کو پار کر کے ملتان کا رخ کریں گے اور ہر صورت میں ملتان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں

گے۔ میرے پاس اتنا بڑا لشکر ہے کہ مسلمانوں کے پاس بھی نہیں۔ میں اس لشکر کا تمہیں سالار بناتا ہوں اور تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جب مسلمان دریائے راوی کو

پار کر کے ملتان کا رخ کریں تو تم شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرو۔ تمہاری طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے کے لیے میں تم سے یہ بھی کہوں کہ میں نے پچھلے چند روز

سے اپنے تیز رفتار قاصد قنوج کے راجہ ہرچندر کی طرف بھجوائے تھے۔ بدلتی ہوئی صورتحال سے اسے آگاہ کیا تھا۔ اسے یہ بھی بتایا تھا کہ مسلمان ایک نہ ایک روز ملتان

پر حملہ آور ہوں گے اور اگر ملتان ان کے سامنے سرنگوں ہو گیا تو پھر دنیا کی کوئی

طاقت انہیں قنوج کی طرف بڑھنے سے روک نہ سکے گی۔ میں نے ہرچندر کو یہ بھی تنبیہ کر دی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں کی راہ روکے۔

ہرچندر نے میرے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے ملتان اور قنوج کے درمیان اپنے مخبر اور ناظم پھیلا رکھے ہیں اور میرے ساتھ اس نے وعدہ کیا ہے کہ

جونہی مسلمانوں کا لشکر راوی کو عبور کر کے ملتان کا رخ کرتا ہے تو مجھے چاہیے کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کروں۔ ملتان کے آس پاس ہرچندر

کا لشکر بھی اس کے سپہ سالار کی کمانداری میں منڈلاتا رہے گا اور جونہی مسلمانوں کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہوگا، ہرچندر کا سپہ سالار پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور

ہوگا اور اپنی اور ہماری فتح کو یقینی بنا کر رکھے گا۔ اب کہو تم کیا کہتے ہو؟

بھرا ملتان کے راجہ گورنگھ کی ساری گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک بار پھر گورنگھ کا چوہدار اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

آقا قنوج کے راجہ ہرچندر کی طرف سے قاصد آیا ہے۔ وہ آپ کے لیے کوئی اہم پیغام رکھتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں قاصد کو پیش کروں۔

اس موقع پر سوالیہ سے انداز میں گورنگھ نے بھرا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے چوہدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا، قاصد کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ تاکہ میں جانوں، وہ کیا کہتا چاہتا ہے۔

چوہدار باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قنوج کے راجہ ہرچندر کے قاصد کو لے کر آیا۔ قاصد نے اندر آکر گورنگھ کو تعظیم دی۔ پھر قبل اس کے کہ گورنگھ اسے

مخاطب کر کے کچھ پوچھتا، قاصد خود ہی بول پڑا۔

راجہ میں آپ کے چوہدار سے اپنے آنے کا مدعا بیان کر چکا ہوں۔ مجھے میرے آقا ہرچندر نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ قنوج تک یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ مسلمانوں

نے دریائے راوی کے مغربی کنارے پر سکہ شہر کو فتح کر کے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارے راجہ نے یہ بھی خدشات ظاہر کیے ہیں کہ سکہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمان ضرور

دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد ملتان کا رخ کریں گے۔ آپ کے نام ہمارے راجہ کا یہ بھی پیغام ہے کہ پہلے آپ کے اور ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ اگر مسلمان



گورنگھ نے قاصد کا شکریہ ادا کیا۔ اسے پیغام دیا کہ وہ واپس جا کر ہرچندر کو پیغام دے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اس کے بعد چوہدر قنوج کے راجہ ہرچندر کے قاصد کو باہر لے گیا تھا۔ قاصد کے جانے کے بعد بھجرا نے مسکراتے ہوئے گورنگھ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

اس قاصد کے آنے سے پہلے آپ نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا۔ میں اس سوال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ قنوج کا یہ قاصد آگیا اور جو کچھ اس نے کہا، یہی میرا جواب ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ قنوج کا لشکر اور ملتان کا لشکر علیحدہ علیحدہ رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اس طرح اگر مسلمانوں کی قوت بٹی ہے تو ہماری قوت بھی بٹ جائے گی اور ماضی میں جب کبھی بھی ایسا کرنے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں نے اسے روند کر رکھ دیا۔ اب جو ہرچندر نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اس کا لشکر ایک دو روز تک ملتان پہنچ جائے گا اور متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے گا تو میں اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔

گورنگھ نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ اس کے بعد گورنگھ نے بھجرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بھجرا میں تمہیں اپنے لشکروں کا سپہ سالار اعلیٰ مقرر کرتا ہوں۔ میرے خیال میں مسلمان کچھ دن سکھ میں آرام کرنے کے بعد دریائے راوی کو عبور کر کے ملتان کا رخ کریں گے۔ اتنے دن تم لشکر میں رہ کر اپنی خواہش کے مطابق نہ صرف یہ کہ ان کی بہترین تربیت کر سکتے ہو بلکہ ان کی ترتیب بھی اپنی مرضی کے مطابق استوار کر سکتے ہو۔ میرے خیال میں اگر ہم اور قنوج کے راجہ کا لشکر پوری طاقت اور قوت سے مسلمانوں کا سامنا کریں تو ہم انہیں کم از کم ملتان میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اگر ایک بار مسلمان ملتان کے نواح سے پسپا ہو گئے تو یاد رکھنا ہم ان کے تعاقب میں لگ جائیں گے۔ پھر کہیں بھی ان کے قدم نہ جمنے دیں گے۔

بھجرا نے گورنگھ کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی۔ پھر گورنگھ اٹھ کھڑا ہوا اور بھجرا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ بھجرا میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں لشکر گاہ کی طرف لے جاتا ہوں تاکہ لشکر کے سالاروں سے تمہارا تعارف کراؤں اور تم ان سے آنے والے

دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد ملتان پر حملہ آور ہوتے ہیں تو آپ اپنے لشکر کے ساتھ ملتان سے باہر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے جبکہ ہمارا سالار لشکر کے ساتھ جنگ کے عروج پر مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا لیکن اب حالات مختلف ہو گئے ہیں اور اس میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔

پہلے پیغام کے آنے کے بعد ہرچندر نے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کیا۔ کچھ نے یہ رائے دی کہ جس وقت دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد مسلمان لشکر ملتان کا رخ کرتا ہے تو ہمارے لشکر کو اردوٹھ کا رخ کرنا چاہیے تاکہ ملتان پر مسلمان حملہ آور ہوں تو ہم اردوٹھ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے لیے دو محاذ کھول دیں۔

لیکن ہمارے سرکردہ سالاروں اور ہمارے راجہ ہرچندر نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ سب کے ساتھ طے شدہ تجویز کے مطابق اب یہ طے پایا ہے کہ ہمارا جو لشکر آپ کی مدد کے لیے مقرر کیا جائے گا، وہ جنگ کے دوران مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہوگا، نہ ہی اردوٹھ کا رخ کرے گا کہ مسلمان دو محاذوں میں بٹ جائیں، اس طرح خدشہ ہے کہ ہمیں نقصان ہوگا۔

وہ اس طرح کہ مسلمانوں کے مخبر اور ناظر بھی جگہ جگہ منڈلاتے پھرتے ہیں۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کے سالار کو یہ خبر کر دی کہ ہم اردوٹھ کا رخ کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں، وہ بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں گے۔ ایک حصہ آپ سے نپٹ لے گا، دوسرا ہم پر حملہ آور ہوگا۔ اس طرح ہمیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ ماضی میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔ ہم نے تین اطراف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے اس ساری تجویز کو ناکام بنا دیا۔ انہوں نے نہ صرف سمندر کے کنارے سولہ رابے کو شکست دی بلکہ برہمن آباد کے نواح میں انہوں نے ہمارے لشکر کو بھی شکست دے کر ہماری ساری تجویز کو خاک میں میلا دیا۔ اب جو طے پایا ہے، وہ یہ کہ ایک دو روز تک ہمارا لشکر یہاں ملتان کے نواح میں پہنچ جائے گا اور آپ کے لشکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا۔ اس طرح ہماری طاقت اور قوت میں اضافہ ہوگا اور مسلمان ہمیں یونہی تنکوں کی طرح اڑانے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ بس یہی وہ پیغام ہے جو میرے راجہ نے آپ کی طرف بھجوایا ہے۔



دنوں میں اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکو۔ مجھرا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
پھر وہ گورنگھ کے ساتھ ہو لیا تھا۔



سکہ شہر کے نواح میں ایک روز خرم بن عمر جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے کے اندر ساگرہ خیمے کی صفائی ستھرائی اور سامان کی درستگی میں مصروف تھی۔ خرم بن عمر کے داخل ہونے پر وہ سنبھلی۔ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ خرم بن عمر آگے بڑھتے ہوئے ایک نشست پر بیٹھ گیا تو ساگرہ بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس موقع پر خرم بن عمر کو مخاطب کر کے ساگرہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ خرم بن عمر نے اسے مخاطب کرنے میں پھل کی۔

ساگرہ کیا تمہارے کچھ عزیز و رشتہ دار ملتان شہر میں بھی ہیں؟

خرم بن عمر کے اس استفسار پر ساگرہ چونکی تھی۔ کچھ دیر تک وہ جواب طلب اور استفساریہ سے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر پوچھنے لگی، آپ سے کس نے کہا کہ ہمارے عزیز و اقارب ملتان میں رہتے ہیں۔ اس سے پہلے میں نے آپ سے ذکر کیا، نہ میرے باپ نے اپنے رشتہ داروں کا تذکرہ آپ سے کیا۔ پھر آپ نے کیسے جان لیا کہ ملتان میں ہمارے رشتہ دار ہیں۔

ساگرہ کے اس طرح پوچھنے پر خرم بن عمر تھوڑی دیر تک دبی دبی مسکراہٹ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی اس مسکراہٹ سے ساگرہ کو کچھ شک ہوا، لہذا دوبارہ بول پڑی۔

آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھیں میرے ساتھ کوئی شرارت نہ کیجئے گا۔ صحیح بتائیں کیا معاملہ ہے؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ملتان میں ہمارے رشتہ دار ہیں؟ خرم بن عمر سنبھلا اور کہنے لگا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ رشتہ دار ہیں کہ نہیں؟ پھر میں بات کو آگے بڑھاتا ہوں۔

ساگرہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ کبھی کبھی وہ عجیب سے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

جہاں تک ملتان میں ہمارے رشتہ داروں کا تعلق ہے تو ملتان میں میرے باپ، میری ماں دونوں ہی کے رشتہ دار رہتے ہیں۔ ملتان اکثر میں اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ جاتی رہی ہوں اور سارے رشتہ دار میرے جاننے والے ہیں۔ اب بتائیں کیا معاملہ ہے؟

خرم بن عمر تھوڑی دیر رکا، کچھ سوچا۔ اس کے بعد ساگرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

دراصل ہمارا لشکر چند روز تک دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد ملتان کا رخ کرے گا اور ملتان پر حملہ آور ہوگا۔ جو حالات ہمارے مخبر اور ناظر لے کر آئے ہیں، ان کے مطابق ملتان کے باہر گھسان کارن پڑے گا۔ اس لیے کہ اس بار ہمارا مقابلہ صرف ملتان کے لشکر سے ہی نہیں بلکہ قنوج کے راجہ ہرچندر نے بھی اپنا ایک لشکر ملتان والوں کی مدد کے لیے بھیج دیا ہے۔ اس لیے ملتان کے باہر راجہ داہر سے لڑی جانے والی جنگ سے بھی بڑی لڑائی لڑی جائے گی۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ جنگ سے پہلے ملتان میں تمہارے جو رشتہ دار ہیں، انہیں نکال لینا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ملتان کا جب ہم محاصرہ کریں تو محاصرہ طول پکڑ جائے۔ شہریوں کو ایک لمبی زحمت اٹھانی پڑے اور اس زحمت میں تمہارے رشتہ دار بھی آجائیں۔

خرم بن عمر کی گفتگو سے ساگرہ کچھ متشکر ہو گئی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔

ملتان میں جو رشتہ دار ہیں، انہیں میں جانتی ہوں۔ کوئی ایسا دوسرا میرے قریب نہیں جسے بھیج کر انہیں شہر سے نکال لیا جائے۔ اس پر خرم بن عمر نے دوبارہ مسکراتے ہوئے عجیب سے انداز میں ساگرہ کی طرف دیکھا۔ اس پر ساگرہ تڑپ اٹھی اور کہنے لگی۔

آج آپ کی گفتگو کا انداز لب و لہجہ عجیب و غریب اور نیا ہے۔ آپ کی باتوں میں ضرور کوئی شرارت چھپی ہوئی ہے۔ بتائیں کیا معاملہ ہے؟

اس پر خرم بن عمر کہنے لگا۔ دراصل ملتان سے تمہارے عزیز و اقارب کو نکالنے کا سارا انتظام ہو چکا ہے۔ بھیرودل کو ملتان روانہ کر دیا گیا ہے اور وہ تمہارے رشتہ داروں کو وہاں سے نکال لائے گا۔

ساگرہ تھوڑی دیر رکی، پھر اپنے باپ سندرداس اور وانگہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ کب لشکر میں داخل ہوئے؟ آپ نے کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ نہیں اور مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی آپ نے بھیرول کو ملتان کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اس پر سندرداس مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

میری بیٹی آتے ہی میں امیر محمد بن قاسم کے علاوہ خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ سے ملا۔ تینوں سے مشورہ کیا۔ یہ طے پایا کہ جو ہمارے عزیز ملتان میں ہیں، انہیں نکال لینا چاہیے۔ بھیرول میرے ساتھ آیا ہوا تھا، لہذا بھیرول کو میں نے وہیں سے روانہ کر دیا۔ جہاں تک کھانے پینے کا تعلق ہے تو میں اور وانگہ پہلے بنانہ کے خیمے کی طرف گئے، وہاں ہم زیادہ دیر نہیں رکے۔ بنانہ نے کچھ لشکریوں کو کھانا اور مشروب لانے کے لیے کہہ دیا ہے۔ میرے خیال میں وہ سب چیزیں یہیں لے آئیں گے۔

گفتگو کرتے ہوئے سندرداس کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ کچھ لشکری کھانے کے اہر تہ اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ سب کے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ پھر سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔ دو روز بعد بھیرول ملتان سے سندرداس کے رشتہ داروں کو لے کر سکہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد لشکر نے سکہ سے کوچ کیا اور دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد ملتان کا رخ کیا۔

○

بھیرول کا نام سن کر ساگرہ چونکی اور کہنے لگی۔

لیکن بھیرول نیون میں میرے باپ کے پاس ہے۔ وہ یہاں کیسے پہنچ گیا؟ اس پر خرم بن عمر نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر کہنے لگا۔ تمہارا باپ بھی یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس کے ساتھ بھیرول بھی آیا ہے اور تمہارے باپ نے ہی مجھے بتایا ہے کہ تمہارے عزیز واقارب ملتان میں ہیں، لہذا انہیں وہاں سے نکالنا چاہیے۔

اس پر ساگرہ چھلانگ لگانے کے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی، کہاں ہیں میرے باپ؟ خرم بن عمر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

ان کے ساتھ وانگہ بھی ہے۔ دونوں پہلے بنانہ بن حنظلہ اور گودیری کے خیمے کی طرف گئے ہیں اور وہاں سے اٹھ کر ہماری طرف آئیں گے۔ جواب میں ساگرہ کچھ کہتا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر سندرداس، وانگہ، بنانہ بن حنظلہ اور گودیری نمودار ہوئے تھے۔ اس پر ساگرہ بھاگ کر آگے بڑھی اور اپنے باپ سندرداس سے لپٹ گئی تھی۔

سب جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب خرم بن عمر نے سندرداس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

آپ کی آمد سے پہلے میں نے ساگرہ کو سارے حالات سے آگاہ کر دیا ہے کہ بھیرول کو ملتان کی طرف روانہ کر دیا ہے تاکہ وہ وہاں سے آپ کے رشتہ داروں کو نکال لائے۔ تاہم میں ابھی گفتگو مکمل نہیں کر پایا تھا کہ آپ لوگ آگئے ہیں۔ اس کے بعد خرم بن عمر نے پھر ساگرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ساگرہ جو بات ابھی میں تمہیں بتانے والا تھا، وہ یہ ہے کہ لشکر تو دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد ملتان کی طرف چلا جائے گا۔ لشکر میں جس قدر عورتیں ہیں، وہ یہیں سکھ رہیں گی اور ان کی حفاظت کا خوب بندوبست کیا جائے گا۔ تم اور گودیری بھی یہاں رہو گی۔ ملتان سے جو تمہارے عزیز واقارب نکالے جائیں گے، وہ یہاں تمہارے پاس قیام کریں گے۔ اب بولو، تمہیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟

ساگرہ نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں پہلے خرم بن عمر کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔ جب آپ لوگ یہ فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میرے اعتراض کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

حنظلہ دونوں اپنے اپنے حصے کے لشکریوں کے ساتھ ملتان کے راجہ گور سنگھ کے لشکر پر ضرب لگائیں گے۔ میں دشمن کے لشکر کے بائیں حصے کو اپنا نشانہ بناؤں گا۔ دائیں حصے کا ہدف بنانہ بن حنظلہ لے گا۔ اس طرح مجھے امید ہے کہ میں اور بنانہ گور سنگھ کے لشکر کو ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔

خریم بن عمر میرے بھائی تم بالکل دائیں جانب رہو گے۔ تمہارے بائیں جانب اور میرے دائیں جانب یعنی ہم دونوں کے درمیان ذکوان بن علوان ہوگا۔ تم دونوں کا ہدف قنوج کے راجہ ہرچندر کا لشکر ہوگا۔ اس کے لشکر پر دائیں جانب ذکوان بن علوان حملہ آور ہوگا۔ بائیں جانب کو تم ہدف بنانا۔ مجھے امید ہے کہ خرم بن عمر جس طرح ماضی میں تم نے شاندار کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، ملتان کے نواح میں بھی تم اپنی شجاعت، دلیری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قنوج کے راجہ کے لشکر کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

محمد بن قاسم کے خاموش ہو جانے پر سارے سالار آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ پھر سب نے محمد بن قاسم کی تجویز پر اتفاق کیا۔ اس پر محمد بن قاسم کے چہرے پر گہری پرسکون مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر اس کی نگاہیں اچانک دشمن کے لشکر پر جم گئیں۔ دشمن کے لشکر میں مختلف رنگوں کے پرچم کچھ اس طرح لہرا رہے تھے جیسے اداس شام کے پردوں پر نامانوس ویران سکوت رقص کرتا ہے۔ جیسے سنان فضاؤں میں آندھیاں فضا کے ساز بجانے لگتی ہیں۔

محمد بن قاسم تھوڑی دیر تک دشمن کے لشکر کو دیکھتا رہا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر شب و روز کے طلسم میں آرائش خیال جیسا سکون تھا۔ پھر اس نے اپنے پہلو میں کھڑے خرم بن عمر کی طرف دیکھا۔ وہ بنور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ محمد بن قاسم کے پیچھے لشکر کے اندر کبھی کبھی ہتھیار اس طرح صدائیں بلند کرتے تھے جیسے زندان سے رقص زنجیر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن قاسم نے اندازہ لگایا کہ اس کی رگ رگ سے عزم و حوصلے کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ پھر محمد بن قاسم نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

ابن عمر ذرا اپنے سامنے دشمن کے لشکر پر نظر دوڑاؤ، پھر بتاؤ تمہارے اندازے کیا

محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ جب ملتان پہنچا تو ملتان کے نواح میں راجہ گور سنگھ اور قنوج کا راجہ ہرچندر کا لشکر جنگ کرنے کے لیے تیار تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی فوراً اپنی صفیں درست کرنی شروع کر دیں تھیں۔ مسلمانوں کے لشکر نے جب گور سنگھ اور قنوج کے لشکر کے سامنے استوار ہونا شروع کیا تو اس موقع پر ان کے چروں پر ایک طنز تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا تعداد میں مسلمان ان سے کافی کم تھے۔

جس وقت لشکری اپنی صفیں حسب سابق درست کر رہے تھے، محمد بن قاسم، خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان، صارم بن صارم، عطا بن مالک اور کچھ چھوٹے بڑے سالار ایک جگہ جمع ہوئے۔ پھر محمد بن قاسم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میرے عزیز اپنے سامنے دیکھو، دشمن نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ دائیں جانب قنوج کے راجہ ہرچندر کا لشکر ہے۔ بائیں جانب ملتان کے راجہ گور سنگھ کے لشکری ہم سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

میں نے جو ان سے بننے کے لیے لشکر کی ترتیب تجویز کی ہے، وہ میں تم سے کہتا ہوں۔ اس پر اگر تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے تاکہ اس میں بروقت تبدیلی کی جاسکے۔

میں چاہتا ہوں کہ لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دوں۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا خرم، تیسرا بنانہ، چوتھا ذکوان کے پاس ہوگا۔ عطا بن مالک میرے پاس میرے ساتھ کام کرے گا۔ میرے بائیں جانب بنانہ بن حنظلہ ہے گا۔ میں اور بنانہ بن

بھی تکبیریں بلند کیں۔ پھر لشکر میں کچھ اس طرح زوردار انداز میں تکبیریں بلند ہوئی تھیں جیسے صحرا کے کنگشاں میں اچانک ان گنت مغنیوں نے دنوں پر ہاتھ مار دیئے ہوں یا انمول خزانوں کے تجسس میں حروف خفی اچانک جلی حروف بن کر چیخ چلا اٹھے ہوں۔ پھر اسلامی لشکر بھی بھرتے سمندر اور موجوں کو طلاطم آشنا کرتے طوفانوں کی طرح راجہ گورنگھ اور تنوج کے راجہ کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ ملتان کے باہر گھمسان کارن پڑا تھا۔

ملتان کے نواح میں ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ ملتان کے راجہ گورنگھ اور تنوج کے لشکریوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو پسا کر کے رکھ دیں گے۔ اس لیے کہ مسلمان تعداد میں ان سے بہت کم تھے لیکن جنگ جب اپنے عروج پر آئی تو انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کو پسا کرنا یا پیچھے ہٹانا اتنا آسان نہیں، بتنا انہوں نے خیال کر رکھا تھا بلکہ مسلمان لشکری آندھی اور طوفان کی طرح لپک لپک کر ان کی صفوں میں گھتے جا رہے تھے۔ لمحہ بہ لمحہ ان کے لشکریوں کی تعداد کم کرتے جا رہے تھے۔ شام کو جب سورج غروب ہو گیا، تب ملتان کا لشکر پسا ہو کر شہر میں محصور ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے بھی اپنے لشکر کو پیچھے ہٹایا اور پڑاؤ میں لشکریوں کو آرام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

اگلے روز دونوں لشکر پھر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ اس روز محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد اپنے گھوڑے کو موڑا اور اپنے گھوڑے کا منہ لشکر کی طرف کیا۔ پھر اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

میرے ہم نفسو میرے ہمدومو! میرے ساتھیوں دشمن کل ہمارے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد آج پھر ہمارے سامنے صف آرا ہے۔ کل کی طرح آج پھر اندھا کر دینے والے عذابوں اور بھڑکتے شعلوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔ ان کے چروں پر دکھ کی مہریں ان کے ذہنوں میں سوچوں کے شعلے بھرتے چلے جاؤ۔ میرے ایثار صفت اور امین ساتھیو میرے درد آشنا رفیقو! کل کی طرح آج بھی دشمن تمہارے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا۔ دشمن کو مرمر کے بتان آزری سمجھ کر ان کے اندر گھتے چلے جانا۔ ان کے اندر تکبیر کی صداؤں کا وہ رقص قضا کرنا کہ آنے والا مورخ تاریخ کے اوراق

کہتے ہیں؟ ملتان کے نواح میں آج کی یہ جنگ کیسی رہے گی؟

چند لمحوں تک خرم بن عمر دشمن کے لشکر کو دیکھتا رہا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ پھر محمد بن قاسم کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

اے امیر! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ لشکر تو کچھ بھی نہیں۔ قسم خداوند واحد لا شریک کی۔ لاکھ لات و منات ہمارے سامنے آئیں، ہم نے جو اپنے خداوند قدوس کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے، ہم اس وعدے کی آبرو کی ضرور حفاظت کریں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دشمن اگر اس قدر لشکر اور لے آئے، تب بھی ہم اس کے حرم دل میں مرگ کا سکوت کھڑا کر دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دشمن کیسا بھی خونخوار کیوں نہ ہو، ہم اس کے عہد سیاہ کے تاریک باب میں خاموشیوں میں ڈوبتی چیخوں جیسا سماں برپا کر کے رکھ دیں گے۔

محمد بن قاسم خرم بن عمر کی اس کی گفتگو کے الفاظ سن کر خوش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک بڑے تو صیغی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔ ابن عمر قسم خدا کی، تو نے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ ایسے لمحوں میں تیری باتیں ہمیشہ حوصلہ مندی کا باعث بنتی ہیں۔ اب سب اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے جاؤ۔ دشمن جنگ کی ابتداء کرنے میں دیر نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی سب سالار اپنے اپنے حصے کے لشکر کی طرف چلے گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ملتان کے راجہ گورنگھ اور تنوج کے لشکریوں کے سالار نے جنگ کی ابتداء کی۔ اپنے لشکر کو انہوں نے آگے بڑھایا۔ پھر وہ محمد بن قاسم کے لشکر پر دھواں دھواں خدوخال میں فخر و تکبر کے الاؤ اور ساعتوں کو فاصلوں میں ڈھالتی خونخوار آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جس وقت دشمن محمد بن قاسم کے لشکر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت ہر مسلمان لشکری اور سالار کا چہرہ ایسا پرسکون تھا جیسے سوچ کے ستاروں اور شب تنہائی میں ایسا گھر جس میں کوئی آنے جانے والا نہ ہو، ان کی نگاہوں میں درخشاں صبح کے آثار اور بیتے لمحوں کے تحلیل ہوتے نقش و نگار تھے۔ جب دشمن قریب آیا، تب اچانک محمد بن قاسم نے تکبیر بلند کی۔ اس تکبیر کے حواب میں جس قدر بڑے سالار تھے، انہوں نے

چند دن کے محاصرے کے بعد ایک شخص جو ملتان کا رہنے والا تھا، جو شاید محاصرے سے تنگ آگیا تھا، ایک روز قلعے سے اچانک نکل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک نالے کا پتا دیا جس کے ذریعے شہر والے پانی پیتے تھے۔ محمد بن قاسم نے اس نالے کو بند کروا دیا جس کی وجہ سے ملتان شہر کے اندر پانی کی قلت پیدا ہونی شروع ہو گئی لیکن پھر بھی جنگ جاری رہی۔

ملتان کا راجہ گور سنگھ جو راجہ داہر کے بھائی چندر کا بیٹا تھا، اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمانوں کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ گزشتہ کئی روز سے انہوں نے ملتان کا محاصرہ کر رکھا ہے، ان کے لشکر کے اندر غذائی قلت بھی ہے، پھر بھی مسلمان لشکر بھوکے رہ کر بھی بڑے حوصلے اور عزم کے ساتھ جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ دلولہ، مسلمانوں کا یہ جذبہ گور سنگھ کے سارے جذبوں اور دلولوں کو خاستر کر کے رکھ گیا تھا۔ ساتھ ہی گور سنگھ یہ بھی جانتا تھا کہ ہر روز اس کے لشکر کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے اور ان کی تعداد بھی کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ باہر سے کسی امداد کی توقع نہیں۔ یہ سارے عوامل سوچتے ہوئے ایک روز گور سنگھ خفیہ طور پر رات کے وقت ملتان شہر سے نکلا اور پناہ لینے کے لیے کشمیر کے راجہ کی طرف بھاگ گیا۔

گور سنگھ کے جانے کے بعد بھجرا نے مسلمانوں سے جنگ کو جاری رکھا۔ محاصرہ کیونکہ طول پکڑ رہا تھا، لہذا مسلمان ہر طرف سے قلعے کا ایک ایک کونہ دیکھتے تھے کہ جہاں کہیں بھی کمزوری نظر آئے، وہیں وہ قلعے پر منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کریں اور فصیل کو توڑ کر شہر میں گھس جائیں لیکن کوئی صورت بن نہ پڑتی تھی۔ ایک روز ملتان کے قلعے سے ایک شخص نکلا۔ جب وہ مسلمانوں کے لشکر کے پاس آیا تو لشکریوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ التجا کرنے لگا کہ مجھے امیر محمد بن قاسم کے پاس لے کر چلو۔ لشکر اسے پکڑ کر محمد بن قاسم کے پاس لائے، محمد بن قاسم نے اسے مخاطب کیا۔

کیا تمہارا تعلق ملتان سے ہے؟ اس شخص نے اثبات میں سر ہلایا۔ محمد بن قاسم نے پھر اسے مخاطب کیا۔

میں تمہارا نام سنہری حروف میں لکھے۔

یہاں تک کہنے کے بعد محمد بن قاسم رکا تھا۔ اس کے بعد وہ شعلہ آواز مقرر کی طرح دوبارہ اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میرے مہربان ساتھیو! تم لوگ ہی اخلاقی گرسلی میں زندگی کا حسن ہو۔ تم لوگ ہی فطرت کے دامن میں انگڑائیاں لیتا طوفان اور عذاب ہو۔ دشمن پر اپنے رب کو پکارتے ہوئے اس طرح حملہ آور ہونا کہ دشمن کی ساری خوش بختی کو اس کی بد بختی، اس کی ساری خشونت کو گھن لگی آہوں میں تبدیل کرتے چلے جانا۔ اگر تم دشمن پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے اللہ کو مدد کے لیے پکارو تو یاد رکھنا دشمن کتنی زیادہ تعداد میں بھی ہو، تمہارے سامنے قدم نہ جما سکے گا۔

محمد بن قاسم کو کہتے کہتے رک جانا پڑا، اس لیے کہ ملتان اور قنوج کا لشکر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ لشکر کی ترتیب وہی کل والی ہی تھی۔ دشمن کا لشکر دو حصوں میں تقسیم تھا جبکہ محمد بن قاسم نے پہلے کی طرح اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے رکھا۔

دوسرے روز بھی ہولناک جنگ ہوئی۔ دوسرے روز مسلمان لشکریوں کی حالت پہلے دن سے کہیں زیادہ بہتر اور درخشاں تھی۔ اس لیے کہ ملتان اور قنوج کا لشکر شام تک ان کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ سہ پہر کے قریب دشمن شکست اٹھا کر بھاگا اور ملتان کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

اب صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ ملتان اور قنوج کے لشکریوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنا ختم کر دیا۔ قلعے کے اندر رہ کر ہی وہ فصیل کے اوپر سے منجنیقوں کے ذریعے مسلمانوں پر پتھر برساتے اور انہیں فصیل کے نزدیک نہ آنے دیتے تھے۔ یوں مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا تھا۔

لیکن اس محاصرے میں سب سے بڑی دقت مسلمانوں کو یہ پیش آئی کہ نیون، برہمن آباد اور الور جیسے مفتوحہ علاقے ملتان سے دور ہونے کی وجہ سے لشکر میں غلے کی کمی ہو گئی۔ یہاں تک کہ لشکر فاقے کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس پر بھی لشکریوں نے ہمت نہ ہاری اور دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کرتے رہے۔



اٹھانی پڑی، اس لیے معاوضے میں وہ جزیئے کے علاوہ مزید رقم دیں۔ چنانچہ شہر کے لوگوں نے محمد بن قاسم سے پورا اتفاق اور تعاون کیا اور شہر کے معززین نے لگ بھگ ساٹھ ہزار درہم جمع کر کے محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کیے۔ محمد بن قاسم نے یہ ساری رقم اپنے لشکر میں تقسیم کر دی۔ اس طرح لشکریوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

ملتان کی شاندار فتح کے بعد ایک اور خوش بختی نے محمد بن قاسم کے قدم چومے۔ وہ کچھ اس طرح کہ حجاج بن یوسف نے ولید بن عبدالملک سے اس شرط کے ساتھ سندھ پر حملہ آور ہونے کی اجازت لی تھی کہ جس قدر خزانے سے خرچ ہوگا، وہ اس سے دوگنی رقم خزانے میں جمع کرائے گا لیکن محمد بن قاسم نے جو رقم فتح ملتان تک شاہی خزانے کو بھیجی تھی، وہ ہمت تھوڑی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محمد بن قاسم کی فطری رحمت اور فیاضیوں نے جو وہ مفتوحین کے ساتھ روا رکھتا تھا، اتنی رقم جمع ہونے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم اس فکر میں تھا کہ کون سی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ شاہی خزانے میں یہ رقم داخل ہو سکے کہ ایک دن خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک برہمن آیا اور اس نے محمد بن قاسم سے کہا۔

امیر اب ہماری حکومت ختم ہو چکی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ جدھر بھی جاتے ہیں، جس سمت بھی رخ کرتے ہیں، خدا کی تائید آپ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اب ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں۔

میں آپ کو ایک چھپے ہوئے خزانے کا پتہ دینا چاہتا ہوں۔ برہمن کی اس گفتگو سے محمد بن قاسم چونکا تھا۔ وہ پہلے ہی اس کوشش میں تھا کہ شاہی خزانے میں رقم جمع کرا کے حجاج بن یوسف کا وعدہ پورا کیا جائے۔ اس نے ایک دم برہمن کو مخاطب کیا۔

تم کس خزانے کی بات کرتے ہو؟ کون سے خزانے کا ہمیں پتا دینا چاہتے ہو؟ کیا وہ خزانہ ملتان شہر میں ہے یا اس سے باہر؟ اس پر آنے والا برہمن پھر بول پڑا۔

نہیں امیر وہ خزانہ اسی شہر میں ہے۔ بات کچھ اس طرح ہے کہ قدیم زمانے کا ذکر

تم کیا چاہتے ہو؟ اس پر آنے والا وہ شخص بول پڑا۔ میں شہر کے محاصرے کی طوالت سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں یہ نہیں جانتا کہ شہر کی کیا حالت ہوگی، تاہم میں یہ جانتا ہوں کہ جلد ہی شہر فتح ہو جائے گا۔ میں اس دن سے ڈرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ جب شہر کے اندر قتل عام ہوگا اور کوئی زندہ نہ بچے گا۔ اگر آپ لوگ مجھے امان دیں تو میں آپ کو شہر کے ایک ایسے حصے کی نشاندہی کر سکتا ہوں جس کے ذریعے آپ شہر میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

محمد بن قاسم نے مسکراتے ہوئے بڑے شفقت سے اس شخص کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

تمہیں امان دی جاتی ہے۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر وہ شخص بول پڑا۔

جس سمت سے آپ شہر پر حملہ آور ہو رہے ہیں، یہاں سے فصیل کو توڑنا انتہائی مشکل ہے۔ یہاں سے فصیل کاٹی چوڑی اور مضبوط ہے۔ منجنیقوں سے سنگ باری بھی اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ میری بات کا اعتبار کریں، میری بات مانیں تو شہر کے اس حصے سے شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں جس سمت دریا بہتا ہے۔ دریا کی سمت کئی جگہ سے فصیل کمزور ہے۔ اگر وہاں سنگ باری کی جائے تو منجنیقیں یقیناً شہر کی فصیل کے اس حصے کو مسمار کر سکتی ہیں۔

محمد بن قاسم نے اس شخص کو امان دینے کے بعد اپنے پاس ہی رکھا۔ پھر اپنے سالاروں کے ساتھ محمد بن قاسم نے قلعے کے اس حصے کا جائزہ لیا جس سمت دریا بہتا تھا۔ جہاں جہاں فصیل کمزور تھی، پھر منجنیقیں وہاں نصب کر دی گئیں اور فصیل کی دیوار پر سنگ باری ہوئی۔ یہاں تک کہ مسلسل سنگ باری سے قلعے کی دیوار ٹوٹ کر گر گئی اور مسلمان قلعے میں فاتحانہ داخل ہوئے۔

قلعے میں داخل ہونے کے بعد قلعے کے اندر جو لشکر تھا، اس کے ساتھ گھسان کارن پڑا۔ لگ بھگ چھ ہزار دشمن کے لشکری ملتان کے اندر قتل ہوئے۔ باقی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ تاجروں، صناعوں اور کاشتکاروں کو معافی دے دی گئی اور ان پر جزیہ عاید کر دیا گیا اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ محاصرے میں مسلمانوں کو تکلیف

ہے، ہمارے اس شہر میں ایک راجہ جسوین نامی تھا جو کشمیر کے راجہ کی اولاد میں سے تھا۔ وہ بہت ہی نیک انسان تھا۔ ہر وقت پوجا پاٹ میں لگا رہتا تھا۔ اس کے پاس بڑی دولت جمع تھی۔ روز بروز دولت میں ترقی کرتا چلا جا رہا تھا۔

جب اس کے پاس دولت بے حد اکٹھی ہو گئی تو اس نے شہر کے باہر مشرق کی جانب ایک حوض بنوایا جس کا طول و عرض سو گز تھا۔ اس حوض کے درمیان میں اس نے ایک خوبصورت مندر بنوایا۔ اس میں چالیس منگے سونے کی خاک سے بھرا کر اور اس کے ساتھ دو سو تیس من سونا رکھ کر زمین میں دفن کروا دیا اور اس خزانے میں سونے کا ایک بت نصب کروایا اور حوض کے ارد گرد درخت لگا دیئے تاکہ اس خزانے کا لوگوں کو پتا نہ چلے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ وہ خزانہ آپ کو بتا دوں۔ وہ اس لیے کہ وہ مندر ہماری تحویل میں تھا۔

برہمن کی اس گفتگو سے محمد بن قاسم بڑا خوش ہوا۔ اس وقت اس کے سالار بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے محمد بن قاسم بول اٹھا۔

ابن عمر میرے بھائی! اس برہمن نے جو کہا ہے وہ تم نے بھی سنا ہے۔ اس معاملے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میرے خیال میں ہمیں ابھی اس کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن قاسم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خرم بن عمر اور دیگر سالار بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر محمد بن قاسم نے برہمن کو مخاطب کر کے کہا۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ برہمن آگے آگے چل دیا۔ محمد بن قاسم اپنے سالاروں کے ساتھ اس کے ساتھ ہو لیا۔

جیسے ہی محمد بن قاسم اپنے سالاروں کے ساتھ مندر میں داخل ہوا، اس نے دیکھا وہاں بالکل تاریکی تھی۔ تاریکی میں محمد بن قاسم کو ایسا لگا جیسے اندر کوئی آدمی ہے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے فوراً تلوار کھینچ کر وار کرنا چاہا۔ اس کے پیچھے خرم بن عمر کے علاوہ دوسرے سالاروں نے بھی تلواں کھینچ کر بے نیام کر لی تھیں۔ برہمن نے محمد بن قاسم کو مخاطب کیا۔ مسلمانوں کے امیر جسے آپ آدمی سمجھتے ہیں، یہ تو وہ سونے کا بت ہے جس کے

نیچے خزانہ دفن ہے۔ اس بت کی آنکھیں یا قوت کی ہیں جو اندھیرے میں چمکتی ہیں۔ محمد بن قاسم نے اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ اس کے پیچھے خرم بن عمر اور دوسرے سالار بھی اپنی تلواں نیام میں کر چکے تھے۔ پھر محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ بت کو وہاں سے ہٹایا جائے۔

چنانچہ بت ہٹایا گیا۔ اس کے نیچے سے دو سو تیس من سونا خالص اور چالیس منگے سونے کے چورے کے نکلے۔ تمام سونے کا وزن کیا گیا جس کا مجموعی وزن ایک ہزار تین سو بیس من تھا۔

اس خزانے سے جس قدر سونا ملا، محمد بن قاسم نے ملتان سے ملنے والے مال غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ کشتیوں کے ذریعے دیبل بھجوا دیا اور وہاں سے جہازوں کے ذریعے دمشق روانہ کر دیا گیا۔

یہ خزانہ دمشق روانہ ہونے کے بعد حجاج بن یوسف کا ایک خط محمد بن قاسم کو ملا جس میں لکھا تھا۔

میرے عزیز تمہاری سندھ کی مہم کو شروع کرنے سے پہلے میں نے خلیفہ سے عہد کیا تھا کہ اس مہم پر جتنا مال خرچ ہوگا، میں اس سے دو گنی رقم شاہی خزانے میں جمع کرادوں گا۔ اب دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس مہم پر ساٹھ ہزار نفروں کو درہم صرف ہوئے ہیں اور جو کچھ تم نے اب تک جنس و نقد کی صورت میں بھجوا ہے، اس کی مجموعی رقم ایک لاکھ بیس ہزار درہم ہے۔ یہ سب رقم شاہی خزانے میں داخل کر دی گئی ہے۔ اب تم ہر قریے، ہر قصبے، ہر بستی میں شاندار مساجد اور منبر بناؤ اور حکم دو کہ خطبے میں خلیفہ کا نام لیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ کے نام کا مسکہ جاری کیا جائے۔ تم نے نہایت ہی مبارک وقت سندھ پر لشکر کشی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس سرزمین کفار کا بھی تم رخ کرو گے، فتح تمہارے قدم چومے گی۔

مشہور مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ اس مہم پر چھ کروڑ درہم خرچ ہوئے جبکہ بارہ کروڑ درہم شاہی خزانے میں جمع کرائے گئے تھے۔ اس حساب سے واقف ہونے کے بعد حجاج بڑا خوش ہوا اور اس نے کہا ہم نے اپنے خون کا بدلہ بھی لے لیا ہے۔ ہم نے جو خرچ کیا ہے، اس پر چھ کروڑ درہم مزید ہاتھ آئے اور راجہ داہر کا سرا لگ

ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی جس کا ایک بڑا مینار تھا اور ایک شخص داؤد بن نصر کو ملتان کا حاکم اور ابن عبد الملک تمیمی کو برہم پور کا حاکم مقرر کیا۔ برہم پور دریائے جہلم کے کنارے پر تھا۔ ایک اور چھوٹے سالار عکرمہ بن ریحان کو ملتان کے اطراف کی حکومت دی جبکہ احمد بن عتبہ کو اشجار اور کورور کا حاکم مقرر کیا۔ (کورور نام کا شہر آج بھی کورور پکا کے نام سے ضلع ملتان کے تعلقہ لودھراں میں اسٹیشن سے چوبیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔)

ان انتظامات کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے لشکر کے ساتھ جو آلات حرب سے پوری طرح آراستہ تھا، ملتان میں اقامت اختیار کی۔ جو لوگ ملتان سے بھاگ گئے تھے، ان کا مکان اور حویلیاں خالی ہو گئی تھیں، یہ حویلیاں اور مکان اس نے اپنے سالاروں اور لشکریوں میں تقسیم کرنی شروع کیں۔ سب سے پہلے اس نے خرم بن عمر کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے عزیز گزشتہ دن جو مکان اور حویلیاں خالی ہوئیں، وہ تم بھی دیکھ چکے ہو۔ جس حویلی کا بھی تم انتخاب کرنا چاہو، کر سکتے ہو۔ میں اپنے لیے ایک چھوٹے سے مکان کا اہتمام کر چکا ہوں اور اس میں میں قیام کروں گا۔ اس پر خرم بن عمر بول پڑا۔ امیر محترم میں کسی حویلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں میں بنانہ بن حنظلہ سے بھی بات کر چکا ہوں۔ میرے پاس ہی بیٹھا ہوا ہے، اس سے بھی آپ پوچھ لیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم دونوں کو کسی حویلی کی ضرورت نہیں۔ جس طرح آپ نے اپنے لیے چھوٹا سا مکان لیا ہے، اسی طرح ہمیں بھی دو دو کمروں پر مشتمل مکان دے دیں۔ میں اور بنانہ بن حنظلہ اپنی بیویوں کے ساتھ اس میں قیام کر لیں گے۔

خرم بن عمر کا جواب سن کر محمد بن قاسم خوش ہو گیا تھا۔ پھر جس جگہ محمد بن قاسم نے خود قیام کیا تھا، اس کے ساتھ ہی دو چھوٹے مکان خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کو مہیا کر دیئے گئے تھے۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک لشکری بھاگا بھاگا آیا اور خرم بن عمر کے پاس آکر رکا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر آپ کے اہل خانہ آرہے ہیں۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے دونوں کو مخاطب کیا۔ تم دونوں جاؤ۔ ساگرہ اور گودیری کو ان مکانوں کی طرف لے جاؤ، جو تمہیں مہیا کیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے کی طرف سے سندراس، وانگہ، ساگرہ، گودیری اور ملتان میں جو ان کے رشتہ دار تھے، وہ سب ان کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ آگے بڑھ کر ان دونوں نے ان کا بہترین استقبال کیا۔ پھر ان دونوں کو ان کے مکانوں کی طرف لے گئے تھے جو محمد بن قاسم کی طرف سے انہیں مہیا کیے گئے تھے۔

سندراس کے وہ رشتہ دار جو ملتان کے رہنے والے تھے، انہوں نے بہت کوشش کی کہ سندراس، وانگہ، گودیری، ساگرہ، خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کو وہ اپنے ساتھ اپنی حویلی میں لے جائیں لیکن خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ انہیں ان کے گھر کی طرف بھجوا دیا اور خود اپنے اپنے مکانوں میں رہنا پسند کیا۔ سندراس اور وانگہ چند روز تک ملتان میں ساگرہ اور گودیری کے پاس رہے، پھر وہ بھی واپس نیروں چلے گئے تھے۔



والی اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کے سوار ہمارے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ راجہ تیری تو ان کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یاد رکھنا جب ہمارے مجاہد پیتل کے بڑے بڑے نقاروں پر چوٹ لگائیں گے، فنج اور نصرت کے طبل بجائیں گے اور ہمارے ہر اول کے سبک رفتار اور تیز رفتار گھوڑے تیری سرزمینوں میں نمودار ہوں گے تو میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی قوت ان کا سامنا نہ کر پائے گی۔ راجہ اس سے پہلے داہرنے بھی تم جیسا رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی، وہ طاقت اور قوت میں تم سے بھی زیادہ تھا۔ اس کا جو انجام ہوا، وہ تمہارے سامنے ہے۔ اس کا سرکٹ کر عراق پہنچ چکا ہے۔ اس کا ہر شہر ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کے عزیز و اقارب اور اس کے دونوں بیٹے اپنی جان چھپاتے ہوئے بھاگتے پھرتے ہیں۔ جب داہر ہمارے سامنے نہ ٹھہر سکا تو راجہ تیری کیا حیثیت ہے؟ میں آخری بار تم سے کہتا ہوں کہ جب گھاس پک جاتی ہے تو اس کے کٹنے کا وقت آجاتا ہے۔ تو اپنے آپ کو کچی ہوئی گھاس نہ بننے دینا۔ جب تک شامی نوجوان بولتا رہا، راجہ ہرچندر غور سے سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو برس پڑا۔

تیری زبان بڑی بد لگام ہے۔ راجہ داہر کو اگر تم نے زیر کر لیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر تم نے ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، ہم تو سات سمندروں کے بے ساحل شور، صدیوں کی کالی سازشوں کی برصیت کی طرح تمہارے سامنے آئیں گے۔ تمہارے چاروں طرف ریت کی پیاس بچھا دیں گے اور تمہاری حالت بے آشیانہ مسافر پرندوں سے بھی بدتر کر دیں گے۔ تم ہمارے سامنے جمد بقا کی ہوس کرو گے لیکن ہم تمہاری اس ہوس کو پورا نہ ہونے دیں گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ ہرچندر خاموش ہو گیا اور بڑے غور سے شامی نوجوان کی طرف دیکھنے لگا جس کی تنگ نوکیلی ناک کے اوپر بے چین بھوری آنکھوں میں اس وقت آہنی عزم اور استقلال تھا۔ اس کی مونچھیں چھوٹی چھوٹی داڑھی گھٹی ہوئی تھیں۔ چہرے پر گرم ہواؤں سی تہمتا ہٹ تھی۔ سر پر اس نے ڈھیلا سا کپڑا باندھا ہوا تھا۔ شامی قاصد تھکاماندہ ہونے کے باوجود اپنے کافی بڑے اور موٹے عصا کو تھامے راجہ ہرچندر کے سامنے اس طرح چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا جس طرح

چند روز ملتان میں قیام کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے دو قاصد ایسے ہی قنوج کے راجہ کی طرف بھجوائے جیسے اس نے راجہ داہر کی طرف بھجوائے تھے۔ راجہ داہر کی طرف سے اس نے مولانا اسلامی اور شامی نوجوان کو بھجوا دیا تھا۔ انہیں دونوں کو قنوج کے راجہ کی طرف روانہ کیا گیا۔

جب مولانا اسلامی اور شامی نوجوان کو قنوج کے راجہ ہرچندر کے سامنے پیش کیا گیا تو ہرچندر نے پہلے ان دونوں کا بڑے طنزیہ سے انداز میں جائزہ لیا۔ پھر جب آنے کی وجہ پوچھی تو شامی نوجوان نے قنوج کے راجہ ہرچندر کے سامنے وہی پیغام پیش کیا جو اس سے پہلے وہ راجہ داہر کے سامنے پیش کر چکا تھا۔

جواب میں راجہ ہرچندر تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا، طنزیہ سے انداز میں دونوں قاصدوں کی طرف دیکھا، پھر بول پڑا۔

اگر ہم تمہاری کوئی بھی شرط، کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیں تو تم ہمارا کیا بگاڑ لو گے؟

اس موقع پر عجیب سے انداز میں مولانا اسلامی نے اپنے ساتھی شامی نوجوان کی طرف دیکھا۔ اس پر شامی نوجوان نے راجہ ہرچندر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

سن راجہ تو ہماری قوم کی عظمت اور سطوت سے واقف ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں جن کے گھوڑے شمالی ندیوں میں کوہ قفقاز کے برف زاروں سے پگھلی ہوئی چاندی جیسے برف کے پانی اور وسیع جمیل دان کے نیلم پانیوں کو اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔ شام کی چراگاہوں کو جنہیں دریائے دجلہ اور فرات سیراب کرتے ہیں، ہم اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے سلاط کی طرح سمیٹ چکے ہیں۔ اناطولیہ کے خشک سینوں پر چلنے



چناروں کے سائے تلے کوئی گڈریا، کوئی پاسبان، کوئی چوپان اپنے ریوڑ پر نگاہ رکھنے کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ جب راجہ خاموش ہوا تو اچانک شامی نوجوان کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکنے لگیں، پھر وہ بول اٹھا۔

راجہ خدائے بزرگ کی قسم جس نے سورج کو زندگی کی حفاظت پر مامور کیا۔ قسم مجھے اپنے رب عظیم کی، تم بڑی غلط فہمی اور فریب میں مبتلا ہو۔ اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ اپنی رعایا، اپنی عوام کو اپنی ہٹ دھرمی اور اپنی ضد میں تباہی اور بربادی کی طرف مت لے جاؤ۔

قاصد تھوڑی دیر تک رکا، پھر اس کی آواز ہرچندر کے قصر میں کسی نقارچی کے نقارے کی طرح گونج اٹھی تھی۔

راجہ اس دقت تم اپنی سرزمینوں میں شبیم کی آسودگی جیسے مطمئن ہو لیکن جب ہمارے رنگ ڈھنگ سے آشناہ فرزند ان کعبہ اپنی پوری سرفروشی سے تم پر حملہ آور ہوں گے تو یاد رکھنا تمہارے سارے نسل خستہ اور غمگین ہو کر رہ جائیں گے اور تمہارے سامنے خواری اور خرابی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ راجہ وادی یثرب کے نخلستانوں سے اٹھنے والے بے غرض مجاہد انسانی عظمتوں کے پیکر ہیں۔ ان کے سامنے تمہاری کوئی فراست و دانائی، کوئی پیش بندی اور ذہانت کام نہ دے گی۔ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ مان لو۔ شرائط بری نہیں ہیں۔ اگر نہ مانو گے تو عنقریب شرمندگی اٹھاؤ گے۔

قنوج کا راجہ ہرچندر پھر اکڑ گیا اور قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سولہ سو سال سے اس ملک پر ہماری حکومت ہے اور کسی کو یہ جرات نہیں کہ وہ ہماری حدود میں قدم رکھے۔ ہم تمہاری اس فضول باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ سفیر کو قید کرنا چونکہ ہماری مملکت کے آئین کے خلاف ہے، لہذا میں تمہیں کچھ نہیں کہتا ورنہ میں تمہیں اس بے ہودہ بکواس کی وہ سزا دیتا کہ دوسروں کو عبرت ہوتی۔ جاؤ اپنے امیر سے جا کر کہہ دو کہ تلوار ہی ہمارا اور اس کا فیصلہ کرے گی۔

اس پر دونوں قاصد لوٹ گئے۔ محمد بن قاسم کو جب ہرچندر رائے کا پیغام ملا تو محمد بن قاسم نے اپنے امراء، سپہ سالاروں کو بلایا اور ان کی مجلس طلب کی اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اب تک ہم نے ہندوستان کے راجاؤں پر فتح اور

نصرت حاصل کی ہے۔ ہمیں ہر موقع پر خداوند قدوس کی طرف سے کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ آج جبکہ ہم قنوج کے مغرور راجہ کا سامنا کرنے کو ہیں، اسے اپنے لشکریوں اور ہاتھیوں پر غرور ہے۔ ہم تو آج تک صرف اپنے خدا کے بھروسے پر ہر جنگ میں حصہ لیتے رہے اور اس کی مدد سے ہم نے کامیابیاں حاصل کیں۔ آؤ میرے ساتھ مل کر عہد کرو کہ راجہ ہرچندر کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کریں گے۔ اس پر سارے سالاروں نے محمد بن قاسم کے ساتھ وعدہ کیا کہ ہرچندر کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے میں وہ اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں گے۔ اس مجلس کے بعد محمد بن قاسم قنوج پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑی تیزی سے تیاریوں میں لگ گیا تھا۔

محمد بن قاسم ابھی قنوج پر حملہ آور ہونے کے لئے پر ہی توجہ رہا تھا کہ اچانک حجاج بن یوسف کے مرنے کی اطلاع ملی۔ محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کی وفات سے بے حد صدمہ ہوا۔ اس لیے کہ حجاج بن یوسف اس کا عزیز اور رشتہ دار تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ محمد بن قاسم کو اب اس کی بھی فکر تھی کہ دیکھیں اب مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم کون ہوتا ہے اور اس کی پالیسی کیا ہوتی ہے۔ ان اسباب کی بنا پر محمد بن قاسم نے قنوج پر لشکر کشی ملتوی کر دی اور دوسرے اہم علاقوں کی طرف اس نے توجہ دی۔ یہ علاقے یبلمان اور کیرج تھے۔ یبلمان کی طرف اس نے ایک لشکر بنانہ بن حنظلہ کو دے کر روانہ کیا۔ بنانہ بن حنظلہ نے یبلمان کو فتح کیا۔ اس کے بعد اس نے پیش قدمی کی اور سورت کی طرف بڑھا۔ اسے بھی اس نے فتح کر لیا اور وہاں کے یکنوں کو اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

دوسرا علاقہ کیرج کا تھا جس کی طرف خرم بن عمر کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا گیا۔ کیرج کے راجہ کا نام دوہر تھا۔ خرم بن عمر جب اپنے لشکر کے ساتھ کیرج پہنچا تو راجہ دوہر باہر نکلا اور خرم بن عمر کے ساتھ جنگ کی۔ کیرج سے باہر گھسٹان کارن پڑا۔ خرم بن عمر نے راجہ دوہر کو بدترین شکست دی۔ راجہ جنگ کے دوران مارا گیا اور مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔ کیرج کی فتح پر ایک عرب شاعر نے بڑے خوبصورت اشعار کہے جن کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

داہر اور دوہر کو ہم نے قتل کیا۔



ادھر عبدالملک بن مہلب بھی اس صالح کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں نے مل کر سلیمان بن عبدالملک کے حکم پر حجاج گھرانے کے ایک ایک فرد کو قید اور قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس سلسلے میں محمد بن قاسم کو بھی مجرم قرار دیا گیا۔ اس لیے کہ وہ حجاج بن یوسف کا رشتہ دار تھا۔ سندھ کی حکومت سے اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ یزید بن قہشہ کو سندھ کا والی مقرر کیا گیا۔

یزید بن ابی قہشہ کے ساتھ یزید بن مہلب کا بھائی معاویہ بن مہلب بھی محمد بن قاسم کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ یزید بن ابی قہشہ نے سندھ پہنچ کر محمد بن قاسم کو ٹاٹ کے کپڑے پہنا کر اور زنجیریں ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق بھجوا دیا۔ سندھ کا یہ فاتح اعظم جب سندھ سے رخصت ہونے لگا تو اس نے رخصت کے وقت کچھ اشعار پڑھے۔ وہ کچھ اس طرح ہیں۔

انہوں نے مجھے ضائع کر دیا اور کیسے جوان کو ضائع کیا۔ جو مرد نبرد آزما اور سرمد کا محافظ تھا۔

محمد بن قاسم جب عراق پہنچا تو صالح بن عبدالرحمان نے اس کو واسط کے زندان میں بھجوا دیا جہاں حجاج بن یوسف کے سب خاندان والے قید تھے۔ واسط کے زندان میں بھی محمد بن قاسم نے اشعار کہے جن کا مطلب کچھ یوں ہے۔

اگر واسط میں مجھے قید کر دیا یا زنجیروں میں باندھ کر بے کار کر دیا تو کیا ہوا۔ میں ہی تو ہوں جس نے شہ سواروں کے دل میں ہیبت بٹھادی اور بہت سے حرفیوں کو قتل کر دیا۔

اس زندان میں محمد بن قاسم کو رات دن سخت سزائیں دی جاتی تھیں جن کو وہ نہایت بہادری اور صبر سے برداشت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ قبیلہ عک کے ایک شخص کو محمد بن قاسم کی خاص نگرانی کے لیے ان کے قید خانے میں مقرر کیا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے اپنے سارے مخالفین کے متعلق بھی اشعار کہے جن کا ترجمہ یوں ہے۔

اگر میں ثابت قدمی سے کام نہ لیتا تو وہ عورتیں اور مرد جو لڑائی کے لیے فراہم کیے گئے تھے، روند ڈالے جاتے۔ نہ یزید بن قہشہ کے قبیلے کے گھوڑے ہمارے

سواروں کے بڑے بڑے جتھے تو چکر ہی کاٹتے رہے۔

حجاج کی وفات کو ابھی آٹھ مہینے ہی ہوئے تھے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے دمشق میں وفات پائی۔ اپنی وفات سے کچھ پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ممالک شرقیہ کے تمام گورنروں کے نام احکامات جاری کر دیئے کہ وہ تمام فتوحات اور پیش قدمیوں کو روک دیں اور اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالیں۔

نیا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حجاج کا دشمن تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ عبدالملک نے اپنے انتقال کے وقت ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک کو اپنا ولی عہد بنایا تھا جو ولید کا حقیقی بھائی تھا لیکن ولید چاہتا تھا کہ سلیمان عبدالملک کو معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنائے۔ اس کام میں حجاج اور اس کے تمام مقرر کردہ سردار ولید کے ساتھ تھے۔

لیکن یہ تجویز ابھی عملی جامہ نہ پہن سکی تھی کہ ولید نے وفات پائی۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی وہ ساری سیاست بدل گئی جس پر ولید اور حجاج بن یوسف گامزن تھے۔

سلیمان بن عبدالملک اچھی طرح جانتا تھا کہ حجاج اس کا سب سے بڑا دشمن تھا کیونکہ وہ اسے تخت سے محروم کرنے کے لیے ولید کا سب سے بڑا مددگار تھا، لہذا سلیمان نے تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے حجاج کے مقرر کردہ افسروں کو معزول یا قتل کر کے اپنی رائے میں اپنے راستوں کے کانٹوں کو ہٹا دیا۔ ان کانٹوں میں سب سے بڑے کانٹے قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم تھے۔

سلیمان بن عبدالملک نے مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ یزید بن مہلب کو بنایا جس کو حجاج بن یوسف اور اس کے خاندان سے پرانی دشمنی تھی۔ یزید بن مہلب نے محکمہ خراج کا حاکم صالح بن عبدالرحمان کو بنایا جو خارجی تھا اور حجاج اور اس کے خاندان کا سخت دشمن تھا۔

چونکہ حجاج نے خارجیوں کو خوب مارا تھا، صالح کا بھائی بھی خارجی تھا۔ اس کا نام آدم تھا۔ خارجی ہونے کی وجہ سے اسے بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے صالح اپنی جماعت اور اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے بے چین تھا۔

کچھ عرصے کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ دونوں لڑکیاں رات کے وقت اس کے پاس لائی جائیں۔ تو جب وہ آئیں تو ولید بن عبد الملک نے ترجمان سے کہا کہ وہ ان سے پوچھے کہ ان میں سے بڑی کون سی ہے تاکہ اس کو الگ رکھا جائے اور اس کی بہن کی باری ختم ہونے پر اس کو بلا لیا جائے۔

ترجمان نے پہلے ان دونوں کے نام پوچھے۔ بڑی نے کہا کہ میرا نام سورج دیوی اور چھوٹی نے کہا کہ میرا نام پرل دیوی ہے۔ تب خلیفہ نے بڑی کو اپنے پاس بلوایا اور چھوٹی کے متعلق کہا کہ اسے علیحدہ رکھا جائے۔ جب خلیفہ نے بڑی کے رخ سے نقاب اٹھایا تو وہ اس کے غیر معمولی حسن و جمال کو دیکھ کر اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ اس کے ناز و ادا نے خلیفہ کو بے قرار کر دیا۔ اس نے سورج دیوی کو اپنی طرف کھینچا۔

اس پر سورج دیوی اچھل کر علیحدہ کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے کہا، خلیفہ کی عمر دراز ہو۔ میں خلیفہ کے قابل نہیں ہوں کیونکہ محمد بن قاسم نے ہم دونوں کو تین دن اپنے پاس رکھ کر آپ کے پاس بھجوایا ہے۔ ممکن ہے یہ آپ کے یہاں کی رسم ہو لیکن اس قسم کی ذلت خلیفہ برداشت نہیں کر سکتے۔

بے سرو پا حکایت لکھنے والے آگے مزید لکھتے ہیں کہ خلیفہ ان کے عشق و محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ سورج دیوی کی یہ بات سن کر اس نے بغیر کسی تحقیق کے قلم ددات منگوایا اور اپنے قلم سے فرمان جاری کیا کہ محمد بن قاسم جہاں بھی ہو، اسے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دار السلطنت بھیجا جائے۔

جب یہ فرمان محمد بن قاسم کو ملا تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق اسے کچے چمڑے میں لپیٹ کر روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور زندہ پارسل ایک صندوق میں روانہ کر دیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں محمد بن قاسم صندوق میں مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد وہ حاکم جو ملک کے مختلف حصوں میں مقرر تھے، بحال رہے۔ صندوق خلیفہ کے پاس لے جایا گیا۔ جب یہ صندوق لے کر دار السلطنت پہنچے تو انہوں نے شاہی محل کے بڑے چوہدار سے کہا کہ وہ خلیفہ کو اطلاع دے کہ ہم محمد بن قاسم کو لائے ہیں۔

علاقے میں داخل ہو سکتے اور نہ عک میں کوئی مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں فرونی غدیر کا تابع ہوتا۔ اے زمانے تجھ پر افسوس ہے۔ تو شرفاء کے حق میں بڑا ہی خائن ہے۔

صالح بن عبدالرحمان نے اپنے بھائی آدم خارجی کا انتقام لینے کے لیے جس کو حجاج نے قتل کر دیا تھا، محمد بن قاسم کو واسط کے قید خانے میں آل عقیل کے حوالے کر دیا جنہوں نے محمد بن قاسم کو اس قدر زد و کوب کیا کہ وہ ان سزاؤں اور تکلیفوں کو بھگتے بھگتے بائیس سال کی عمر میں واسط کے زندان ہی میں انتقال کر گیا۔ محمد بن قاسم کی وفات کے وقت چند عرب شعراء نے بڑے خوبصورت اور پیارے اشعار کہے۔ ایک نے لکھا:-

مروت دل کی بڑائی اور فیاضی محمد بن قاسم کا حصہ تھیں۔ جس نے سترہ برس کی عمر میں لشکریوں کی سرداری کی۔ یہ سرداری اس کی پیدائش سے کس قدر قریب تھی۔ ایک اور شاعر نے محمد بن قاسم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا:-

اس نے سترہ برس کی عمر میں میدان کارزار کی سرداری کی۔ حالانکہ اس کے ہم سن لڑکے ابھی کھیلوں ہی میں مشغول تھے۔

سندھ میں محمد بن قاسم کی وفات کی خبر سن کر بڑا ماتم کیا گیا اور لوگ محمد بن قاسم کے اخلاق اور اوصاف کو یاد کر کے روتے تھے شہر کیرج میں محمد بن قاسم کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے لوگوں نے محمد بن قاسم کا ایک مجسمہ بنا کر نصب کیا۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور اس کی وفات سے متعلق ایک بے سرو پا روایت اور حکایت بھی مشہور ہے۔ جس کی حیثیت افسانے سے کچھ زیادہ نہیں۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

جن لوگوں نے یہ افسانہ تراشا۔ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کی جانب سے محمد بن قاسم کو معزولی کا حکم پہنچا۔ اس معزولی کی وجہ یہ تھی کہ جب راجہ داہر مارا گیا تو اس کی دو کنواری لڑکیاں اس کے محل سے گرفتار ہوئیں۔

کسنے والوں کا کہنا ہے کہ محمد بن قاسم نے حبشی غلاموں کے ساتھ ان دونوں کو بغداد روانہ کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو چند روز محل میں رکھ کر آداب شاہی کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ اس کے حرم میں داخل کرنے کے لیے موزوں ہوں۔

وہ تمام راستے معمول کے مطابق سفر کرتا اور جب دارالخلافہ بالکل قریب رہ جاتا تو اپنے آپ کو کچے چمڑے میں ڈال کر خلیفہ کے سامنے پیش کرتا۔ خلیفہ سورج دیوی کی یہ بات سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور دانتوں سے اپنا ہاتھ کاٹنے لگا۔

کہتے ہیں اس موقع پر سورج دیوی نے پھر بولنا چاہا لیکن خلیفہ کو غضبناک دیکھ کر اس نے اپنا رخ بدلا اور کہنا شروع کیا۔

خلیفہ نے ایک بھاری غلطی یہ کی ہے کہ دو غلام لڑکیوں کی خاطر ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے ہم جیسی لاکھوں لڑکیوں کو گرفتار کیا اور ہندوستان کے ستر بادشاہوں کو تخت سے تختہ تابوت تک پہنچایا۔ مندروں اور بت خانوں کی جگہ مسجدیں تعمیر کروائیں۔ اگر بالفرض یہ بان بھی لیا جائے کہ اس سے کچھ غلطی ہوئی، تب بھی اسے محض ایک مخالف کے الزام پر قتل تو نہیں کرنا چاہیے تھا۔

کہتے ہیں خلیفہ نے غصے میں آکر حکم دیا کہ دونوں بہنوں کو دیوار میں زندہ چن دیا جائے۔ تاریخ معصومی کا مصنف لکھتا ہے کہ دونوں بہنوں کو گھوڑے کی دم سے بندھوایا گیا اور انہیں اس قدر گھسیٹا گیا کہ وہ دونوں مر گئیں۔ بعد میں ان کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دیا گیا اور محمد بن قاسم کی لاش کو دمشق کے علاقے میں دفن کیا گیا۔ ایک اور مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ دونوں بہنوں کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر مارا گیا۔ بعد ازاں ان کو جلا دیا گیا۔

یہ ہے وہ من گھڑت افسانہ جو ہمیں محمد بن قاسم کی معزولی اور قتل کے متعلق بعض مورخین سے ملتا ہے جبکہ مورخین کی اکثریت مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس افسانے کو رد کرتی ہے۔

جن راویوں سے یہ روایت کی گئی ہے۔ ان میں ایک ایسا گنام راوی بھی ہے جس کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔

اس واقعے کو جھوٹا قرار دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں داہر کے قتل کے بعد راوڑھ کے قلعے سے گرفتار ہوئیں حالانکہ تاریخ میں ہمیں یہی ملتا ہے کہ راوڑھ میں صرف داہر کی بیوی لاڈلی کی گرفتاری ہوئی اور اس موقع پر لڑکیوں کی گرفتاری کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ ہاں البتہ برہمن آباد

کہنے والوں کا کہنا ہے کہ خلیفہ نے پوچھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ رواگئی کے دو دن بعد اس نے اپنی جان خدا کے سپرد کر دی تھی۔ جو حکام محمد بن قاسم نے مقرر کیے تھے، وہ سب اپنی اپنی جگہ مامور ہیں اور وہ خلیفہ کے نام سے بہترین انتظام کی کوشش کر رہے ہیں اور خلیفہ کو اپنے خطبوں اور تقریروں میں یاد کرتے ہیں۔

ان حالات کو معلوم کرنے کے بعد خلیفہ نے صندوق کا ڈھکنا کھولا، ساتھ ہی اس نے سورج دیوی اور پرمل دیوی دونوں بہنوں کو بلایا۔ اس وقت خلیفہ کے ہاتھ میں سبز یاقوت کی ایک چھتری تھی۔ اس نے وہ لکڑی محمد بن قاسم کے دانتوں سے لگائی اور ان دونوں بہنوں سے کہا۔ داہر کی لڑکیو! تم نے دیکھا ہمارے سالار ہمارے حکام کی کس طرح فوری طور پر تعمیل کرتے ہیں۔ جیسے ہی میرے اس سالار کو حکم ملا، اس نے ہمارے حکم پر اپنی جان قربان کر دی۔

یہ سن کر سورج دیوی نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا اور زمین پر سر رکھتے ہوئے کہا کہ خدا خلیفہ کو دیر تک سلامت رکھے۔ خلیفہ وقت کمال عقل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ جو کچھ اس کے کانوں میں پہنچے، اس پر اچھی طرح غور کرے۔ جب اس بات کی صداقت اس پر اچھی طرح واضح ہو جائے تو وہ اس وقت فیصلہ کن احکامات جاری کرے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ کے احکامات کی تعمیل بلاچوں و چراں کی جاتی ہے لیکن آپ کے لیے ضروری تھا کہ اس واقعہ کی ابتدائی تحقیقات کر لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد بن قاسم ہمارے بھائی یا باپ کے مانند تھا۔ اس نے کبھی ہمیں نہ ہاتھ لگایا، نہ اپنے پاس رکھا اور اس کے پاس ہماری عصمت، ہماری عزت اور ہماری جان ہر طرح سے محفوظ تھی لیکن چونکہ اس نے ہندوستان اور سندھ کے بادشاہوں کو قتل کیا۔ ہمارے خاندان کے راج کو اجاڑا۔ ہمیں غلام بنایا، ہم نے محض انتقام کے لیے یہ واقعہ گڑھ کر آپ سے کہا۔ آپ کے لیے ضروری تھا کہ اس کے بارے میں تحقیقات کر کے احکامات جاری کرتے۔

اس طرح اگر محمد بن قاسم میں بھی کچھ عقل ہوتی تو اس کے لیے ضروری تھا کہ

کی فتح کے موقع پر داہر کی دو لڑکیوں کی گرفتاری کا تذکرہ ملتا ہے۔ خود ان روایتوں کا تضاد اس واقعہ کے غیر معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

اس کے جھوٹا ہونے کی تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم نے داہر کی ان دونوں لڑکیوں کو حبشی غلاموں کے ساتھ بغداد بھجوا دیا۔ حالانکہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے موقع پر بغداد موجود ہی نہیں تھا بلکہ اس وقت دار الخلافہ دمشق تھا۔ اس بنیادی غلطی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک من گھڑت افسانہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس واقعے کے جھوٹا ہونے کی چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عرب مورخین نے اس واقعے کی واضح تردید کی ہے کہ محمد بن قاسم کو کچے چڑے میں لپیٹ کر اور صندوق میں بند کر کے روانہ کیا گیا اور اس کی لاش وہاں پھینچی۔

پانچویں وجہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ داہر کی لڑکیوں کا خلیفہ کے سامنے جھوٹ بولنا اور فریب دینا، یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں کچھ صداقت ہوتی تو عرب مورخین اس کا ضرور تذکرہ کرتے لیکن عربی تاریخوں میں ہمیں اس کا اشارہ تک نہیں ملتا۔

ان وجوہ کی بنا پر مذکورہ بالا روایت کو صداقت سے بعید اور من گھڑت افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

محمد بن قاسم صرف سترہ سال کی عمر میں سندھ میں ہوا کے ایک جھونکے کی طرح داخل ہوا۔ اسی جھونکے نے بعد میں تیز رفتار گولے اور پھر طوفان کی شکل اختیار کر لی اور صرف ساڑھے تین سال سندھ میں رہ کر مختصر عرصے میں اس نے پورے سندھ کو فتح کر کے ایک ایسے عادلانہ نظام سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کے دوست اور دشمن دونوں معترف تھے۔ اس کی دانائی، تدبیر اور سلامت روی کا سکہ سارے ملک میں بیٹھا ہوا تھا۔

محمد بن قاسم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے ہر منزل، ہر موقع پر اپنے محسن اور مربی حجاج بن یوسف سے مشورہ لیا۔ حجاج بن یوسف اگرچہ تاریخ اسلام کی ایک بدنام شخصیت خیال کیا جاتا ہے لیکن سندھ کے معاملے میں اس کی ہدایات اور

مشوروں کو پڑھ کر اس کے تدبیر، اس کی ہوش مندی، عقل مندی اور اس کے اعلیٰ سیاست دان ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس نے ہر موقع پر ہر شہر کی فتح کے وقت خط لکھ کر محمد بن قاسم کی ایسی رہنمائی کی کہ محمد بن قاسم اس کے مشوروں پر عمل کرتا ہوا فتح پر فتح حاصل کرتا چلا گیا۔

تاریخ کے اوراق میں حجاج بن یوسف پر بہت سے الزامات عاید کیے جاتے ہیں۔ اسے خونخوار لکھا جاتا ہے۔ سندھ کے معاملے میں اگر اس کے رویے کو غور سے دیکھا جائے تو اس کی فراست، اس کی پیش بندی، اس کا تدبیر اور اس کی دانشمندی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ سندھ کی فتح کے معاملے میں حجاج بن یوسف جا بجا خطوط لکھ کر محمد بن قاسم کی رہنمائی کرتا رہا۔ حجاج بن یوسف کے ان خطوط کے اقتباسات سے جہاں اس کی خوبیاں ہمارے سامنے آتی ہیں، وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ سندھ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کس قسم کے نظام حکومت کے قائم کرنے کا خواہاں تھا اور اس سرزمین کی رعایا کو خوش حال بنانے کے لیے اس نے کیسی کیسی ہدایات محمد بن قاسم کو دیں تھیں۔

حجاج بن یوسف کے خطوط ہی کی روشنی میں محمد بن قاسم نے جو حکومت سندھ میں قائم کی تھی، وہ امن، رواداری کی بہترین نمونہ تھی۔ اس کی رواداری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے جس طرح مسجدوں کے لیے اوقاف مقرر کیے، ویسے ہی مندروں کے لیے جاگیریں بھی مقرر کیں۔ برہمن آباد کے پجاریوں کی شکایت پر کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد لوگ ڈر سے پوجا پاٹ کے لیے نہیں آتے، مندر ویران ہو گئے اور ان کی پوجا پاٹ کی آمدنی محدود ہو گئی ہے، وہ سخت پریشان ہیں۔ محمد بن قاسم نے برہمنوں کی یہ شکایات حجاج بن یوسف کو جب بھجوائیں تو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کو درست کرنا چاہتے ہیں۔ جب انہوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی تو انہیں اپنی عبادت میں آزادی ہونی چاہیے اور ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہ دونا چاہیے۔

اس خط اور ایسے ہی دوسرے خطوں کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے اکابر اور معززین کو بلا کر پجاریوں کے حقوق اور مراسم کے متعلق پوچھا کہ راجہ داہر کے



زمانے میں انہیں کیا حقوق ملے ہوئے تھے؟ ان کے تمام حقوق معلوم کرنے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ جو لوگ اپنے مذہب پر قائم ہیں، ان کو اپنے مذہبی مراسم بجا لانے میں حکومت کی طرف سے بالکل آزادی ہے۔

ہماری حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اپنے مندروں برہمنوں کو دان وغیرہ جیسے پہلے دیتے تھے، اب بھی دیں۔ سرکاری مال گزاروں میں سے تین فیصد برہمنوں کے لیے علیحدہ جمع کیا جائے گا۔ اس روپے سے برہمن اپنے مندروں وغیرہ کی مرمت کے لیے خزانے سے درخواست دے کر رقم وصول کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے ایک بڑے پنڈت کو رانا کا خطاب دے کر مندروں کے انتظام اور اہتمام کے لیے مقرر کیا۔ غیر مسلم جو مسلمانوں کی فوج میں کام کرتے تھے، ان کو باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور ان کا سرکاری لگان معاف کر دیا جاتا تھا۔

محمد بن قاسم نے سندھ میں جو علاقے بھی فتح کیے، حجاج بن یوسف کے خطوط اور اس کی رہنمائی میں اس نے وہاں کے قدیم حاکموں سے اقرار اطاعت لے کر انہی کو حکومت پر بحال رکھا۔ صرف عام انتظام کو بہتر بنانے اور انصاف کے لیے ان کے ساتھ مسلمان سرداروں کو بھی مقرر کیا جاتا تھا مگر پولیس اور فوج میں زیادہ تر سندھ کے نو مسلم ہوتے تھے۔

انتظامی عہدوں میں بھی سندھ کے ہندوؤں کو رکھا گیا۔ اس کے علاوہ رواداری کی حد یہ تھی کہ سندھ میں ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر دی گئیں۔ اس طرح ملک کا تمام نظم و نسق فتح ہونے کے بعد بھی مقامی ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھا۔ اور ان راجاؤں سے صرف خراج وصول کیا جاتا تھا۔ لگان اور خراج سے جو رقم وصول ہوتی تھی، اس کا بڑا حصہ ملک کی رفاہی ضرورتوں پر صرف کیا جاتا تھا۔

برہمنوں کو حکومت کے معزز عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ محمد بن قاسم نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ برہمن ایک معزز قوم ہے اور انتظام سلطنت سے واقف ہے، مال کے تمام محکموں میں بھی ان برہمنوں کو مقرر کیا۔ زر مال گزاری کی وصولی، اس کا حساب، خزانے کا تحفظ سب برہمنوں سے متعلق تھا۔

حکومت اس کا خاص طور پر خیال رکھتی تھی کہ ملک کے کسی طبقے کو تکلیف نہ

ہے۔ محمد بن قاسم کی حکومت نے پست افراد کو ابھارا لیکن بلند طبقے کو گرایا نہیں، پست طبقے کی حالت بہتر بنانے اور ان کی فلاح و بہبود کو بہتر بنانے کے لیے سب سے زیادہ توجہ دی۔

عدل و انصاف مساوات کی بنیاد پر ایسی حکومت رکھی اور اس کا خصوصیت سے یال رکھا کہ ملک کے کسی طبقے کو نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ مفتوحہ علاقوں میں تاجروں، شہروں، دستکاروں اور کاشتکاروں کو جنگ کی وجہ سے جو نقصان پہنچا، محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ ان لوگوں میں ہر ایک کو بارہ درہم وزن چاندی دی جائے اور جس کا دل سے زیادہ نقصان ہوا، اسے تحقیق کے بعد اس سے زیادہ دیا جائے۔

برہمنوں کو زر لگان وصول کرنے میں متعین تھے، تاکید کی گئی کہ کسانوں سے لگان وصول کرنے میں کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ کسانوں کو ہر طرح سے سہولتیں دی گئیں۔ جس کسان کے ہاں پیداوار کم ہو، اس کو سرکاری لگان معاف کر دیا جائے۔ محمد بن قاسم کے اس طرز عمل نے سندھ کے لوگوں کو بے حد متاثر کیا۔ رعایا میں مسرت و خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف اسلامی حکومت کی تعریف اور اس کے گن گائے نے لگے۔

یہاں تک کہ برہمن خود گاؤں گاؤں پھر کر اسلامی حکومت کی تعریف کرتے تھے۔ ان لوگوں کو حکومت کی وفاداری کا سبق دیتے تھے مگر یہ سارے انتظام محمد بن قاسم نے ہی بنائے۔ جہاں بن یوسف کے کہنے اور اس کی راہنمائی میں کیے تھے۔ اگر حجاج بن یوسف تاریخ سے واقف ہیں تو اس کا ایک طرف ظالم اور سفاک کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے تو دوسری طرف وہ ایک بہترین منظم اور عمدہ قسم کے مدبر کی حیثیت سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے۔

محمد بن قاسم کے بعد اس کے مخالفین بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے۔ سندھ کا نیا بادشاہ یزید بن ابی قبشہ صرف اٹھارہ دن کے بعد اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ وہ بھی چند دن رہ کر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد حبیب بن مہلب مقرر ہوا۔ اس دوران سلیمان بن عبدالملک بھی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ سلیمان بن عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنے تو یزید بن مہلب پر خیانت کا جرم عاید کیا گیا۔ یہی جرم حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب پر



قاصد نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔ آپ اور بنانہ بن حنظلہ کو فی الحال طلب کیا گیا ہے۔ آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ خرم بن عمر نے قاصد کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کیا تم نے بنانہ بن حنظلہ کو بلایا ہے؟ قاصد کہنے لگا، میں پہلے آپ کی طرف آیا ہوں۔ پھر بنانہ بن حنظلہ کو بلاؤں گا۔ اس پر خرم کہنے لگا، جاؤ بنانہ کو ہمیں بلا کر لاؤ۔ پھر ہم دونوں اکٹھے یزید بن ابی قبشہ کی طرف جائیں گے۔ قاصد وہاں سے ہٹ گیا تھا اور بنانہ بن حنظلہ کے مکان کی طرف بڑھا تھا۔

قاصد کے جانے کے بعد ساکرہ نے بڑے اداس سے انداز میں خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

یزید بن ابی قبشہ نے آپ کو کیوں طلب کیا ہے؟ اس پر خرم بن عمر نے بڑے پیار سے ساکرہ کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

ساکرہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور گودیری دونوں گھر پر ہی رہو۔ میں اور بنانہ دونوں ہو آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں یزید بن ابی قبشہ کیا کہتا ہے۔ اس پر ساکرہ فوراً بول پڑی۔ میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دوں گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ ناراض نہ ہوئے گا۔ حالات خطرناک موڑ اختیار کر چکے ہیں۔ ہمیں بتائے بغیر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق کی طرف بھیجا جا چکا ہے۔ یہی سلوک آپ کے ساتھ بھی کیا جائے گا، لہذا اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس مصیبت میں میں آپ کے ساتھ شامل حال رہوں گی۔ میں کسی بھی صورت آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اپنے آپ سے اس موقع پر علیحدہ نہیں رکھیں گے۔

خرم بن عمر ساکرہ کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر بنانہ بن حنظلہ نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے گودیری بھی تھی اور ان دونوں کے پیچھے قاصد بھی تھا۔ بنانہ بن حنظلہ، گودیری دونوں خرم بن عمر کے مکان میں داخل ہوئے۔ خرم بن عمر کو مخاطب کر کے بنانہ بن حنظلہ کہنے لگا۔

یزید بن ابی قبشہ نے مجھے اور آپ کو طلب کیا ہے۔ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟ میرے خیال میں وہ ضرور ہمیں کسی دھوکے اور فریب میں ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ بہر حال دیکھتے ہیں، وہ کیا کہتا ہے۔ میں نے گودیری کو بھی ساتھ لے

لگاتے ہوئے اسے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ جب دوبارہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں یزید بن مہلب پر خیانت کا جرم عاید کیا گیا تو عراق اور خراسان کی گورنری سے اسے معزول کر کے عمر بن عبدالعزیز نے زندان میں ڈال دیا۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب یزید بن عبدالملک مسلمانوں کا خلیفہ بنا تو یزید بن مہلب اپنے رشتہ داروں، اپنے بیٹوں اور دوسرے لواحقین کے ساتھ کسی نہ کسی طرح زندان سے بھاگ نکلا اور اپنے خاندان اور ساتھیوں کو لے کر سندھ کی طرف بھاگا۔ حکومت کی طرف سے بلال بن اخور تمیمی کو اس کے تعاقب میں لگایا گیا۔ اس نے قذافیہ میں ان سب کو آکھڑا اور سب کو باری باری قتل کر کے رکھ دیا۔ قتل کیے جانے والوں میں معاویہ بن یزید بھی شامل تھا جس نے واسط کے جیل خانے میں محمد بن قاسم کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی تھیں۔

جن دنوں محمد بن قاسم کو یزید بن ابی قبشہ نے گرفتار کر کے عراق کی طرف بھجوایا تھا، اس وقت محمد بن قاسم ملتان سے باہر تھا۔ باہر ہی باہر اسے گرفتار کر کے عراق کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ذکوان بن علوان اور دیگر سالاروں نے ملتان میں قیام کر رکھا تھا۔ محمد بن قاسم کو گرفتار کرنے اور عراق کی طرف روانہ کرنے کے بعد یزید بن ابی قبشہ نے ملتان کا رخ کیا۔

ملتان پہنچ کر اس نے اس مکان میں قیام کیا جس میں محمد بن قاسم قیام کیا کرتا تھا۔ پھر اس نے خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کو اپنے پاس طلب کیا۔

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں کو محمد بن قاسم کی گرفتاری اور اس کے عراق کی طرف روانگی کی خبر ہو چکی تھی۔ یزید بن ابی قبشہ کے قاصد نے پہلے خرم بن عمر کے دروازے پر دستک دی۔ خرم بن عمر دروازے پر آیا۔ ساکرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ خرم بن عمر آنے والے قاصد کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ قاصد خود ہی بڑی ارادت مندی سے خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر آپ کو سندھ کے نئے حاکم یزید بن ابی قبشہ نے طلب کیا ہے۔ ان الفاظ پر خرم بن عمر چونکا تھا۔ پیچھے کھڑی ساکرہ بھی فکر مند ہو گئی تھی۔ پھر خرم بن عمر نے قاصد کو مخاطب کیا۔ کس کس کو بلایا ہے؟

کی بیویاں ہیں۔ جواب میں مسکراتے ہوئے خرم بن عمر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ جب سب بیٹھ گئے تب خرم بن عمر نے یزید بن ابی قبشہ کو مخاطب کیا۔ کیا میں اور بنانہ بن حنظلہ جان سکتے ہیں کہ تم نے ہمیں کیوں طلب کیا ہے؟ خرم بن عمر نے جب اسے لفظ تم سے مخاطب کیا تو اس پر یزید بن ابی قبشہ چونکا تھا لیکن اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ میں نے تم دونوں کو اس لیے بلایا ہے کہ ان سرزمینوں میں تم دونوں میرے ساتھ تعاون کرو۔

میں تم دونوں سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گا۔ سلیمان بن عبد الملک کے کہنے پر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے میں نے عراق کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ حکمران جو چاہے سلوک کریں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس کی گرفتاری کے بعد لشکر میں بغاوت بھی کھڑی ہو سکتی ہے۔ تم دونوں کی لشکر میں بڑی اہمیت ہے۔ لشکر تمہارے ماتحت کام کرتے رہے ہیں۔ تم ان کے سب سے عمدہ اور بہترین سالار ہو۔ ان سرزمینوں میں تمہاری حیثیت محمد بن قاسم کے نائب سی رہی ہے۔ اس لیے مارے لشکر میں تم پر اعتماد کرتے ہیں، تم پر بھروسہ کرتے ہیں اور تمہارے ایک اشارے پر وہ میری فرمانبرداری اور اطاعت کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔ اب کہو تم دونوں ان سرزمینوں میں میرے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو؟

خرم بن عمر نے بغیر کسی تفکر کے کام لیے، بڑے غور سے یزید بن ابی قبشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

سن ابن قبشہ میں تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں، نہ میں ان سرزمینوں میں قیام کروں گا۔ میں اب یہاں سے واپس جاؤں گا اور کوفہ کے نواح میں میری جو بستی ہے، وہیں جا کر اپنی باقی زندگی گمنامی میں گزار دوں گا۔ اس کے علاوہ تم سے کہنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

یزید بن ابی قبشہ خرم بن عمر کا یہ جواب سن کر بڑا مایوس ہوا۔ اس موقع پر اس نے بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

ابن حنظلہ تمہارا اس سلسلے میں کیا جواب ہے؟ بنانہ بن حنظلہ کی بھی چھاتی تن

لیا ہے اور کہا ہے کہ تم ساگرہ کے پاس رہنا۔ اتنی دیر تک میں اور خرم دونوں یزید کے پاس سے ہوں آئیں گے۔

جواب میں خرم بن عمر مسکرایا اور کہنے لگا۔ ساگرہ تو میرے ساتھ جانے کی ضد کر رہی ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟ اسے سمجھاؤ کہ یہ اور گودیری یہاں رہیں۔ اس پر ساگرہ مچل جانے کے انداز میں بولی۔

میں ہرگز یہاں نہیں رہوں گی۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور دیکھوں گی کہ یزید بن ابی قبشہ کیا کہتا ہے۔ میں آپ سے پھر کموں گی، وہ آپ کو جو بلا رہا ہے تو آپ کے خلاف دھونس دھمکی سے بھی کام لے سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ اس کا ساتھ دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ لشکر یزید بن ابی قبشہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ دونوں کی معاونت سے وہ لشکریوں پر اپنی گرفت چاہتا ہے۔ بہر حال معاملہ جو بھی ہو، میں ساتھ جاؤں گی۔ یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ اس موقع پر ساگرہ کا ساتھ دیتے ہوئے گودیری بول پڑی۔

ساگرہ ٹھیک کہتی ہے۔ ہم دونوں آپ کے ساتھ جائیں گی۔ آخر ہمارے ساتھ جانے میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر آپ دونوں پر کوئی افتاد آتی ہے تو ہم دونوں کا یہاں زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو چاروں پر اکٹھی آئے، علیحدہ علیحدہ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب زیادہ کوئی بحث اور حجت نہیں ہوگی۔ میں اور ساگرہ دونوں آپ کے ساتھ جائیں گی، یہ ہم دونوں کا آخری فیصلہ ہے۔

خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ مان گئے۔ چاروں یزید بن ابی قبشہ کے قاصد کے ساتھ ہو لیے تھے۔

قاصد کے ساتھ جب خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ساگرہ اور گودیری اس مکان میں داخل ہوئے جس میں یزید بن ابی قبشہ کی رہائش تھی، اس وقت یزید بن ابی قبشہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے اس نے اٹھ کر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کا شاندار استقبال کیا۔ دونوں سے مصافحہ کیا۔ پھر نشستوں پر بیٹھنے کے لیے کہا اور ساتھ ہی احتراماً ساگرہ اور گودیری کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو ساتھ آنے والی دونوں خاتون تمہاری اور بنانہ بن حنظلہ

پھر انتہائی ہولناکی میں اس نے یزید بن ابی قبشہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ابن قبشہ تم بھول رہے ہو، اگر تم نے میرے یا بنانہ بن حنظلہ کے ساتھ زیادہ الجھنے کی کوشش کی تو قسم خدا واحدی، میں ابھی اور اسی وقت تمہاری گردن کاٹ دوں گا اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ لشکر کے اندر تمہاری گردن کٹنے سے نہ کوئی احتجاج کرے گا، نہ کوئی تمہارا انتقام لینے کے لیے اٹھے گا۔ ان سرزمینوں میں میرے ہاتھ گمنامی کی موت مت مرنانا، اپنی اوقات میں رہو ورنہ.....

یہاں تک کہتے کہتے خرم بن عمر کو رک جانا پڑا، اس لیے کہ سائکرہ نے اس کا ہاتھ کھینچا اور اپنے قریب بٹھالیا تھا۔ خرم بن عمر کی اس گفتگو سے یزید بن ابی قبشہ کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ چہرے پر خوف اور وحشت پھیل گئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خرم بن عمر نے پھر اسے مخاطب کیا۔

یزید بن ابی قبشہ اس معاملے پر مزید کچھ کہنے کی جرات اور جسارت مت کرنا۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم مجھے اور بنانہ بن حنظلہ کو زبردستی یہاں اپنے ساتھ رکھ کر کام کرنے پر مجبور کر سکتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے اور اگر تمہاری بھول نہیں جاتی تو ذرا اس کمرے سے نکادو۔ میرے ساتھ دو دو ہاتھ کرو۔ اگر تم تیغ زنی میں مجھے مات کر گئے تو میں تمہارا غلام بن کر ان سرزمینوں میں تمہاری خدمت کروں گا اور اگر تم میرے ہاتھوں ہار گئے تو میں تمہاری گردن کاٹ کر عراق کی طرف چلا جاؤں گا۔ سلیمان بن عبد الملک کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اس سے کہوں گا کہ یزید بن ابی قبشہ ایک بزدل انسان تھا۔ میں نے اس کی گردن کاٹ دی ہے۔ اس کی جگہ کسی اور کو سندھ کا والی مقرر کر دیں۔ کہو میری یہ پیشکش منظور ہے؟

یزید بن ابی قبشہ تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولا۔ ابھی تک وہ خوفزدہ اور سما ہوا تھا۔ خرم بن عمر کی جرات اور شجاعت کو وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

ابن عمر تم یہاں محمد بن قاسم کے نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہو۔ میں تمہاری قدر، تمہاری عزت افزائی کرتا ہوں۔ اگر تم دونوں میرے ساتھ ہم کرنا نہیں

گئی اور یزید بن ابی قبشہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ سن ابن قبشہ جو اب خرم بن عمر کا ہے، وہی بنانہ بن حنظلہ کا ہے۔ یزید بن ابی قبشہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ کوئی فیصلہ کیا، پھر اس نے خرم بن عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ابن عمر تم میرے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر چکے ہو۔ واپس جانے کا اپنا ارادہ بھی ظاہر کر چکے ہو۔ اگر میں تم دونوں کو واپس نہ جانے دوں اور زبردستی تم سے تمہارا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کروں تو پھر تم کیا کہتے ہو؟

اس موقع پر خرم بن عمر کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر چلا گیا تھا۔ بنانہ بن حنظلہ بھی اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر لے گیا تھا۔ پھر کھولتے ہوئے لہجے میں خرم بن عمر نے یزید بن ابی قبشہ کو مخاطب کیا۔

ابن قبشہ سن اپنی حدود سے بڑھ کر میرے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ کیا تم میں اتنی ہمت اور جرات ہے کہ مجھے اور بنانہ بن حنظلہ کو زبردستی یہاں روک سکو؟ کیا تم میں اتنی جسارت ہے کہ ہماری مرضی، ہماری رضامندی کے بغیر کوئی کام لے سکو؟ اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا تمہارا انجام انتہائی برا ہوگا۔ ابن قبشہ کسی دھوکے اور فریب میں مت رہنا۔ اگر ہم سے الجھو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

غصے میں یزید بن ابی قبشہ کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ دوبارہ اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔

ابن عمر تم خود دھوکے اور فریب کاری میں پڑے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ محمد بن قاسم کی جگہ میں سندھ کا والی مقرر ہوا ہوں۔ جس طرح تم محمد بن قاسم کے ساتھ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہو، اسی طرح تمہیں اور بنانہ بن حنظلہ کو میرے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا ایسا نقصان اٹھاؤ گے جس کی تلافی زندگی بھر نہ کر پاؤ گے۔

یزید بن ابی قبشہ کی اس گفتگو سے خرم بن عمر دھکتے ہوئے کولوں کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔ اپنی جگہ پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آدھی تلوار غصے میں نیام سے باہر کھینچ لی

کر جاؤں گا۔ میں اب جاتا ہوں۔ جاتے ہوئے تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ میرے اور بنانہ بن حنظلہ کے خلاف کوئی سازش کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہیں عمد دیتا ہوں کہ اگر تم خاموشی اختیار کرو گے تو میں تمہیں نقصان پہنچائے بغیر یہاں سے کوچ کر جاؤں گا اور اگر تم نے کوئی سازش تیار کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا سندھ میں جس قدر لشکری ہیں، میرے ایک ہی اشارے پر وہ تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مہران ندی میں بہا دیں گے اور کوئی تیری لاش تلاش کرنے والا نہیں ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی خرم بن عمر کمرے کے دروازے کی طرف چل دیا تھا۔ بنانہ بن حنظلہ، گودیری اور ساکمرہ اس کے پیچھے ہو لیے تھے۔ اسی روز رات کے پچھلے حصے میں خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ساکمرہ اور گودیری ملتان سے دمشق کے لیے کوچ کر گئے تھے۔



ایک روز شام سے کچھ پہلے خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ، ساکمرہ اور گودیری ایران کی حدود میں سنر کر رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کچھ گھڑ سوار نمودار ہوئے اور ان چاروں کی راہ روک کھڑے ہوئے۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک دیا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے دو اونٹوں پر ساکمرہ اور گودیری سوار تھیں۔ انہوں نے بھی اونٹوں کی نکلیں کھینچتے ہوئے اونٹوں کو روک دیا تھا۔ خرم بن عمر نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے شاید خطرہ محسوس کیا تھا، لہذا اس نے ڈھال سنبھال لی تھی۔ تلوار بے نیام کر لی تھی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے بنانہ بن حنظلہ بھی ایسا کر چکا تھا۔

دونوں اونٹوں کے اوپر بنے ہودوں کے اندر ساکمرہ اور گودیری بھی چوکنی ہو گئی تھیں۔ ان دونوں نے بھی اپنی کمانیں سنبھال لی تھیں اور ترکش سے تیر نکال کر کمانوں پر جمائے تھے۔

خرم بن عمر نے راہ روکنے والوں کو مخاطب کیا۔ تم لوگ کون ہو اور کیوں تم نے ہماری راہ روکی ہے۔ ذرا اپنا تعارف کراؤ۔ پھر میں تمہارے ساتھ بات کروں۔ اس پر

چاہتے تو میں تم دونوں کو زبردستی نہیں روکوں گا۔ میں تمہارے ساتھ چند مسلح جوان بھیجتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ عراق کے والی یزید بن مہلب کے پاس چلے جاؤ۔ میں اسے خط بھی لکھ دوں گا، وہ جو چاہے تمہارے متعلق فیصلہ کرے۔

خرم بن عمر بغیر کسی توقف کے بول پڑا۔ یزید بن ابی قہشہ میں تمہاری اس پیشکش کو بھی نامنظور کرتا ہوں۔ میں یزید بن مہلب کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور نہ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ یہاں سے میں سیدھا دمشق کا رخ کروں گا۔ اگر یہاں اپنی قوم اپنی ملت کے لیے کام کرتے ہوئے میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں سیدھا سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ وہ جو چاہے، مجھے سزا دے۔ میں اسے بخوشی قبول کر لوں گا۔ تمہیں میرے ساتھ مسلح جوان بھی بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایسے سازشی لوگوں کو میرے ساتھ کرو گے جو راستے میں میرا اور بنانہ بن حنظلہ کا کام تمام کر دیں گے۔ اگر تم نے ایسی کوئی سازش کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں پلٹوں گا اور تمہاری گردن کاٹ کر پھر دمشق کا رخ کروں گا۔

یزید بن ابی قہشہ پھر کچھ سوچتا رہا، آخر اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔ ابن عمر تم واضح طور پر میرے خلاف بغاوت کھڑی کر رہے ہو۔ مجھے یزید بن مہلب نے صاف اور واضح طور پر احکامات جاری کیے تھے کہ سندھ پہنچ کر سارے سالاروں کو اپنی فرمانبرداری کے لیے کہنا۔ جو تمہارا حکم مانے، اس کی عزت کرنا اور جو بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کرے۔ اول تو اس کا کام تمام کر دینا اور زیادہ حجت کرے، اسے میرے پاس بھیج دینا۔ میں خود اس سے نبٹ لوں گا۔ میں پھر تم دونوں سے کہوں گا، اگر تم دونوں میرے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتے تو پھر عراق چلے جاؤ۔ یزید بن مہلب تمہارے متعلق جو فیصلہ کرے گا، مجھے منظور ہوگا۔ خرم بن عمر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

یزید بن ابی قہشہ میں تم پر واضح کر چکا ہوں کہ میں نہ تمہارے ماتحت کام کروں گا، نہ تمہاری فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کروں گا۔ میں آج رات کے پچھلے پھر بنانہ بن حنظلہ اپنے اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ یہاں سے دمشق کی طرف کوچ



آنے والوں کے آگے جو ان کا سرخیل تھا، اس نے خرم بن عمر کو مخاطب کیا۔  
 میں اور میرے ساتھی تم دونوں کو پہچان چکے ہیں۔ تم خرم بن عمر اور تمہارے  
 ساتھ بنانہ بن حنظلہ ہے۔ تم دونوں کے پیچھے تم دونوں کی بیویاں ہیں۔ ہم تو ایک  
 عرصہ سے تمہارے متلاشی تھے۔ سو ہم ایران کے بجوسی ہیں جنہیں تمہارے ہاتھوں  
 سخت زلت اور نقصان اٹھانا پڑا۔ ہم زمیش کے وہ ساتھی ہیں جو تمہارے ہاتھوں بچ کر  
 روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے اور اس ناک میں تھے کہ تم ہمیں ملو تو ہم تمہارا کام  
 تمام کریں۔ ہماری خوش قسمتی کہ آج دمشق کی طرف جاتے ہوئے تم ہمارے ہاتھ  
 آگئے ہو۔ اب تمہیں دمشق پہنچنا نصیب نہیں ہوگا۔ ہمارے کچھ آدمی تمہاری ناک  
 میں تھے جنہوں نے ہمیں اطلاع دی کہ تم سندھ سے کوچ کرتے ہوئے دمشق کا رخ کر  
 رہے ہو۔ اب ان سرزمینوں میں تم چاروں کی لاشیں دفن ہوں گی۔

خرم بن عمر کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے راہ روکنے  
 والوں کے سرخیل کو مخاطب کیا۔

تم بھول رہے ہو۔ اگر ماضی میں میں نے تم لوگوں کے ہاتھوں اور چہروں پر  
 شکست کے داغ لگائے ہیں تو اب بھی میں ایسا کرنے پر قادر ہوں اور ایسا کرنے کی  
 قدرت رکھتا ہوں۔

خرم بن عمر کو خاموش ہو جانا پڑا، اس لیے کہ راہ روکنے والوں کا سرکردہ پھر بول  
 پڑا۔

تم دو میرے ساتھیوں کے سامنے کیا انقلاب کھڑا کر لو گے؟ لمحوں کے اندر میں  
 تمہاری امیدوں کو یاس کی نشانیاں اور تمہارے زرد چہروں پر تشنگی کے عمد کی لکھی  
 کمائیاں نمایاں کرتا چلا جاؤں گا۔ سن رکھو، اس قافلہ شمس و قمر، اس سلسلہ آب و ہوا  
 میں تمہارے دروازہ دل پر موت کے درد کی دستک دوں گا۔ یہاں کوئی تمہارا درمان  
 و رد نہ راہ کا ہم سفر ہوگا جو تمہاری مدد کر سکے۔ جو کم از کم ہمارے ہاتھوں سے تمہاری  
 جان ہی چھڑا سکے۔ جواب میں خرم بن عمر نے گھٹلا دینے والا قہقہہ لگایا، پھر اس نے  
 اسے مخاطب کیا۔

لگتا ہے تم لوگوں کی بوسیدہ دانش میں پھر اباں آ گیا ہے۔ لگتا ہے تم ان

سرزمینوں میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے کوئی تازہ جہالت، کوئی دلچسپ حماقت  
 کھڑی کرنا چاہتے ہو۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ تم کسی کاروشوار کے لیے اپنے بھولے  
 بھالے امن خوساتھیوں کو ظلم و الم، ننگ و ذلت میں ڈالتے ہوئے انہیں حیوانیت اور  
 خباثت کی موت مرنے پر مجبور کرو گے۔ اگر تم مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو تو اپنے  
 ساتھیوں کو وہیں کھڑا رہنے دو جہاں وہ کھڑے ہیں، ذرا اکیلے میری طرف آؤ، میرے  
 ساتھ مقابلہ کرو۔ پھر دیکھو میں کیسے لڑکھڑاتے بوڑھے اندھیروں کی طرح تمہیں  
 پچھتاوے کی لعنت سے دوچار کرتا ہوں۔ ذرا آگے تو بڑھو، میرے ساتھ مقابلہ کرنے  
 کی ہمت اور جرات کرو، پھر میں دیکھتا ہوں کہ تم کس قدر بڑے سورا ہو۔  
 راہ روکنے والے بجوسی نے خرم بن عمر سے انفرادی مقابلے کی کوئی بات نہ کی،  
 اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یہ میرے ساتھی جنہیں تم بھولے بھالے امن خوکمہ رہے ہو، یہ تمہاری ہڈیوں  
 سے گوشت نوچ لیں گے، چہروں کو مسخ کریں گے اور تمہاری دل کی اندھیری گھپاؤں  
 میں آتش فشاں کھڑے کرتے چنے جائیں گے۔

خرم بن عمر پہلے سے بھی زیادہ غضبناکی میں بولا اور اسے مخاطب کیا۔

میں پھر محسوس کرتا ہوں جیسے یہاں ان سرزمینوں میں تو ہمارے ہاتھوں اپنی  
 تہذیب کی اتہاس کو سیاہ کرنا چاہتا ہے۔ غلطی اور خامیوں کو دہرانا چاہتا ہے۔ میں یہ  
 محسوس کرتا ہوں کہ تیرے وہموں کی فصل پک چکی ہے، جس کے کٹنے کا وقت آچکا  
 ہے۔ اگر تو ہم سے مقابلہ ہی کرنا چاہتا ہے تو پھر کر کیا کرتا ہے۔ پھر ہمارا بھی رد عمل  
 دیکھنا کہ ہم کیسے تیرے جذبات کی دستوں میں تیرے احساسات کی گہرائیوں میں غم  
 کے گرداب کھڑے کرتے ہیں اور کیسے تیرے لیے لاپارگی کے بگولے بن کر تیری  
 موت کو تیرے لیے دعوت دیتے ہیں۔

خرم بن عمر کی اس ساری گفتگو کے بعد راہ روکنے والے کسی رد عمل کا اظہار ہی  
 کرنا چاہتے تھے کہ اچانک دائیں طرف سے کچھ گھڑ سوار نمودار ہوئے۔ وہ اپنے  
 گھوڑوں کو مارتے بھگاتے بڑی تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔ گھڑ سوار برق  
 رفتاری سے آئے، راہ روکنے والوں اور خرم بن عمر کے درمیان وہ حائل ہو گئے۔ پھر



خریم بن عمر میں تک کہ سکا، اس لیے کہ ذکوان بن علوان بول پڑا۔  
امیر ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ذکوان بن علوان پیچھے  
ہٹا اور اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ساتھی راہ  
روکنے والوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کی آن میں ان سب کا خاتمہ کر کے رکھ دیا گیا  
تھا۔

راہ روکنے والوں کا خاتمہ کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو ریت کے اندر چھپا دیا  
گیا۔ ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان کے گھوڑے اور دیگر سامان بھی اپنی  
تحویل میں لے لیا گیا۔ پھر ذکوان بن علوان خرم بن عمر کے قریب آیا۔ خرم بن عمر  
نے پھر اسے مخاطب کیا۔

میں ملتان میں تمہیں تلاش کرتا رہا۔ بنانہ بھی تمہیں ڈھونڈتا رہا لیکن تم ہمیں  
نہیں نہیں ملے۔ دراصل ملتان سے کوچ کرنے سے پہلے میں تمہارے ساتھ صلاح  
مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ ادھر کا رخ کرنا چاہتے ہو کہ نہیں لیکن نہ جانے  
تم کہاں چلے گئے تھے۔ ذکوان بن علوان تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا، پھر بول پڑا۔

امیر، میری داستان بھی عجیب ہے۔ آپ کو طلب کرنے سے پہلے یزید بن ابی قبشہ  
نے مجھے بلایا تھا اور کہا تھا کہ سندھ کی سرزمینوں میں میں اس کا مطیع اور فرمانبردار  
بن کر رہوں۔ میں نے اسے یہ جواب دیا کہ مجھے طلب کرنے سے پہلے خرم بن عمر  
اور بنانہ بن حنظلہ کو بلانا چاہیے تھا۔

میں نے یزید بن ابی قبشہ پر صاف طور پر یہ واضح کر دیا تھا کہ پہلے ان دونوں کو  
بلائے جو جواب تمہیں خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دیں گے، وہی جواب میرا بھی  
ہوگا۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوگی۔ جو فیصلہ وہ کریں گے، وہی فیصلہ میرا سمجھ  
لینا۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے اٹھ گیا تھا، بہر حال میں محتاط تھا۔ میں جانتا تھا کہ یزید بن  
ابی قبشہ کچھ نہ کچھ کرے گا۔ مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ یہ میرے خلاف میرے اس  
جواب کی وجہ سے کوئی کارروائی بھی کر سکتا ہے، لہذا میں نے اپنے ان لشکریوں کو  
اپنے ساتھ ملا لیا تھا جو میرے ماتحت کام کرتے رہے تھے اور یہی اس وقت میرے  
ساتھ ہیں۔ یزید بن ابی قبشہ سے ملنے کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے اندر ہی رہا لیکن

دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے راہ روکنے والوں کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ آنے والے سارے  
اپنے منہ پر ڈھانٹے چڑھائے ہوئے تھے اپنے چہروں کو انہوں نے چھپایا ہوا تھا۔ جب  
وہ گھیراؤ کر چکے تو انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب ہٹا دیئے۔ انہیں دیکھتے ہی خرم بن  
عمر، بنانہ بن حنظلہ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

وہ سندھ میں کام کرنے والے ان کے اپنے لشکری تھے اور ان کی کمانداری ذکوان  
بن علوان کر رہا تھا۔ راہ روکنے والوں کا گھیراؤ کرنے کے بعد ذکوان بن علوان اپنے  
گھوڑے کو موڑتا ہوا خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے سامنے آیا۔ پہلے اس نے  
دونوں کو بڑی عاجزی سے سلام کیا، پھر خرم بن عمر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر ذرا یہ بتاؤ کہ یہ راہ روکنے والے کون ہیں تاکہ میں ان کا حساب چکاؤں۔  
خرم بن عمر جو ابھی تک مسکرا رہا تھا، ذکوان بن علوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔  
پہلے یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے نمودار ہوئے اور کدھر تھے؟ ذکوان بن علوان کہنے لگا۔ امیر  
یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا، پہلے یہ بتائیں کہ راہ روکنے والے کون ہیں؟

ذکوان بن علوان کو دیکھتے ہوئے اونٹوں پر بیٹھی ساکنہ اور گودیری بھی خوش اور  
مطمئن ہو گئیں تھیں۔ اپنی کمانیں انہوں نے رکھ دی تھیں۔ اس موقع پر خرم بن عمر  
نے ذکوان بن علوان کو مخاطب کیا۔

میرے عزیز بھائی کرمان میں جو میں کارروائی مجوسیوں کے سردار زرمیش کے  
خلاف کرتا رہا ہوں تو یہ زرمیش کے بھگورے ساتھی ہیں۔ راہ روکتے ہوئے انہوں نے  
مجھ پر اور بنانہ بن حنظلہ پر انکشاف کیا ہے کہ انہیں عرصے سے میری تلاش تھی۔  
اپنے ان ساتھیوں کا انتقام مجھ سے لینا چاہتے تھے جو کرمان میں میرے ہاتھوں مارے  
گئے۔

میرے عزیز بھائی تم بڑے اچھے وقت پر آئے ہو۔ یہ سب ہم چاروں پر حملہ آور  
ہونے والے تھے۔ میں اور بنانہ ان کا حملہ روکنے کے لیے مستعد ہو گئے تھے۔ خداوند  
قدوس کا شکر ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں پہنچ گئے ہو۔ لگتا ہے ان  
دیرانوں میں بھی قدرت کو ہماری حفاظت مقصود تھی۔ میں اپنے خداوند قدوس کا اتنا  
درجہ کا ممنون اور شکر گزار ہوں۔

نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے میرے اور بنانہ بن حنظلہ کے پیچھے اپنے آدمی گانے کی کوشش کی تو میں لوٹوں گا، تمہارا سر کاٹ کر رکھ دوں گا۔ اس موقع پر یزید بن ابی قبشہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے ملتان میں مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں اور انہ بن حنظلہ اس کے ماتحت کام نہیں کرنا چاہتے تو پھر ہم دونوں کو عراق کا رخ کرنا چاہیے اور یزید بن مہلب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ وہ جو چاہے ہمارے تعلق فیصلہ کرے، میں نے اس پر یہ بھی واضح کر دیا کہ میں یزید بن مہلب سے نہیں دوں گا، نہ عراق کا رخ کروں گا۔ میں سیدھا دمشق خلیفہ سلیمان کی خدمت میں حاضر دوں گا۔ جو کچھ پیش آیا، اسے کہوں گا۔ وہ جو سزا دے، میں اسے قبول کر لوں گا۔

خریم بن عمر کی اس گفتگو سے ذکوان بن علوان مطمئن ہو گیا۔ پھر کہنے لگا، میرے خیال میں ہمیں یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔ اگر آپ تھکے ہوئے ہیں تو یہاں پر پڑاؤ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس پر خرم بن عمر کہنے لگا، نہیں ہمیں یہاں سے فوراً کوچ کرنا چاہیے۔ کسی مناسب جگہ پڑاؤ کر کے رات بسر کریں گے۔ پھر سفر کو جاری رکھیں گے۔ ذکوان بن علوان، بنانہ بن حنظلہ اور دیگر سب ساتھیوں نے خرم بن عمر کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر انہوں نے وہاں سے کوچ کر لیا تھا۔



میں نے یزید بن ابی قبشہ کے گرد اپنے آدمی پھیلا دیئے تھے۔ مجھے یہ بھی خبر ملی کہ یزید بن ابی قبشہ نے آپ اور بنانہ کو طلب کیا ہے۔ مجھے بڑی جستجو ہوئی کہ دیکھیں یزید بن ابی قبشہ آپ سے کیا کہتا ہے۔ میرے کچھ ساتھی اس پاس تھے تاکہ جان سکیں کہ یزید آپ سے کیا کہتا ہے۔ جب مجھے خبر ملی کہ آپ اور بنانہ بن حنظلہ نے اس کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا ہے اور ملتان سے آپ دونوں اپنی بیویوں کے ساتھ دمشق کوچ کرنے والے ہیں، تب میں نے بھی کوچ کا فیصلہ کر لیا۔

ملتان سے کوچ کرتے وقت میرے ذہن میں سو فیصد یہ خدشات تھے کہ یزید بن ابی قبشہ عیاری اور دھوکہ دہی سے کام لے گا اور آپ کے پیچھے آدمی لگائے گا اور آپ پر حملہ آور ہو کر آپ سب کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے میں نے ان جوانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ جو قوت بھی راستے میں آپ پر حملہ آور ہوئی، میں اسے تمس نہس کر کے رکھ دوں گا۔ خدا کا شکر ہے یزید بن ابی قبشہ نے ایسا نہیں کیا لیکن میری یہ کارگزاری میری یہ تدبیر کامیاب ہو گئی کہ کم از کم یہ جو مسلح جوان اپنے ساتھ لے کر آیا تھا، ان کی مدد سے میں ان مجوسیوں کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ذکوان بن علوان کی اس ساری گفتگو سے تھوڑی دیر تک بنانہ بن حنظلہ اور خرم بن عمر مسکراتے رہے اور اس کے بعد خرم بن عمر نے پھر ذکوان بن علوان کو مخاطب کیا۔

ابن علوان میں اور بنانہ دونوں بھائی تمہارے انتہاء درجہ کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ اس پر فوراً ذکوان بن علوان نے خرم بن عمر کی بات کاٹ دی۔ امیر آپ کو میرا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے کیا ہے، یہ میرے فرائض میں شامل ہے۔ اس لیے کہ جنگوں میں کم از کم آپ کا نائب تھا۔ نائب کی حیثیت سے آپ کا احترام، آپ کی عزت، آپ کی حفاظت کرنا ذکوان بن علوان کا فرض بنتا ہے۔

ذکوان بن علوان کے رکنے پر خرم بن عمر پھر مسکراتے ہوئے بول پڑا۔

دراصل مجھے یزید بن ابی قبشہ کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ جس وقت میری اور بنانہ بن حنظلہ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی، ملاقات کے درمیان ہی میں

تنگو اور ملتان سے دمشق آنے کے سارے حالات تفصیل کے ساتھ بتا ڈالے تھے۔ سارے حالات سننے کے بعد سلیمان بن عبد الملک تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا، پھر کہنے لگا۔ بیٹھ جاؤ۔

میں ابھی اور اسی وقت تم تینوں کا فیصلہ کروں گا۔ خرم بن عمر نے پھر کھڑے کھڑے سلیمان بن عبد الملک کو مخاطب کیا۔

امیر المومنین میرے اور بنانہ کے ساتھ ہم دونوں کی بیویاں بھی ہیں اور کچھ مسلح دان ذکوان بن علوان کے ساتھ آئے ہیں۔ جو سزا آپ ہم سب کے لیے تجویز کرنا چاہتے ہیں، اس پر عمل درآمد کرنے سے پہلے میری آپ سے گزارش ہے کہ مجھے اور بنانہ بن حنظلہ کو کم از کم اتنا وقت دیا جائے کہ ہم دونوں اپنی بیویوں کو کسی محفوظ جگہ پہنچا آئیں جہاں وہ زندگی کے باقی دن محفوظ طریقے سے باعزت گزار سکیں۔

خرم بن عمر کی طرف دیکھے بغیر سلیمان بن عبد الملک نے اپنے حاجب کو بلایا۔

اجب جب اندر آیا تو سلیمان بن عبد الملک نے حکمانہ انداز میں اسے حکم دیا۔ جاؤ قصر سے باہر خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ دونوں کی بیویاں منتظر ہوں گی، دونوں کو یہاں اس کمرے میں لے آؤ۔ جو مسلح جوان ہیں، ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے۔ وہ اپنے اپنے گھروں کو جاسکتے ہیں۔ حاجب باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ 'اونا' اس کے ساتھ ساگرہ اور گودیری دونوں تھیں۔ سلیمان بن عبد الملک نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ خرم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ کے پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب دونوں بیٹھ گئیں تو سلیمان نے خرم بن عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ابن عمر میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے حالات کی اصلیت سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ پر یہ تو کہو کہ تم اور بنانہ بن حنظلہ دونوں یزید بن ابی قبشہ کے تحت کام کرنے کے لیے تیار کیوں نہیں ہوئے؟

سلیمان بن عبد الملک کے اس سوال پر لمحہ بھر کے لیے خرم بن عمر کے چہرے پر لگی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر اس نے سلیمان بن عبد الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

ایک روز سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دمشق شہر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے سیدھا قصر کا رخ کیا۔ ساگرہ اور گودیری کے اونٹوں کو قصر کے باہر بٹھا دیا گیا۔ مسلح جوانوں کو بھی وہاں روک دیا گیا جبکہ خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان قصر میں داخل ہوئے اور خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے حاجب سے ملاقات کی اور اسے اپنے آنے کی اطلاع کی اور خلیفہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

خلیفہ اس وقت اپنے ذاتی کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ حاجب نے جب اسے خرم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان کے آنے کی خبر دی تو سلیمان بن عبد الملک نے اسی وقت تینوں کو اندر بلا لیا۔ تینوں جب اس کمرے میں داخل ہوئے تو سلیمان بن عبد الملک نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تینوں سے مصافحہ کیا۔ تینوں اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ سلیمان بن عبد الملک نے ایک دو بار انہیں بیٹھنے کے لیے اشارہ بھی کیا لیکن ذکوان بن علوان اور بنانہ بن حنظلہ خرم بن عمر کی طرف دیکھتے رہے۔ خرم بن عمر ستون کی طرح کھڑا رہا، پھر اس نے خلیفہ کو مخاطب کیا۔

امیر المومنین میں اور میرے دونوں ساتھی بظاہر مجرم کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ مجرم کی حیثیت سے ہمیں یہاں بیٹھنے کا کوئی حق نہیں۔ ہم تینوں کھڑے رہنا پسند کریں گے۔ جو جرم ہم سے سرزد ہوا ہے، اس کی تفصیل میں آپ سے کہتا ہوں۔ اس کے بعد جو فیصلہ آپ ہمارے حق میں کریں گے، میں اسے بخوشی قبول کر لوں گا۔

پھر خرم بن عمر نے شروع سے لے کر آخر تک یزید بن ابی قبشہ سے ساری

ڈھا سکتے ہیں، جوانی اور مسرت کے نغمے الاپ سکتے ہیں، فصل کاٹنے شراب کشید کرنے کے دنوں کے گیت تو گا سکتے ہیں، پر ضرورت کے وقت مسلم قوم کے لیے دشمنی کا ہالہ نہیں بن سکتے۔ ملت کے حوالوں کا چہرہ نہیں ثابت ہو سکتے۔ میں نے اس کے چہرے پر صداقت نہیں دیکھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں انقلاب ابن آدم کی مو نہیں پائی۔ وہ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ لشکری قیادت کی قابلیت اور سیاسی بصیرت سے روم ہے بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ گروہ بندی اور انتشار سے کام لیتے ہوئے تعمیر و تخریب کو آپس میں لڑا تو سکتا ہے، پر اخوت کی قدر و قیمت نہیں جانتا۔ امیر مومنین میں زمانے میں زمانے کی گمنام دھول میں دفن تو ہو سکتا ہوں، پر ایسے بد اعتماد نص کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔

خریم بن عمر خاموش ہو گیا، اس موقع پر سائکرہ، گودیری، بنانہ بن حنظلہ اسے صیغی انداز میں دیکھ رہے تھے۔ سلیمان بن عبد الملک بھی تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا، مبربول پڑا۔

اگر میں تمہیں سندھ کا والی مقرر کر دوں تو تمہارا کیا خیال ہے؟ خریم بن عمر مٹ سے بول پڑا۔

اگر میں بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان تینوں آپ کی نگاہوں میں مجرم نہیں ہوں، تو میں آپ سے گزارش کروں گا، ہمیں جانے دیجئے۔ میں نے اپنے دل میں عمد کر لکھا ہے کہ میں اب کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کروں گا بلکہ اپنی بیوی کے ساتھ ان بستی میں ایک عام اور معنوی گڈریے کی حیثیت سے گمنام اور سادہ زندگی بسر کروں گا۔ بس اس کے علاوہ میری کوئی خواہش نہیں، نہ مجھے کچھ چاہیے۔ خریم بن رکی اس گفتگو کا جواب سلیمان بن عبد الملک دینا ہی چاہتا تھا کہ حاجب اندر آیا اور بیان بن عبد الملک کے ساتھ رازدارانہ سی گفتگو کی۔ پھر باہر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دو مسلح جوان اندر آئے اور انہوں نے چڑے کی ایک خرچین سے قتیبہ بن مسلم لٹکا ہوا سر نکال کر سلیمان بن عبد الملک کے سامنے رکھ دیا۔

قتیبہ بن مسلم کا کٹا ہوا سر دیکھ کر خریم بن عمر کی حالت بے مروت برف کے فانوں میں شام، جبران اور سیاہ گوشہ شب میں لاچار بے نوائی جیسی افسردہ ہو کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور یوں سائی، سینے اگا

امیر المومنین دیار قلب و ضمیر میں وفا کا بڑا مقام ہوتا ہے اور جس مجاہد میں یہ مقام نہ ہو، وہ اپنی قوم، اپنی ملت کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ میں جب وقت کے آئینے میں گزرے لمحوں کے ہجوم میں یزید بن ابی قبشہ کے ماضی اور حال کی پرچھائیاں دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں، میرے دل میں اس کے خلاف نفرت اور بد اعتمادی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

امیر المومنین آپ برا نہ مانئے گا۔ میں اس یزید بن ابی قبشہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ بنانہ بن حنظلہ بھی اس سے خوب آگاہ ہے۔ یہ بصرہ میں ہمارا ہم مکتب بھی رہا ہے اور بصرہ میں جس قدر کند ذہن اور نالائق شاگرد تھے، یزید بن ابی قبشہ ان سب میں سرفرست تھا۔

امیر المومنین میں اور بنانہ بن حنظلہ دونوں غریب اور سادہ انسان ہیں۔ یاد رکھیے چشم و بینائی آپس میں کٹ سکتے ہیں، ارض و سما مرکز سے ہٹ سکتے ہیں، شمع اپنی جگہ گھاٹ سے خون اپنی تمازت سے محروم ہو سکتے ہیں لیکن صاحب ایمان غریب اور سادہ لوگ وفا کا دامن نہیں چھوڑتے۔

میں مزید یہ بھی کہوں گا کہ یہ یزید بن ابی قبشہ، جھروکوں، میناروں، چھتوں پر کھڑے ہو کر تاریک دل کی صدیوں پرانی داستائیں تو سنا سکتا ہے۔ سردی میں ہاتھ پھیلا کر آگ تاپ سکتا ہے۔ مگر مجرمیوں کی آج کے اندر کھڑے ہو کر زندگی کے دشت میں آزادی کا ٹرپتا جذبہ نہیں بن سکتا۔

یاد رکھیے مجاہد وہ ہے جو منافقت رشک شہوں جھوٹی وفا کو کھوکھلی شہرت کولات مار کر نفرت کے گھپ اندھیروں میں بھی اپنی قوم اپنی ملت کے لیے پیار کا امرت بن جائے۔

مجاہد وہ ہے جو ننگ اور تعصب سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے مسلمان دیس پر دیس، گورے کالے، امیر و غریب دوست و دشمن سب کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی قوم، اپنی ملت کی سطوت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ایسے ہی جس طرح نیالے رنگ کے دریا صحرا کی ریتی زمینوں میں بغیر کسی جانبداری کے زرخیزی بانٹتے چلے جاتے ہیں۔

امیر المومنین یزید بن ابی قبشہ جیسے لوگ حکمرانوں کے قدموں میں خوشبوئیں تو

مادری کو سلام بھی کرتا ہوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو؟  
جو بھی چیز تم نے مانگی اور وہ میری دست قدرت میں ہوئی، میں تمہیں دے دوں  
'ا' انکار نہیں کروں گا۔

خریم بن عمر کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے بڑے غور سے سلیمان بن عبد الملک کی  
لطف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا، میں آپ سے صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ قتیبہ  
بن مسلم کے سر کو عزت اور احترام کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ بس یہی میری آخری  
ابتنش ہے۔ یہی میری آپ سے مانگ اور مطالبہ ہے۔

سلیمان بن عبد الملک نے خریم بن عمر کی اس خواہش کا احترام کیا اور قتیبہ بن  
سلم کے کئے ہوئے سر کو عزت و احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (مورخین اس بات  
پر تسلیم کرتے ہیں کہ خریم بن عمر کے کہنے پر سلیمان بن عبد الملک نے عزت و احترام  
لے ساتھ قتیبہ بن مسلم کے کئے ہوئے سر کی تدفین کا کام سرانجام دیا۔)

اچانک کچھ سوچتے ہوئے خریم بن عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور سلیمان بن  
عبد الملک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو پھر مجھے  
مازت دیں، میں جاتا ہوں۔ سلیمان بن عبد الملک اٹھ کھڑا ہوا۔ باری باری اس نے  
سیم بن عمر، بنانہ بن حنظلہ اور ذکوان بن علوان سے مصافحہ کیا۔ پھر ان تینوں کو اس  
نے جانے کی اجازت دے دی۔

تینوں باہر نکلے۔ خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ سے ملنے کے بعد ذکوان بن  
ان نے دمشق میں ہی رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے  
نکرہ اور گودیری دونوں کو اونٹوں پر سوار کروایا۔ اونٹوں کو اٹھایا، پھر اپنے گھوڑوں پر  
ار ہوئے۔ دمشق سے وہ کوفہ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ کوفہ کے نواح میں  
آپ چوراہے پر خریم بن عمر نے اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ بنانہ بن حنظلہ بھی اپنے  
وڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اسے روک چکا تھا۔ پھر خریم بن عمر نے اداسی اور  
و ابائی میں بنانہ بن حنظلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

بنانہ میرے بھائی! یہاں سے میری اور تمہاری راہیں جدا ہوتی ہیں۔ اس چوراہے  
سے تم اپنی بستی کی طرف چلے جاؤ، میں اپنی بستی کی طرف جاتا ہوں۔ میری تم سے

تھا جیسے ریگزاروں کے سراپوں میں کوئی مسافر بے وطن یا لاشہ بے وطن پڑا رہ گیا  
ہو۔ پھر سلیمان بن عبد الملک کی آواز پر خریم بن عمر چونک پڑا۔

جانتے ہو یہ کٹا ہوا سر کس کا ہے؟ خریم بن عمر کسی قدر سنبھلا۔ دوسری طرف  
بنانہ بن حنظلہ، ساگرہ اور گودیری کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ بڑے اداس  
لہجے میں خریم بن عمر نے سلیمان بن عبد الملک کو مخاطب کیا۔ میں جانتا ہوں، یہ کٹا ہوا  
سر قتیبہ بن مسلم کا ہے۔ میری اس سے پہلے ملاقات ہو چکی ہے۔

دراصل قتیبہ بن مسلم کے قتل میں محمد بن قاسم کے دوست جہم بن زحر کا ہاتھ  
تھا۔ جہم بن زحر کو چند عراقی دستوں کے ساتھ حجاج بن یوسف نے عراق سے  
خراسان کی طرف قتیبہ بن مسلم کے تحت کام کرنے کے لیے تبدیل کر دیا تھا۔ جہم  
بن زحر کی بد قسمتی کہ خراسان پہنچ کر وہ محمد بن قاسم کی طرح قتیبہ بن مسلم کو اپنا  
گرویدہ نہ بنا سکا۔ جب خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف  
انتقامی کارروائی کی تو جہم بن زحر قتیبہ بن مسلم کے خلاف لڑا۔ یوں قتیبہ بن مسلم  
موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

لیکن تقدیر کے فیصلے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ جب یزید بن عبد الملک  
خلیفہ ہوا تو اس نے یزید بن مہلب اور اس کے ساتھیوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں  
شروع کیں۔ جہم بن زحر نے بھی قتیبہ بن مسلم کے خلاف یزید بن مہلب کا ساتھ  
دیا تھا، لہذا اسے بھی گرفتار کر لیا گیا اور تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا گیا۔

خریم بن عمر بیچارہ عجیب سے جذبے، عجیب سی اداسی اور دیرانی میں قتیبہ بن مسلم  
کے کئے ہوئے سر کو دیکھتا رہا۔ اس موقع پر سلیمان بن عبد الملک کے چہرے پر عجیب  
سی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے سلیمان بن عبد الملک نے خریم بن عمر کو  
مخاطب کیا۔

میں تمہارے خلاف کوئی انتقامی کارروائی رکھتا ہوں، نہ تمہارا مواخذہ کرنا چاہتا  
ہوں بلکہ سندھ کے اندر جو تم نے اور بنانہ بن حنظلہ کے کارہائے نمایاں سرانجام  
دیئے۔ مکران اور کرمان میں جو تم نے اور بنانہ بن حنظلہ نے مل کر اپنی قوم اور ملت  
کے لیے کامیابیاں حاصل کیں، ان سب کے لیے نہ صرف میں تم دونوں کا شکر گزار  
اور ممنون ہوں بلکہ میں تمہاری کارگزاریوں پر فخر کرتا ہوں۔ تمہاری شجاعت، تمہاری



التماس ہے کہ گاہے بگاہے میرے ہاں آتے رہنا، مجھ سے ملاقات رکھنا۔ میں بھی تمہارے ہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ آؤ اونٹوں کو بٹھائیں، جدا ہونے سے پہلے گودیری اور سانکرہ ایک دوسرے سے مل لیں۔

خریم بن عمر کی اس گفتگو سے بنانہ بن حنظلہ اداس اور ویران ہو گیا تھا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے۔ اونٹوں کو بٹھایا۔ سانکرہ اور گودیری کو انہوں نے باہر آنے کے لیے کہا۔ پھر خریم بن عمر نے گودیری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

گودیری میری بہن جس چوراہے پر ہم کھڑے ہیں، اس چوراہے کے بائیں جانب جو راستہ جاتا ہے، یہ بنانہ بن حنظلہ کی بستی کو جاتا ہے۔ جو راستہ سیدھا آگے جا رہا ہے، اس پر تھوڑا سا آگے میری بستی پڑتی ہے۔ یہاں سے تم اور بنانہ بن حنظلہ اپنی بستی کی طرف جاؤ گے، میں اور سانکرہ آگے بڑھ جائیں گے۔

میں نے بنانہ بن حنظلہ سے کہا ہے کہ کچھ دن اپنی بستی میں رہنے کے بعد ہمارے ہاں آئے۔ اس طرح ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ میں اور سانکرہ بھی کوشش کرتے رہیں گے، تم دونوں سے ملتے رہیں گے۔ اب دونوں ایک دوسرے سے گلے ملو تاکہ ہم اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں۔

خریم بن عمر کی اس گفتگو سے سانکرہ اور گودیری بھی کچھ پریشان ہو گئیں تھیں۔ دونوں گلے ملیں، پھر گودیری کا منہ چومتے ہوئے سانکرہ کہنے لگی۔

گودیری فکر مند نہ ہونا، میں تمہارے پاس آیا کروں گی اور تم سے ملا کروں گی۔ بنانہ بھائی اور تمہیں اپنی بستی میں لے جایا کروں گی۔ سانکرہ کی اس گفتگو سے گودیری خوش ہو گئی تھی۔ پھر خریم بن عمر کے کہنے پر دونوں اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہوئیں۔ خریم بن عمر اور بنانہ بن حنظلہ نے اونٹوں کو اٹھا دیا۔ اس کے بعد بنانہ بن حنظلہ گودیری کو لے کر اس راستے پر مڑ گیا تھا جو اس چوراہے سے بائیں طرف جاتا تھا جبکہ خریم بن عمر اور سانکرہ دونوں اس چوراہے سے سیدھا آگے اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

ختم شد